

خواہن کے لیے صاف سحرانہ فریڈی آرڈ

پاکستان
پاکستان
پاکستان

aanchanovel.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

پاکستان

قیمت = 60 روپے

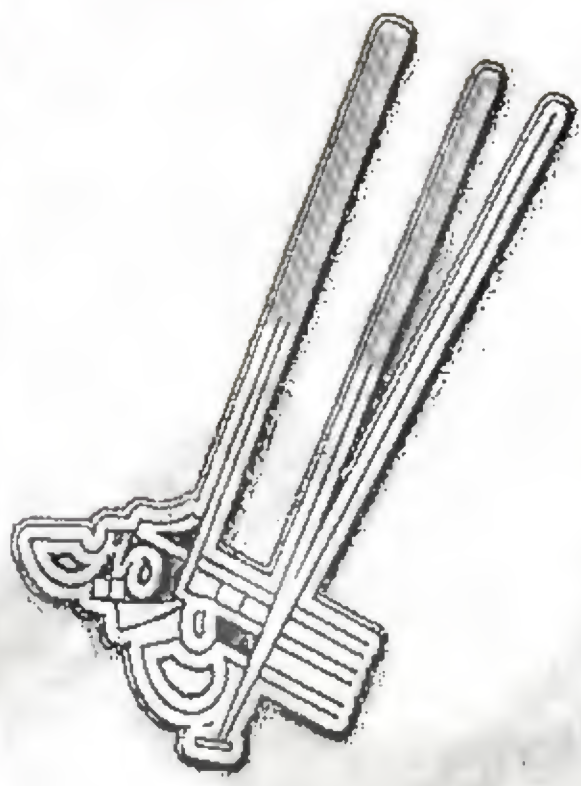


سرورق: صائمہ انصار آرائش: روز بیونی پارلز عکاسی: موسیٰ رضا

مستقل سلسلے

- | | | | | |
|-----|----------------|-----|-------------------|----------------------|
| 293 | حافظ شبیر احمد | 277 | دوست کا پیغام آگے | ہما احمد |
| 299 | میمونہ رومان | 279 | یادگار لمحے | جویریہ سالک |
| 304 | طلعت آغاز | 281 | آئینہ | شہلا عامر |
| 313 | رویٹن احمد | 285 | ہم سے پوچھئے | شائلہ کاشف |
| 317 | ایمان وقار | 287 | آپ کی صحت | ہومیوڈاکٹر ہاشم مرزا |
| 321 | کام کی باتیں | | حنا احمد | |

خط و ماہیت کا پتہ: ماہنامہ سپر پوسٹ ٹرسٹ سب 75 کراچی 74200 فون: 74200/2 021-35620771
ٹیکس: 021-35620775 کے از مطبوعات: آئی پی سی لکچر ای میل: info@aanchal.com.ph



ابتدائیہ

- | | | |
|----|-------------|------------|
| 12 | مدیر | سرگوشیاں |
| 13 | بہزاد کھنوی | حمد و نعت |
| 14 | مدیر | در جواب آل |

دانش کدہ

- | | | |
|----|----------------|----------------|
| 18 | مشتاق حق پرستی | مالک یوم الدین |
|----|----------------|----------------|

شمارا اچل

- | | | |
|----|------------|---|
| 23 | مالیہ احمد | نصرت جیس / مایہ چوہدی
پروا خان / نمرہ افتخار |
|----|------------|---|

ولٹ

- | | | |
|-----|--------------|--------------------|
| 151 | سیدہ ضوبائیہ | تم کانچ کا پیکر ہو |
| 235 | ام موم | مجھے حکم ازاں |

افسانے

- | | | |
|-----|-----------------|-----------------|
| 107 | نایہ فاطمہ رضوی | صبح نو کا ستارا |
| 223 | صدف آصف | دوسرا عہد |
| 257 | حیاء بخاری | اب کے برس |
| 263 | ام ثمامہ | آزادی یا انقلاب |
| 273 | ام ایمن نعیم | نیادان |

سروے

- | | | |
|----|-------|----------------------|
| 27 | ادارہ | بھگیا داس بھنگر اسال |
|----|-------|----------------------|

سلسلہ وار ناول

- | | | |
|-----|----------------|---------------|
| 73 | راحت وفا | موا کی محبت |
| 167 | سمیرا شریف طور | ٹوٹا ہوا ٹارہ |

مکمل ناول

- | | | |
|-----|---------------|--------------------|
| 33 | سیدہ غزل نیدی | کرن سجد ایک خدا کو |
| 119 | عالیہ حرا | سال نو مبارک |
| 201 | نازیہ جمال | میں بہت شرمندہ تھی |

پبلشر: مشتاق، مدیر: شریف پراسرار، سن این سن پرنٹنگ پریس
باکی اسٹوریٹیم کراچی دفتر: کاپٹ: 7 سیرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ کراچی۔ 74400

حضرت جریر بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ رب الغریب اس شخص پر رحم نہیں کرتے جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔ (مشفق علیہ)

سکھشیاں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

جنوری ۲۰۱۵ء کا پہلا آنچل حاضر مطالعہ ہے۔

تمام بہنوں کو نئے عیسوی سال کی مبارک تمنی عجیب بات ہے وقت دے پاؤں گزرتا جا رہا ہے ہمیں محسوس بھی نہیں ہو رہا آپ کے آنچل کا سفر 1978ء سے شروع ہوا اللہ تعالیٰ کا بڑا شکر و احسان ہے کہ اس نے آپ بہنوں کے تعاون اور مدد سے بغیر کسی وقفے کے اپنی اشاعت کے مسلسل 36 سال مکمل کر لیے ہیں۔ آپ کے ہاتھوں میں آنچل کا یہ 430 واں شمارہ ہے ذرا سوچئے کہ 430 ماہ کا یہ عرصہ اپنے اندر کیسے تغیرات و انقلابات سمیٹے ہوئے ہے۔ وطن عزیز میں حادثات و واقعات رونما ہوئے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا احسان عظیم ہے کہ اس نے ہماری کشتی پار لگا دی۔ اس عرصے میں کئی بار ایسے مواقع آئے کہ سینے میں سانس گھٹتا محسوس ہوتا تھا سنا آنچل چھوٹا محسوس ہوا۔ رب کا بڑا کرم ہے آپ کا آنچل پچھلی اور پچھلی سطح کو چیرتا ہوا پہلی صف میں آچکا ہے۔ میں تمام لکھاری بہنوں کے ساتھ ساتھ تمام قاری بہنوں کا شکریہ بھی ادا کرنا چاہتی ہوں۔ آنچل کو آج جو مقام حاصل ہے وہ سب کچھ ہماری ہمارے ساتھیوں کی شب و روز محنتوں کا ثمر نہیں بلکہ اس میں آپ سب بہنیں بھی برابر کی شریک ہیں۔ یقیناً آپ میں اور میرے تمام ساتھی ایک میلی ایک گھرانے کی مانند ہیں۔ میری افواہ اوازے کی جانب سے آپ سب کو نئے سال کی مبارکباد اس دعا کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ ہمارا یہ ساتھ ہمیشہ اسی طرح قائم رکھے۔ آمین۔

تمام اہل قلم لکھاری بہنوں کا خصوصی شکریہ کہ ان کی خوب صورت تحریریں ہی آنچل کے ساتھ کا جھومر ہیں۔ میں امید کرتی ہوں کہ تمام قلم کار بہنیں اپنے آنچل سے اسی طرح تعاون جاری رکھیں گی۔

﴿اس ماہ کے ستارے﴾

- ☆ کروں سجدہ ایک خدا کو جذبہ ایمان کو حرارت بخشی سیدہ غزل کی شاہکار تحریر جو آپ کا دل موہ لے گی۔
 - ☆ صبح نو کا ستارہ نادیہ فاطمہ رضوی اپنی نٹ کھٹ تحریر لیے مسکراہٹ کا سامان کر رہی ہیں۔
 - ☆ سال نو مبارک عالیہ حرا کے خوب صورت انداز بیاں میں حراما نصیب ماں کی کہانی جسے پڑھ کر آپ کی پلکوں پر ستارے ٹپھر جائیں گے۔
 - ☆ تم کا بچ کا پیکر ہو بہن ضو بار یہ کالج کے پیکر میں محبت کی چاشنی لیے دلکش انداز میں رونق افروز ہے۔
 - ☆ میں بہت شرمندہ ہوں خطا کوئی روش میری کے سانچے میں ڈھلی نازیہ جمال کی تحریر کیسے اعتراف جرم کر رہی ہے۔
 - ☆ دوسرا عہد صدفا صف اپنے خوب صورت و پراثر انداز میں اصلاح کا فریضہ سرانجام دیتی رونق افروز ہیں۔
 - ☆ اب کے برس اب کے برس نے عہد و پیمان کرتی حیا بخاری خوب صورت انداز میں جلوہ گر ہیں۔
 - ☆ آزادی یا انقلاب حالات حاضرہ پر طنز و مزاح کی چاشنی لیے اہم تمام کی پراثر تحریر جو آپ کو سکڑانے پر مجبور کر دے گی۔
 - ☆ نیادان امید کی روشن کرن لیے ام ایمن پہلی بار شریک محفل ہیں۔
- اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

دعا گو

قیصر آرا

آنچل جنوری ۲۰۱۵ء 12

کے کمال

نعمت

تو ہی بے کسوں کا ہے آسرا تری شان جل جلالہ ہم مدینے سے اللہ کیوں آگے قلب حیراں کی تسکین وہیں رہ گئی

تو ہی ہر بشر کا ہے مدعا تری شان جل جلالہ دل وہیں رہ گیا جاں وہیں رہ گئی خم اسی در پہ اپنی جہیں رہ گئی

ہے عیاں بھی تو ہے نہاں بھی تو ہے یہاں بھی تو ہے وہاں بھی تو یاد آتے ہیں ہم کو وہ شام و سحر وہ سکون دل و جان و روح و نظر

کہ تو ہی تو اپنا ہے خود پتا تری شان جل جلالہ یہ انہیں کا کرم ہے انہیں کی عطا ایک کیفیت دلنشیں رہ گئی

تو ہی رب ہے تو ہی کریم ہے تو قدر ہے تو رحیم ہے اللہ اللہ وہاں کا درود و سلام اللہ اللہ وہاں کا سجود و قیام

تو ہی ہے خدا تو ہی کبریا تری شان جل جلالہ جس جگہ جگہ ریزی کی لذت ملی جس جگہ ہر قدم ان کی رحمت ملی

ترے ہاتھ میں ہے فنا بقا تری شان جل جلالہ جس جگہ نور رہتا ہے شام و سحر وہ فلک رہ گیا وہ زمیں رہ گئی

تری کنہ کوئی نہ پاسکا ہوا پست عقل کا جوصلہ پڑھ کے نصر من اللہ فتح فریب ہم رواں جب ہوئے سوئے کوئے جیب

کہ ہے عقل کی بھی بساط تو تری شان جل جلالہ برکتیں رحمتیں ساتھ چلنے لگیں بے بسی زندگی کی یہیں رہ گئی

اور پوری ہوئی ہر تمنا مگر یہ تمنائے قلب حزیں رہ گئی

(بہزاد کھنونی)

آنچل جنوری ۲۰۱۵ء 13



سلمی غزل..... کراچی

عزیزی سلمیٰ! شاد آ باد ہو جا ہوتوں اور محبتوں سے بھر پور
آپ کا نامہ موصول ہوا آپ بالکل بے فکر ہیں آپ کی تمام
تحریریں ہمارے پاس محفوظ ہیں صفحات کی کمی کی بنا پر تاخیر کا
شکار ہیں آپ کی شاعری ان شاء اللہ اگلے پرچے میں شائع
ہو جائے گی آج کل فرصت کا وجود نہ ہو چکا ہے ہر طرف یہی
صدا ہے "دل ڈھونڈتا ہے بھر وہی فرصت کے رات دن" لیکن
ڈھونڈنے پر بھی نہیں ملتے آپ نے اس مصروف زندگی سے
کچھ ہل نکال کر صبح بہاراں کی صورت میں اپنا افسانہ ہمیں
ارسال کیا ہے حد اچھا لگا۔ ان شاء اللہ جلد اپنی جگہ بنا لے گا
فرحانناز کے لیے اپنے جذبات و احساسات صنفی قرطاس کے
سپر دکر کے ٹیکس یا میل کر دیجیے شامل کر لیں گے۔

نجم انجم اعوان..... کورنگی، کراچی
پیاری بہن! جگ جگ جیو دو سال کی علالت کے بعد
رو بہ صحت ہوتا ہے شک اللہ سبحان و تعالیٰ ہماری دعاؤں کو مستنا
اور ہم سے محبت کرتا ہے۔ اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کے بچوں پر
آپ کی متنا کا سایہ سدا سلامت رکھے..... آمین! بہر حال
آپ نے تین سال بعد بھی یہ تعلق ٹوٹنے نہ دیا جان کر خوشی
ہوئی۔ قلمی رابطہ استوار رکھیے گا دوستوں کو بھی معلوم ہو جائے گا
فکر مت کریں اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو صحت کاملہ عطا فرمائے
اور بچوں کی خوشیاں دیکھنا نصیب فرمائے آمین۔

سویرا فلت..... کراچی

ڈیر سویرا! جگ جگ جیو یہ تو آپ کا حسن نظر ہے ورنہ ہم
اور ہماری کاوشیں ان باتوں کے اہل کہاں؟ آپ کے ناول
ہمارے پاس محفوظ ہیں جلد ہی آنچل کے صفحات پر رونق افروز
ہو جائے گا۔ یہ تحریر تاخیر سے موصول ہونے کی بنا پر اس ماہ

شامل اشاعت نہ ہو سکی معذرت چاہتے ہیں۔

نورین مسکان سرور، سیالکوٹ، ڈسکہ

ڈیر نورین! پیاری نالی کی پیاری نواں جگ جگ جیو
آپ کا نٹ کھٹ انداز تحریر ہے بے اختیار لبوں پر مسکراہٹ
بکھیر گیا۔ بہر حال آپ کا نام تو آیا ہے ناں یہی کافی ہے۔
آپ کی محنت و شوق قابل تحسین ہے آپ نے جس طرح تمام
احوال گوش گزار کیا ہے اسے پڑھ کر اور آپ کے حوصلے کو داد
دینے کو دل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بہت سی خوشیاں اور
کامیابیاں عطا فرمائے آپ کی نالی محمدی بی بی کا تعارف
سب نے ہی پسند کیا ہے۔

دعا ہاشمی..... فیصل آباد

پیاری دعا! شاد آ باد رہو ہم سے رابطے کے لیے ایک
ذریعہ خط و کتابت اور دوسرا ای میل کا ہے اسی لیے آپ سے
رابطہ نہ ہو سکا۔ بے شک ماں جیسے عظیم سرمایہ کو کھو دینا قابل
تلائی نقصان ہے ماں کی متنا کے آنچل کے بغیر اس دنیا میں
جینا بے حد کٹھن ہے لیکن ہر کام میں اللہ سبحان و تعالیٰ کی
مصلحت پوشیدہ ہے۔ اللہ سبحان و تعالیٰ سے دعا گو ہیں وہ آپ
کی والدہ کے درجات بلند فرمائے آپ کو صبر و استقامت عطا
فرمائے پیاری سی بھانجی کی آمد مبارک ہو یہ بھی گڑیا آپ کے
لیے بہت سی خوشیوں کا باعث بنے آمین۔

ارم کمال..... فیصل آباد

عزیزی ارم! سدا مسکراؤ چاہتوں اور دعاؤں کی خوشبو میں
بس آپ کا نامہ موصول ہوا اس قدر پر خلوص دعاؤں پر آپ کا
بہت جزاک اللہ! وطن عزیز کے حق میں اللہ سبحان و تعالیٰ آپ
کی تمام دعاؤں کو شرف قبولیت بخش دے اور ہمارے حکمرانوں
کو صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین! آپ کو بھی
نئے سال کی خوشیاں مبارک ہوں۔

حمیرا قریشی..... لاہور

ڈیر حمیرا! جگ جگ جیو! اچھی اور معیاری چیز کے رد
ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا آپ کی تحریر قبولیت کا درجہ
حاصل کر پائی کیونکہ آپ کے قلم میں اتنی اہلیت تھی۔ آپ کی
نئی تحریر موصول ہو گئی ہے ان شاء اللہ باری آنے پر پڑھ کر آپ کو

اپنی رائے سے آگاہ کر دیں گے۔ تھوڑا انتظار تو کرنا پڑے گا
ہماری جانب سے اس کامیابی پر ڈھیر دس مبارک باد۔

رابیعہ بٹ..... لودھراں

ڈیر رابی! سدا مسکراؤ بزم آنچل میں شرکت پر خوش آمدید
آپ کی تحریر موصول ہو گئی ہے پڑھ کر اپنی رائے سے آگاہ کر دیں
گے۔ آپ دیگر سلسلوں میں بھی شرکت کر سکتی ہیں۔

تمنا بلوچ..... ڈی آئی خان

ڈیر تمنا! شاد آ باد آپ کی دونوں کہانیاں بہت کمزور ہیں اسی
بنا پر رد کی گئی تھیں۔ انداز تحریر کمزور اور کہانی پر گرفت بھی نہیں ہے
اس لیے معذرت۔ آئینہ میں آپ کا تبصرہ لیٹ موصول ہوا تو
شامل کیسے کرتے بہر حال نازیبا تک آپ کا خط آنچل جائے گا۔

ماہ نور نعیم..... ضلع بھکر

ڈیر ماہ نور! سدا سلامت رہو آپ سے نصف ملاقات
بہت اچھی لگی آپ کا خط پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ حساس دل کی
مالک اور اپنے وطن پاکستان سے وابستہ محبت کرتی ہیں آج کل
کے حالات میں ہر محبت وطن انہی کیفیات کا شکار ہے۔ اللہ
سبحان و تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ ہمارے ارض وطن پر اپنی رحمتیں
برکتیں نازل فرمائے اور حاسدوں کی نظر سے محفوظ رکھے آمین۔

روما غفور رومی..... شاہ کوٹ

ڈیر روم! شاد آ باد رہو بزم آنچل میں شرکت پر خوش
آمدید۔ آپ آنچل کی دیرینہ قاری ہیں اور آج طویل عرصے
بعد آنچل کو رونق بخشی جان کر بے حد اچھا لگا۔ آنچل کی تحریروں
سے آپ اصلاح حاصل کرتی ہیں یہ تو بہت اچھی بات ہے
جان کر خوشی ہوئی۔

مویم مغل..... حیدر آباد، سندھ

ڈیر مویم! سدا مسکراؤ گڑیا آپ بالکل آنچل میں شرکت
کر سکتی ہیں یا آپ کا اپنا پرچہ ہے اس کے لیے اجازت کی قطعاً
ضرورت نہیں ہے جس طرح آپ نے ابھی یہ خط ارسال کیا
ہے اسی طرح دیگر سلسلوں کی بھی ڈاک ایل ہی لفافے میں
رکھ کر ارسال کر دیں البتہ ہر سلسلہ پر اس کا نام اور الگ سے
صفحہ کا استعمال کرنا ہوگا۔

سبط الرحمن..... ماچھیوال

آنچل جنوری ۲۰۱۵ء 15

پیاری بہن! خوش آمدید! آپ سے نصف ملاقات بہت
اچھی لگی اور خط ہم تک پہنچ جائے گا تو شائع کیونکر نہ ہوگا۔ غزل
اگر معیاری ہوئی تو ضرور شائع ہو جائے گی۔ آپ دوست کے
پیغام کے ذریعے اپنی سہیلی کو سالگرہ کی مبارک باد دے سکتی ہیں
دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

تصور یعقوب..... چٹ دیلی خان

ڈیر ہمیشہ! جگ جگ جیو! آپ سالانہ خریدار بننے کے
لیے 700 روپے کا مئی آرڈر آنچل کے نام اور دفتر کے پتے پر
ارسال کر دیں اور مئی آرڈر کے آخری حصہ میں اپنا مکمل نام پتا
اور نمبر بھی درج کریں اور آئندہ اس طرح لفافے میں رقم رکھ کر
مت ارسال کریں آپ کی مطلوبہ رقم محکمہ ڈاک کی نذر
ہو جائے گی دیگر نہیں بھی اس طرح پیسے لفافے میں رکھ کر ہر
گز مت ارسال کریں۔ مزید معلومات کے لیے آپ آفس
کے نمبر پر رابطہ کریں۔

فرحت اشرف گھمن..... سید والا

ڈیر فرحت! سدا خوش رہو قلمی و نثاریں سے بھر پور آپ
کا خط موصول ہوا بہر حال آپ کی ڈاک شامل کرنے کی بھر پور
کوشش کریں گے ہماری جانب سے زندگی کا ایک نیا سفر
مبارک ہو۔ اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو نئی زندگی میں بہت سی
خوشیاں عطا فرمائے آمین۔

حوا رمضان..... اختر آباد

پیاری حوا! شاد آ باد رہو آنچل سے آپ کے دیرینہ تعلقات
کا جان کر بے حد خوشی ہوئی۔ بے شک آپ ہماری پرانی قاری
ہیں جہاں تک تعارف کی اشاعت کی بات ہے گڑیا ہمیں کثیر
تعداد میں ڈاک موصول ہوتی ہے بہت سے تعارف باری کے
انتظار میں ہیں ان شاء اللہ آپ کا تعارف بھی باری آنے پر
لگا دیں گے۔ مایوسی بری بات ہے آپ ہمیں اتنا مان اتنا پیار دیتی
ہیں ہمارے لیے آپ کے جذبات بہت اصول ہیں۔ آنچل
سے رابطہ استوار کیجیے گا اور یہ شتہ بحال رکھیے گا۔

فائقہ سکندر حیات..... لنگڑیال

ڈیر فائقہ! جگ جگ جیو! سب سے پہلے تو ہماری جانب
سے آپ کو نئے گھر کی بہت بہت مبارک باد۔ اللہ سبحان و

تعالیٰ سال نو میں آپ کے کما شیانے کو ہمیشہ کے لیے خوشیوں سے بھر دے۔ آپ کو بھی سال نو مبارک، نادیہ فاطمہ رضوی شریک محفل ہیں۔

غزالہ شریف..... وہاڑی

ڈیر غزالہ! سدا مسکراؤ روحانی مسائل اور آپ کی صحت کے سلسلوں میں شرکت کرنے کے لیے نچل کے پتے پر اپنی ڈاک ارسال کر دیں! لٹانے پر آپ کی صحت اور دوسرے پر روحانی مسائل کا حل ہمہ کو پین ارسال کر دیں اس طرح آپ کی بیڈاک وہاں تک پہنچا دی جائے گی۔

سیدہ حیا عباس..... تلہ گنگ

پیاری جیا! شاد و آباد رہو! آپ کا خط پڑھ کر تمام احوال کا بخوبی اندازہ ہوا اور جان کر بے حد غصوں بھی ہو۔ آپ اپنا فرض خوش اسلوبی سے ادا کرتی جائیں اور باقی تمام معاملات اس مالک دو جہاں پر چھوڑ دیں بے شک وہ بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ آپ کو بھی ان حالات کا بہت اچھا اجر اور خوشیاں عطا فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ راہ راست سے بھٹکے ہوؤں کو ہدایت نصیب فرمائے آمین۔

فانیہ مغل..... لیانی سو گودھا

ڈیر فانیہ! سدا مسکراؤ! آپ اپنی تحریر ہمیں ارسال کر دیں پڑھنے کے بعد ہی آپ کو اپنی رائے سے آگاہ کر پائیں گے۔ آپ ایک کہانی پر ایک ہی رائے کا نام لکھ سکتی ہیں۔

شازیہ خان..... ڈیرہ غازی خان

ڈیر شازیہ! جیتی رہو! ہر پرچے کا اپنا معیار ہوتا ہے آپ اپنی تحریر ارسال کر دیں اگر آپ نچل کے معیار کے مطابق ہوئی تو ضرور حوصلہ افزائی کی جائے گی۔

شازیہ گل..... بھو کنڈ

ڈیر شازیہ! شاد و آباد رہو! آپ کے جذبات و احساسات قابل قدر و قابل تحسین ہیں۔ آپ کچھ کرنا چاہتی ہیں بے حد اچھی سوچ۔ آپ اپنا مختصر افسانہ ارسال کر دیں اگر آپ نچل کے معیار کے مطابق ہو تو ضرور حوصلہ افزائی کی جائے گی۔

تھمینہ گل..... مانسہرہ

پیاری تھمینہ! جگ جگ جیو! آپ کے افسانے موضوع اور

انداز تحریر دونوں لحاظ سے کمزور ہیں! کہانی پر آپ کی گرفت بالکل کمزور ہے۔ تحریر میں بے تحاشی لانے کے لیے ضروری ہے کہ آپ اپنا مطالعہ وسیع کریں دیگر رائے کی تحریر کا بغور مطالعہ کریں پھر قلم اٹھائیے گا۔

سونیا اماوس..... اوکاڑہ

ڈیر سونیا! شاد و آباد رہو! آپ کی شاعری متعلقہ شعبے میں ارسال کر دی جاتی ہے رد و قبول کا فیصلہ وہیں طے پاتا ہے اگر شائع نہیں ہوئی تو یقیناً اس معیار کی نہیں یا پھر کچھ انتظار کر لیں شاید باری آنے پر شائع ہو جائے۔

عاصمہ مشتاق..... جکوال

ڈیر عاصمہ! سدا مسکراؤ! پہلی مرتبہ شرکت پر خوش آمدید! سیدہ غزل زیدی کے ناول کی پسندیدگی کا شکریہ۔ آپ کی تعریف ان سطور کے ذریعے ان تک پہنچا رہے ہیں آپ کہانی ارسال کر دیں پڑھنے کے بعد ہی رائے دے پائیں گے۔ دوست کا پیغام میں شرکت کے ذریعے آپ دیگر بہنوں سے رابطہ کر سکتی ہیں۔

نیلیم گوندل..... گجرات

پیاری نیلیم! سدا مسکراؤ! آپ کی غزل متعلقہ شعبے کو ارسال کر دی ہے اگر معیار ہوئی تو ضرور اپنی جگہ بنائے گی۔ طفیل عرصے کی آپ نچل سے آپ کی دستگی کا جان کر اچھا لگا۔

شمزہ رانی..... اڈاپا ہڑیانوالی

پیاری شمزہ! سدا مسکراؤ! آپ کی تحریر موصول ہوئی ہے بہت جلد پڑھ کر آپ کو اپنی رائے سے آگاہ کر دیں گے۔ فی الحال کچھ کہنا قبل از وقت ہوگا لہذا تھوڑا انتظار تو کرنا پڑے گا قلمی دوستی کے لیے نصف ملاقات ہی ایک ذریعہ ہے۔

حنا نذیر..... نامعلوم

ڈیر سسر! شاد و آباد رہو! آپ کی تحریر پر ہی جس سے اندازہ ہوا کہ آپ میں لکھنے کی صلاحیت موجود ہے مگر موضوع ٹھیک نہیں ہے اس لیے کسی اور موضوع کا انتخاب کریں! امید ہے کوشش جاری رکھیں گی۔

نسreen کوثر..... ڈیرہ غازی خان

اچھی بہن! سدا خوش رہو! آپ کی تحریر "نام" پر بھی اندازہ

تحریر بہتر ہے لیکن کسی اور موضوع کا انتخاب کریں اور لڑکی کو ہر حالات میں ثابت قدم دکھائیں تاکہ قارئین ہمیں اس سے اچھا سبق حاصل کریں اور اپنی اصلاح بھی کر سکیں۔

صبا انور..... نامعلوم

ڈیر صبا! خوش رہو! آپ کی تحریر "ایک خواہش" موصول ہوئی! تحریر موضوع کا چناؤ اچھا ہے لیکن آپ کے انداز تحریر میں کبھی کبھیں گرفت کمزور پڑی! مزید محنت اور وسیع مطالعے کے بعد آپ اچھا لکھ سکتی ہیں۔

ثمینہ فیاض..... کراچی

پیاری ثمینہ! خوش رہو! آپ کی تحریر "جیون پہیلی" موصول ہوئی! کہانی بے جا طوالت کا شکار ہے اور جملوں کا انتخاب بھی کہیں کو سنجال نہیں پایا! مزید محنت اور وسیع مطالعے کے بعد آپ اچھا لکھ سکتی ہیں! امید ہے شفقی ہو پائے گی۔

بنت پاکستان آبشار..... بھکر

پیاری بہن! شاد و آباد رہو! آپ کی تحریر "بارش کا پہلا قطرہ" موصول ہوئی! حب الوطنی پر لکھی گئی کمزور اور مختصر آئینگی کی طرز پر ہے اس لیے جگہ نہیں بنا سکتی! مزید محنت اور وسیع مطالعے کے بعد آپ اچھا لکھ سکتی ہیں! اس کے علاوہ ہمیں آپ کی کوئی اور تحریر موصول نہیں ہوئی۔

حنا عروج..... لاندھی، کراچی

ڈیر حنا! سدا خوش رہو! آپ کی تحریر "مکڑی کا حال" موصول ہوئی! تمثیلی انداز میں لکھی قدرے بہتر تحریر ہے لیکن آپ نچل کے صفحات پر جگہ نہیں بنا سکتی! پڑھنے کے بعد اندازہ ہوا کہ آپ کو مزید محنت اور وسیع مطالعہ کی ضرورت ہے اس لیے کوشش جاری رکھیں۔

صبا الیاس..... راولپنڈی

پیاری صبا! شاد و آباد رہو! آپ کی دو تحریریں "جو سہرا لکرا گئے" اور "چوڑیوں کی قیمت" دونوں ہی کا موضوع اور انداز تحریر کمزور ہے پڑھنے کے بعد اندازہ ہوا کہ آپ میں لکھنے کی صلاحیت موجود ہے! مزید محنت اور وسیع مطالعہ سے آپ اچھا لکھ سکتی ہیں! اس لیے کوشش جاری رکھیں۔

تمام قارئین! دنو آموز بہنوں سے درخواست ہے کہ

سلسلہ وار ناول ہرگز ارسال مت کریں۔ سلسلہ وار ناول کی فی الحال منجائش نہیں ہے! مزید سلسلہ وار ناول لکھنے سے پہلے ہمارے سے باقاعدہ اجازت درکار ہوتی ہے اس لیے تمام ہمیں مختصر افسانے پر طبع آزمائی کریں! اتنا یاد رکھیں مختصر مگر پراثر لکھیں۔

مصطفیٰ اشاعت:

محبت اصول ہے دل کیسے جیتوں! اگر دیر ہو جاتی! سجدہ شکر انتقام کی آگ تیرے سن تیرے سنگ! ہر کی لہروں سے عشق نہ ہارا! کتب محبت! مٹی کا قرض! عادت چالان! جیون پہیلی! صبر کا اجر! ضرورت عنوان! تقدیر کے فیصلے! مکڑی کا جال! جو سہرا لکرا گئے! شجر سے ٹوٹ کر گنا نام! چاہتوں کا بندھن! اعتراف شکست! محبت ایک جذبہ ہے! وہ اک بات! میرے بخت کا سر پران! ماؤرن! ڈی! ارماتوں کی! محبت پھول کی مانند! پتھر کی! آزاد روح! رائٹر! اک شام! معانی! امید! محبت! میرے شوق پورے ہوئے! محبتیں! اے جنگ! باز! انسانوں! چوڑیوں کی قیمت! انجانا! انجانا! اک نظر! اس طرف! ذرا! تم! شام! ہونے! دُعا! فیصلے! دلوں کے من! جائیں! گناہ! بارش! کا پہلا قطرہ! ایک خواہش! اک تلی۔



مصنفین سے گزارش

☆ مسودہ صاف خوش خط لکھیں۔ ہاشیہ لگائیں صفحہ کی ایک جانب اور ایک سطر چھوڑ کر لکھیں اور صفحہ نمبر ضرور لکھیں اور اس کی فوٹو کاپی کر کر اپنے پاس رکھیں۔
☆ قسط وار ناول لکھنے کے لیے ادارہ سے اجازت حاصل کرنا لازمی ہے۔
☆ نئی لکھاری بہنیں کوشش کریں پہلے افسانہ لکھیں پھر ناول یا ناولٹ پر طبع آزمائی کریں۔
☆ نوٹو! سٹیٹ کہانی قابل قبول نہیں ہوگی۔ ادارہ نے ناقابل اشاعت تحریروں کی واپسی کا سلسلہ بند کر دیا ہے۔
☆ کوئی بھی تحریر نیلی یا سیاہ روشنائی سے تحریر کریں۔
☆ مسودے کے آخری صفحہ پر اپنا مکمل نام پتا خوشخط تحریر کریں۔
☆ اپنی کہانیاں دفتر کے پتہ پر رجسٹرڈ ڈاک کے ذریعے ارسال کیجئے۔ 7، فرید جیمبرز عبد اللہ ہارون روڈ۔ کراچی۔

مذہب سے بھاگنے والے ہی آخرت سے انکار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ کہنا یہ دعویٰ کہ وہ انسانوں اور جنوں کو دوبارہ پیدا کرے گا تو وہ ایسا ضرور کرے گا کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی قدرت اور قوت سے سب کچھ ممکن ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اس نے پہلی بار انسان کو عید الست کے لیے پیدا کیا اور دوسری بار دنیا کی زندگی کے لیے وہ تیسری کیا بلکہ بار بار بھی پیدا کر سکتا ہے۔ جو شخص اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پہلی بار تخلیق کیا وہ دوبارہ پیدا کرنا ضرور ہوئے کو بعد از فہم نہیں مانتا دجھتا ہے کہ اللہ نے فرمایا ہے تو وہ ضرور ایسا کرے گا۔

اعادہ خلق عقل و انصاف کی رو سے ضروری ہے اور یہ ضرورت تخلیق ثانیہ سے ہی پوری ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنا پروردگار اپنا مالک و خالق ماننے والے اس انکلیے کی پرستش و عبادت و بندگی کرنے والے اس بات کے مستحق ہیں کہ انہیں ان کے اخلاص عمل کی پوری پوری جزا ملے اور جنہوں نے اپنے مقصد تخلیق کی خلاف ورزی کرتے ہوئے احکامات الہی سے انکار و انحراف کیا انہیں ان کے اعمال کی سزا ملے۔ اس لئے جزا و سزا کا عمل مکمل کرنے کے لئے بھی ضروری ہے کہ انسان مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے تاکہ اسے جزا و سزا کے عمل سے گزارا جاسکے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ جو بڑا ہی دانا اور حکیم ہے اس نے کائنات کا ایک ایک ذرہ بڑی حکمت و دانائی سے تخلیق کیا ہے وہ جو انسانی آنکھیں دیکھ سکتی ہیں اور وہ جو پوشیدہ ہیں سب اللہ کی حکمت کے آثار اور علامات اعلانیہ ہمارے سامنے موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو خلیفہ فی الارض کی ذمہ داری سے نوازا ہے اسے عقل و فہم قوت اور اک اخلاق اور آزادانہ ذمہ داری اور تصرف کے اختیارات بخشے ہیں یہ سب اسی لئے ہیں کہ ایک روز وہ اپنے نائب سے پوچھ گچھ کرے گا حساب کتاب کرے گا اسی ذمہ داری کی وجہ سے جو انسان کو سوچنی پڑتی تھی جزا و سزا کا استحقاق الہی بنتا ہے اس لئے انسان کو سمجھ لینا چاہئے کہ دوسری زندگی لازمی ہے۔ انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ ایک اور زندگی ہو جس میں ہر شخص اپنے اخلاقی رویہ کا نتیجہ دیکھے جس کا وہ مستحق ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے دو بنیادی اصول ہیں۔ ایک یہ کہ تمہارا رب اللہ تعالیٰ اکیلا ہے صرف اسی کی عبادت کرو اور دوسرے یہ کہ تمہیں اس دنیا سے جا کر اپنے رب کو حساب دینا ہے۔ ایمان لانے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر بغیر دیکھے یقین کامل ہو اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات ہر ہدایت پر پورا یقین ہی ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ انسان کا جو امتحان لینا چاہتا ہے وہ یہی ہے کہ وہ جس اور مشاہدے سے بالاتر حقیقتوں کو خالص نظر و فکر اور استدلال و حج کے ذریعے مانتا ہے یا نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی نشانیوں کو کھول کھول کر پیش کر رہا ہے ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہر چیز

میں نشانیاں ہی نشانیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نہایت حکیمانہ طریقے سے زندگی کے مظاہر میں ہر طرف وہ آثار و علامات پھیلا دی ہیں جن کے پیچھے حقیقت کی صاف نشان دہی ہو رہی ہے اللہ تعالیٰ کی قوت و قدرت ظاہر ہو رہی ہے۔

منکرین حق و آخرت کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ترجمہ:- غفریب میں اُسے دوزخ میں جھونک دوں گا اور تجھے کیا خبر کہ دوزخ کیا چیز ہے؟ نہ باقی رکھتی ہے نہ تھوڑی ہے۔ کھال کو جھلسا دیتی ہے۔ اور اس میں انیس فرشتے مقرر ہیں۔ (المذثر- ۳۰ تا ۳۶) آیات مبارکہ اپنی جگہ خود تفسیر ہیں پیام الہی اس قدر صاف اور واضح ہے کہ مزید تشریح کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے آیات میں دوزخ کو ستر کہہ کر متعارف کرایا گیا ہے۔ ستر کے معنی آگ کے ہیں یہ دوزخ کے ایک خاص حصے کا نام ہے جس کی شدید آگ جسم و روح کو تحلیل کر ڈالتی ہے شدید جلانے والی آگ ہوگی جو جلا کر خاک کر دے گی مگر انسان کا پیچھا مرنے پر نہیں چھوڑے گا کیونکہ آخرت کی زندگی دائمی زندگی ہوگی آگ بار بار جلاتی رہے گی اور جلنے والا جسم بار بار جلتا ہی رہے گا کیونکہ آخرت کے بعد کی زندگی دائمی ہوگی وہاں کسی کو کسی بھی طرح موت نہیں آئے گی اس کیفیت کا اظہار سورۃ الاعلیٰ ۱۳ میں کیا گیا ہے۔ 'وہ نہ اس میں مرے گا نہ جئے گا' اس حصے میں دوزخ کا سخت عذاب مسلسل ہوگا آگ ان کے جسم پر نہ گوشت چھوڑے گی نہ ہڈی ہر بار ان کے ساتھ ایسا ہی ہوتا رہے گا آگ جسم میں کچھ جلانے بغیر نہیں چھوڑے گی مثال جھلس دینے کا خصوصیت سے ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو اس کے لہجے میں ہی سمجھاتا ہے کیونکہ انسان کو نمایاں کرنے والی اس کی شخصیت کو حسن و جمال دینے والی اس کے چہرے کی کھال ہوتی ہے جس کی بد نمائی انسان کو سب سے زیادہ کھلتی ہے۔ اندرونی اعضا خواہ کتنے ہی بد نما ہوں اس اتنی تکلیف نہیں ہوتی جتنی جسم کے کھلے حصوں کے داغ اسے پریشان رکھتے ہیں انسان کی فطرت بھی اللہ تعالیٰ کی ہی بنائی ہوئی ہے جسے وہ خوب جانتا ہے کہ بندے اپنی کس چیز کو کتنی اہمیت دیتے ہیں۔ ساتھ ہی اللہ تعالیٰ یہ اطلاع بھی دے رہا ہے کہ دوزخ سے کسی طرح کوئی فرار نہیں ہو سکے گا جیسا دنیا میں اکثر مجرم جیل توڑ کر فرار ہو جاتے ہیں لیکن آخرت کی زندگی میں ایسا ہرگز ممکن نہیں ہوگا۔ جہنم میں ایک نہ دو پورے انیس فرشتے دربان کے فرائض انجام دے رہے ہوں گے۔ دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دنیا میں ایسے لوگ جو کسی بھی طرح احکام الہی سے بغاوت و کفر کرتے ہوں گے قرآن حکیم اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں شک و شبہ کرتے ہوں گے انہیں فرشتے اپنی نگاہ میں رکھیں گے قیامت کے بعد آخرت میں بھی ان پر پہرے لگائے جائیں گے بلکہ دنیا میں بھی ایسے لوگ الہی پہرے میں رہیں گے۔

ترجمہ:- اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور تیرے رب کے لشکروں کو خود اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اُس دوزخ کا ذکر اس کے سوا کسی غرض کے لئے نہیں کیا گیا کہ لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں۔ (المذثر- ۳۱)

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کائنات میں ایسی ایسی اور نئی مخلوقات پیدا کر رکھی ہیں اور ان کو ایسی طاقتیں بخش رکھی ہیں اور وہ ان سے کیسے کیسے کام لیتا ہے یا لے سکتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور نہیں جانتا۔

انسان جو کچھ دیکھتا محسوس کرتا ہے دنیا یا مخلوقات الہی صرف وہی نہیں ہیں اللہ کا کارخانہ قدرت تو بے حد و حساب وسیع ہے اور عظیم ترین ہے۔

اللہ تعالیٰ جو اپنے بندوں سے بے حد و حساب شفقت و محبت فرماتا ہے وہ قرآن حکیم میں بار بار جگہ جگہ جہنم کے عذابوں اور جنت کی آسائشوں راحتوں کا ذکر صرف اس لئے فرماتا ہے کہ انسان اس پند و نصیحت سے شاید سنبھل جائے اور اپنی مذموم حرکات و بغاوت سے باز آ جائے اور عذاب کا مزا چکھنے سے پہلے ہی ہوش میں آ جائے اور اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچانے کی فکر کر لے۔ انسان پر انسان ہونے کے ناطے بڑی ذمہ داریاں عائد فرمائی ہیں کیونکہ انسان اس کائنات کے اشرف ترین ممتاز ترین ذمہ داروں میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ نظام فطرت کے تحت ہر انسان کو کسی نہ کسی خاندان کی سربراہی بھی سونپی گئی ہے جس کی تعلیم و تربیت دیکھ ریکھ کی ذمہ داری ایسی ذمہ داری کہ جس میں اس کے زیر کفالت افراد خاندان کی ایسی تربیت کرنا بھی شامل ہے جس سے وہ اللہ کے پسندیدہ انسان بن سکیں جیسا کہ سورہ التحریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہوا ہے۔

ترجمہ:- اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں جس پر نہایت سخت و لمبھو فرشتے مقرر ہیں جو حکم اللہ تعالیٰ دیتا ہے اس کی نافرمانی نہیں کرتے جو حکم دیا جائے اسے بجالاتے ہیں۔ (التحریم-۶)

آیت کریمہ میں الہیمان لوگوں کو ایک نہایت ہی اہم ذمہ داری کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ ہر خاندان کے سربراہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے خاندان والوں گھر والوں کی اصلاح اور ان کی اسلامی تعلیم کا اہتمام کرے تاکہ وہ بھی جہنم کا ایندھن بننے سے بچ جائیں ایسا نہ ہو کہ ہر شخص صرف اپنی فکر کرے اور اپنی راہ سیدھی کرنے میں لگا رہے اسلام ایک معاشرتی نظام بھی ہے۔ اس سلسلے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے کہ جب بچہ سات سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اسے نماز کی تلقین کرو اور دس سال کی عمر میں بچوں میں نماز سے تساہل دیکھو تو انہیں سرزنش کرو۔ (ترمذی- سنن ابی داؤد) تاکہ جب وہ سن شعور کو پہنچیں تو انہیں دین حق کا شعور بھی حاصل ہو چکا ہو۔ (ابن کثیر)

ایمان والوں سے کون لوگ اللہ کی مراویں اور ایمان لانے سے کن کن چیزوں پر ایمان لانا مراد ہے۔ قرآن کریم میں رب کائنات نے پوری طرح کھول کھول کر بیان کر دیا ہے۔ سب سے پہلے تو اللہ تعالیٰ کے وجود کو ماننا کہ وہی ہمارا معبود حقیقی ہے اور کوئی اس کا کسی بھی طرح شریک نہیں ہے۔ وہی تمام عبادت و بندگی کا اصل مستحق ہے۔ وہی ہماری نگہداشت و پرورش کرنے والا ہے ہماری قسمت بنانے بگاڑنے کا پورا اختیار اسی کے پاس ہے۔ تمام حاجات کے لئے اسی سے دعا مانگنا اور اسی پر توکل کرنا۔ اس کے ہر حکم کو بالکل اسی طرح ماننا جیسا کہ کہا گیا ہے۔ بندے کا فرض ہے کہ اس کی مکمل اطاعت کرے جس چیز سے روک دیا اس سے رک جائے جسے کرنے کا حکم دیا اسے کرے۔ اس کے کام و افعال تو دور کی بات ہے اس کی سوچ و نیت سے بھی اللہ تعالیٰ بخوبی واقف رہتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی تعلیمات کو ماننا کہ وہ سب اللہ کی ہی طرف سے دی گئی ہے اس لئے برحق اور واجب الاستیساہ ہے۔ اسی ایمان بالرسالت

آنجل ✽ جنوری ۲۰۱۵ء 2011

میں بلائکہ انبیاء اور کتب الہیہ پر اور خود قرآن حکیم پر ایمان و عمل ضروری ہے۔ یہ بات تو اللہ تعالیٰ نے خوب کھول کھول کر بیان فرمادی ہے کہ انسان کی موجودہ زندگی پہلی اور آخری زندگی نہیں ہے بلکہ اس زندگی کے بعد یعنی مرنے کے بعد سب انسانوں کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ اس وقت سب کو اپنے ان اعمال کا جو اس نے دنیا کی زندگی میں کئے ہوں گے کو اللہ ذوالجلال کے سامنے پیش ہو کر حساب دینا ہوگا۔ اس روز آخر جو لوگ نیک قرار پائیں گے یعنی جنہوں نے دنیا میں اپنی زندگی اللہ و غیر رسولوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق بسر کی ہوگی انہیں جزا سے نوازاجائے گا اور جنہوں نے احکام الہی سے انکار کیا ہوگا انہیں عذاب کی ہوگی کفر کیا ہوگا انہیں اس روز سزا ملے گی جو جیسا ہوئے گا وہی اسی روز پائے گا۔

ایمان اخلاق سیرت و کردار کے لئے انسان کو مضبوط بنیاد فراہم کرتا ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں صرف اس لئے نہیں بھیجا کہ وہ ایمان پر قائم ہو کر رات دن بس عبادت کرتا رہے اور احکام الہی پر عمل کرتا رہے یعنی روزہ رکھے نماز پڑھے حج کرے جہاد کرے اور سارا وقت ان ہی عبادات و اعمال میں صرف کرے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی ذمہ داریاں ہیں جو ادا کرنا ضروری ہیں۔ نیک کاموں پر عمل ہر وہ کام جسے کرنے کا حکم الہی دیا گیا ہے وہ نیک کام ہے اسے اسی طرح ادا کرنا بھی عبادت ہے اور جسے نہ کرنے کا حکم ہے جس سے روک دیا گیا ہے اسے نہ کرنا اس سے رُکے رہنا بھی عبادت میں شمار ہوگا۔ غرض زندگی بسر کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان قرآن کریم سے رہنمائی حاصل کرے اور قرآن کی رہنمائی میں زندگی بسر کرنے کیونکہ قرآن حکیم ایک بہت وسیع اور جامع ہدایت نامہ ہے جس میں ہر عمل قول و فعل کے بارے میں ہدایات دی گئیں ہیں ان ہی ہدایات کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو تاکید فرمائی ہے غور کرنے فکر کرنے اور تدبیر کی اس کے لئے مسلمان معاشرے کا ہر فرد ذمہ دار ہے کہ اسلامی معاشرے اور طرز زندگی کو رائج کرے ہر فرد پر لازم ہے کہ نہ صرف خود حق پرستی راست بازی عدل و انصاف پر قائم رہے اور حق داروں کے حقوق ادا کرنے پر ہی اکتفا نہ کرے بلکہ دوسروں کو اس طرز عمل کی نصیحت کرے اور اس میں ان کی مدد بھی کرے۔

اسلام ایک مذہب ایک دین ہی نہیں ہے یہ ایک تہذیب ایک سچے صاف ستھرے معاشرے کی تشکیل بھی کرتا ہے لوگوں کو دنیا کی زندگی گزارنے کے اخلاق و عادات بھی مہیا کرتا ہے اجتماعی زندگی کو فروغ دیتا ہے۔ اسلام صرف نماز روزہ اور عبادت کا نام نہیں ہے اسلام تو بڑے وسیع معنوں پر محیط لفظ ہے جو ایک صحیح معاشرے کی عکاسی ہی نہیں بلکہ دنیا کی اس زندگی کے بعد آنے والی دائمی زندگی جس کا آغاز روز آخرت ہوتا ہے اس کی مکمل تیاری کا ضامن بھی ہے روز آخرت دنیا کی زندگی کا آخری دن ہوگا لیکن نئی آنے والی دائمی زندگی جس میں کبھی کسی کو موت نہیں آئے گی دائمی زندگی کے آغاز کا پہلا دن ہوگا۔ آخرت کے اس پہلے اور دنیا کے آخری دن کے نقصان و خسارے سے بچنے اور محفوظ رہنے کے سبب طور طریقے اللہ نے اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر قوموں کے انبیاء اکرام علیہ السلام کے ذریعے بتادیئے سکھادیئے اس کے بعد یہ ذمہ داری انسان کی ہے کہ وہ کیسے اور کس طرح احکام الہی کو تسلیم کرتا ہے اور اپنے

آنجل ✽ جنوری ۲۰۱۵ء 21

آپ کو آخرت کے خسارے سے بچاتا ہے یا رد کرتا ہے اور کفر میں پڑ جاتا ہے۔

آخرت میں عدل کی تمام شرائط پوری کرنے کے بعد ہی مجرموں کو سزا دی جائے گی وہاں لوگوں کے اعمال کی پوری پوری جانچ پڑتال ہوگی وہاں برے انجام سے نہ ہال بچا سکتا ہے نہ اولاد نہ باپ دادا کا کوئی عمل وہاں ظالم کی اگر نیکیاں ہوئیں تو وہ مظلوم کو دے دی جائیں گی اور اگر نیکیاں ظالم کے پاس نہیں ہوں گی تو مظلوم کی غلطیاں اور گناہ ظالم کو دے دیے جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ آخرت کے عذاب سے پہلے دنیا میں لوگوں کو چھوٹے چھوٹے عذابوں کے ذریعے متنبہ کرتا ہے تاکہ انسان آخرت کی تیاری کر لے۔ آخرت کی سزا سے انسان بچ نہیں سکتا۔ میدانِ حشر میں مومن نیکو کار متقی لوگوں کی مغفرت ہوگی انہیں عزت نصیب ہوگی جب کہ منکرین منافقین کفار کو عذاب ملے گا اور ذلت ملے گی۔

روزِ آخرت میدانِ حشر میں جب سب کا فیصلہ صادر کر دیا جائے گا تو اہل جہنم اپنے دائمی ٹھکانے جہنم میں داخل کر دیئے جائیں گے اور اہل ایمان متقی پرہیزگار لوگوں کو جنت نصیب ہوگی وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ روزِ محشر حساب کتاب ہونے کے بعد جو زندگی شروع ہوگی وہ دائمی ہمیشہ ہمیشہ قائم رہنے والی ہوگی یہی اللہ کا حکم اور مشیت ہے اس لئے ضروری ہے کہ ان دونوں دائمی حیات کے ٹھکانوں کے بارے میں بھی قرآن کریم کے ارشادات کو دیکھ لیا اور سمجھ لیا جائے کہ جہنم کیا ہے؟ اور جنت کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور قضاء میں یہ بات ثابت ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو جنت کے اور کچھ ایسے ہوں گے جو جہنم کے مستحق ہوں گے اور اس روز اللہ جنت و جہنم کو انسانوں اور جنوں سے بھر دے گا جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”جنت اور دوزخ آپس میں جھگڑ پڑیں گیں جنت نے کہا کیا بات ہے کہ میرے اندر وہی لوگ آئیں گے جو کمزور اور معاشرے کے گرے پڑے لوگ ہوں گے؟ جہنم نے کہا۔ ”میرے اندر تو بڑے بڑے جبار اور متکبر قسم کے لوگ ہوں گے۔“ اللہ تعالیٰ نے جنت سے فرمایا۔ ”تو میری رحمت کی مظہر ہے تیرے ذریعے میں جس پر چاہوں اپنا رحم کروں اور جہنم سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو میرے عذاب کی مظہر ہے تیرے ذریعے میں جس کو چاہوں سزا دوں اللہ تعالیٰ جنت اور دوزخ دونوں کو بھر دے گا۔ جنت میں ہمیشہ اس کا فضل ہوگا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ایسی مخلوق پیدا فرمائے گا جو جنت کے باقی ماندہ رقبے میں رہے گی اور جہنم جہنموں کی کثرت کے باوجود محلِ من مزید کا نعرہ بلند کرے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس میں اپنا قدم رکھے گا جس پر جہنم پکار اٹھے گی بس بس تیری عزت و جلال کی قسم۔ (صحیح بخاری، مسلم)

(جاری ہے)



ہمارا آنچل

نستعلیق

ملیہ احمد

میرا نام نصرت جسیں ملک ہے 5 جون کی ایک صبح قتل کے ٹیلوں سے گھرے ایک گاؤں رنگپور ضلع خوشاب میں پیدا ہوئی ددھیال اور نھیال میں پہلی اولاد ہونے کی وجہ سے سب کا پیار اور محبتیں ملیں والد ایک اچھی پوسٹ پر تھے اس لیے ان کے ہمراہ کئی علاقوں میں رہائش اختیار کرنے سے وہاں کی تہذیب زبان اور دیگر رسومات سے آگاہی ہوئی جن میں ڈیرہ غازی خان ملتان خانیوال اور میانوالی شامل ہیں۔

بچپن کا آغاز نوانے ہر وقت میں بچوں کے صفحے پر ہول اور کلیاں سے کیا پھر ”پھول“ میں بھی بچپن کی تخلیقی صلاحیتوں کو آزمایا یہ کالم نگاری کا آغاز ڈیلی جناح سے کیا اور بطور پاکستانی شہری سیاحت اور سماجی امور پر خوب دل کی بھرپور نگاہیں لی گئیں پھر بننے کی قسمت کے ذیل ایم اے اور ایم ایڈ کیسٹرنی ایشیئل ایجوکیشن کی ڈگریاں ہاتھ آئیں تو سرکاری نوکری نے دامن پکڑ لیا اور پیڑا ایکٹ کے تحت لکھنے پر (سیاسی امور پر) پابندی لگ گئی تو یہ مزا کر رہا ہو گیا اور عافیت اسی میں سمجھی کہ ضلع خوشاب کے ہر دل عزیز اخبار نوائے جوہر میں ہی معاشرتی مسائل پر لکھا جائے اللہ تعالیٰ نے اس کام میں بھی برکت ڈالی اور میرا کام اخبار کی ضرورت بن گیا تو ساتھ سوچا کہ افسانہ نویس کے شوق کو پھر سے جلا بخشی جائے تو نازک میرا دورِ افسانے بھیجے برقرار ہے۔

انتظار کے بعد شائع ہو گئے۔ اب یا کیزہ اور آنچل کی راہوں پر بھی قدموں کو ڈال دیا ہے میرا خدا یہاں بھی میری مدد کرے۔ اب کچھ بات ہو جانے خوبیوں اور خامیوں کی میری خوبی یہ ہے کہ غصہ آئے تو فوراً چند لمحوں میں ختم ہو جاتا ہے خوش اخلاق ہوں اور غرور نام کو نہیں اور خامیاں یہ ہیں کہ حساس ہوں جلد اعتبار کر لیتی ہوں اس وجہ سے نقصان بھی اٹھائے ہیں۔ اصول پسند ہوں اس وجہ سے بطور ہیڈ مسٹر میں کچھ سخت فیصلے کر کے دشمنیاں بھی مول لی ہیں۔ 5 دسمبر 2010ء کو کزن سے شادی ہوئی جو خوش گوار انداز سے گزر رہی ہے دن کے اوقات میں سے وحلی شام کا منظر اچھا لگتا ہے کہ جب سورج آنکھوں سے اوجھل ہونے کے قریب ہوتا ہے اور پرندے گھونسلوں میں پلٹ رہے ہوتے ہیں میں اداس تب ہوتی ہوں جب خراب ملکی حالات اور خصوصاً اپنے قتل کے علاقے کو مسائل میں گھرا پاتی ہوں یہاں کے لوگوں کے دکھ مسائل اور زندگی کے دشواریں واقعات حالات کا عکس میرے اکثر افسانوں اور کالموں میں بھی نظر آتا ہے۔ میری نظر میں دنیا کا سب سے خوب صورت رشتہ ماں کا ہے اور اس دنیا میں مجھے سب سے زیادہ محبت بھی اپنی ماں سے ہے رات کو سوتے وقت دوسری بہت سی دعاؤں کے ہمراہ یہ دعا بھی کرتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری زندگی میں میری ماں کو ہمیشہ سلامت رکھے آمین۔ آخر میں چھوٹا سا پیغام بہتر زندگی دے ہوئی ہے جو آپ اپنے لیے گزارتے ہیں اور بہترین وہ جو دوسروں کے لیے لہذا زندگی

تیری کراہی ہے۔

آنچل جنوری ۲۰۱۵ء 23

آنچل جنوری ۲۰۱۵ء 22

السلام علیکم! آنجل اسٹاف اور میری پیاری بہنوں کو مبادلت کا پیار بھرا سلام قبول ہو! مبادلت کو ماریہ چوہدری کہتے ہیں لیکن میری فرینڈز مجھے ماریہ مسکراہٹ کہہ کر بلاتی ہیں۔ آنجل سے میرا ساتھ 9th کلاس سے شروع ہوا تھا اور اب تک میں نے اسے پیار سے تھاما ہوا ہے۔ مبادلت نے 4 جون 1996ء کو اس دنیا میں آ کر دنیا کے حسن کو دوبا کر دیا۔ سیکنڈ ایئر کی طالبہ ہوں ہم چھ بہنیں اور ماشاء اللہ سے چار بھائی ہیں۔ میرا نمبر آخری ہے پہلے نمبر پر بھائی شوکت دوسرے نمبر پر باجی عذرا تیسرے نمبر پر باجی بلقیس چوتھے نمبر پر طاہر بھائی پانچویں نمبر پر باجی شاہدہ چھٹے نمبر پر بھائی صندرت ساتویں نمبر پر ارشد بھائی آٹھویں نمبر پر شازیہ نویں نمبر پر نازیہ اور آخری نمبر پر مبادلت ماریہ چوہدری۔ ہماری کاسٹ راجپوت ہے اور ہماری زبان پنجابی ہے آنجل سے میری وابستگی جس طرح ہوتی ہے نا میں جب بھی یاد کرتی ہوں خود بخود مسکرائے لگتی ہوں۔ آپ بھی سنیے میرا احوال! میرے 9th کے ایگزامز ہو رہے تھے ان دنوں پیپرز کی تیاری خوب چل رہی تھی ایک دن میں کمرے میں بیٹھی انگلش کے پیپر کی تیاری کر رہی تھی کہ میرے پاس آنجل ڈائجسٹ پڑا ہوا تھا اس وقت مجھے ڈائجسٹ پڑھنے کی اجازت بالکل نہیں تھی تو میں نے موقع غیبت سمجھ کر انگلش کی کتاب بند کر دی اور چوری چوری ڈائجسٹ پڑھنے لگی۔ میرا خیال ہے ان دنوں (جان جاں

جو تو کہے) سلسلے ورنال چل رہا تھا۔ یقین مانیے اس دن میں نے ڈائجسٹ کا ایک لفظ بھی ایسا نہیں تھا جو میں نے چھوڑا ہو گھر والے سمجھتے تھے کہ ماریہ اندر بیٹھی پیپرز کی تیاری کر رہی ہے اس لیے کوئی اس کمرے میں نہیں آتا تھا۔ میرے دماغ میں یہ ہوتا تھا کہ ماریہ جتنا پڑھنا ہے پڑھ لے پیپروں کے بعد تمہیں موقع نہیں ملنے والا دیے 9th میں میرے نمبر اچھے آئے تھے فرسٹ ڈویژن لی تھی میں نے (آہم)۔ اب آپ کو اپنی خوبیوں اور خامیوں کے بارے میں بتاؤں سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ ہر بات کو عام لیتی ہوں سرسری۔ بات کی گہرائی میں نہیں جاتی اس لیے نقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جذباتی جلد ہو جاتی ہوں اور خوبی یہ ہے کہ حد نہیں کرتی کسی کی کمزوری کا فائدہ نہیں اٹھاتی اور ماشاء اللہ سے دوستی کے معاملے میں خوش نصیب واقع ہوئی ہوں سب دوست اللہ کا شکر ہے خلص ملی ہیں۔ لباس میں شلواری قمیض کھانے میں میٹھا بہت پسند ہے اور سبزی جو بھی بنے شوق سے کھا لیتی ہوں۔ خوشبو میں ریسو بہت پسند ہے۔ فیورٹ شخصیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، فیورٹ رائٹر عمیرہ احمد، بابا ملک۔ بابا ملک کا ناول ”جو چلے تو جاں سے گزر گئے“ پڑھ کر تو میں بہت روئی تھی اس کا اینڈ تو رلا گیا تھا مجھے اور عمیرہ احمد کا ناول پیپر کامل کیا ہی بات ہے دیے آپ دونوں رائٹرز سے بہت متاثر ہوں۔ سیڈ سوگزا اچھے لگتے ہیں جیولری میں رنگز اور ٹاپس پسند ہیں اور ہاں ہیئر کچ بھی۔ ایکٹریس میں مجھے فضاء علی صبا قمر اور ایکٹر احسن خان پسند ہیں۔ آخر میں میرا پیغام آپ سب بہنوں کے

لیے، کبھی کسی پر اعتبار مت کیجیے گا اب دنیا پہلے جیتی نہیں رہی۔ لوگ اپنا مقصد نکالنے کے لیے دوسروں کو دھوکہ دے جاتے ہیں یہ سوچے بغیر کہ ہم جس کو دھوکہ دے رہے ہیں وہ ہم پر اندھا اعتبار کرتے ہیں۔ کبھی کسی کا اعتماد مت توڑیے گا پلیز جب دل ٹوٹتا ہے تو بے شک آواز نہیں ہوتی پر تکلیف ضرور ہوتی ہے۔ ٹھیک ہے بہنو! مجھے اپنی رائے کے بارے میں ضرور آگاہ کیجیے گا کہ میرا تعارف آپ کو کیسا لگا اچھا کہ سوسو۔ دعاؤں میں ضرور یاد رکھیے گا اللہ حافظ۔

چند محفل

ٹھک، ٹھک، ٹھک، کبھی دروازہ تو کھولے آنجل کی شہزادی پروا کرین تشریف لارہی ہیں 20 نومبر 1988ء کی کہز آلود صبح کو مبادلت نے اس دنیا میں قدم رنجہ فرمایا میرا استاد اسکالر پیو ہے ایم ایڈ کر رہی ہوں اور شادی شدہ ہوں۔ میری دو پیارنی سہیلیاں ہیں۔ میرا تعلق کوٹ جھنڈ سے ہے اور شادی راجن پور میں ہوئی، ہم دو بہنیں اور دو بھائی ہیں۔ ذیشان (بھائی) الیکٹریکل انجینئر کر رہا ہے اللہ سے دعا ہے کہ میرے بھائی کو اس کے حصول تعلیم اور اس کے مقصد میں کامیاب کرے اور اس کی ہر تکلیف کو دور فرمادے آتین۔ میری دونوں بیٹیوں کی ذیشان اور عبد الرحمن ہیں جان ہے ہر انسان کو اپنی ماں دنیا کی بیٹہ ہی لگتی ہے یہ سچ ہے مگر میری امی بے مثال ہیں جن کی تعریف ہر بندہ کرتا ہے۔ ہماری ہر خواہش من کیے پوری کی ہے آئی او یو امی جان! فالسے اور انار مجھے جنون کی حد تک پسند ہیں

راجستھانی ساڑھی بہت اٹریکٹ کرتی ہے۔ فراک پہننے کا بہت شوق ہے میرے پاس ہر اسٹائل و ڈیزائن کے ڈریسز ہیں کیونکہ میری امی ڈریس ڈیزائنر ہیں جو نیا ڈیزائن و فیشن ان ہوتا ہے وہ سب سے پہلے میرا اور مشاء (بہن) کا جنتا ہے۔ کھانوں میں مجھے کھڑے مسالے کا گوشت، ترکی کوشت، بریانی بے حد پسند ہے۔ کلرز میں بلیک، پنک اور پریل اچھا لگتا ہے۔ پھولوں میں وائنٹ روز پسند ہے حد سے زیادہ حساس ہوں اور منافقت مجھے بالکل پسند نہیں جو میرے دل میں ہوتا ہے وہی میری زبان پر۔ بہت زیادہ خوش اخلاق ہوں اور خوش مزاج بالکل بھی نہیں۔ میری فرینڈز کی لسٹ بے حد طویل ہے شادی سے پہلے بہت فرینڈز بناتی تھی مگر اب اتنا نام ہی نہیں ملتا کہ دوستیاں نبھا سکوں۔ ٹرین حبیب، ثوبیہ، ناویہ، جہانگیر، ثناء، امیر گل، کرن وفا، فوزیہ، شربت، نوشین اقبال، شمع مسکان اور بیٹ از بیٹ فرینڈز فرح خان ہے مجھے رومینک شاہری بے حد پسند ہے وحی شاہ میرے فیورٹ شاعر ہیں۔ میک اپ، جیولری میں اتر رنگز اور کلنگ کا کریز ہے۔ آنس کریم میں پستہ فلیور اور کارنیو کی میں دیوانی ہوں۔ بہت زیادہ بورٹری ہوں اس لیے کوئی بھی میری کمپنی کو پسند نہیں کرتا، بادلوں کی گرج اور بجلی کی چمک سے بے تحاشا ڈر لگتا ہے، ہتے ہوئے جھرمیں اور سرسبز و شاداب وادیاں بہت اٹریکٹ کرتی ہیں۔ جھیل سیف الملوک دیکھنے کا بہت جنون ہے میں نے کبھی بھی کسی کا برا نہیں چاہا اپنے کام سے کام رکھنے والی ہوں۔ میری فرینڈز کے بارے میں کچھ ممتنس ہیں ناویہ جمیل کہتی ہے ”پروا! تم بہت پیاری

- ۱۔ آپ کے نزدیک "مہمبر استعارہ" ہے "خوشی کا غم کا اگر دونوں کا تو کیونکر؟
- ۲۔ گزشتہ سال آپ کے لیے کون سی خوشگوار و ناگوار تبدیلیاں لانے کا سبب بنا؟
- ۳۔ اس سال آپ کی ذات میں رونما ہونے والی کوئی اچھی بات یا آپ کی دیرینہ خواہش جو رواں سال پوری ہوئی؟
- ۴۔ اس سال میں آپ خود کو کہاں دیکھتی ہیں؟
- ۵۔ اپنے وطن عزیز کے لیے نئے سال میں کیا سوچ رکھتی ہیں؟
- ۶۔ نئے سال کو کس طرح خوش آمدید کہیں گیں؟
- ۷۔ نئے سال میں آپ ماہنامہ آنچل میں کیا تبدیلیاں دیکھنا چاہتی ہیں؟

ارم کمال فیصل آباد

- (۱) خوشی اور غم انسانی زندگی کا لازمی جزو ہیں جس میں کوئی خوشی ملے ضروری تو نہیں کہ وہ خوشی کا استعارہ ہو اسی طرح جس میں غم کوئی غم ملے تو یہ غم نہیں لگا سکتے کہ یہ غم کا استعارہ ہے بلکہ بات اصل میں یہ ہے کہ زندگی کا استعارہ ہے خوشی اور غم کا ویسے اکثر یہ بھیکا و سبکدوش کی بات ساتھ لے کر ہمارے گلن میں اترتا ہے میرے لیے تو مہمبر خوشی کا استعارہ ہے کیونکہ اس میں 21 تاریخ کو مجھے میرے ساجن ملے۔
- (۲) وطن عزیز کے حوالے سے دیکھا جائے تو گزشتہ سال بھی ملک میں مہمگانی، کمپشن، امن وامان کی غیر یقینی صورتحال، بے روزگاری اور مزید ستم خیز محسوس ہونے کی ہلاکت غذائی قلت اور پورے حکمرانوں کی بے حسی نے دل و دماغ کو افسردگی کا شکار بنا دیا دھرنے جلنے اور ریلوں نے زندگی سے تنگ خوشی اور مانگ نمود کر رکھی۔
- (۳) ویسے تو زندگی گزرتی جا رہی ہے لیکن گزشتہ سال سے میں نے اللہ سے اپنے تعلق کو مضبوط کرنے کی خصوصی کوششیں کیں، عمومی رویوں کو روشن خیالی کی عینک لگا کر دیکھا، گھر کے چھوٹے بڑے کام پورے کیے جو مہنگائی نے کرنے مشکل کر دیے تھے، ام عورتیں اسی طرح اپنی دیرینہ خواہشوں کو پوری کرتی ہیں۔ انفرادی طور پر پچھلے سال میری بیٹی کرن نے ایف اے کیسے کر لیا ہے یہ میرے لیے بہت خوشی کی بات بنی۔
- (۴) اس نئے سال میں میں اپنے آپ کو اپنے گھر، شوہر اور بچوں کے ساتھ ہی دیکھتی ہوں۔
- (۵) اپنے وطن عزیز کے لیے نیا سال امن و سلامتی کی فضا میں لے کر طلوع ہونے روزگاری نہ ہو عوام کو بنیادی سہولیات بلا تفریق ملے۔
- (۶) دولت، خوشنہائی اور جھوٹ جیسے ناسوروں سے ملک کو نجات مل جائے تاکہ ہر طرف خوشحالی کا دور دورہ ہو۔
- (۷) میں نے سال کو ہمیشہ نفل نماز شکرانہ پڑھ کر خوش آمدید کہتی ہوں اس دن بیٹھا بنا کر باقی ہوں اور میاں صاحب اگر خوشگوار موڈ میں ہوں جو اکثر ہوتے ہیں تو لاٹک ڈرائیو پر جاتی ہوں۔
- (۸) ہمارا آنچل ماہنامہ اللہ سے ایک بھر پور ڈائجسٹ ہے میں نے سال میں اس کو اسی طرح دیکھا چاہوں گی کیونکہ اس میں وہ سب کچھ ہے جو کسی آدمی میں نہیں اور جو ہم سب پڑھنا چاہتے ہیں۔

فاخرہ ایوب باغ، آزاد کشمیر

- (۱) میرے نزدیک تو سبکدوشی کا معنی انام ہے چار سو اداسی کی چاندنی ہوئی ہے اس ماہ میں۔ مہمبر کی آمد کا سوچ کر ہی طبیعت پر عجیب بوجھل پڑن سا چھا جاتا ہے۔
- (۲) اس سوال کے لیے جب ماہ و سال کو کھٹکا لے بیٹھی تو بے حد شرمندگی ہوئی کہ آخر پورے سال میں ایک قابل ذکر کام بھی تو نہ کر سکی، محض وقت کو گزرتے دیکھتی رہی۔ دن و راتوں اور پھر سال مہینوں میں تبدیل ہوتے گئے اور زندگی ایک ہی جگہ کی رہی عمر رواں کا ایک اور قیمتی سال پلک جھپکتے ہی گزر گیا۔
- (۳) اس پر کیا لکھوں کہ "ہر خواہش پر دم نکلے" مقصد..... مقصد حیات کی طرف تو قدم ہمیشہ سست روی کا شکار رہتے ہیں البتہ خواہش اور کوشش یہی رہتی ہے تڑکیے لکھنا جاری رہے۔
- (۴) زندگی تو شان و تادہ ہی حسب خواہش کسی کی گزرتی ہو لیکن پلاننگ تو ہمیشہ کی جاتی ہے ہر سال بہت کچھ کرنے کا ارادہ ہوتا ہے۔ قرآن

ہو۔ "نادید جہانگیر کہتی ہے "پروا تم بہت معصوم کیوٹ ہو، تمہیں لوگوں کو پرکھنا نہیں آتا جس کی وجہ سے تم بہت جلد حوکا کھا جاتی ہو۔" نبیلہ عزیز کہتی ہے "پروا! تمہارا نام معصومہ یا گڑیا ہونا چاہیے۔ ورنہ کہتی ہے "تم پروا کی طرح نرم و نازک سی لگتی ہو اللہ تمہیں ہر دکھ و تکلیف سے بچائے آمین۔ شادی سے پہلے ان سب فرینڈز سے رابطہ تھا مگر اب نہیں ہے مجھے اپنی یہ پر خلوص اور مخلص فرینڈز بے حد یاد آتی ہیں۔ مجھے جوائنٹ فیملی سسٹم بے حد پسند ہے، گزشتہ سال کی نوک جھونک بنی مذاق سب اچھا لگتا ہے۔ کسی شادی یا فنکشن میں جائیں تو سب مل کر جاتے ہیں ایک دوسرے کا انتظار کرنا پھر اکٹھے بیٹھ کر پی ٹی وی پر فلم یا ڈرامہ دیکھنا اور ان پر کمنٹس پاس کرنا واہ کیا دن تھے؟ میرا میکہ جوائنٹ فیملی ہے اور سسرال میں ایسا نہیں ہے۔ اجازت چاہتی ہوں اللہ حافظ۔

السلام علیکم! آنچل اسٹاف اور ڈیئر قارئین کو میرا دل سے سلام قبول ہو۔ جی تو جناب میرا نام

نہالہ اختر

نمرہ افتخار میری تاریخ پیدائش 5 اپریل ہے اور میرا اشار Arise ہے اشار پر یقین کرتی ہوں کیونکہ جو خوبیاں یا خامیاں اشار میں بتائی گئی ہیں وہ تقریباً مجھ میں موجود ہیں۔ ہم چار بہن بھائی ہیں دو بھائی بڑے ہیں اور سب سے چھوٹی میں ہوں سبھی مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں۔ اپنی فیملی میں سب سے زیادہ پیارا ابو اور آئی سے ہے۔ مجھے بے شمار دوستیں پسند نہیں کیونکہ مخلص دوست ایک ہی کافی ہوتا ہے میری بیسٹ فرینڈ



پاکستان میں تعزیراتِ مذہب کے لیے ایجنڈیشن کے لیے ہیں۔ اسان ہو جائیں آئیں۔

(۵) دعا ہی دعا ہے کہ اللہ پاک نے والا سال وطن عزیز کے لیے خوشیاں لائے ملک کے کسی حصے میں بھی تھرپاکر جیسے حالات نہ ہوں۔
دہشت گردی نہ ہو اس امن ہی امن ہو خوشحالی ہی خوشحالی ہو۔

(۶) گزشتہ سال کی تمام بد جانے والی خامیوں کو مد نظر رکھتے ہوئے خوش دلی سے اس سال میں داخل ہونا ہے نئے سال میں تشریف بحال کامیوں کو انجام تک پہنچانا ہے ان شاء اللہ۔

(۷) کوئی خاص نہیں سوائے اس کے کہ سلسلہ وار ناول کم ہوں اور کم اقساط پر مشتمل ہوں، مکمل ناول زیادہ ہوں اور آپ کی شخصیت کا سلسلہ دوبارہ شروع کیا جائے۔

فاطمہ خالق فاتی..... جلت نمبر 209

(۱) میرے نزدیک تو دبیر غم کا استعارہ ہی ہے پہلے میں بھی اس بات سے اختلاف رکھتی تھی کہ لوگ خواہوا ہی دبیر کو ایسے کہتے ہیں مگر یہ تب پتا چلتا ہے جب خود پر ہنستی ہے۔ بہت سی دلیں دبیر نے مجھ سے چھین لیں۔ بہت سے پیاروں کی دلیں بھی اسی موسم میں سنبھلی پڑی اور بہت سے پیارے اسی ماہ میں اللہ کو پیارے ہوئے۔

(۲) گزشتہ سال میں میں نے اپنی پڑھائی کو دوبارہ جاری کیا اور مجھے دعا چودہری (نمرہ) جیسی مجلس دوست ملی۔

(۳) میں نے زندگی کا اصل مقصد پالیا نظر میں جھکا سیکھ لیں۔

(۴) نئے سال میں میں خود کو گم کی بجائے پیچھے جاتا ہوا دیکھ رہی ہوں پتا نہیں اب آگے..... غیب کا علم تو رب جانتا ہے۔

(۵) نئے سال میں وطن عزیز کے لیے دعا ہی کر رہی ہوں کہ اللہ رب العزت ہمارے ملک کی حفاظت کرے اس کے رہنے والوں کو زندگی کا اصل مقصد ملے اور ملک اس کا گوارہ بن جائے۔ صرف حکمران ہی نہیں بلکہ عوام کا بھی یہ حق ہے کہ وہ انفرادی طور پر اپنے آپ کو مدداریں۔

(۶) نئے سال کو خوش آمدید کہنے کے لیے سب دوستوں کو کارڈز اور دعاؤں کا تحفہ بھیجیوں گی۔

(۷) آج کل پہلے ہی پر فیکٹ ہے اس میں کوئی تبدیلی کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہو رہی۔

دعا ہاشمی..... فیصل آباد

(۱) میرے پاس دبیر کے حوالے سے کوئی خاص یا نہیں کہ میں اس کا خصوصی ذکر کروں مگر دبیر کی غم سے محسوس ہوتا ہے کہ وہ شامیں کبھی کبھار میں ڈوبتی نظر آتی ہیں طویل راتیں بھیروں تلپے روندے جانے کا نام کہہ سکتے ہیں وہ اپنے بلباہی کا غم منانے میں منڈ منڈ خفت اور ان سب میں وعلاشی کے جیسی بقول صنوبر میر کے یلیدوں ملاں درج ہوئے..... دبیر خوشی کا استعارہ نہیں ہو سکتا کہ مجھے تو ایسے بھی بقول صنوبر کے اس میں کچھ شوق ہے۔

(۲) 12 نومبر 2013ء کو میری چھوٹی خالہ اس دار فانی سے کوچ کر گئیں جانا سال انہیں ملے گیا اور 17 نومبر 2014ء کو میرے چھٹا ناٹو کی وفات ہو گئی۔ یعنی نئے سال کا سورج بھی اٹلیاں لے کر طلوع ہوا۔ 28 فروری کو ماما کی ہیلتھ رپورٹس ملیں تو ایک مہینے کو جان نکلتی محسوس ہوئی۔ 28 جولائی کو ماما ہمیں تنہا کر گئیں اللہ انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ دے آئیں اور اس واقعہ نے مجھے میرا تابدیل دیا۔ اس سال کی واحد خوشخبری انا احب کے ہاں بیٹی کی پیدائش انا بیٹی کی شادی کے بعد میں غیر محسوس طریقے سے ماما سے بہت مانجھ ہو گئی تھی اس ان کی کی برداشت نہیں ہو پائی۔

(۳) میرے بہت چھوٹے چھوٹے اور بہت بے ضرر سے خواب ہیں۔ اسل اسو کو بہت سارا پڑھانا اسامہ کو کامیاب دیکھنا یعنی رجا کو مدرسہ (دینی) تعلیم دلوانا انا باجی کو ہمیشہ خوش دیکھنا اور اللہ سے ڈھیروں لاوا اٹھوانا۔

(۴) میں نے ماما کی بیماری اور اسپتال کے قیام کے دوران زندگی کو بہت قریب سے دیکھا ہے زندگی کی حقیقت صحیح معنوں میں پہچانی ہے۔ رضائے الہی پر سز کو جھکا سیکھا ہے مگر کتنا سیکھ لیا اور سب کی خوشی کے لیے اپنی اداسی چھپا کر سکرانا سیکھ لیا۔

(۵) میری کوئی گزشتہ فاطمہ جناح کی کافی کہا کرتی تھیں تمام نیک تمناؤں کو وطن عزیز کے تمام کروں کی اور دعا کرتی ہوں کہ پاکستان میں ہنگامی کی عفریت سے نجات پالے۔ وطن عزیز پر سایہ فکین بربریت کے بادل چھٹ جائیں اور انسانیت کا نیا سورج طلوع ہو۔ پاکستانی صحیح معنوں میں اپنی ذمہ داری محسوس کرتے پاکستان کو امریکہ کے چنگل سے آزاد کروائیں۔

(۶) ایک وقت تھا کہ جب میں بارہ بجے ناریل لور کو پورے کے لٹو کھا کر سال کا آغاز کرتی تھی مگر اب تو وہ سب بہت پرانی بات لگتی ہے۔ عرصہ عواش نے سال کا آغاز بلیک کافی کی تنخیاں محسوس کرتے ہوئے کرنا شروع کر دیا۔ سب سے پہلے تو شکرانے کے نفل ادا کرتی ہوں کہ ایک سال بخیر وعافیت گزرا اور ہمارے دھن ورجم مالک نے ہمیں ہماری بساط سے زیادہ آزمائش میں مبتلا نہیں کیا پھر کافی بنا کر اور موبائل لے کر محن پا چھت پر پٹی جانی ہوں اور ساموں خلائوں چاچوں چچپوں کزنز صنوبر ناٹو باجی شاہ لالہ اور سب کو نیا سال دس کرتی ہوں۔

آنجل ✽ جنوری ✽ ۲۰۱۵ء 28

(۷) جب میں نے آنجل پڑھنا شروع کیا تو میں 7th یا 6th کلاس میں تھی اور آنجل کا معیار ایسا تھا کہ ایک دس سالہ بچی بھی پڑھ سکتی تھی۔ میں نے اس سے بہت کچھ سیکھا ہے مگر اب دن بدن اس کا معیار نیچے کی طرف آ رہا ہے کہ میں آنجل کو پھر اسی مقام پر دیکھنا چاہتی ہوں کہ اگر کم عمر بچیاں بھی پڑھیں تو کوئی اچھا سبق لے کر انہیں۔

نادیہ بنت یسین..... ساہیوال

(۱) میرا ذاتی خیال ہے کہ دبیر غم کا استعارہ ہے حالانکہ خوشی کو کسی ایک ماہ سے منسوب نہیں کر سکتے یہ تو اپنے اپنے مقدمہ کی بات ہوتی ہے پر یہ بات تو واقعی بات ہے کہ کوئی غم نہ ہو کوئی پریشانی نہ ہو پھر بھی دبیر کی شامیں اس کر جاتی ہیں پتا نہیں کیوں۔

(۲) زندگی میں ہونے والے بہت سے واقعات آپ پر اپنے اثرات مرتب کرتے ہوئے بہت سی تبدیلیاں لانے کا سبب بنتے ہیں گزشتہ سال میں ہونے والے واقعات نے مجھ میں بھی تبدیلیاں کی ہیں خوشگوار یا ناخوشگوار شاید وہی۔

(۳) دبیر غم خواہش تو خیر کوئی پوری نہیں ہوئی جس میں سرفہرست عمرہ کرنا ہے محبوب آقا جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی مگر میں جانا ہے پر امید ہے اور اللہ پر پور یقین ہے کہ وہ دن جلد ہی آئے گا زندگی میں اس کے علاوہ ہم چھوٹی چھوٹی خوشیوں پر خوش ہونے والے ہیں اور اللہ کا کرم ہے کہ خواہنا رہتا ہے۔

(۴) اس سال کے لیے بہت سے خواب ہیں خود کو ایک ایسے دستے پر دیکھتی ہوں جس کے مینڈ میں میری منزل ہے سیدھا اور صاف رستہ ہے جس اللہ سے دعا ہے کہ وہ کامیاب کرے۔

(۵) وطن عزیز کے لیے تو بہت سی دعاں ہیں کہ اللہ ہمارے سیاستدانوں کو ہدایت دے اور وہ اپنے مفادات کو چھوڑ کر غریب عوام کے بارے میں سوچیں۔

(۶) نئے سال کو بہت سی دعاؤں نے غم و غصہ سے دیکھ کر دیں گی۔

(۷) کوئی بھی تبدیلی نہیں جی کیونکہ آپ کی کی جانے والی تبدیلیاں ہمیں پسند آتی ہیں۔

ہما ایوب..... عارف والا

(۱) میرے نزدیک دبیر غم کا استعارہ ہے گزرتے سال کا ڈوبتا ہوا سورج ہمیں ملال میں مبتلا کرتا ہے کہ دیکھو یہ سال بھی گزر گیا اور ہم اپنے یہ مقاصد پورے نہ کر پائے وہ ہمارے اپنے جو کچھ نئے سال ہمارے ساتھ تھا اس سال وہ صرف یاد بن کر رہ گئے ہیں۔

(۲) گزشتہ سال میں خوشیاں بھی ملیں اور غم بھی سب سے بڑی خوشی میری بھانجی دعا کی برتھ ڈے ہے۔ ہمارے گھر کی کنسرکشن میرا لنگوچ کا ڈیڈم ملنا ہے سب وہ خوشیاں ہیں جو مجھے 2014ء میں ملیں۔ غموں کا تذکرہ کیا جائے تو سب سے بڑا ڈسٹ المرحی ہے جس نے مجھے تنگ کرنا شروع کر کے رکھا ہے کچھ اچھی دوستیں جو جب تک ساتھ ہیں اچھی رہیں مگر جیسے ہی الگ ہوئیں ان سے رابطہ نہیں ہو سکا۔

(۳) بہت سوچنا پڑے گا کہ 2014ء میں مجھ میں کون سی اچھی عادت پیدا ہوئی یا البتہ نئی بات کے لیے سوچنا نہیں پڑے گا اس سال بے حد مصروفیت کے سبب اللہ تعالیٰ سے رابطہ کم ہو گیا جس کا مجھے بے حد خسوس ہے اللہ کرے کہ نئے سال میں یہ رابطہ پھر سے مضبوط ہو جائے۔ اچھی بات کون سی ہوگی (بہن سے پوچھ کر) اب میں چائے اچھی بنانے لگی ہوں (ہلہلا) بھی یہ مشکل سوال ہے۔

(۴) وطن عزیز کے لیے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بانیوں میں شعور اور اپنی آزادی کی فکر پیدا کرے کیونکہ جیسی عوام ویسے حکمران اللہ تعالیٰ ہمارے دل آجھے کرے تاکہ ہمارے حکمران بھی اچھے ہوں اور پاکستان ترقی اور خوشحالی کی راہ پر گامزن ہو سکے اور توانائی کا بحران اور غربت جیسے مسائل ختم ہو سکیں۔

(۵) نئے سال میں خود کو کہاں دیکھتی ہوں؟ آگے پہلے سے بہتر کامیاب اور بے امید۔

(۶) نئے سال کی آمد پر شکرانے کے نوافل پڑھوں گی سب کے لیے دعائے خیر کروں گی اور نیا سوٹ پہنوں گی اور دیکھتا ہے کہ کچھ میٹھا باہر سے ہی منگوا لیں گے اور اس..... ہاں سب فریڈز اور دوستے دائروں کو سچ کر دیں گی۔

(۷) آنجل کے لیے دعا ہے کہ اس کا معیار مزید بہتر ہو اور اس کے ضخامت میں اضافہ ہو جائے۔

خدیجہ الکری..... کھڈیاں قصور

(۱) میرے نزدیک دبیر غم کا استعارہ ہے خوشی کا کیونکہ مجھے ٹھنڈی شامیں اچھی لگتی ہیں اور ہیڈ سٹاک کے بیٹھ کر کہانیاں بھارتی میں منہ کر کے کتابیں پڑھنا یہ سب دبیر میں ہوتا ہے کئی لیے مجھے دبیر اچھا لگتا ہے۔

(۲) گزشتہ سال مجھ میں بہت سی خوشگوار تبدیلیاں آئی۔

آنجل ✽ جنوری ✽ ۲۰۱۵ء 29

گزر جائے گی یہ رُت بھی ذرا حوصلہ رکھنا
اس امید کے ساتھ کہ آنے والا سال گزشتہ سالوں سے بہترین ثابت ہوگا اللہ تعالیٰ پاکستان کو محفوظ رکھے آمین۔
(۷) اچھا سوال..... مکمل ناول زیادہ سے زیادہ ہوں اور افسانے کم اس کے علاوہ کوئی تبدیلی نہیں چاہیے ہمیں۔ پاکستان زندہ بازاں کے
ساتھ اجازت دیں سب بہنوں کو سلام۔

طیبہ شیریں..... کوری خدا بخش

- (۱) میرے نزدیک دبیر کو غم اور اسی یادوں کا استعارہ ہے۔
- (۲) میری ذات میں رونما ہونے والی تبدیلی یہ ہوتی کہ جاتے ہوئے سال میں اللہ کا شکر ہے پانچ وقت کی نماز کی عادی بن گئی۔
- (۳) نئے سال میں جو بھی نئے ارادے بنائے اور جو بھی سوچا وہ پورے ہوئے۔
- (۴) اس حوالے سے خود کو بہت اعلیٰ مقام پر رکھتی ہوں مگر ہوتا وہی ہے جو اللہ کو منظور ہوتا ہے انسان تو بس سوچ سکتا ہے۔
- (۵) اپنے پیارے وطن کے لیے دعا ہی کر سکتی ہوں کیونکہ وطن میں بد نظمی پیدا کرنے والے خود پاکستانی ہی ہیں اللہ ان سب کو ہدایت دے اور
پاکستان کو پہلے جیسا بنا دے۔
- (۶) نئے سال کو بہت سی دعاؤں سے خوش آمدید کہوں گی۔
- (۷) آنچل تو بیسٹ ہے کوئی تبدیلی نہیں چاہیے بالکل اچل کے اسٹاف کو ہمیشہ ترقی کی راہ پر گامزن رکھے اور آنچل دن بھر اور رات چوٹی
ترقی کرے آمین۔

سامعہ ملکہ پرویز..... خان پور

- (۱) دبیر استعارہ ہے خوشی و غم دونوں کا کیونکہ دبیر کے اختتام کے ساتھ ہی جہاں سال نوئی امیدیں نیا دلوں اور نئے جذبوں کے دیپ ہمارے
خیالوں میں روشن کرتا ہے۔ وہی دوسری جانب گزشتہ سال کے پھر جانے کا دکھ بھی ہوتا ہے بہت پیارے رشتوں کا پھڑنا لقریب یادوں کی
دوریوں میں اضافہ یہ سب دبیر کی ہی تو میراث ہے۔
- (۲) گزشتہ سال میرے لیے بہت سی خوشگوار تبدیلیاں لانے کا موجب بنے۔ مجھے بہت کچھ ملا جو کچھ چاہا اللہ عزت کا شکر ہے مگر جہاں
خوشگواریت ہو وہاں ناخوشگواریت کے عناصر بھی اپنے تمام پہلوؤں کے ساتھ موجود ہوتے ہیں جہاں انسان اپنا بچپن گزارتا ہے زندگی کی ہر منزل
پر کامیابی اس کا مقدر بنتی ہے جہاں غمروں میں رہتے ہوئے بھی سب باتوں کا احساس دلاتے ہیں جہاں زندگی حقیقی معنوں میں زندگی محسوس ہوتی
ہے۔ ایسی جگہ کو چھوڑنے کا کبھی دل نہیں کرتا مگر یا باکی رہنا زمرنٹ کے بعد ہمیں اپنے آبائی گاؤں واپس آنا پڑا مگر میری سوچیں میرے خواب سب
وہی کے ہیں مس یو مائی اولڈ ہوم..... اور اس کے علاوہ میرے بھائی کا نومبر میں ایکسیڈنٹ ہوا جب تک اس کی آواز اپنے کانوں سے نہیں سنی مجھے
خود میں زندگی کی کوئی رقم نہ کھائی نہ دی۔
- (۳) اس سال مجھ میں رونما ہونے والی اچھی بات..... کیا مطلب ہے آپ کا کیا میں پہلے اچھی نہیں تھی؟ میں تو آل ریڈی اچھی ہوں بلکہ
بہت زیادہ اچھی ہوں ہلہلا۔ خیر اس بات کا اندازہ نہیں لگا پائی جہاں تک بات ہے دیرینہ خواہش کی تکمیل کی تو تو بہت سی خواہش پوری ہوئیں لیکن
اپنے گھر شنگ اور پھر رشپ کا خواب اس سال پورا ہوا۔
- (۴) اس نئے سال میں بہت سی خواہشیں ہیں جو ان گنت ہیں کامیابیوں کی عروج پر چمکتے تارے کی صورت میں خود کو دیکھنا چاہتی ہوں۔
- (۵) وطن عزیز کی موجودہ صورتحال کا البتہ جب نگاہوں کے سامنے کھوتا ہے تو سوچیں بھی منتشر ہوتے لگتی ہیں مگر دعائے بارگاہ الہی ہے کہ
ہمیں عقل و شعور آگاہی عطا فرمائے اور ملکی باگ ڈور ایماندار اور متقی افراد کے ہاتھوں میں تھما دے آمین۔
- (۶) نئے سال کو کیسے خوش آمدید کہوں گی ہم مہم..... ہمیشہ کی طرح آنے والے سال کو اپنی دعاؤں کے صدر میں خوش آمدید کہتی ہوں جی.....
- (۷) نئے سال میں ماہنامہ آنچل میں کیا تبدیلیاں دیکھنا چاہوں گی ماہنامہ آنچل اپنے وسیع فائن میں فہم فراست فصاحت و بلاغت شعور
آگاہی سوچ و تدبیر قاعدہ اصول زندگی حقیقی رشتوں کی پہچان اور محبتوں کے جہان کے خوب صورت موتیوں کو سیٹے ہوئے ہے جس کی بدولت
زندگی کی تلخ حقیقی بسا اوقات شیریں محسوس ہوتی ہیں۔ آنچل ہر لحاظ سے نہایت دلچسپ و خوشنما ہے اگر میری رائے پوچھی جا رہی ہے تو میں کہوں
گی کہ آنچل میں نئے لکھاری لوگوں کے لیے موضوعی مقابلے کا اہتمام کیا جائے چاہے وہ دو صفحات پر مشتمل ہو مگر ضرور لکھنے والوں کو آپ کی
حوصلہ افزائی کے بڑھنے اور اپنے دیرینہ خواب کی تکمیل میں خاطر خواہ مدد فراہم ہوگی اجازت والسلام۔



آنچل جنوری ۲۰۱۵ء 32

کرن جہا ایک خصلہ

عزیز ریڈی

مانا کہ زندگی سے ہمیں کچھ ملا بھی ہے
اس زندگی کو ہم نے بہت کچھ دیا بھی ہے

ہم پھر بھی اپنے چہرے نہ دیکھیں تو کیا علاج
آنکھیں بھی ہیں، چراغ بھی ہے، آئینہ بھی ہے

”اللہ اکبر... اللہ اکبر“ اس نے بچے کو ہاتھ میں لیتے
ہی پہلے اس کے ماتھے کا بوسہ لیا اور پھر اس کے کان میں
اذان دی اور مخاطب ہوا۔

”تم مسلمان ہو میرے بیٹے! تم نے مسلمان گھر میں
آنکھیں کھولی ہیں۔ تمہارے باپ کا اختتام بھی ایمان پر
ہوگا ان شاء اللہ اور میری دعا ہے تمہارے لیے کہ تم بھی اپنی
زندگی ایمان کی راہ پر سفر کرتے ہوئے گزارو۔ میں تمہیں
اسلام کی تعلیم کرتا ہوں اسلام سب سے بہتر دین ہے اس
پر عمل پیرا ہونے والے لوگ دنیا کے بہترین لوگ ہیں اس
لیے میں تمہیں تاکید کرتا ہوں کہ کچھ بھی ہو جائے اپنی
حقیقت مت بھولنا میں رہوں نہ رہوں حق کا راستہ مت
چھوڑنا۔ ہم سب کا رب ایک ہی ہے اللہ عزوجل اور وہی
عبادت کے حقوق کا وارث ہے اس کا حق مت مارنا کبھی
بھی اس کی محبت کو اپنے دل سے محو مت ہونے دینا ایمان
قائم رکھنا ایمان قائم رکھنا۔ میں تمہارا نام اذان رکھتا ہوں۔
”اذان“ اللہ کی طرف سے بلاوا ہے اس کے مومن بندوں
کے لیے اور میں تمہیں ان مومنوں میں سے ایک دیکھنا
چاہوں گا اذان۔“ اس کی آنکھوں سے بہنے والے آنسو
بچے کے چہرے کو بھگونے لگے تھے۔

”میں نے اپنے دین کو چھوڑ کر جو کبیرہ گناہ کیا تھا اس
کی سزا میں نے یہاں تو نہیں پائی لیکن وہاں مجھے اس گناہ
کی سزا ضرور ملے گی اگر تم نیک اور صالح بنے اذان تو میری
بخشش ممکن ہو جائے گی۔ اب میری آخری زندگی کی رہائی
تمہارے عمل پر ہے بیٹے!“ اس نے ایک بار پھر اپنے بیٹے
کا بوسہ لیا۔

”ج اذان پورے ایک ماہ کا ہو چکا تھا جینی اسی لیے
میں تم سے یہ بات بہت واضح الفاظ میں کہتا ہوں کہ تم
اسلام قبول کرلو ورنہ.....“ وہ ایک لمحے کے لیے رکا تھا۔
جینی اس وقت گارڈن میں اذان کے ساتھ بیٹھی باتیں
کر رہی تھی۔

”ورنہ کیا دانیال؟“ جینی نے غیر یقینی انداز میں
اسے دیکھا۔

”ورنہ مجھے تمہیں چھوڑنا پڑے گا کیونکہ میں نہیں چاہتا
کہ میرا بیٹا ایک مشرک کی گود میں پرورش پائے۔“ اس نے
بہت ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا اور جینی اس کا منہ دیکھتی رہ
گئی تھی اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ کیا یہ وہی دانیال ہے
جس نے اس کے لیے سب کچھ چھوڑا تھا وہ ڈبڈباہی
آنکھیں سے اسے جاتا دیکھتی رہی اور پھر اپنے کمرے
میں چلی آئی۔ کتنی ہی دیر روٹی رہی تھی وہ۔ اسے زندگی میں
پہلی بار دانیال سے شدید نفرت محسوس ہو رہی تھی اس نے
آنسو صاف کر کے سامنے راہداری میں بنے کمرے کی
طرف دیکھا جس کے کھلے دروازے میں سے اسے دانیال
نظر آ رہا تھا وہ اذان کو ہاتھوں میں اٹھائے اس کے کان میں
کچھ کہہ رہا تھا۔

”کیا باتیں کرتا رہتا ہے یہ خیرے بیٹے سے دن
رات۔ کہیں میرے بیٹے کو اپنی طرح پکا مسلمان نہ
بنائے۔“ اس کے دل میں عجب دوسو سنا نے لگے۔
”نہیں میں ایسا نہیں ہونے دوں گی لیکن میں کیا
کروں اوجھڑا!“ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

”بی بی جی! آپ کے گھر والے لائے ہیں آپ سے
ملنے۔“ ایک ملازمہ نے اندر داخل ہو کر کہا اور جینی بجلی کی
رفتار سے کمرے سے باہر نکلتی چلی گئی تھی۔

دور تک پھیلا صحرا دھوپ کی تیزی کے سبب خل رہا تھا۔
انسان تو بہت دور کی بات کسی حیوان کے وہاں ہونے کا اور وہ
بھی زندہ سلامت تصور ہی ناممکن تھا مگر اچانک ہی بہت
دور ریت کے اونچے نیچے پر سیاہ نقطہ سا بھرتا اور پھر دھیرے

دھیرے بڑھنے لگتا ہے..... وہ ایک زندہ انسان تھا۔ سر تا پیر
سیاہ چادر میں ملبوس انسان۔ اس کا چہرہ اس چادر میں کہیں گم
تھا نیچے پاؤں اس ہتھیلی ریت پر چلتے ہوئے اس کے پاؤں
زخمی ہو گئے تھے اور اس حد تک سرخ ہو گئے تھے کہ ان سے
خون رسنے کا لگان ہو رہا تھا۔ وہ کون ذی روح تھا جو اپنی
جان ہتھیلی پر رکھ کر اس تپتے صحرا میں آ گیا تھا اب نقاب
ہٹنے لگا تھا پہلے ہونٹ نمایاں ہوئے تھے ہونٹوں کی رنگت
پہر یاں جننے کے سبب سیاہ ہو رہی تھی ایسے جیسے بہت مدت
سے پانی کی ایک بوند بھی ان ہونٹوں کو نہ چھوئی ہو۔ نقاب
مزید اتر ہوا اور ناک کے نتھنوں کے درمیان ایک بڑی سی
بالی لگی نظر آنے لگی تھی۔ جو پرانے دور میں غلاموں کو پہنائی
جاتی تھی۔ نقاب مزید اٹھا تو ایک دم فضا میں بھونچال سا
آ گیا وہ بڑی بڑی سپاہ آنکھیں ایک بار اس کے رو برو تھیں
مگر آج ان میں وہ نور نہیں تھا وہ بہت اجاڑ ویران سی محسوس
ہو رہی تھیں۔ ان سے پہنچا لے آنسو بہت زیادہ مجبوری اور
بے بسی کا تاثر لیے ہوئے تھے یک دم ہی صحرا میں ایک
طوفان اٹھنے لگا تھا اور ریت کے گولے اسے اپنی پلیٹ میں
لے چکے تھے اور پھر سب کچھ گہرے اندھیرے میں ڈوب
گیا تھا وہ اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو چکی تھی۔

اس نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھولیں اس کا دل بہت بے
ترتیب دھڑک رہا تھا اس کا وجود شدید ٹھنڈک کے باوجود پسینے
میں شرابور تھا۔ اس نے گہرے سانس لیتے ہوئے ارد گرد کا
جائزہ لیا تو وہ صحرا نہیں بلکہ وہ نہر تھی جس کے کنارے وہ بیٹھا
تھا اپنی خالہ کے گھر سے واپسی پر۔ وہ جب بھی اپنی ماما کے
ساتھ ان کے قصبے آتا تو اپنی خالہ کے گھر ضرور جایا کرتا تھا گو
کہ اس کی ماما اور نانا نانی خالہ سے نہیں ملا کرتے مگر وہ پھر بھی
جاتا تھا ان کے منع کرنے کے باوجود بھی اور آج بھی گیا تھا
ہمیشہ کی طرح واپسی پر وہ نہر کے کنارے ایک درخت کے
نیچے بیٹھا تو گہری نیند کی آغوش میں اس نے غیرہ کو دیکھا اور
وہ بھی اتنی بری حالت میں۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اس
نے ایسا خواب کیوں دیکھا اس نے نہر کا ٹھنڈا پانی چہرے
پر ڈالا تو اس کی حالت کسی حد تک بہتر ہوئی تھی اور دماغ کچھ

سوچنے کے قابل ہوا تھا۔

”کہیں ایسا تو نہیں کہ عیمرہ کسی پرابلم میں ہو۔“ اچانک ہی اس کے ذہن میں یہ خیال آیا اور اس نے فوراً موبائل نکال کر عدیل کا نمبر ڈائل کیا مگر جان کی قسمت آج اس کے ساتھ نہیں تھی بارہا ملانے کے باوجود بھی عدیل کا نمبر نہیں مل رہا تھا جس کا مطلب تھا کہ اس علاقے میں سگنلز نہیں آ رہیں۔ اس نے پوری قوت سے اپنا ہاتھ درخت پر مارا اور اس کے ہاتھ سے خون رسنا شروع ہو گیا۔ اس نے بہتے خون کو دیکھا۔

”اگر انسان کو لگے کہ اس پر یا اس کے کسی اپنے پر کوئی مصیبت آنے والی ہے تو اسے چاہیے کہ اللہ کی راہ میں اپنی یا اس شخص کی طرف سے صدقہ کرنے سے وہ مشکل یا تو نکل جائے گی یا پھر کسی حد تک کم ہو جائے گی۔ صدقہ و خیرات کی کوئی بھی صورت ہو سکتی ہے جیسے غریب اور مسکین کو کھانا کھلانا، آبی مخلوق کو کھلانا یعنی فیش فروڈ دینا۔ چرند پرند کو دانہ وغیرہ ڈالنا بھی صدقہ و خیرات کی قسمیں ہیں۔“ وہ تیزی سے کار کی جانب بڑھا پھر رومال سے خون صاف کرتے ہوئے اس نے اپنے ذہن میں اگلے چند گھنٹے ترتیب دیئے اسے صدقہ دینا ہے عیمرہ کی طرف سے ان تینوں طریقوں سے جو عیمرہ نے صدقہ و خیرات والے پتھر میں بتائے تھے۔



ٹھنڈی ہوا اس کے وجود سے ٹکرا رہی تھی وہ درجے میں پچھی پنج پر بیٹھا تھا۔ اس کا دل کسی حد تک مطمئن ہوا تھا وہ صدقہ کر چکا تھا عیمرہ کی طرف سے اور اب آسمان پر ٹھنڈے ستاروں کو دیکھتے ہوئے وہ اس ہستی سے مخاطب تھا جس پر عیمرہ ہر ہستی سے زیادہ یقین رکھتی تھی۔

”میں نے عیمرہ کی طرف سے صدقہ کیا ہے تیری راہ میں سچے دل سے۔ اسے قبول فرما اور عیمرہ کو ٹھیک رکھو بہت بھروسہ کرتی ہے تجھ پر اس کا یقین ایمان اس کا دین ہے تو۔“ جان نے اپنے دل میں ایک سکون محسوس کیا تھا۔

”جان کہاں گئے ہوئے تھے میں کب سے تمہیں

دھونڈ رہی تھی؟“ اس کی ممانے اس کے کندھے پر ہاتھ کر اسے جھنجھوڑا اور اس نے پلٹ کر انہیں دیکھا۔

”مما! کیا ہم ابھی گھر چل سکتے ہیں؟“ جان نے کہا۔

”کیوں..... تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟“ انہوں نے نا سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھا۔

”میں ٹھیک ہوں! بس مجھے اپنے پیپرز کی ٹینشن ہو رہی ہے اور ویسے بھی اب تو ماما جی کی طبیعت بھی ٹھیک ہے اور بابا کی برسی بھی ہو گئی ہے۔“ جان نے تو جیسہ پیش کی۔

”پیپرز کی وجہ سے تم نے کب سے پریشان ہونا شروع کر دیا۔“ انہوں نے ذومعنی انداز میں کہا۔

”مام! پلیز! میں گھر جانا چاہتا ہوں اور بس۔“ اسے الجھن ہو رہی تھی ان کے سوالات سے۔

”اوکے چلو میں پیکنگ کرتی ہوں۔“ انہوں نے محسوس کیا کہ جان کو ان کے سوالات سے الجھن ہو رہی ہے اسی لیے انہوں نے کوئی مزید سوال نہیں کیا۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد وہ قصبے کی حدود سے نکل رہے تھے انہوں نے محسوس کیا تھا کہ جان کا بہت تیز چلا رہا تھا اور گھر پہنچ کر اس نے سب سے پہلے عدیل کو کال کی تھی پہلی ہی بار

میں کال ریسیو ہو گئی تھی۔

”تم کہاں ہو جان اس وقت؟“ ریکی علیک سلیک کے بعد عدیل نے اس سے سب سے پہلا سوال کیا تھا۔

”گھر پر ہوں۔“ جان نے خود کو بہت نارمل ظاہر کرنے کی کوشش کی۔

”ویسے وہاں سب خیریت ہے نا..... میرا مطلب ہے عیمرہ.....“ جان اپنا جملہ مکمل نہیں کر پایا تھا اسے سمجھ ہی نہیں آ رہا تھا وہ عدیل سے عیمرہ کے بارے میں کیسے پوچھے یک دم دونوں طرف ہی خاموشی چھا گئی تھی بلا آخر

جان نے ہر احتیاط کو بالائے طاق رکھا یہاں تک کہ عدیل کے خفا ہونے کو بھی۔

”عدیل! عیمرہ کیسی ہے؟ مجھے نہیں پتا لیکن مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ وہ کسی مصیبت میں ہے۔“ وہ ایک ہی سانس میں کہتا چلا گیا۔

آنچل جنوری ۲۰۱۵ء 36

”میں خود بھی نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ میں تمہیں کیسے بتاؤں میں نے خود ہی تمہیں عیمرہ سے دور رہنے کا کہا تھا اب اس کی اتنی پرابلمیں تمہیں کیسے شامل کروں؟“ عدیل کے لہجے میں شرمندگی تھی۔

”کیا ہوا عدیل! عیمرہ کو..... وہ ٹھیک تو ہے نا؟“ جان کے ذہن میں اس کی خواب والی حالت ابھر آئی اور اس کا دل اس کے حلق میں آ گیا تھا۔

”جیل میں ہے۔“ عدیل کا یہ جملہ جان کو سن کر گیا۔

”کیا.....؟“ اس کی آواز ڈوٹی چلی گئی تھی۔

”اس پر سینٹا نام کی لڑکی کے غواء کا الزام ہے ہم لوگ جیل ہی میں آئے ہوئے ہیں مگر کچھ ہو نہیں پا رہا۔ احمد کی بھی کوئی سفارش کام نہیں آ رہی سخت مشکل میں مبتلا ہیں

جان! جلیز تم کچھ کرو جان! ہم علاقائی پولیس اسٹیشن میں ہیں۔“ عدیل کا لہجہ سنجی تھا۔

”میں آ رہا ہوں۔“ جان نے اتنا کہہ کر کال منقطع کر دی وہ ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا بہت تیزی سے اس نے اپنا رخ ماما کے کمرے کی جانب کیا وہ جانتا تھا صرف یہی واحد شخص جو عیمرہ کو جیل کے اندھیروں سے باہر آ سکتی تھیں۔



علاقائی اسٹیشن میں ڈی آئی جی کو داخل ہوتا دیکھ کر سنبھلی ایک دم حلق و چوبند ہو گئے تھے۔ ڈی آئی جی کے ساتھ جان کو دیکھ کر عدیل کی جان میں جان آئی تھی جان نے بھی ان تینوں کو دیکھا تھا۔ عدیل اور احمد کے ساتھ ایک ضعیف العمر شخص تھا ان کا چہرہ نورانی تھا سفید داڑھی اور سر پر سفید ٹھامہ تھا۔ اس نے ایک نظر میں جائزہ لیا تھا یقیناً وہ عیمرہ کے قادر تھے ڈی آئی جی کی آمد پر انہیں سب انسپکٹر سب ہی حاضر ہو گئے تھے انسپکٹر نے آگے بڑھ کر ڈی آئی جی سے ہاتھ ملایا تھا۔

”مرآپ یہاں..... سب خیریت تو ہے؟“ اس نے جان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”میں ایک پرسنل کیس کے سلسلے میں آیا ہوں تم نے

آنچل جنوری ۲۰۱۵ء 37

آپ دنیا کے کسی بھی خطے میں مقیم ہوں

آنچل نے افق

ہم بروقت ہر ماہ آپ کی ڈیلیوری فرما دیتے ہیں

ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا رسالہ (بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)

پاکستان کے ہر کونے میں 700 روپے

افریقہ امریکا کینیڈا آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے

5000 روپے (ایک سالہ منگوانے)

6000 روپے (ایک سالہ منگوانے)

میدل ایسٹ ایشیائی یورپ کے لیے

4500 روپے (ایک سالہ منگوانے)

5500 روپے (ایک سالہ منگوانے)

رقم ڈیمانڈ آرڈر مئی آڈر مئی گرام ویسٹرن یونین کے ذریعے بھیجی جاسکتی ہیں۔

مقامی افراد دفتر میں نقد ادائیگی کر سکتے ہیں۔

ابطحہ ظاہر احمد قسطنطنیہ 0300-8264242

نئے افق گروپ آف پبلی کیشنز

بیس بصری 7 قسطوں میں عیمرہ کا دل دھڑکا

فون نمبر: +922-35620771/2

aanchalpk.com

aanchalnovel.com

Circulationn14@gmail.com

عمرہ عباد کو سنیتا کے انواء کے الزام میں گرفتار کیا ہے اسے
فی الحال چھوڑ دو آگے کے معاملات میں خود سنبھال لوں
گا۔ انہوں نے حکمانہ لہجے میں کہا۔

لیکن سر اس پر کشور مہرا کی بیٹی کے انواء کا الزام ہے
اور آپ جانتے ہیں نا انہیں..... اس نے ذومعنی انداز
میں کہا۔

میں نے کہا نا میں خود سنبھال لوں گا۔ اب کی بار ان
کا لہجہ تھوڑا شیر تھا۔

او کے سر۔ اس نے مزید کوئی بات نہیں کی اور انہیں
ساتھ لے ایک طرف بڑھنے لگا۔

چلیں جان! انہوں نے جان کو مخاطب کیا تو وہ ان
تینوں سے مل چکا تھا۔ عمرہ کے فادر اس کے بہت مشکور

تھے مگر احمد کے چہرے کے تاثرات بہت ناگوار تھے۔ وہ
مزید کوئی بات کیے بغیر ڈی آئی جی کے پیچھے چل پڑا وہ

اب تہہ خانے کی سیڑھیاں اتر رہے تھے اس نے دیکھا
وہاں بہت اندھیرا تھا۔ صرف ایک چھوٹا سا لمب تھا جو دو

طرفہ بنی کال کوٹھڑیوں کے وسط میں تھا جان کا دل ڈوبنے
لگا اس کا دل چاہا کہ وہاں سے بھاگ جائے یا پھر پھوٹ

پھوٹ کر روئے۔

وہ یہاں ہے ان درندہ صفت لوگوں کے درمیان
کیوں؟ اسے یہاں نہیں ہونا چاہیے تھا۔ عمرہ جیسی پاکیزہ

لڑکی کیوں ان ناپاک لوگوں کے درمیان ہے..... کیوں؟
وہ تو اپنے رب سے بہت محبت کرتی ہے پھر اس نے کیوں

اسے یہاں ان اندھیروں میں لا چھوڑا؟ اس نے آج تک
کوئی گناہ نہیں کیا کوئی غلط کام نہیں پھر کیوں دی جا رہی

ہی اسے یہ سزا..... کیوں؟ اس کا ذہن بری طرح سے
انتشار کا شکار تھا۔ ڈی آئی جی اور انسپکٹر کے قدم رکے اور

ساتھ ہی جان کو اپنی دھڑکن بھرتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔
اس نے سینے پر ہاتھ رکھ کر دھڑکن محسوس کرنا چاہی مگر

وہاں کوئی آواز نہیں تھی۔
”نہیں عمرہ! میں آپ کو قبول نہیں کر سکتا ہرگز نہیں۔
ان میلی نگاہوں کے درمیان میں تصور بھی نہیں کر سکتا آپ

کا۔“ وہ سر جھکائے خود سے ہم کلام تھا۔

”آپ میرے ساتھ آئیے سر۔“ انسپکٹر نے اسے
مخاطب کیا اور اس نے نہ سمجھنے والی نگاہوں سے ڈی آئی جی

کو دیکھا۔
”جان! وہ اندر کی طرف ہے لیڈر پورشن میں۔“ اور

گردن ہلاتا ایک بار پھر انسپکٹر کے پیچھے چل پڑا اندھیر
راہداری میں چلتے ہوئے انسپکٹر اس سے مخاطب ہوا تھا۔

”بڑی بکلی سفارش لائے ہو آپ تو اس لڑکی کے
لیے۔ ورنہ اس کا چھوٹا تو بہت مشکل تھا۔ آپ کو چاہیے

اس نے کشور مہرا کی بیٹی کو انواء کر دیا ہے شہر کے چند نامور
تاجروں میں سے ایک ہیں۔“ جان کے قدم یک دم رک

گئے تھے اس جملے پر۔
”کیا ہو سر! آپ رک کیوں گئے؟“ اس نے پلٹ کر

پوچھا مگر وہ بنا جواب دیے چل پڑا اور انسپکٹر پھر اس سے
مخاطب ہوا۔

”ویسے رشتہ کیا ہے آپ کا اس لڑکی سے جو آپ اس
کے لیے اتنی بڑی سفارش لائے ہیں؟ کچھ تو خاص ہوگا

آپ دونوں کے بیچ؟“ اس کا لہجہ بہت ذومعنی اور ابتذال
بہت ہی گھٹیا تھا۔ جان کا دل چاہا کہ وہ اس کا سر پکڑ کر ان

سلاخوں میں دے مارے مگر اس نے ایسا نہیں کیا کیونکہ
جانتا تھا کہ اس کی کوئی بھی حرکت عمرہ کو ان سلاخوں کے

پیچھے ہمیشہ کے لیے مقید کر سکتی ہے۔
”اور کتنی دور ہے؟“ اس نے بے تاثر لہجے میں پوچھا۔

”لیجیے بس پہنچ گئے۔“ اس نے چند قدم آگے بڑھ کر
تالا کھولتے ہوئے کہا اس نے دیکھا سر سے پیر تک ہتھکڑیاں

چادر میں ملبوس وعامیں ہاتھ اٹھائے وہ آنکھ بند کیے بیٹھی
تھی۔ اس کے گالوں پر آنسو بہہ رہے تھے دروازہ کھلنے کی

آواز پر اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا اور انسپکٹر سے ہونی
ہوئی اس کی نگاہیں جان پر آریں۔ اس کی آنکھوں میں

حیرت و خوشی کے ملے جلے تاثرات ابھرے تھے۔
”آ جاؤ تمہاری ضمانت ہو گئی ہے۔“ انسپکٹر نے کرخت

لہجے میں کہا۔

”آپ ٹھیک تو ہیں نا عمرہ!“ جان نے اس کے باہر
نکلنے ہی پوچھا۔

”میں..... میں ٹھیک ہوں۔“ اس کا لہجہ بہت نرم تھا
غالباً وہ بہت دیر سے رو رہی تھی۔

”مجھے گھر لے چلیں جان پلیز! مجھے یہاں بہت ڈر
لگ رہا ہے۔“ آنسو اب بھی بہت تیزی سے بہہ رہے

تھے۔ انسپکٹر نے کھنکھرائیں اپنی طرف متوجہ کیا۔
”چلیں سر! ڈی آئی جی صاحب ہمارا انتظار کر رہے

ہوں گے۔“ انسپکٹر نے دبی دبی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔
”چلیں!“ اس نے عمرہ سے پوچھا اور اس نے اشیات

میں سر ہلا دیا۔ وہ دونوں ساتھ ساتھ چل پڑے تھے بھی
پیچھے سے آتا ہوا انسپکٹر عمرہ کے برابر چلنا شروع ہو گیا۔

عمرہ نے خفیف سی نگاہوں سے جان کو دیکھا اور جان نے
سمجھ جانے والے انداز میں سر ہلایا وہ چند قدم آگے بڑھا

اور اس طرح لڑکھایا جیسے اندھیرے میں کسی چیز سے ٹکرایا
ہو انسپکٹر نے جلدی سے آگے بڑھ کر اسے پکڑا اور اس

دوران عمرہ کو اپنی جگہ جمین کرنے کا موقع مل گیا وہ پہلے جان
کے بائیں طرف چل رہی تھی اب دائیں طرف آ گئی تھی۔

”میں ٹھیک ہوں۔“ جان نے اپنے بازو سے انسپکٹر کا
ہاتھ بناتے ہوئے کہا اور سر جھکا کر چلنا شروع کر دیا اگر وہ

عمرہ کی جانب دیکھتا تو وہ دیکھ پاتا وہ اس کی کتنی مشکور تھی۔

اس کی نگاہیں ایک بار پھر بیک ویو مرر پر پڑی تھیں۔ وہ
اب بھی اپنے بابا کے سینے پر سر ٹکائے رو رہی تھی اس کے

آنسو بھی اس کے کردار کی طرح شفاف اور چمک دار تھے۔
اس نے دیکھا احمد ایک بار پھر اسے گھور رہا تھا عمرہ کو دیکھنے

پر۔ اس نے اپنی نگاہیں ایک بار پھر وینڈا بکریں سے باہر
روڈ پر جمادی تھیں مگر تھوڑی دیر بعد پھر اس کی نگاہیں بیک

ویو مرر پر پڑی تھیں۔ عمرہ کی آنکھوں سے بہتا ہوا ایک ایک
آنسو اسے اپنے دل پر گرتا ہوا اور دل پٹھلتا ہوا محسوس ہو رہا

تھا۔ اب کی بار اس نے احمد کی جانب نہیں دیکھا وہ جانتا تھا
احمد اسے دیکھ رہا ہے اور احمد کو وہ اپنی دلی کیفیت بتانے اور

سمجھانے سے قاصر تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے کار عدیل کے
گھر کے آگے روکی وہ سب کار سے اترے تھے۔ عباد

صاحب نے ایک بار پھر جان کا شکریہ ادا کیا۔ عمرہ کے
آنسو اب ختم گئے تھے مگر وہ بالکل بے ہال ہو چکی تھی اور عباد

صاحب کے سینے پر سر ٹکائے کھڑی تھی۔
وہ تینوں اب گھر کی طرف بڑھ گئے تھے۔ عدیل نے

جان کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور فنی میں سر ہلایا تھا بھی ان
دونوں نے ایک ساتھ عباد صاحب کے گھر کی جانب دیکھا

اور اسی وقت عمرہ نے بھی پلٹ کر مشکور نگاہوں سے جان
کی جانب دیکھا تھا مگر احمد یک دم درمیان میں حائل ہو گیا

تھا اور وہ لوگ گھر میں داخل ہو گئے تھے۔ عدیل جان کے
گلے لگا اور پھر شکریہ کہتے ہوئے گھر کی طرف بڑھ گیا تھا۔

جان نے کار اشارت کرتے ہوئے سوچا تھا۔
”انسان کو ہمیشہ زندگی میں مشکل فیصلے کیوں لینے

پڑتے ہیں مجھے آج تک یہ سمجھ نہیں آیا مگر آج سمجھ گیا
ہوں۔ حقیقتاً کوئی بھی فیصلہ مشکل نہیں ہوتا بلکہ ہمیں اپنی

زندگی اور اپنے پیاروں کی خوشیوں میں سے کسی ایک کا
انتخاب کرنا ہوتا ہے اور ہم ہمیشہ اپنے پیاروں کی خوشیاں

مقدم رکھتے ہیں اپنی زندگی پر اور میں نے بھی آج یہی کیا
ہے۔ عمرہ عباد۔“

پانچ سال بعد وہ اس سرزمین پر قدم رکھ رہا تھا حدنگاہ
تک پھیلے اتر پورٹ کو دیکھتے ہوئے وہ سوچ رہا تھا جب وہ

پانچ سال پہلے یہاں سے گیا تھا تو بہت ناامید اور بے زار
تھا اور آج وہ لوٹ کر آیا ہے تو کس قدر پرامید..... وہ تو

ساری کشتیاں جلا کر گیا تھا پھر کیوں لوٹا؟ انہی فضاؤں
میں۔ جن میں صرف رنج و غم کی آگ کا دھواں تھا۔ صرف

آنسو صرف آہیں تھیں۔ اس نے گہرا ایک سانس لیا۔
”اس کا جواب تمہارے پاس نہیں ہے کاشان فریدی!

اور نہ ہو سکتا ہے۔“ وہ اس وقت اسلام آباد اتر پورٹ پر کھڑا
تھا۔ پانچ سال قبل پاکستان سے جاتے وقت اس کا ارادہ

واپس لوٹ کر آنے کا نہیں تھا مگر وہ آج بنا ارادے ہی آ گیا

تھا۔ اس نے ایک ٹیکسی میں بیٹھتے ہوئے گھر کا ایڈریس سمجھا یا اور گھر کے باہر اترتے ہوئے اس نے ایک نگاہ گھر کے داخلی دروازے پر ڈالی پھر پلٹ کر ٹیکسی ڈرائیور کو کراہیہ ادا کیا اور اپنا سامان اٹھا کر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ چونکہ دار نے اسے دیکھ کر دروازہ کھول دیا تھا سب کچھ دیکھا ہی تھا آج بھی سرخ چھوٹے ساز کی اینٹوں سے بنی راہداری جس کے دونوں طرف گارڈ تھا۔ جس میں انواع و اقسام کے پھول لگے تھے جو مالک کے اعلیٰ ذوق کی ترجمانی کر رہے تھے اور وہ جانتا تھا وہ مالک کون ہے؟ اس کی نانوی..... سفید ماربلز سے بنی عمارت شام کے سائے میں دل کش منظر پیش کر رہی تھی وہ کارپورچ سے گزر کر براؤن لکڑی کے دروازے سے اندر داخل ہوا تھا۔

”کتی بار کہا ہے میں بلڈ پریشر کی مریض ہوں کھانے میں نمک تھوڑا ہولے ہاتھ سے ڈالا کرو مگر مجال ہے جو تم میری ایک بھی سن لو۔“ وہ غالباً کسی ملازم کو ڈانٹ رہی تھیں وہ دبے پاؤں ان کے پیچھے آیا اور ملازم کو ہاتھ کے اشارے سے چپ رہنے کو کہا اس نے ان کی گلاسز لگی آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیئے۔

”ارے یہ کون ہے؟“ وہ ایک لمحے کے لیے بوکھلا گئی تھیں مگر کاشان کے ہاتھ رکھتے ہی انہیں فوراً پتا چل گیا۔ ”کاشان! تم آگئے؟“ ان کے لہجے میں حیرت تھی۔ اس نے ان کی آنکھوں سے ہاتھ ہٹائے انہوں نے دھند لائی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھا اس کے ماتھے کا بوسہ لیتے ہوئے انہوں نے اسے اپنے گلے لگا لیا۔ بہت دیر تک وہ اس سے شکوے کرتی رہی اور وہ مسکرا کر منتار ہا اور جب ان کے شکوے ختم ہوئے تو وہ ان سے مخاطب ہوا۔ ”اچھا بابا سوری! اب آپ کو تنگ نہیں کروں گا کہیں نہیں جاؤں گا مگر اذان کے پاس تو جانے کی اجازت ہے نا مجھے؟“ اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

”لیکن زیادہ دن کے لیے نہیں اور ہاں اب تم آگئے ہو تو میں تمہیں کسی نہ کسی کھونٹے سے باندھ ہی دوں گی تاکہ تم یہاں سے جا ہی نہ سکو۔“ انہوں نے اپنے دوپٹے کے

آنچل سے انسو پونچھتے ہوئے کہا۔

”ہم دونوں آج ڈنر باہر کریں گے نانوی اوسکے۔“ اس نے ان کی بات نظر انداز کر دی تھی۔ ”تم نے سنا میں نے کیا کہا؟“ انہوں نے ایک بار پھر اسے متوجہ کیا۔

”نانوی! اگر آپ مجھے کسی کھونٹے سے باندھنے کی کوشش کریں گی تو میں اسی دنیا میں گم ہو جاؤں گا۔ جس سے میں واپس آیا ہوں فیصلہ اب آپ کے ہاتھ میں۔ جس طرح پانچ سال قبل میرے ہاتھ میں تھا۔“ اس کا لہجہ سلگا ہوا تھا وہ اسے دیکھتی ہی رہ گئی تھیں وہ باغی نہیں تھا مگر خفا تھا۔



”خوش آمدید مسٹر کاشان فریدی!“ اذان سمیت اس کے تمام اشاف نے کاشان کا بہت خوش دلی سے استقبال کیا تھا۔

”کیسے ہو؟“ وہ دونوں اب اذان کے فس میں موجود تھے۔

”بالکل ٹھیک ہوں! آپ سنا میں کیا حال ہیں؟“ کاشان نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

”یہاں بھی الحمد للہ ٹھیک ہی ہیں۔ تم بتاؤ پاکستان سے دور زندگی کیسی گزری؟ دوسرے لوگوں کے ساتھ کام کرنے کا تجربہ کیا تھا؟“ اذان نے انٹر کام کارپوریٹ اورٹھا کر کافی اور بسکٹ کا آرڈر دیا۔

”تجربہ تو بہت اچھا تھا لیکن دل کہیں نہیں لگا کیونکہ وہاں یہیں رہ گیا تھا آپ کے پاس۔“ کاشان مسکرایا اور اذان اس کے جملے پر ہنس رہا دیا۔

”چلو اب تھوڑی بہت سنجیدہ گفتگو ہو جائے میرے پراجیکٹ کے بارے میں کیا سوچا کرو گے اس پر کام میرے ساتھ؟“ اذان اب بالکل سنجیدہ تھا۔

”آپ جانتے ہیں اذان! میں صرف آپ کے پراجیکٹ کی وجہ سے پاکستان آیا ہوں ورنہ میرا کوئی ارادہ نہیں تھا تو پھر میں آپ کے پراجیکٹ پر کیسے کام نہیں

کروں گا۔“ کاشان نے بہت نارمل انداز میں کہا۔ ”مجھے پتا ہے کاشان!“ اذان نے کافی کاسپ لیتے ہوئے کہا۔

”مجھے آپ کے ساتھ کام کر کے بہت سکون ملا ہے اذان! اور جو عروج میں نے آپ کے ساتھ کام کر کے پایا وہ کسی اور کے ساتھ کام کر کے نہیں پایا۔ میں آپ سے بہت دور ہو کر بھی کبھی آپ کی باتوں کو نہیں بھولا ہر مشکل وقت میں نے وہی کیا جو میں نے ہمیشہ آپ کو کرتے ہوئے پایا۔“ کاشان بہت دھیمے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

”عروج اور زوال سب اللہ پاک کے ہاتھ میں ہے وہ جس کو جو چاہتا ہے دیتا ہے۔ اب مجھے ہی دیکھ لو کون جانتا ہے کون تھا اذان؟ کیا گئی اس کی حقیقت؟ اور اب کون ہے وہ؟ اس دنیا میں لوگ اسی کی مانند ہیں جو اللہ کی مانند ہے جو وہ اسے اسے خوشی سے قبول کر لو پھر چاہے اس میں بظاہر آپ کی بار ہو۔“ اذان نے ہمیشہ کی طرح پھر اسے الجھایا وہ کوئی نہ کوئی ایسی بات ضرور کرتا تھا جس سے کاشان یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتا تھا کہ اذان کی زندگی میں کوئی بہت بڑا تغیر آیا ہے لیکن کیا؟ یہ وہ آج تک نہیں سمجھ پایا تھا۔

”آپ خود کو اتنا کم تر کیوں سمجھتے ہیں اذان! میری نگاہ سے دیکھیں آپ ایک مکمل انسان ہیں! ایک مکمل مومن مسلمان۔ جسے بہت سے لوگ آئیڈیلز کرتے ہیں مجھے سمیت۔“ کاشان نے بہت اطمینان سے کہا۔

”تم جانتے ہو میں خود کو.....“ کاشان نے اس کی بات کاٹ دی۔

”مجھے پتا ہے آپ خود کو دوسروں کو آئیڈیل بننے کے لائق نہیں سمجھتے کیونکہ آپ کے مطابق صرف نبی آخر الزماں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ایک مسلمان کا آئیڈیل ہونے چاہئیں۔“ کاشان نے دیکھا تھا اذان کے لب لباب سے تھے وہ درود شریف پڑھ رہا تھا۔

”کیا میں غلط کہتا ہوں؟“ اب اذان اس سے مخاطب تھا۔

”نہیں! آپ غلط نہیں مگر انہیں آئیڈیل بنانے کے

لئے ہمیں آپ کے جیسا مومن بندہ بننا پڑے گا جو کہ بہت مشکل کام ہے۔“ کاشان نے مسکراتے ہوئے کہا جب کہ اذان بالکل سنجیدہ تھا۔

”کاشان! مجھے کسی خوش فہمی میں مبتلا مت کرو میرے اعمال کے بارے میں تم جانتے کیا ہو؟ کسی کے موجودہ حالات کو دیکھ کر ہم اس کے مومن ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتے کاشان! جب تک ہم اس کی زندگی کا پورا جائزہ نہ لیں۔“ وہ ایک سانس میں کہتا چلا گیا اور یہ جملے کہتے ہوئے بھی وہ کاشان کو مومنوں کی صف میں نظر آیا تھا جو ہر نیک کام کرتے ہیں پھر بھی اللہ سے ڈرتے ہیں اور اپنے آپ کو نیک نہیں کہتے۔

”سر! آپ سے کوئی لڑکی ملنے آئی ہے۔“ اس کے پی اے نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

”کون ہے؟“ اس نے پرسوج لہجے میں پوچھا۔ ”عالیہ عباد!“ یہ نام سن کر وہ اپنی جگہ منجمد ہو گیا۔



وہ اپنے کمرے کے سامنے بنے دالان میں کھڑا تھا ٹھنڈی ہوا میں اس کے وجود سے ٹکرا رہی تھیں اس کے پی سی پر ایک اسٹریٹ بوائز کا گانا بلند آواز میں چل رہا تھا۔ اس کی پلکیں ہم تھیں۔

”جان! تمہیں پتا ہے یہ بھی ایک عجیب اتفاق ہوا ہے یہاں تمہاری اور ریٹا کی گفتگو ہوئی اور ادھر عبیرہ اور احمد کا نکاح ہوا گیا۔“ عدیل کے یہ جملے اس نے پچھلے چند گھنٹوں میں کتنی بار سوچے تھے اور ہر بار کتنی تکلیف محسوس کی تھی اس کا اندازہ خود اسے بھی نہیں ہو رہا تھا۔ اس نے ریٹا کی پہنائی ہوئی رنگ کو دیکھا۔

”جان! اگر تم چاہتے ہو کہ میں عبیرہ کو جیل سے باہر نکلواؤں تو تم ریٹا سے شادی کے لیے تیار ہو جاؤ۔“ اسے مانا کے لہجے کی سفاکی یاد آئی تھی۔ مشکل فیصلے بھلے ہی کتنے مشکل کیوں نہ ہوں انہیں لینے میں پلک جھپکنے کا نام بھی نہیں لگتا۔

”مگر تم مسلمان ہوتے جان تو میرے نزدیک عبیرہ

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ ٹائمہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

مجموعہ خاص کیوں ہر۔۔۔

- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریزیوم ایبل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✧ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریٹخ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ ہریم کوالٹی، ہارل کوالٹی، کمپرینڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریٹخ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شریک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

✧ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

✧ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں www.paksociety.com

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیگر مستعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library Far Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1



مجھ کو بھی محمدؐ کا دیوانہ بنا جانا قدرت کی نگاہیں بھی جس چہرے کو تکتی تھیں اس چہرہ انور کا دیدار کرا جانا جس خواب میں ہو جائے دیدار نبیؐ حاصل اے عشق کبھی مجھ کو نیند ایسی سلا جانا دیدار محمدؐ کی حسرت تو رہے باقی جز اس کے ہر اک حسرت اس دل سے مٹا جانا اپنی نعت مکمل کر کے وہ اس کی پر ہی اپنی ہی جگہ پر آ بیٹھا تھا۔ آج 12 ربیع الاول کا دن تھا اور ہر سال کی طرح اس نے آج بھی محفل میلاد میں حصہ لیا تھا۔ اس کے نعت پڑھتے ہی پورا ماحول سبحان اللہ کے نعروں سے گونج اٹھا تھا بہت بڑے پکانے پر ہونے والے اس میلاد میں ملک بھر سے میڈیا کے لوگ آئے ہوئے تھے۔ کچھ دیر اس کی پڑھنے کے بعد وہ نیچا گیا اور بھی کسی نے اس کی انگلی پکڑ کر اسے روکا تھا۔ وہ ایک سات آٹھ سال کا بچہ تھا اور ہاتھ میں پکڑا ہوا گلاب اس کی طرف بڑھا رہا تھا اس نے دیکھا وہ بہت گول مٹول سا بچہ تھا۔ وائٹ شلوار بلیک قمیص پشادری چپل سر پر بلیک ٹوپی جس میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر موتی لگے ہوئے تھے اسے بے اختیار اس بچے پر پیانا آیا تھا۔ وہ بچہ شرمایا گیا۔

”ہوں..... آپ تو بہت سویت ہیں نام کیا ہے آپ کا؟“ اس نے اپنے دونوں ہاتھ بچے کی گردن کے گرد حائل کیے تھے بہت پیار سے پوچھتے ہوئے۔

”میرا نام عبداللہ عبدالرحمن ہے اور آپ نعت بہت اچھی پڑھتے ہیں اور بہت سویت بھی ہیں۔“ وہ بچہ بہت معصوم انداز میں بولا تھا۔

”بہت بہت شکریہ میری نعت پسند کرنے کے لیے۔ ویسے آپ کا نام صرف عبداللہ ہے یا عبدالرحمن بھی ہے؟“ اسے بہت اچھا لگ رہا تھا اس بچے سے بات کرنا۔

”یہ پورا نام میرا ہی ہے میری ممانکتی ہیں کہ مجھے عبداللہ نام بہت پسند تھا اور تمہارے بابا کو عبدالرحمن اس لیے ہم نے تمہارے دونوں ہی نام رکھ دیئے کیونکہ اللہ

کے لیے تم سے بہتر کوئی نہیں تھا مگر یہ تمہاری سب سے بڑی بد قسمتی ہے کہ تم ایک نان مسلم ہو اور غیرہ ایک پکی مسلمان۔“ وہ گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھتا چلا گیا اور اپنے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھتے ہوئے اس نے آسمان کی جانب دیکھا تھا۔

”کیا مذہب ایک مسلمان کی زندگی میں اتنا اہم ہوتا ہے کہ ہر سچا جذبہ اس کے سامنے بے معنی ہو جاتا ہے؟“ اس کے چہرے پر کرب کے آثار تھے اس نے گردن جھکاتے ہوئے ہاتھ گھاس پر رکھ دیئے تھے۔

”کیا میرے لیے میرا مذہب اتنا اہم ہے؟“ اس نے اپنے دل کو ٹٹولا اور اس کے جواب پر اسے حیرت ہوئی تھی اس کا جواب منفی تھا۔

”ہاں غیرہ! آپ میری زندگی میں اتنی اہم ہیں کہ میں آپ کے لیے اپنا سب کچھ چھوڑ سکتا ہوں اگر آپ زندگی بھر میرا ساتھ نبھانے کا وعدہ کریں تو میں مسلمان ہو جاتا غیرہ! آپ کے لیے۔ مگر اب اس سوچ کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ اب آپ میری زندگی کا حصہ بھی نہیں بن سکتیں۔“ اس کی آنکھ سے آنسو گرا اور ہری گھاس پر شبنم کے قطرے میں مل گیا۔ منفی سوچیں آج اس پر اس حد تک حاوی تھیں کہ وہ غیرہ کا پڑھایا ہوا ہر سبق بھول گیا تھا۔

”اسلام وہ مذہب نہیں جو مشکلوں اور الجھنوں سے پیچھا چھڑانے کے لیے اختیار کیا جائے یا کسی زور زبردستی سے یا پھر کسی انسان کے لیے اختیار کیا جائے۔ یہ ایک پریکٹیکل سوچ رکھنے والے انسان کا مذہب ہے جسے انسان صرف اللہ کی محبت اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے حصول کے لیے اختیار کرتا ہے۔“ یہ جملے فضاؤں میں کہیں گروش کر رہے تھے مگر وہ آج سن نہیں پایا تھا اگر سن لیتا تو جان جاتا کہ اس نے مجازی محبت کو حقیقی محبت پر فوقیت دی ہے اور اس کی یہ محبت خود اس کے اور غیرہ کے لیے کتنا بڑا امتحان ہو سکتی تھی وہ نہیں جانتا تھا۔



اے عشق نبیؐ میرے دل میں بھی سا جانا

تعالیٰ کو تو یہ دونوں نام بہت پسند ہیں۔“ اس کی باتیں بہت دلچسپ تھیں وہ ملاحظہ ہونے لگا تھا۔

”ویسے آپ کا کوئی دوسرا بھائی نہیں ہے؟“ اس کے لہجے میں اب تھوڑی شرارت تھی۔

”نہیں لیکن کیوں انکل؟“ اس سچے نے بہت معصومیت سے پوچھا۔

”ویری سپیل! آپ کے والدین کو دو نام پسند ہیں ایک آپ کا رکھ لیتے اور دوسرا آپ کے بھائی کا۔“ اس نے بہت مزے سے کہا اور اس سچے نے شرم کے سبب دانتوں میں انگلی دبائی تھی۔

”آپ ہمارے ساتھ آکر کیم کھائیں گے؟“ اس نے عبداللہ کا ہاتھ تھام کر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

”لیکن ممانع کرتی ہیں نا ٹھنڈ لگ جائے گی بخار ہو جائے گا پھر ممداد میں گی بابا پریشان ہوں گے۔“ عبداللہ نے آکس کریم کھانے کی خواہش کے باوجود نہ کھانے کی ہزار ہا وجوہات بیان کیں۔

”کوئی بات نہیں ابھی تو ماما یہاں نہیں ہیں انہیں کیسے پتا چلے گا۔ ہم تھوڑی سی کھائیں گے۔“ اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور چلنا شروع کر دیا۔

”لیکن ماما بابا دونوں آئے ہوئے ہیں۔“ عبداللہ اب بھی اپنی مجبوری ظاہر کر رہا تھا۔

”کوئی بات نہیں میں ماما کو کہہ دوں گا کہ میں نے خود کھلائی ہے اب خوش۔“ عبداللہ اب مطمئن ہو گیا تھا آکس کریم لے کر اس نے عبداللہ کو کار کے بونٹ پر بٹھایا اور آکس کریم کا کپ عبداللہ کو پکڑا دیا۔

”انکل! آپ کو پتا ہے میری ماما آپ کو جانتی ہیں۔“ عبداللہ نے آکس کریم کھاتے ہوئے اچانک کہا اس نے کچھ خاص نوٹس نہیں لیا کیونکہ اس کا پرویشن ایسا تھا بہت سے لوگ اسے جانتے تھے۔

”انہوں نے مجھے آپ کا نام بتایا اور وہ آپ کو نعمت پڑھتے دیکھ کر بہت خوش ہو رہی تھیں۔“ وہ اب بھی اطمینان سے آکس کریم کھا رہا تھا۔ ”آپ کا نام جان ہے ناں؟“

عبداللہ نے بہت بے فکری سے کہا اور اس کا ہاتھ یک دم رک گیا تقریباً دس سوا دس سال بعد کسی نے اسے اس نام سے پکارا تھا اور وہ بھی ایک سچے نے اور ایک ایسے شہر میں جو اس کا آبائی شہر نہیں تھا۔

”کک..... کیا کہا آپ نے؟“ وہ بری طرح ہکلا یا۔ ”یہی کتا آپ کا نام جان ہے اور میری ماما آپ کو جانتی ہیں۔“ عبداللہ آکس کریم ختم کر چکا تھا۔

”آپ کی ماما مجھے کیسے جانتی ہیں؟“ اس کی تشویش میں اضافہ ہوا اور ساتھ ہی دھڑکن بھی تیز ہوئی تھی۔ ”وہ تو انہوں نے مجھے بتایا ہی نہیں۔“ عبداللہ نے حد درجہ بے بسی سے کہا۔

”آ..... آ..... آپ کی ماما کا نام کیا ہے؟“ اس نے اٹکتے ہوئے پوچھا۔ اس کے خیال میں ایک ہی چہرہ ابھر رہا تھا۔ اسی کا چہرہ جسے وہ دس سال میں ایک بار بھی نہیں بھولا تھا۔ عجیبہ عباد کا چہرہ۔ عبداللہ نے اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے اس کے پیچھے کی طرف دیکھا۔

”مما!“ وہ کہتا ہوا کار کے بونٹ سے اتر اور اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ پلٹ کے دیکھا اور اپنی جگہ ساکت رہ گیا۔



اس نے ایک نگاہ اس دس منزلہ عمارت کو دیکھا وہ آج یہاں دوسری بار آئی تھی۔

”زندگی بھی کتنی عجیب ہے ہر لمحہ نئی پھر بھی وہی۔“ کتنے رنگ سمیٹے ہوئے ہیں اس نے اپنے اندر ہر موڑ ایک نیا چہرہ ایک نئی پہچان۔ کیا ہے میری اصل پہچان؟ کون ہوں میں؟ کن حالات میں میری پہچان مجھ سے گھوگی اور کیوں؟ بے ترتیب سوالات اس کے ذہن میں آ رہے تھے۔

وہ سیر رہیاں چڑھ کر دروازے سے اندر داخل ہوئی اور کاؤنٹر پر پہنچ کر اس نے پوچھا۔

”کیا میں اذان سے مل سکتی ہوں؟“ ”سوری میم! آج سر چھٹی پر ہیں۔“ اسے ایک بار پھر مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔

آنجل ❀ جنوری ❀ ۲۰۱۵ء 44

”اوکے۔“ وہ پلٹ کر احرام کو دیکھنے لگی تھی۔ نہ جانے وہ کہاں رہ گیا تھا۔

”ہو سکتا ہے وہ باہر میرا انتظار کر رہا ہو۔ میری وجہ سے وہ بھی کتنا پریشان رہنے لگا ہے۔“ اس کا ذہن سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔

”مس عالین! اذان کا سیل آف ہے آپ لینڈ لائن وائل کریں کہ وہ آج کیوں نہیں آیا۔“ اس آواز نے اس کے ذہن میں سوچوں کے سلسلے کو روک دیا تھا۔ اسے وہم نہیں ہوا تھا یہ اسی انسان کی آواز تھی جسے وہ لاکھوں میں تو کیا کروڑوں کی بھیڑ میں بھی پہچان سکتی تھی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا وہ بھی پلٹتے ہوئے اسے دیکھ چکا تھا۔ اس کے چہرے پر نگاہ پڑتے ہیں کچھ منظر کچھا وائز ابھرنے لگی تھیں۔

”طوبی! آپ میری زندگی میں دھڑکن کی مانند ہیں لیکن میری نانو بی میری زندگی میں سانسوں کی مانند ہیں۔ میری زندگی کا تصور آپ دونوں کے بنا ہی ناممکن ہے مگر جب مجھے آپ دونوں میں سے کسی ایک کو چننے کا موقع ملا تو میں انہیں ہی چنوں گا اور میں انہیں ہی چنا ہے۔ میں نے ان کی مرضی کے خلاف آپ سے شادی نہیں کر سکتا آپ مجھے بھول جائیں۔“

”کاشان فریدی!“ اس کے منہ سے غیر یقینی انداز میں نکلا۔ اس دن کے بعد طوبی نے کبھی بھی اس کے روبرو نہ آنے کی دعائیں مانگی تھیں مگر آج وہ اس کے روبرو آ ہی گیا تھا۔ وہ اٹنے قدم پیچھے ہٹ کر دروازے کی طرف بڑھی تھی تھی احرام اندر داخل ہوا۔ طوبی نے اس کا ہاتھ تھاما اور جلدی سے اسے وہاں سے چلنے کو کہا۔ کاشان دیکھ رہا تھا طوبی کی زندگی میں آنے والا پہلا لمحہ وہ لڑکا کون تھا وہ یہ تو نہیں جانتا تھا مگر ان کا رشتہ کس نوعیت کا ہو سکتا ہے یہ اندازہ اسے ہو گیا تھا۔



”احمد بیٹا! رات کے تین بج رہے ہیں اب تک سوئے نہیں طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟“ اس کے کمرے کی

لاٹائن دیکھ کر وہ اس کے کمرے میں آ گئی تھیں۔ وہ بے سدھ بیڈ پر لیٹا ہوا تھا ان کی آواز پر اٹھ کر بیٹھ گیا۔

”نیند نہیں آ رہی تھی اماں!“ اس نے سر جھکائے ہوئے جواب دیا۔

”ادھر دیکھو میری طرف۔“ انہوں نے اس کے برابر بیٹھتے ہوئے کہا اس نے دیکھا تو اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

”کیوں دے رہے ہو خود کو یہ سزا اور کب تک دو گے۔“ ان کے لہجے میں درد تھا۔

”کوئی سزا نہیں دے رہا ہوں میں خود کو اماں.....“ وہ مزید کچھ کہتا اس سے پہلے وہ گویا ہو میں۔

”یہ سزا نہیں تو اور کیا ہے۔ اپنی حالت دیکھو تم بھول کیوں نہیں جاتے اسے۔“ وہ تڑپ کر بولی تو وہ چند لمحے خاموش رہا پھر دھیمے لہجے میں مخاطب ہوا۔

”کیا کوئی انسان سانس لینا بھول سکتا ہے؟“ وہ گنگ رہ گئی تھیں۔ اس نے اب ان کے چہرے کی جانب دیکھا۔ ”نہیں ناں!“ اس نے تصدیق بھی کر دی تھی پھر اٹھ کر بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھی نیند کی گولی کھائی اور بیڈ پر لیٹ گیا۔

”شب بخیر اماں!“ وہ بنا جواب دیئے ہی کمرے سے باہر نکل آئی تھیں۔

”آ خر کب ختم ہوگی میرے بیٹے کی سزا میرے مالک! کب تک وہ ایک ایسا رمل زندگی جیے گا۔“ ان کی پلکیں غم ہونے لگی تھیں۔

”کون کہہ سکتا ہے کہ دن کی روشنیوں میں لوگوں کے درمیان خوشیاں بانٹنے والا انسان رات کے اندھروں میں اس طرح سسکتا ہے۔“ وہ مل کھاتی راہداری کے اختتام پر سیرھیوں پر بیٹھی تھیں۔

”مجھے کہتی ہیں کہ اپنی صحت کا خیال نہیں رکھتے اور خود اتنی ٹھنڈ میں ٹھنڈے ماربلز پر بیٹھی ہیں۔“ احمد کی آواز پر انہوں نے سر اٹھا کر دیکھا۔

”پہلے اٹھیے یہاں سے.....“ اس نے اپنا ہاتھ ان کی

آنجل ❀ جنوری ❀ ۲۰۱۵ء 45

طرف بڑھایا اور انہوں نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیا اور اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ”میں نے کہا ناں آپ سے میں بالکل ٹھیک ہوں آپ خواجواہ پریشان ہو رہی ہیں۔“ ان کا ہاتھ تھامو ان کے کمرے کی طرف پیش قدمی کرنے لگا۔ ”تمہیں کیا پتا کہ ایک ماں کے دل پر کیا گزرتی ہے جب اس کا بیٹا بظاہر بہت تامل ہونے کے باوجود بھی ایک اہل نعل زندگی گزار رہا ہو نیند کی گولی کھائے بغیر نہ سوتا ہو۔“ وہ دونوں اب کمرے تک پہنچ گئے تھے انہیں بیڈ پر لٹا کر اس نے کبل ڈال دیا۔

”شب بخیر ماں!“ اس نے اٹھتے ہوئے کہا اور انہوں نے مسکرا کر جواب دیا۔ ان کے کمرے سے نکل کر وہ بیڈ روموں پر ہی آ بیٹھا تھا جہاں کچھ دیر پہلے اس کی ماں تھیں۔ ایک ٹریکولار رکھا کر بھی اس کی آنکھوں میں نیند کہیں نہیں تھی اس کی آنکھوں سے یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ شدید ڈپریشن کا شکار ہے مگر وہ ڈپریشن کیوں تھا سوائے اس کے کوئی نہیں جانتا تھا یہاں تک کہ اس کی ماں بھی نہیں۔



”آپا نکاح کے ڈریس میں کتنی پیاری لگ رہی تھیں میں کیا بتاؤں۔“ عالی نے اپنے دونوں بازو اس کے گلے میں ڈال کر اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔ وہ اس وقت صحن میں تخت پر دھوپ میں بیٹھی بنریاں کاٹ رہی تھی۔ ”احمد بھائی بھی بہت پینڈم لگ رہے تھے آپ دونوں کی جوڑی خوب رہے گی۔“ اس کا لہجہ بہت ہوشیار تھا۔ ”اچھا اب بس کرو کل رات سے ہزار ہا بار یہ جملے کہہ چکی ہو۔“ عیمرہ نے دھیمے سے مسکراتے ہوئے اسے ڈانٹا۔

”عالی ادھر آؤ چلو کمرے کی صفائی کرو۔“ اعد سے انہوں نے آواز لگائی۔ ”آپا ماں آپ سے بھی اتنا ہی کام کرواتی تھیں جب آپ میرے جتنی تھیں۔“ عالی نے منہ بسورتے ہوئے پوچھا۔

”آپ کو لگتا ہے کہ آپ بہت چھوٹی ہیں ابھی؟“ عیمرہ

نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”ہاں تو ابھی میری عمر ہی کیا ہے صرف سولہ سال۔“ اس نے لہرا کر کہا۔ ”عالی!“ ماں نے کرخت لہجے میں کہا اور وہ اندر کی طرف دوڑی۔

”اف خدایا! اس لڑکی نے تو میرا دماغ خراب کر دیا ہے اتنی بڑی ہوگئی ہے مگر جال ہے جو بچپنا گیا ہو اس کا۔“ وہ بڑبڑاتی ہوئی تخت پر ہی آ بیٹھیں اور بنریاں کٹوانے لگیں۔ ”ماں ابھی عمر ہی کیا ہے اس کی فرسٹ ایئر میں تو ایڈمیشن ہوا ہے اس کا۔ آپ بھی اس کے پیچھے ہی پڑی رہتی ہیں۔“ عیمرہ نے خفگی سے کہا۔

”یہ تمہارا ہی لاڈ پیار ہے جس نے اسے اتنا بگاڑا ہے تم نے مجھے کبھی اتنا نہیں ستایا جتنا اس لڑکی نے ستا دیا ہے۔“ انہوں نے ناراض ہوتے ہوئے کہا۔ ”ماں آپ بھی نابل۔“ عیمرہ ان کے خفا ہونے پر ہنسی۔

”ویسے عیمرہ! وہ لڑکا کون ہے جس نے تمہیں پرسوں رات جیل سے چھڑوایا تھا؟“ انہوں نے تفتیشی انداز میں کہا۔ ”تمہارے بابا جان بتا رہے تھے کہ وہ تمہیں جانتا ہے جب کہ وہ عدیل کا دوست ہے۔“ ان کا لہجہ اب بھی ویسا ہی تھا۔

”وہ جان ہے ماں! سنتا کی طرح اسلام کو جاننے کی جستجو رکھتا ہے اور میں دین اسلام سے متعلق اس کی غلط فہمیاں دور کرتی ہوں۔“ عیمرہ نے بہت مطمئن لہجے میں کہا۔

”کیوں دوبارہ جیل جانے کا ارادہ ہے کیا جواب دوسرے غیر مسلم کو مسلمان کرنے چل دی ہو۔ ایک کو مسلمان کرا کے تم نے ہمیں کم ذلیل کرایا ہے لیکن اس سب کی تم اکیلی ذمہ دار کہاں ہو یہ سب تو تمہارے اس پروفیسر خالد عباسی کا کیا دھرا ہے جس نے قرآن کا ترجمہ اور تفسیر تمہیں سکھائی۔ اسی نے یہ خناس بھرا ہے تمہارے دماغ میں۔ خود کا تو کچھ نہیں کیا میری بیٹی کا

نام بدنام کر دیا۔ دیکھا تھا ناں کل محلے سے کوئی بھی نہیں آیا تمہارے نکاح میں وہ تو بھلا ہوا احمد کا اپنے ماں باپ کی مرضی نہ ہونے کے باوجود اس نے یہ نکاح کیا اور نہ اگر وہ انکار کر دیتا تو کون کرتا تم سے شادی؟“ انہوں نے بہت چپختے ہوئے لہجے میں کہا اور عیمرہ حیرت سے انہیں دیکھتی رہ گئی۔

”آپ کو لگتا ہے کہ میں نے لوگوں کو اللہ کے حکم سے راہ ہدایت دکھائی تو غلط کیا؟“ حیرت اور غم کے سبب اس کے منہ سے لفظ بہت مشکل سے ادا ہوئے تھے۔ ”ہاں غلط کیا تم نے تم یہ کیسے بھول سکتی ہو کہ تم ایک لڑکی ہو۔“ ان کا لہجہ اب بھی تیکھا تھا۔

”آپ کو لگتا ہے کہ اشاعت اسلام غلط ہے؟“ وہ اب تصدیق چاہ رہی تھی۔

”نہیں! میرا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے۔ تم اسلام پر عمل پیرا ہو اس کی اشاعت کرتی ہو یہ تو ہم دونوں کے لیے بہت بڑی سعادت کی بات ہے لیکن اس میں اس حد تک انوالو ہو جانا کہ خود کو نقصان ہو یہ غلط ہے۔“ انہوں نے اسے سمجھانے والے انداز میں کہا تو یک دم گھر کا دروازہ بہت زور سے بجا اور وہ دونوں ہی ڈر گئی تھیں۔ عیمرہ کی ماں نے اٹھ کر دروازہ کھولا دروازے پر عباد صاحب تھے ان کے سر سے خون بہہ رہا تھا۔

”ہائے اللہ..... یہ کیا ہو گیا آپ..... کس نے کر دی آپ کی یہ حالت۔“ انہوں نے جلدی سے عباد صاحب کا بازو تھاما اور دروازہ بند کرتے ہوئے عیمرہ اور عالی کو آواز لگائی۔ دونوں ہی دوڑی آئی تھیں ان کی یہ حالت دیکھ کر ان دونوں کی حالت غیر ہونے لگی تھی۔

”عالی! تم بابا کو پانی دو میں اسپرٹ لاتی ہوں۔“ اس نے اندر کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔ عالی نے پانی پلایا اتنے میں عیمرہ اسپرٹ اور روٹی لے آئی تھی۔ عباد صاحب دھیمے دھیمے کچھ بول رہے تھے اس کے قریب پہنچتے ہی عیمرہ کی ماں نے پوری قوت سے اسے تھپڑ مارا اسے کچھ سمجھ نہیں آیا۔

”دیکھو..... آج تیری وجہ سے ان کی یہ حالت ہوئی ہے۔“ اماں نے شدید غصے سے کہا۔ ”آج تک جن آوارہ لڑکوں کو تیرے بابا کے سامنے سرائٹھانے کی اہمیت نہیں ہوئی انہوں نے پتھر مارے انہیں یہ کہہ کر کہ ہم تو آوارہ تھے مگر کبھی جیل نہیں گئے تمہاری بیٹی تو پاکباز تھی وہ کیسے جیل چلی گئی۔“ عیمرہ کی آنکھوں سے آنسو ٹپکے پڑے۔

”عیمرہ کو کچھ نہ کہیں! میری بیٹی کا کوئی قصور نہیں۔“ اس کے بابا نے کمزور لہجے میں کہا۔ عیمرہ آنسو صاف کرتی ان کے برابر آ بیٹھی تھی اور اسپرٹ سے ان کا زخم صاف کرنے لگی۔ اس کی آنکھیں ڈبڈبا رہی تھیں اماں کا مارا ہوا تھپڑ اس کے چہرے پر پانچوں انگلیوں کے نشان چھوڑ گیا تھا۔



سورج دھیمے دھیمے غروب کی طرف جا رہا تھا۔ وہ گارڈن میں بیٹھا بیچر کی تیاری کر رہا تھا دو تین کتابیں اس کے سامنے سینٹرل ٹیبل پر پڑی تھیں۔ ساتھ ہی کافی کا خالی کپ بھی رکھا تھا۔ ٹیبل کے گرد چار چیرز تھیں جن میں سے ایک پر وہ بیٹھا تھا دوسری پر اپنے پاؤں رکھے ہوئے تھے اور باقی دو چیرز خالی تھیں۔

”تمہیں پتا ہے جان! مسٹر مہرا بہت ناراض ہوئے جب انہیں پتا چلا کہ عیمرہ کی ضمانت ہم نے کر دائی ہے۔“ اس کی ممانے ان خالی چیرز میں سے ایک پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ جان نے کتاب بند کر کے ٹیبل پر رکھی اور سیدھا ہو بیٹھا۔

”تمہاری منگنی پر بھی اسی لیے نہیں آئے وہ۔“ انہوں نے افسوس سے کہا۔

”موم! مجھے ان کا الزام بالکل بے بنیاد لگ رہا ہے۔ بھلا عیمرہ کو کیا ضرورت ہے سنیٹا کو اغوا کرانے کی اور سنیٹا بھی کوئی بچی تو نہیں ہے جو اسے اغوا کرنا آسان ہے۔“ جان نے عیمرہ کی وکالت کی۔

”مسٹر مہرا بتا رہے تھے کہ اس نے مسلسل سنیٹا کو بہکایا اور اپنے دین پر لے آئی پھر نہ جانے اسے کہاں غائب کر دیا وہ تو یہاں تک کہہ رہے تھے کہ سنیٹا نے کسی مسلمان

لڑکے سے شادی بھی کر لی ہے۔ انہوں نے اپنے طور پر اسے عیبرہ کی حقیقت بتانی چاہی تھی۔

”مجھے یقین نہیں ہے۔“ جان نے بہت اطمینان سے کہا۔

”لیکن مجھے کیا کرنا ہے اب تمہاری مثال لے لو یہ اسی کا بہکاوا ہے کہ میرا بیٹا جو میرے سامنے بھی اوجھل آواز میں بات نہیں کرتا تھا اب میرے فیصلوں کو رد کرنے لگا ہے۔“ ان کے لہجے میں کڑواہٹ ابھرتی تھی۔

”بیٹا آپ کی سوچ ہے ماما! عیبرہ کسی کو نہیں بہکتی وہ صرف سچ بولتی ہے۔ انسان کی اصلیت اس پر کھول کر رکھ دیتی ہے اس کے دلائل عقلی ہوتے ہیں وہ ہماری طرح ہر چیز پر آنکھیں بند کر کے یقین نہیں کرتی۔ وہ آپ کی یاد اور جوزف کی طرح یہ نہیں کہتی کہ صرف اپنے دین کا غم حاصل کرو اگر کسی دوسرے دین کو جانو گے تو اپنے دین سے باہر ہو جاؤ گے۔ میں نے بچپن سے آپ کو اور فادر جوزف کو اسلام کے خلاف زہرا لگتے دیکھا، مسلمانوں کے نبی اور ان کی کتاب کو غلط کہتے سنا حالانکہ عیبرہ نے کبھی کسی کو غلط نہیں کہا اور نہ برا بھلا کیا یہ اس کا حسن اخلاق ہے جو لوگوں کو اس کے دین کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ سینا کو بھی اس کے رویے نے ہی اپنے طرف کھینچا ہوگا جیسے مجھے وہ زبردستی کسی کو اسلام قبول کرنے کا نہیں کہتی وہ صرف حق کی راہ دکھاتی ہے جو چاہے اس پر چلے اور جو نہ چاہے وہ نہ چلے۔“ جان ایک تسلسل سے کہتا چلا گیا اور اس کی مماناس کا منہ دیکھتی رہ گئی تھیں۔

”مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے جان کہ اس کی محبت میں تم اسلام کے حمایتی ہو رہے ہو؟“ انہوں نے طنز یہ لہجے میں کہا۔

”اور مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے موم کہ آپ ضرورت سے زیادہ مجھ پر شک کرنے لگی ہیں؟“ جان نے بھی ان کے انداز میں کہا۔

”کیونکہ تم نے خود اپنی حرکتوں کی وجہ سے اپنا کردار عیبرہ کی سرور میں گھس کر لیا ہے۔“ انہوں نے جواب دیا۔

نے چڑ کر کہا۔

”نہیں ماما! میری حرکتوں نے نہیں بلکہ اپنے دین کے لیے آپ کے حد سے زیادہ پوزیو ہونے نے آپ کو مجھ پر شک کرنے پر مجبور کیا ہے۔“ جان جھنجھلا گیا اس بے معنی بحث سے۔

”اگر کوئی اپنے دین کے بارے میں پوزیو ہے تو اس میں کیا برائی ہے کیا عیبرہ نہیں ہے؟“ انہوں نے ایک بار پھر طنز کیا۔ جان نے اب کی بار ان کی بات کا جواب دینے کے بجائے اپنی کتابیں اٹھائیں اور اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے لبوں پر پھیلی مسکراہٹ نے انہیں ادا کر دیا تھا۔

”کہاں جا رہے ہو؟“ انہوں نے تڑپ کر پوچھا۔

”نام مجھے لگتا ہے کہ عیبرہ کا ذکر کرنا مجھ سے زیادہ آپ کو پسند ہے۔“ وہ اب بھی ہنس رہا تھا۔

”تم اپنی کوئی بات نہیں مجھے جوڑ کر پسند نہیں بھلا اس کا ذکر کرنا مجھے کیوں کر پسند ہوگا۔“ انہوں نے بہت ناگواریت سے کہا۔

”خدا کے واسطے ماما! عیبرہ کوئی دین نہیں ہے ایک جیتی جاگتی انسان ہے۔ آپ کی اس بے دین سے نفرت آپ کو اس سے نفرت پر اکسارہی ہے۔“ جان نے بہت بلند آواز میں کہا۔

”تم بات کو خواہ مخواہ طول دے رہے ہو میں صرف یہ کہہ رہی ہوں کہ اگر تم مجھے پوزیو کہہ رہے ہو تو پھر عیبرہ کو کیا کہو گے؟“ انہوں نے اب بھی اپنی بات پر ڈٹے رہتے ہوئے کہا۔

”وہ پوزیو نہیں ہے ماما! کیونکہ پوزیو ہمیشہ ان چیزوں کے لیے ہوا جاتا ہے جن کے کھوجانے کا ڈر ہو اور عیبرہ کو ایسا کوئی ڈر نہیں کیونکہ وہ جانتی ہے جو اس کے پاس ہے وہ مکمل ہے۔“ جان نے بہت مضبوط لہجے میں کہا اور پھر گھر کے داخلی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

”تم میں اسلام کے جڑوے کہاں سے آگئے ہیں جان! تمہاری اس بیماری کی وجہ عیبرہ سے ما پھر.....“ ان کے میل میں ایک چہرہ ابھرا تھا۔

”نہیں ہرگز نہیں..... اتنا بڑا انتقام یہ نہیں ہو سکتا۔ میں ایسا ہرگز نہیں ہونے دوں گی۔“ وہ خفیف سے لہجے میں کہتی چلی گئی تھیں۔



آج اس کا پہلا بیسپر تھا اور ہمیشہ کی طرح بہت اچھا بھی رہا تھا۔ اگلا بیسپر اگلے ہفتے کی کسی تاریخ کا تھا جب وہ نہا کر نکلا تو اس کا سیل بج رہا تھا۔ اسٹینڈ کرنے پر دوسری طرف ماما تھیں۔

”جان! میں کچھ دنوں کے لیے شہر سے باہر جا رہی ہوں اپنی فیکٹری کے لیے مال کی بکنگ کرانی ہے۔ کرسس آنے والی ہے اور اس کے لیے میں نے انٹریڈیکٹور سے بات کی ہے۔ ہمیشہ تو میں ڈیکوریشن اپنی پسند سے کرانی ہوں مگر اس دفعہ تم دیکھ لینا اوکے۔“ انہوں نے بہت تفصیلی طور پر اسے بتایا۔

”اوکے۔“ جان نے ایک لفظی جواب دے کر کال اس کیلکٹ کر دی تھی۔

آج تین دن ہو چکے تھے ڈیکوریشن کا کام تقریباً مکمل ہو چکا تھا۔ آج اس کا کمرہ ڈیکوریٹ ہونا تھا۔ وہ ڈیکوریٹر کو ہدایت دے کر کمرے سے باہر نکل آیا۔

بل کھانی راہ داری میں مڑتے ہوئے اس کی نگاہ غیر محسوس طور پر راہ داری کے اختتام پر بسنے کمرے پر چاٹھ رہی تھی۔ یہ اس کے بابا کا اسٹڈی روم تھا۔ اس نے کبھی بھی اس روم کو کھلا ہوا نہیں دیکھا تھا اور آج بھی وہ روم بند ہی تھا۔ اس نے ایک در کھٹک کر پوچھا۔

”آپ نے یہ روم کیوں نہیں کھولا اس کی ڈیکوریشن چھین نہیں کرنی؟“ اس کا انداز نفیشتی تھا۔

”نہیں سر کیونکہ میم نے ہمیں ہمیشہ اس کمرے کو نہ کھولنے کی ہدایت کی ہے۔“ وہ در کر اپنی بات مکمل کر کے چلا گیا جب کہ جان اس کمرے کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

لکڑی کے دروازے پر سفید پینٹ کیا ہوا تھا اور کنڈی لگا کر بڑا سا تالا ڈالا گیا تھا۔ اس نے نہ جانے کیا سوچتے ہوئے بہت سرت سے دروازے پر ہاتھ رکھا اس نے ہمیشہ

اپنے بابا کے قصے سے تھے۔ کبھی ان کی تصویر بھی نہ دیکھی تھی دل بوجھل ہونے لگا تھا ایک عجیب سی کشش تھی اس نے اپنا سر دروازے کے ساتھ لکایا اور آنکھیں بند کر لیں کچھ لمحات بعد ہی اسے محسوس ہوا تھا جیسے دروازے کے دوسری طرف کوئی موجود ہو کوئی کچھ بول رہا ہو وہ بوکھلا کر پیچھے ہٹا اور حیرت سے دروازے کی جانب دیکھنے لگا۔

”مجھے وہم تو نہیں ہوا۔“ اس نے دل میں سوچا اور ایک بار پھر دروازے سے کان لگا کر کھڑا ہو گیا مگر اب کی بار پھر اسے وہی سرگوشی نما آواز سنائی دی وہ پیچھے نہیں ہٹا بلکہ آواز کو مکمل دھم تھی مگر سنائی دے رہی تھی۔

”اتنے سالوں سے یہ کمرہ بند ہے پھر یہ آواز کس کی ہے؟“ وہ سوچتا رہا۔ ”کیا اندر کوئی ہے؟“ اس نے دروازے کو دھیسے سے بجاتے ہوئے پوچھا مگر کوئی جواب نہیں آیا تھا اندر سے۔

”جان بابا!“ ملازمہ نے اسے پکارا اور وہ ہڑبڑا کر پلٹا۔ ”آپ یہاں کیا کر رہے ہیں بیگم صاحبہ نے سختی سے اس کمرے سے دور رہنے کو کہا ہے۔“ اس نے جان کو مطلع کیا۔

”کیوں؟ کس لیے کیا یہ کمرہ اس گھر کا حصہ نہیں ہے؟“ اس نے ضعیف العمر ملازمہ کو غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”اس کے بارے میں ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔“ ملازمہ سر جھکا کر بولی۔ اس سے پہلے کہ جان مزید کچھ کہتا موبائل بجلاس نے نمبر دیکھا عدیل کا تھا۔

”ہیلو! سب خیریت تو ہے نا؟“ کال ریسیو کرتے ہی اس نے پوچھا تھا کیونکہ گزشتہ چند دنوں میں عدیل کی کالز سے اسے کچھ خاص خوشی کی خبر نہیں ملی تھی ہر روز عیبرہ اور اس کی فیملی کے ساتھ محلے میں ہونے والی بدسلوکی کے بارے میں بتاتا تھا۔

”جان! بہت بڑی پرابلم ہو گئی ہے عیبرہ دو تین دن سے لاپتا ہے۔“ عدیل کا یہ جملہ اس کے سر پر ہتھوڑے کی طرح لگا تھا۔

”یہ..... یہ تم کیا کہہ رہے عدیل؟“ شاک کے سبب اس کے منہ سے الفاظ بھی نہیں نکل رہے تھے۔

”پرسوں سپرد دینے یونیورسٹی گئی تھی اور لوٹ کر واپس نہیں آئی۔ پولیس اس کی گمشدگی کی رپورٹ درج نہیں کر رہی ان کا کہنا ہے کہ اس پر اغوا کا الزام ہے اور شاید ای سے بچنے کے لیے وہ اپنے طور پر کہیں غائب ہو گئی ہے۔“ عدیل کہہ رہا تھا اور جان شدید غصے میں آ گیا تھا۔

”احمد نہیں چاہتا تھا کہ میں تمہیں اس معاملے میں شامل کروں اور اب بھی میں نے اسے بغیر بتائے تمہیں انفارم کیا ہے۔“ عدیل نے حد درجہ مجبور لہجے میں کہا اور جان ہونٹ بھیج کر رہ گیا۔

”عباد انکل کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے تم وی آئی جی سے بات کرو وہ غیرہ کو ڈھونڈنے کی کوشش تو کریں۔“ عدیل نے سنجی لہجے میں کہا۔

”او کے۔“ جان نے اتنا کہہ کر کال ڈس کنیکٹ کر دی۔

”کہاں جاسکتی ہے غیرہ.....؟ وہ ان لوگوں میں سے نہیں جو بدنای کے ڈر سے چھپ جائیں تو پھر آخروہ گئی کہاں؟“ اس کا ذہن کام نہیں کر رہا تھا اور یک دم ہی ایک خیال اس کے پورے وجود کو جھنجھوڑ گیا۔

”اومائی گاڈ۔“ اس کے منہ سے خوف کے سبب نکلا تھا۔



کمرے کے وسط میں رکھے صوفوں میں سے ایک پر وہ بیٹھا تھا سر جھکائے بہت سی الجھنوں کا شکار بھی بھاری قدموں کی آواز پیدا ہوئی تھی۔ اس نے سر اٹھایا تو کمرے کے داخلی دروازے سے ایک دراز قد آدمی اندر داخل ہوا تھا۔ اس کا ڈیل ڈول اچھا تھا اور سر کے بال درمیان سے غائب تھے وہ مسٹر مہرا تھے انہیں دیکھتے ہی جان اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

”ہیلو جان!“ انہوں نے ہاتھ ملا کر اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ”آج ہمارے گھر کیسے آنا ہوا؟“ مسٹر مہرا نے طنز کا

تیر چلایا۔

”آپ بہت اچھی طرح جانتے ہیں میں یہاں کیوں آیا ہوں؟“ جان نے نکل سے کہا۔

”نہیں میں تو نہیں جانتا کہ تم یہاں کیوں آئے ہو؟“ انہوں نے انجان بنتے ہوئے کہا۔

”غیرہ کہاں ہے؟“ ایک لمحے کے توقف کے بعد اس نے کہا۔

”میرے مطابق تو اسے جیل میں ہونا چاہیے تھا مگر آپ نے اس کی ضمانت کرا دی تھی تو یقیناً اب وہ اپنے گھر پر ہوگی۔“ انہوں نے بھی اسی اطمینان سے کہا۔

”وہ ہوئی اپنے گھر پر اگر آپ نے اسے اغوا نہ کرایا ہوتا۔“ جان نے بہت سنجیدگی سے کہا۔

”تم میرے گھر میری چھت کے نیچے بیٹھ کر مجھ پر الزام لگا رہے ہو۔“ انہوں نے گھورتے ہوئے کہا۔

”میں الزام نہیں لگا رہا سچ کہہ رہا ہوں۔“ جان نے بنا ڈر سے کہا۔ مسٹر مہرا چند ثانیے اسے دیکھتے رہے پھر مخاطب ہوئے۔

”چلو مان لیا کہ میں نے اسے اغوا کرایا ہے تو پھر.....؟“ ان کا انداز طنزیہ تھا۔

”تو پھر یہ کہا آپ اسے چھوڑیں میں سنیتا کو ڈھونڈنے میں آپ کی مدد کروں گا۔ میں غیرہ سے اس کا پتا معلوم کر کے آپ کو بتاؤں گا۔“ جان نے صلح جو انداز میں کہا۔ ایک بار پھر چند لمحے کے لیے خاموشی چھا گئی تھی۔

”غیرہ سے کیا رشتہ ہے تمہارا؟“ انہوں نے ذمہ داری انداز میں پوچھا۔ جان کو دھچکا نہیں لگا کیونکہ یہ تجربہ ایک بار پہلے بھی کر چکا تھا۔

”اصل مسئلہ میرا اور غیرہ کا رشتہ نہیں آپ کی بیٹی کا ڈھونڈنا اور غیرہ کو رہا ہونا ہے۔ آپ غیرہ کو چھوڑ دیجیے میں سنیتا کو دس دن کے اندر ڈھونڈ کر لاؤں گا۔“ جان نے بہت نکل سے کہا۔

”ٹھیک ہے مگر تمہاری بات پر یقین کیسے کروں میں؟“ انہوں نے جانچنے والے انداز میں کہا۔

آنچل جنوری ۲۰۱۵ء 50

”تو میں آپ کی پہنچ سے دور نہیں ہوں غیرہ کے ساتھ آپ مجھے بھی قید میں ڈال سکتے ہیں۔“ جان نے اپنے مطابق سزا کا انتخاب بھی کر دیا تھا۔

”ہوں..... تمہارے ماں باپ سے میرے تعلقات اس طرح کے ہیں کہ تمہاری بات پر بے اعتباری میں نہیں کر سکتا۔“ غیرہ میری قید میں ہی ہے میں ہر قیمت پر اپنی بیٹی کو واپس لانا چاہتا ہوں مگر نہ جانے کیا بات ہے اس لڑکی میں کہ کسی میں اب تک اس سے بات کرنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ وہ جس کوٹھڑی میں قید ہے اس میں کسی کو داخل ہونے کی ہمت ہی نہیں ہو سکتی۔ میں خود بھی گیا تھا مگر مجھ پر ایسا خوف طاری ہوا کہ اگلے قدموں واپس آ گیا۔ میں اپنے ایک آدمی سے کہتا ہوں کہ وہ تمہیں وہاں تک چھوڑ آئے۔“ انہوں نے ایک ہی سانس میں یہ سب کہہ دیا اور جان نے سکون کا سانس لیا۔

کوٹھڑی میں نیم تاری تھی۔ وہ ایک کونے میں سجدہ ریز تھی وہ بلند آواز میں کچھ پڑھ رہی تھی۔

ترجمہ: اے ہمارے رب بے شک ہم تیرا ہی مال ہیں اور میں تیری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔“

یہ کیا لفظ تھے کون سی زبان تھی یہ؟ وہی زبان لگی اسے جو وہ خواب میں سنتا رہا تھا۔ وہ انکھنے لگا۔

”غیرہ!“ اس نے باوقار اور بلند آواز میں پکارا تو غیرہ ایک دم خاموش ہو گئی تھی وہ اس کی آواز پہچان گئی تھی۔ یہ جان کی آواز ہی تھی وہ بلاشبہ اس کی زندگی کی دوسری بڑی مصیبت میں بھی اس کی نجات کا راستہ بن گیا تھا۔ غیرہ نے سجدہ سے سر اٹھایا اور پلٹ کے اسے دیکھا۔ وہ چند قدم کے فاصلے پر کھڑا تھا وہاں سے نکلتے ہی مسٹر مہرا کے آدمی انہیں اسی کمرے میں لے آئے جہاں مسٹر مہرا اور جان کچھ دیر پہلے بیٹھے تھے۔

”آئیے جناب!“ مسٹر مہرا کے انداز میں اسے کچھ شاطرانہ پن محسوس ہوا تھا۔

”سب کچھ طے ہو چکا ہے تو پھر کیوں بلویا ہے؟“ جان نے ترش لہجے میں کہا۔

”بیٹھو۔“ انہوں نے صوفے کی جانب اشارہ کیا۔ جان انہیں گھورتا ہوا بیٹھ گیا۔

”آپ بھی بیٹھ جائیے استانی صاحبہ!“ انہوں نے طنز کیا غیرہ پر۔ غیرہ بجلت مجبوری بیٹھ گئی۔ آج سے پہلے وہ کبھی کسی نامحرم کے برابر نہیں بیٹھی تھی مگر حیران کن طور پر جان کے برابر بیٹھی وہ خود کو بہت زیادہ محفوظ محسوس کر رہی تھی۔ اس نے دیکھا تھا جان شاید مسٹر مہرا کو جانتا تھا بلکہ یقیناً جانتا تھا۔

”میں نے تمہیں یہاں اس لیے بلوایا ہے کہ تمہیں تمہارے وعدے کی یاد دہانی کرادوں۔ تمہارے پاس صرف دس دن ہیں میری بیٹی کو ڈھونڈنے کے لیے لیکن اگر تم اسے ڈھونڈنے میں ناکام رہے تو میں غیرہ کو قید میں نہیں ڈالوں گا اور تم جانتے ہو تمہیں قید میں نہیں کر سکتا۔“

اس لیے میں صرف ایک ہی کام کروں گا.....“ وہ ایک لمحے کے لیے رکے اور غیرہ کی جانب دیکھا ان کے چہرے پر پھیلی مسکراہٹ بہت شاطرانہ تھی۔ جان کو کسی ان دیکھے خطرے کا احساس ہوا۔ ”میں اس لڑکی کو تمہاری آنکھوں کے سامنے قتل کروں گا اور پھر تمہیں قید میں ڈالنے یا قتل کرنے کی مجھے ضرورت نہیں رہے گی کیونکہ اس کے مرتے ہی تمہاری زندگی خود بخود ختم ہو جائے گی۔ آخر تم اس سے اتنی.....“ جان کا رنگ فق ہو گیا وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ غیرہ کا تو حیرت سے برا حال تھا۔ اس ادھورے جملے سے جو معنی نکل رہے تھے انہوں نے غیرہ کو کسی اندھے کنویں میں دھکیل دیا تھا۔ اس نے جان کے بارے میں کیا سوچا تھا وہ کیا لکھا تھا۔ جان نے قدم آگے بڑھا دیے تھے اس نے جان کی اٹھک کی تھی۔

”ارے ہاں ایک اور بات۔“ مسٹر مہرا ایک بار پھر ان کے سامنے آ کھڑے ہو گئے۔ باری باری ان دونوں کی جانب دیکھتے ہوئے جان سے مخاطب ہوئے۔ ”اپنی ماما کو میری طرف سے اپنی مٹکئی کی مبارک باد ضرور دے دینا۔“ ”کیا اب ہم جاسکتے ہیں؟“ جان نے غصیلے لہجے میں کہا اور مسٹر مہرا راستے سے ہٹ گئے۔

آنچل جنوری ۲۰۱۵ء 51

پانچ منٹ گزر گئے تھے اسے ڈرائیو کرتے ہوئے۔ اس دوران نہ تو غیرہ نے اسے مخاطب کیا اور نہ خود اس نے غیرہ کو۔ وہ بے تحاشا شرمندگی کا شکار ہو رہا تھا۔ اس نے چورنگا ہوں سے غیرہ کو دیکھا اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ وہ کیا سوچ رہی تھی اس کے بارے میں اس کا اندازہ اسے بہت اچھی طرح ہو رہا تھا۔ غیرہ کے دماغ میں عالیہ کے جملے گردش کر رہے تھے۔

”مجھے نہیں لگتا غیرہ کہ اسے دین اسلام میں کوئی دلچسپی ہے اس کی آنکھیں کچھ اور ہی کہہ رہی تھیں۔ پتا نہیں تم کیوں دھوکا کھا رہی ہو۔“ اس نے انہوس سے آنکھیں بند کر لی تھیں۔

”اس نے کتنا سچ پہچانا تھا جان کو۔ اسے اسلام میں کوئی دلچسپی نہیں تھی وہ صرف مجھے بے وقوف بنا رہا تھا۔ میں نے آج تک انسانوں کو پہچاننے میں کبھی بھی غلطی نہیں کی پھر جان کے معاملے میں مجھ سے اتنی بڑی چوک کیسے ہو گئی۔ کیسے نہیں دیکھ پائی میں وہ جو عالیہ کو دکھ گیا؟“ غیرہ کو خود پر جان سے زیادہ غصہ آ رہا تھا۔ آنکھیں کھول کر اس نے آسمان کی طرف دیکھا۔

”کیوں میں اس کی اصلیت نہیں دیکھ پائی اسے آپ کی جستجو نہیں تھی اللہ پاک تو پھر کیوں آپ نے میرے دل میں اس کے لیے اتنی غیر محسوس نرمی پیدا کی؟ کیوں آخر کیوں؟“ غیرہ بری طرح تلملا رہی تھی۔ جان اس کے تاثرات سے اندازہ لگا رہا تھا کہ وہ اس وقت کس سے مخاطب ہے یقیناً اپنے رب سے۔

”سب تمہاری غلطی ہے جان! سراسر تمہاری۔ غیرہ اب کبھی تمہاری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہے گی۔“ اس نے دھڑا کر کے باہر راستے پر نظر پڑا۔

”غلطی میری ہی ہے میں نے ہی شاید اسے اتنا موقع دیا کہ وہ میرے بارے میں اس حد تک سوچے۔ مجھے پہلے ہی دن اس سے برابر تاؤ کرنا چاہیے تھا۔“ غیرہ نے تاسف بھرے انداز میں سوچا۔

”اس میں تمہاری کوئی غلطی نہیں، تم نے کبھی نہ چاہا تھا کہ غیرہ یہ بات جانے اگر آج اسے پتا چلا ہے تو یہ قسمت میں تھا۔ اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں۔ تم نے کوئی غلطی، کوئی گناہ نہیں کیا، محبت گناہ نہیں۔“ اس کے اندر سے ایک آواز ابھری اور اسے ہمت سی ملی تھی۔ اس نے روڈ پر نظر پڑا۔ جمائے غیرہ کو مخاطب کیا۔

”سینٹا کہاں ہے غیرہ!“ اس طویل خاموشی کو جان نے خود توڑا تھا۔ غیرہ نے کوئی جواب نہیں دیا، اس نے گردن گھما کر غیرہ کی جانب دیکھا اور پھر پوچھا۔ مگر اس نے اب بھی جواب نہیں دیا۔ سنگل پر کار روکتے ہوئے اس نے پھر پوچھا اور اب کی بار غیرہ نے اسے گھور کر دیکھا اور وہ شرمندہ ہو گیا۔

”میں جانتا ہوں آپ اس وقت بہت غصے میں ہیں غیرہ! اور آپ کا غصہ کرنا جائز بھی ہے مگر میں اس بارے میں کچھ نہیں کر سکتا۔ میں نے بہت کوشش کی کہ میں آپ کے بارے میں نہ سوچوں نہ چاہوں آپ کو۔“ اس کا یہ جملہ غیرہ کے غصے میں مزید اضافہ کر گیا تھا۔ ”مگر جذبات پر کسی کا کنٹرول نہیں ہوتا میرا بھی نہیں ہے۔“ جان نے بہت بے بس لہجے میں کہا گرین سنگل پر اس نے کار کا اسٹیرنگ گھمایا۔

”گاڑی روکیں۔“ غیرہ نے اس کی جانب دیکھے بغیر بہت تیز لہجے میں کہا وہ کچھ سمجھ نہیں پایا۔

”میں کہہ رہی ہوں گاڑی روکیں۔“ اب کی بار غیرہ کا لہجہ بہت زیادہ سخت تھا۔ اس نے کار سڑک کے کنارے روک دی تو غیرہ نے دروازہ کھولنے کی کوشش کی تھی مگر نہیں کھلا۔

”دروازہ لاکڈ ہے۔“ جان نے اسے مطلع کیا۔ ”دروازہ کھولیں۔“ جان نے غیرہ کی بات نظر انداز کر کے کار اسٹارٹ کر دی تھی۔ ”میں نے کچھ کہا ہے جان!“ غیرہ کو مزید غصہ آنے لگا تھا اس پر۔

”شاید آپ کی یہ پہلی بات ہے جسے میں ماننے سے انکار کرتا ہوں۔“ اس کے چہرے پر شرمندگی نہیں تھی۔

مصنوعی خوشبو اور کیمیکل سے پاک اور گینک آئل ہی جلد کی حفاظت کرتے ہیں!

اور گینک آئل

ہر شخص آئل گاڑیں اور ہر قسم کے موٹا پائے نجات پائیں یعنی جسم کے جس حصے کا وہ حصہ آئل لگا لیں اور سلم سارٹ نظر آئیں۔ موٹا پائے اس طرح ہے جو خاموشی سے ہی علامت کے بغیر حمل آور ہوتا ہے اور سر میں کوس کا علم تب رہتا ہے جب طبیعت مائل بد جاتی ہے طبیعت خرد ایک خطرناک بیماری ہے مگر موٹا پائے کی وجہ سے دیگر بہت سی خطرناک بیماریاں جنم لیتی ہیں۔ لہذا موٹا پائے کے علاج میں غفلت کو خود کو امراض اور موت کے منہ میں پھیلنے کے مترادف ہے۔ موٹا پائے کی طبیعت کی طرح کھاتا ہے بالخصوص خواتین اس سے زیادہ متاثر ہوتی ہیں۔ اس لیے اس وجہ سے جسم پھول کر موٹا، بھرا اور بڑھتا ہو جاتا ہے۔ موٹا انسان کسی بھی شکل میں جاتے تو ہر جگہ شہر کا نشان بناتا ہے۔ موٹا پائے کے باعث جسمانی کمزوری اور ذرا سی حرکت سے سانس پھول جاتا ہے طبیعت خرد حال ہو جاتی ہے۔ نا پائے کی وجہ سے دیگر امراض بھی لاحق ہو جاتی ہیں۔ ان تمام مسائل کے حل کیلئے ہندو ریزہ کے ماریٹن جے اور گینک آئل کے آئل ایک ایسی پروڈکٹ متعارف کروائی ہے جو ان تمام مسائل کو حل کر دیتی ہے۔ اس آئل کی سب سے بڑی خوبی ہے کہ ہر قسم کے کھانے پینے کے سامنے پاک ہونے کے ساتھ ساتھ ہر موسم میں استعمال کر دیا جاسکتا ہے۔ جسم میں ناخوشگوار بو کو ختم کر دیتا ہے۔

اس آئل کی وجہ سے جسم کو خوشبو اور سارٹ ملتا ہے۔ اس آئل کی وجہ سے جسم کو خوشبو اور سارٹ ملتا ہے۔ اس آئل کی وجہ سے جسم کو خوشبو اور سارٹ ملتا ہے۔

طریقہ استعمال: چند قطرے روزانہ 2 مرتبہ استعمال کریں۔
Rs. 495 (100 ml)

0333-9619535	0332-2544447	0313-8431943	0321-2682857
0322-9814004	0311-9291710	0300-5211354	0345-8764225
0300-8393627	0992-335900	0310-2020206	0300-2548293
0333-6756493	0305-5038040	0300-5903904	0321-9125018
0333-6004364	0301-3580511	0333-6037718	0307-2100345
0307-6679957	0303-5208403	0315-8701970	0300-9447446
0342-7323604	0333-6755442	0333-6031077	0333-8834251
0333-5783839	0315-4206257	0321-6989035	0300-6668972
0322-6958870	0322-5420834	0334-4403452	0345-7000088
0300-7481663	0333-5179523	0333-4985886	0311-0981002

اپنے علاقے کے قریبی سٹور سے طلب کریں۔
0333-8834251

”اسے شرمندہ ہونا چاہیے۔“ عیبرہ نے سوچا۔

”سنتا کہاں ہے عیبرہ! میرا اسے دس دن کے اندر ڈھونڈنا بہت ضروری ہے ورنہ.....“ اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔

”ورنہ کیا.....؟ مسٹر مہرا مجھے قتل کر دیں گے تو کر دیں مجھے موت سے ڈر نہیں لگتا۔ موت برحق ہے اور وہ سب کو آئے گی ایک دن۔“ عیبرہ نے بہت ترش لہجے میں کہہ کر اپنا رخ پھیر لیا۔

”انسان کی عزت نفس اس کی بڑی طاقت ہوتی ہے اور اگر اس کا قتل کر دیا جائے تو پھر انسان بھی سر اٹھا کر چلنے کے لائق نہیں رہتا۔“ عیبرہ عبادا ”جان کے اس جملے میں ایک ایسا فہم تھا، عیبرہ اپنی جگہ گنگ رہ گئی تھی۔ اب کی بار اسے جان پر غصہ نہیں آیا تھا۔

”آپ مسٹر مہرا کو نہیں جانتیں وہ کتنا گھٹیا آدمی ہے۔ اس کا اندازہ آپ نہیں کر سکتیں۔“ جان اس کی جانب دیکھے بنا ہی کہتا رہا تھا۔ ”آپ نے آج تک انسان کا اچھا روپ دیکھا ہے کیونکہ آپ نے خود کبھی کسی سے برا سلوک نہیں کیا مگر مسٹر مہرا جیسے لوگوں کے لیے اچھے برے لوگ سب ایک ہی لسٹ میں آتے ہیں۔ وہ سب کے ساتھ ایک ہی طرح پیش آتے ہیں۔ تین دن آپ ان کی قید میں رہیں کیا ہو سکتا تھا آپ کے ساتھ آپ یہ سوچ بھی نہیں سکتیں۔ مگر آپ کے رب نے آپ پر کرم کیا لیکن یہ لازمی تو نہیں عیبرہ کہ آپ ہمیشہ ہی ان کے ہاتھوں سے بچ جائیں۔“ عیبرہ کا رخ جھک گیا۔

”میں جانتا ہوں کہ آج میں آپ کی نگاہ میں ایک بہت برا انسان بن گیا ہوں، اسی لیے آپ کو میرے ساتھ سفر کرنا بھی گوارا نہیں لیکن آپ کا رب جو سب کچھ دیکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ میں نے ہمیشہ آپ کو پاک باز نگاہوں سے دیکھا ہے آپ میری نگاہ میں اس دنیا کی سب سے پاکیزہ لڑکی ہیں اور ہمیشہ رہیں گی۔ میں نے ہمیشہ آپ کی بہت عزت کی ہے اور ہمیشہ کروں گا۔“ وہ خاموش ہو گیا تھا اتنا کہہ کر مگر اس کا دل اب بھی مخاطب تھا۔

”اور میں نے دل کی گہرائیوں سے آپ سے محبت کی ہے اور ہمیشہ کروں گا دن رات صبح شام۔ ماہ و سال وقت کی کوئی قید اس محبت کو ختم نہیں کر سکتی، کبھی بھی نہیں ہرگز نہیں۔“ اس نے ایک نگاہ عیبرہ کے چہرے پر ڈالی۔ جہاں اب غصے کے کوئی تاثرات نہیں تھے غالباً اسے جان کی بات سمجھا گئی تھی۔ کار عیبرہ کے گھر کے باہر روکتے ہوئے وہ ایک بار پھر اس سے مخاطب ہوا تھا۔

”پلیز عیبرہ! میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ سنتا کا پتا دیجئے میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں اسے نقصان پہنچانے نہیں دوں گا۔“ جان کا لہجہ بہت زیادہ سنجی تھا وہ عیبرہ کو سمجھا نہیں سکتا تھا کہ مسٹر مہرا کی بات نے اسے کتنا زیادہ خوف زدہ کر دیا تھا۔

”سنتا مسلمان ہو چکی ہے اس کا نام ایمان ہے اور اسے اخلاقی طور پر سپورٹ کرنے کے لیے میں نے اپنے پھوپھی زاد کزن عبدالعزیز سے اس کا نکاح کر دیا ہے۔“ عیبرہ نے بہت دھیمے لہجے میں اسے بتایا۔

”اور وہ دونوں اب کہاں ہیں؟“ جان کی سانس میں سانس آئی۔

”وہ میں آپ کو نہیں بتا سکتی۔“ عیبرہ نے بھد کہا۔

”کیوں آپ کو یقین نہیں ہے مجھ پر؟“ جان تشویش کا شکار ہوا۔

”نہیں۔“ عیبرہ نے یک لفظی جواب دیا۔

”آپ بہت ضدی ہیں عیبرہ اور اس ضد میں آپ صرف اپنا نقصان کر رہی ہیں۔“ جان نے بہت افسوس سے کہا اور سائیڈ پر لگا ایک مین پر لیس کیا تھا جس سے کار کا دروازہ کھل گیا۔

”شکریہ آپ نے میری بہت مدد کی مگر مجھے امید ہے کہ اب ہم دوبارہ نہیں ملیں گے۔“ عیبرہ نے حتمی لہجے میں کہا۔

”نہ ملتے اگر آپ مجھے سنتا کا پتا بتا دیتیں۔“ جان نے اسی کے انداز میں کہتے ہوئے ونڈا سکرپن سے باہر دیکھا۔ احمد عیبرہ کے گھر سے باہر نکل رہا تھا وہ انہیں دیکھ چکا تھا۔

عیبرہ کار سے اتری اور احمد کے برابر سے گزر کر گھر میں داخل ہو گئی۔ احمد کار کے قریب پہنچ کر کھڑکی پر جھکا تھا۔

”کہاں لے گئے تھے میری بیوی کو تمہاری ہمت کیسے ہوئی اسے لے جانے کی۔“ احمد نے کہا جانے والی نظروں سے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

”بہت کم ظرف نکلے آپ تو مسٹر احمد! تین دن بعد آپ کی بیوی گھر آئی ہے اور آپ اس کا حال احوال دریافت کرنے کے بجائے یہاں کھڑے ہو کر ایک فضول بات پر بحث کر رہے ہیں۔“ جان نے تلملا کر کہا وہ اس کا شکر ادا کرنے کے بجائے انٹاس پر شک کر رہا تھا۔

”اس کا حال احوال تو میں دریافت کر ہی لوں گا پہلے تمہاری خیریت تو معلوم کر لوں۔“ اس نے اچانک ہی کار کا دروازہ کھولا اور جان کو گریبان سے پکڑ کر کار سے باہر نکال لیا۔

”چھوڑو مجھے۔“ جان نے اپنا گریبان چھڑانا چاہا۔

”بتاؤ کہاں تھے تم دونوں؟ ہم یہاں اتنے پریشان تھے اور تم مزے کر رہے تھے۔ آج نہیں چھوڑوں گا تمہیں اس دن تو عدیل نے بچا لیا تھا۔“ اس نے گریبان سے پکڑ کر جان کو بڑی طرح جھنجھوڑا لیا تھا اور پھر پوری قوت سے ایک مڑکا جان کے منہ پر مارا تھا اس کا ہونٹ پھٹ گیا تھا اور منہ سے خون بہہ رہا تھا۔ اس نے دوسری بار ہاتھ اٹھایا مگر اب کی بار جان نے اس کا ہاتھ مڑک کر اسے پیچھے دھکیل دیا۔

”بہت ہی گری ہوئی اور گھٹیا سوچ ہے آپ کی۔“ عیبرہ تین دن سے لا پتا تھی اور آپ اس کے حج سلامت واپس آ جانے پر شکریہ ادا کرنے کے بجائے ناشکری کر رہے ہیں۔ آپ بہت بے قدرے ہیں۔“ جان نے بہت تیز لہجے میں کہا اور گرد کے لوگ اب ان کے پاس جمع ہو گئے تھے۔

”تو تم کر لو اس کی قدر اور کر لو..... کیا کرتی ہوئی آخر تین دن تم دونوں نے ساتھ جو گزارے ہیں۔“ احمد نے چبا چبا کر کہا اور اس کے اس جملے کے ساتھ ہی ارد گرد کے

لوگوں میں چہ گوئیاں شروع ہو گئی تھیں۔

”جان اگر تم نے اس بات کی تردید نہیں کی تو عیبرہ تمہاری وجہ سے.....“ ایک دم ہی کسی نے اندر سے اسے جھنجھوڑا تھا۔

”تم بغیر جانے بوجھے عیبرہ پر الزام لگا رہے ہو احمد! عیبرہ میرے ساتھ کہیں نہیں گئی تھی بلکہ اسے اغوا کر لیا گیا تھا انہی لوگوں نے اسے اغوا کیا جنہوں نے اسے جیل بھیجا۔“ جان نے بہت بلند آواز میں کہا تھا تا کہ ارد گرد کے لوگوں کے منہ بند ہوں اور ایسا ہی ہوا تھا۔

”اس نے ایک ہندو لڑکی کو مسلمان کیا ہے اسی لیے یہ سب پر ہلے فیس کرنی پڑ رہی ہیں۔“ اس نے مزید کہا اب لوگوں کا رش جھٹکنے لگا تھا کچھ لوگ احمد کو سمجھانے لگے۔ احمد مسلسل اسے گھورتا رہا جان پلٹ کر اپنی کار میں بیٹھ گیا۔

اس نے سکون کا سانس لیا کہ عیبرہ کے بارے میں کوئی بھی افواہ پھیلنے سے پہلے ہی اس نے بات کلیئر کر دی۔ احمد ایک بار پھر اس کی طرف بڑھتا تھا۔

”تم دونوں سب کو بے وقوف بنا سکتے ہو مجھے نہیں۔ تم کو کیا لگتا ہے میں نہیں سمجھتا کہ ہمیشہ تم ہی کیوں اس کی مدد کو پہنچتے ہو؟“ احمد نے دانت پیس کر کہا۔

”یہ بات تو مجھے خود آج تک سمجھ نہیں آئی کہ ہمیشہ میں ہی کیوں عیبرہ کی مدد کے لیے منتخب کیا جاتا ہوں لیکن آج میں ایک بات ضرور سمجھ گیا ہوں۔“ جان نے بہت ٹھنڈے لہجے میں کہا۔

”تم ایک بہت تنگ ذہن انسان ہو احمد! میں عیبرہ کی بہت عزت کرتا ہوں مگر تم یہ بات نہیں سمجھو گے کیونکہ تم وہ انسان ہو جسے عزت راس نہیں آتی۔“ جان کا لہجہ اب بھی ٹھنڈا تھا اس نے کار کو پیچھے لیا اور رخ مین روڈ کی طرف کر دیا جب کہ احمد پلٹ کر عیبرہ کے گھر میں داخل ہو گیا۔

آفس کی گلاس وال سے حد نگاہ تک پھیلے شہر کی عمارتوں کو دیکھتے ہوئے اس کا دل ڈوبنے لگا تھا۔ اسی شہر کی ایک گلی میں اندھیری رات میں وہ ہمیشہ کے لیے اس سے

پھٹ گئی تھی اور تب اسے معلوم بھی نہ تھا کہ وہ اسے خری بار دیکھ رہا ہے۔

”عبدالعزیز آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ میں نے عبیرہ کو اس راستہ آپ کے گھر کے باہر ہی چھوڑا تھا اور اس کے بعد جب میں دوبارہ وہاں گیا تو گھر پر تالا تھا۔ میں پچھلے دس سال سے اسی امید پر بیٹھا ہوں کہ وہ آپ لوگوں کے ساتھ ہے اور آپ دونوں کہہ رہے ہیں کہ وہ آپ کو کبھی ملی ہی نہیں اگر وہ آپ دونوں کے ساتھ بھی نہیں ہے تو پھر وہ کہاں گئی اس رات؟“ اس کے ذہن میں وہ دن گھوم رہا تھا جب عبداللہ عبدالرحمن کی بدولت وہ ایمان اور عبدالعزیز سے ملا تھا۔ ان سے مل کر اسے خوشی ہوئی تھی کہ اب وہ عبیرہ تک پہنچ جائے گا مگر اس کی سوچ غلط ثابت ہوئی تھی۔

”اذان!“ کا شان نے اسے آواز دی تو اس نے پلٹ کر دیکھا اسے۔ اس کی آنکھوں کا انداز اتنا بارل تھا کہ کا شان اپنی جگہ ساکت رہ گیا۔ کا شان کی یہ حالت دیکھ کر اس نے اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں اور رخ پھیرتے ہوئے اس سے مخاطب ہوا تھا۔

”کا شان مجھے کچھ دیر کے لیے اکیلا چھوڑ دو۔ میں کسی سے نہیں ملنا چاہتا۔ کسی سے بھی نہیں۔“ اس نے بہت بے زار لہجے میں کہا۔

”اوکے۔“ کا شان بنا کوئی سوال کیے باہر نکل آیا مگر اس کے دماغ میں کھلبلی ہی مچ گئی تھی وہ پچھلے دو ہفتوں سے اذان کو اسی حالت میں دیکھ رہا تھا وہ میٹنگ میں ہوتا اور کوئی رائے پوچھ لی جاتی تو ایسے چونک پڑتا جیسے کہ وہاں موجود نہیں ہو۔ موبائل زیادہ تر سوچ آف رہے لگا تھا گھر پر فون کرنے پر گھر پر موجود نہ ہوتا اور موجود ہوتا تو بات نہ کرتا۔ ہر ایک سے بے زار نظر آنے لگا تھا۔

”کیا وجہ ہو سکتی ہے اذان کی اس حالت کی۔“ کا شان کوئی معنی اخذ نہیں کر پا رہا تھا۔

آئی سی یو کے باہر لگی چیئرز میں سے ایک کی بیک سے ٹیک لگائے وہ بیٹھی تھی۔ ڈاکٹر کو باہر نکلتا دیکھ کر وہ فوراً

اٹھ کھڑی ہوئی۔

”دیکھیے محترمہ ایک بہت شدید تھا۔ ہم نے اپنے طور پر پوری کوشش کی ہے آگے اللہ مالک ہے۔ آپ آئی سی یو اور میڈیسنز کے بل کاؤنٹر پر ادا کر دیں۔“ ڈاکٹر اپنی بات مکمل کر کے چلا گیا تھا۔

”یا اللہ پلیرز بابا جانی کو ٹھیک کر دیجیے پلیرز اللہ پاک۔“ اس نے بتی دل سے دعا کی تھی۔ کاؤنٹر پر آ کر اس نے پہلے گھر کال کی پھر اس کے بعد مل دیکھا مل بہت زیادہ تھا۔ اتنے پیسے تو اس کے پاس تھے بھی نہیں فی الفور اس کا ذہن ماؤف ہو گیا تھا۔ اس نے ریسیور دوبارہ اٹھایا اور احمد کا نمبر ڈائل کیا۔ کال ریسیو ہونے پر احمد کی حد درجہ بے زار آواز ابھری تھی۔

”ہیلو! کون؟“

”میں..... میں عبیرہ بات کر رہی ہوں۔“ اس نے ڈرتے ڈرتے اپنا نام بتایا۔

”تمہاری ہمت کینے ہوئی مجھے فون کرنے کی۔ میں تم جیسی لڑکی سے بات کرنا نہیں چاہتا۔“ احمد نے بہت ترش لہجے میں کہا۔

”احمد پلیرز میری بات تو سنیں۔ بابا کی طبیعت بہتر خراب ہے مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔“ احمد گڑ گڑائی تھی۔ زندگی میں پہلی بار اللہ کے سوا کسی انسان کے سامنے۔

”جنم میں جاؤ تم اور تمہارا باپ۔“ احمد نے زہر بار لہجے میں کہا۔ وہ مزید کچھ کہتا مگر کسی نے عبیرہ کے ہاتھ سے ریسیور لے کر فون بند کر دیا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا وہ جان تھا ساتھ ہی عدیل بھی کھڑا تھا۔ اس نے عبیرہ کی جانب دیکھے بنائیں ادا کیا اور پھر پلٹ کر ایک سمت میں قدم بڑھا دیئے۔

”عدیل بھائی! جان کو آپ نے بتایا؟“ عبیرہ نے نرم پلکوں سے اس سے پوچھا۔

”وہ پریشان تھا تمہارے لیے احمد نے جس طرح اس کے ساتھ برتاؤ کیا اسے اندازہ تھا وہ تم سے کس طرح پیش

آئے گا اور ایک بات اور عبیرہ! میں معذرت چاہتا ہوں جس وقت تم آئی تھیں گھر عباد انکل کو اسپتال لانے کے لیے میں تمہارے ساتھ نہیں آ سکا کیونکہ ابا نے مجھے منع کر دیا تھا مگر میں جانتا تھا کہ وہ غلط ہیں اسی لیے میں آ گیا ہوں۔ پلیرز مجھے معاف کر دینا۔“ عدیل نے شرمندگی سے سر جھکاتے ہوئے کہا۔

”پلیرز آپ معافی مت مانگیں عدیل بھائی!“ عبیرہ نے نرم لہجے میں کہا ابھی انہوں نے جان کو اپنی طرف واپس آتے دیکھا۔

”میں نے ڈاکٹر سے بات کی ہے انکل کو روم میں شفٹ کیا جا رہا ہے۔ عبیرہ آپ کو بھی پرالم نہیں ہوگی رہنے میں۔ ہم لوگ یہیں ہوں گے آپ پریشان مت ہوئیے گا۔“ جان نے بہت دھیمے لہجے میں کہا۔ عبیرہ سر جھکائے سستی رہی۔ اس میں سر اٹھانے کی ہمت بھی نہیں۔ کچھ گھنٹوں پہلے اس نے بہت وثوق سے اسی انسان سے زندگی میں بھی نہ ملنے کا کہا تھا اور چند گھنٹوں میں ہی اس کی یہ بات رد کر دی گئی تھی۔

”احمد نے بہت غلط کیا اسے عبیرہ کو کچھ کہنے کا موقع دینا چاہیے تھا۔“ عباد صاحب کو روم میں شفٹ کر دیا تھا عبیرہ ان کے پاس ہی تھی البتہ عدیل اور جان روم کے باہر لگی چیئرز پر بیٹھے تھے۔ عدیل بہت دیر سے کچھ نہ کچھ کہہ رہا تھا مگر جان خاموشی سے سن رہا تھا کچھ بول نہیں رہا تھا۔

”کیا بات ہے جان! تم اتنے خاموش کیوں ہو۔“ بلکہ خرمیل نے پوچھ ہی لیا۔

”کچھ نہیں عدیل! مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ عبیرہ کے ساتھ جو ہوا اس کا ذمہ دار کہیں میں تو نہیں۔“ جان نے سرد آواز میں تھی۔

”ابھی میں جان! تم نے تو اپنے طور پر سب کلیئر کیا تھا ناں۔ اب یہ احمد کی کم ظرفی تھی کہ حقیقت جان لینے کے بعد بھی اس نے اتنی گری ہوئی حرکت کی۔ اس نے طلاق دے دینی عبیرہ کو۔“ عدیل نے ہر آنسو لہجے میں کہا۔

”عبیرہ کے ساتھ بہت غلط ہوا۔ وہ اس کی حق دار نہیں

پھر کیوں ہو رہا ہے اس کے ساتھ یہ سب۔ اس نے تو ایک نیک کام کیا ہے کیا تمہارا رب نیکی کرنے کی بھی سزا دیتا ہے؟“ جان نے ہر شکوہ لہجے میں کہا۔

”رب نے نہیں دی سزا اس کے بندوں نے دی ہے۔“ یہ آواز عبیرہ کی تھی ان دونوں نے چونک کر سر اٹھایا۔ وہ کب روم سے باہر آئی تھی انہیں اندازہ ہی نہیں ہوا تھا۔

”میں ایک ضروری کام سے باہر جا رہی ہوں آپ دونوں بابا کے پاس بیٹھ جائیں۔“ وہ اپنی بات کہہ کر مڑ گئی تھی۔

”کہاں جا رہی ہیں آپ عبیرہ!“ جان نے جلدی سے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

”وہ میں آنے کے بعد بتاؤں گی۔“ اس نے بنامڑے جواب دیا اور آگے بڑھ گئی۔ وہ دونوں حیرت سے اسے جاتا ہوا دیکھتے رہے تھے۔



”چلو فاسلی تم مسکرائیں تو مجھے لگا تھا کہ اب تمہاری مسکراہٹ دیکھنے کے لیے بھی ٹکٹ لگے گا۔“ اس نے دل کھول کے تبصرہ کیا۔

”احرام!“ طوبی نے گھور کر اسے دیکھا۔ وہ اس وقت ایک مارٹ میں تھے کار پیٹرول فلنگ کے لیے پارک کر کے وہ دونوں مارٹ میں آ گئے تھے۔ وہ اکثر ہی اس طرح شاپنگ کرتے تھے۔ طوبی کو مٹی کے برتن ہمیشہ سے بہت پسند تھے اور آج بھی انہیں دیکھ کر ہی وہاں آ گئی تھی۔

”دیکھو احرام! یہ کتنا خوب صورت ہے۔“ طوبی نے ایک مٹی کا گلدان اٹھا کر اسے دکھایا تھا جس پر نفیس اور ریلیف نقش نگاری کی گئی تھی۔

”ہاں لیکن میرے پاس اس سے بھی زیادہ کچھ خوب صورت ہے تمہارے لیے۔“ احرام نے سسپنس پیدا کیا۔ ”کیا.....؟“ طوبی نے وہ مٹی کا برتن رکھتے ہوئے متحس لہجے میں پوچھا۔ احرام نے مسکراتے ہوئے بیک سے اپنا ہاتھ سامنے کیا اس کے ہاتھ میں گلاب کے پھولوں کا بیگ تھا۔ طوبی نے فوراً وہ بیگ لیا اور گلابوں کی

مہک کوٹاک کے قریب لا کر محسوس کیا۔

”بہت خوب صورت ہے۔“ طوبی نے کہا۔

”شکریہ۔“ احرام نے مسکراتے ہوئے کہا اور اسی خوش گوار موڈ میں وہ دونوں باہر نکل آئے۔

”آج ہم ساحل سمندر چلیں گے احرام!“ طوبی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ضرور.....“ ٹپکی اور وہ بھی پوچھ پوچھ میں چیک کرتا ہوں پیٹرول فل ہوا یا نہیں۔“ احرام مسکراتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

”تم کتنے اچھے ہو احرام! تمہارے جذباتوں میں کہیں دکھاوا نہیں کوئی مجبوری نہیں۔ زندگی کے اس عجیب دور میں بھی تم میرے ساتھ کھڑے ہو جب اپنی پہچان کھو بیٹھی ہوں میں طوبی یا مین سے.....“ ایک دم بہت تیز ہارن کی آواز نے اس کی سوچوں کے تسلسل کو توڑا تھا۔ وہ بے دھیانی میں چلتی روڈ پر کار کے سامنے آگئی تھی۔ کار کے ٹائرز سے اچانک بریک لگنے کے سبب بہت تیز آواز لگی تھی کہ پیٹرول پمپ پر موجود تقریباً سب لوگ ان کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ طوبی کے ہاتھ سے پھول چھوٹ کر زمین پر بکھر گئے تھے وہ آنکھوں پر ہاتھ رکھے کھڑی تھی۔

”مس طوبی! آپ ٹھیک تو ہیں؟“ یہ آواز اذان کی تھی اس نے آنکھوں سے ہاتھ ہٹائے..... غالباً وہ کار اذان کی تھی۔

”آئی ایم ریلی ویری سوری۔“ اذان نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

”نہیں اس میں آپ کی غلطی نہیں ہے۔ مجھے پتا ہی.....“ ایک دم اذان کی بیک سے ابھرنے والے چہرے کو دیکھ کر اس کی آواز حلق میں ہی گھٹ گئی تھی۔ اذان نے پلٹ کر کاٹھان کو دیکھا اور حیرت کا شکار ہوا۔ تب تک احرام بھی ان تک پہنچ گیا تھا۔

”طوبی! تم ٹھیک تو ہو؟“ اس نے گہرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ طوبی کے بجائے اذان مخاطب تھا۔

”آئی ایم سوری احرام! مجھے نہیں اچانک طوبی کیسے میری گاڑی کے سامنے آ گئیں۔“ اذان نے دیکھا کاٹھان کو دیکھ کر احرام کے تاثرات بھی ویسے ہی تھے جیسے طوبی کے۔

”اٹس اوکے۔“ احرام نے مختصر کہا۔

”چلو طوبی!“ اس نے طوبی کا ہاتھ پکڑا اور وہاں سے لے گیا۔

”آخر ان دونوں کا رد عمل کاٹھان کو دیکھ کر ایسا کیوں تھا؟“ اس نے کار ڈرائیو کرتے ہوئے سوچا۔ کاٹھان کچھ دیر پہلے کی نسبت اب بالکل خاموش تھا۔

”طوبی یا مین اور احرام بہت اچھا کیل ہے ناں۔“ اس نے اندھیرے میں تیر چلایا اور کاٹھان کے چہرے کے تاثرات نے اسے مکمل داستان سادی وہ ہنسا تھا۔

محبت جیت ہوتی ہے

مگر یہ ہار جاتی ہے

کبھی دل سوز لکھوں ہے

کبھی تقدیر والوں سے

کبھی مجبور قسمتوں سے

مگر یہ ہار جاتی ہے

اذان کو بلند آواز میں یہ نظم پڑھتا دیکھ کر کاٹھان حیرت زدہ رہ گیا۔

”تمہیں پتا ہے آج طوبی کا میری کار سے یہ دوسرا ایکسیڈنٹ تھا۔ پہلا ایکسیڈنٹ اس کی شادی والے دن ہوا تھا۔“ اس نے دیکھا کاٹھان کی رنگت بالکل پھسکی پڑ گئی تھی۔

”لیکن احرام واقعی قابل تعریف ہے۔“

”شادی کے دن لڑکی کا گھر سے چلے جانا تم سمجھتے ہو لوگ کتنی باتیں بناتے ہیں مگر اس نے طوبی کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ وہ اب تک اس رشتے کو تھامے ہوئے ہے۔“ اذان نے اسے سراہتے لہجے میں کہا اور کاٹھان نے آنکھیں بند کر لیں۔



آج ایک بار پھر وہ اس کی ٹیبل پر سفید لفافہ رکھ کر سیدھا کھڑا ہوا تھا۔

”استغنی؟“ اس نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

”نہیں۔“ کاٹھان نے یک لفظی جواب دیا۔

”پھر؟“ اذان کا انداز اب بھی سوالیہ تھا۔

”ٹرانسفر ریگسٹ۔“ اس نے بجھے بجھے لہجے میں کہا۔

اذان کچھ دیر خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

”کس سے بھاگ رہے ہو طوبی یا مین سے؟“ اذان نے بلاتوقف کہا۔ کاٹھان نے چونک کر اسے دیکھا۔

”طوبی یا مین اسی وجہ تھی ناں پانچ سال پہلے بھی

پاکستان چھوڑ کر جانے کی؟“ اذان اب بھی تسلسل سے

بول رہا تھا۔ کاٹھان ہار جانے والے انداز میں اپنے پیچھے رکھی چیمبر پر بیٹھ گیا۔

”آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں اذان! طوبی یا مین میری

زندگی کا ایک ایسا باب ہے جسے میں نے خود اپنے ہاتھوں

سے بند کیا تھا لیکن یہ زندگی اسے ایک بار پھر میرے

سامنے لے آئی ہے۔ میں بھول جانا چاہتا ہوں اسے اور

اسے بھی جو میں نے اس کے ساتھ کیا وہ وحو کا وعدہ خلافی

سب کچھ۔“ اذان نے اس کے لہجے میں ایک خلش ایک

ترپ محسوس کی تھی۔

”کہانی کیا ہے؟“ اذان نے مدہم لہجے میں پوچھا اور

کاٹھان کی نظروں میں کچھ منظر ابھرنے لگے۔

”آج سے چھ سال پہلے میری ملاقات طوبی سے ایک

آرٹ نمائش میں ہوئی تھی۔ وہ پورٹریٹ کی نمائندگی کر رہی

تھی پہلی نظر کے بعد میں اس پر سے نگاہ ہٹا نہیں پایا۔

میرے قدم خود بخود اس کی جانب اٹھتے چلے گئے۔ وہ کچھ

لوگوں کو اپنی پورٹریٹ کا سینٹرل آئیڈیا بتا رہی تھی مجھے دیکھ کر

وہ میری طرف بھی متوجہ ہو گئی۔ بہت سمجھانے کے باوجود

مجھ میں نے اسے یہی کہا مجھے سمجھ نہیں آیا بلا آخر اس نے

نگہ آ کر مجھے کہا۔

’جرنلسٹ تو بہت تیز دماغ ہوتے ہیں مگر آپ تو بہت کندہ بن ہیں۔ میں ہنس پڑا تھی اس کی ایک دوست نے

اس کا نام پکارا تھا۔“ طوبی“ وہ وہاں سے چلی گئی البتہ میرے ذہن سے ٹھونٹیں ہوئی تھیں۔ میں نے بہت جلد ہی اس کے بارے میں معلومات حاصل کر لیں۔ وہ شہر کے ایک مشہور

بزنس مین یا مین اسحاق کی اکلوتی بیٹی تھی اور ایک پرائیوٹ

یونیورسٹی میں آرٹ اور ڈیزائن کی اسٹوڈنٹ تھی۔ میں اس

کے ڈیپارٹمنٹ پہنچا تو مجھے دیکھ کر اس نے کتاب کے

پیچھے منہ چھپا لیا غالباً میں اسے یاد تھا۔ میں نے قریب پہنچ

کر اسے ہلکا کہا تو وہ یہ کہہ کر وہاں سے چلی گئی کہ وہ اجنبیوں

سے بات نہیں کرتی مگر..... مگر میں نے ہار نہیں مانی۔ دن

رات صبح شام اس کے روبرو تار پامیاں تک اسے میری

بات سمجھ آ گئی۔ میری محبت پر یقین آ گیا لیکن میری

قسمت شاید میرے ساتھ نہیں تھی۔ نہ جانے نانوئی کو طوبی

میں کیا کی نظر آئی کہ انہوں نے اس رد کر دیا۔ مجھے اپنی

پرورش کا واسطہ دیا اور میں مجبور ہو گیا۔ میں وہ دن کبھی نہیں

بھول سکتا جب میں نے طوبی کا محبت سے بھرا دل توڑا

تھا۔ اس دن بہت تیز بارش تھی وہ کیفے ٹیریا میں میرا انتظار

کر رہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی اس کے چہرے پر ایک مانوس

مسکراہٹ ابھری تھی۔“

”اتنی دیر کہاں لگا دی کاٹھان! میں ایک گھنٹے سے آپ

کا انتظار کر رہی ہوں۔ خیر چھوڑیں مجھے آپ کو ایک نیوز

بتانی ہے ماما بابا مان گئے ہیں وہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں

کل۔ آپ آئیں گے ناں؟“ اس نے خوش کن لہجے میں

کہا تھا۔

”میں نہیں آؤں گا آپ کو یا آپ کے والدین کو میرا

انتظار کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔“ میں نے بہت روکے

لہجے میں کہا اور اگلے قدموں پلٹ گیا تھا۔

”کاٹھان! کیا بات ہے آپ مجھ سے ناراض

ہیں۔ کیا کوئی غلطی ہو گئی ہے مجھ سے؟“ وہ میرے

پیچھے پیچھا آئی تھی۔

”نہیں طوبی! غلطی آپ سے نہیں مجھ سے ہوئی ہے۔

مجھے کوئی حق نہیں تھا کہ میں آپ کی زندگی سے کھیلتا۔“ ہم

کیفے ٹیریا سے باہر آ گئے تھے بارش اور بھی تیز ہو گئی تھی۔

”کاشان آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں؟“ طوبی کا دل ڈوبنے لگا تھا۔

”دیکھیں طوبی! اس میں کوئی شک نہیں کہ میں نے آپ کو دل کی گہرائیوں سے چاہا ہے لیکن میں اپنی مانو بی سے بھی بہت محبت کرتا ہوں۔ طوبی! آپ میری زندگی میں دھڑکن کی طرح ہیں لیکن میری مانو میری زندگی میں میری سانسوں کی مانند ہیں۔ میری زندگی کا تصور آپ دونوں کے بنا ہی ناممکن ہے مگر مجھے جب آپ دونوں میں سے کسی ایک کو چنے کا موقع ملا تو میں ان ہی کو چنوں گا اور میں نے انہیں ہی چنا ہے۔ میں ان کی مرضی کے خلاف آپ سے شادی نہیں کر سکتا“ آپ مجھے بھول جائیں۔“ میں اپنی بات مکمل کر کے مڑنے لگا تھا مگر طوبی نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر روکا تھا۔

”آپ مذاق کر رہے ہیں ناں کاشان! مجھے پتا ہے آپ مذاق کر رہے ہیں۔“ طوبی کا لہجہ غیر یقینی تھا۔ میں نے طوبی کا ہاتھ جھٹک دیا۔

”میں مذاق نہیں کر رہا طوبی! اس حقیقت کو آپ جتنی جلدی سمجھ لیں آپ کے لیے بہتر ہوگا۔“ میں نے حتمی انداز میں کہا اور مڑ گیا۔

”کاشان!“ طوبی نے ڈوبتے دل اور ڈبڈبائی آنکھوں سے صدا لگائی مگر میں رکنا نہیں تھا۔

انتساب سنانے کے بعد کاشان کی برداشت جواب دے گئی تھی اس نے ٹیبل پر سر نکا دیا جب کہ اذان اب ایک گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔

دو دن بعد عباد صاحب کو ہوش آیا تھا مگر طبیعت بہتر نہیں تھی۔ ڈاکٹر انہیں چیک کر کے گیا تھا جان بھی ڈاکٹر کے ساتھ باہر آ گیا تھا۔

”ہم اپنی پوری کوشش کر رہے ہیں سر چوہاں! اب آگے اللہ مالک ہے۔“ جان نے صرف سر ہلایا تھا۔

”ڈاکٹر صاحب! کیا یہاں کوئی چیرمینی بوکس وغیرہ ہے؟“ جان نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا اور ڈاکٹر نے

اسے راستا سمجھا دیا تھا۔

”جان میں اسپتال کی ہر ادائیگی خود کرنا چاہتی ہوں اگر میں ایسا نہ کر پاتی تو میں کبھی سر اٹھا کر نہ چل سکوں گی۔ آپ ہی نے کہا تھا ناں کہ جب ایک انسان کی عزت نفس کو قتل کر دیا جائے تو وہ سر اٹھا کر چلنے کے لائق نہیں رہتا۔ میں ایک خوددار باپ کی بیٹی ہوں۔ میں یہ ہرگز گوارہ نہیں کر سکتی کہ اپنے بابا جانی کی بیماری کے اخراجات کسی اور سے اٹھاؤں۔ آپ نے مجھ پر بہت احسانات کیے ہیں یہ ایک احسان اور کر دیتے ہیں پیسے واپس لیجیے۔“ چیرمینی بوکس تک پہنچتے ہوئے اس کے ذہن میں عبیرہ کے جملے گونج رہے تھے۔ وہ اس رات جب واپس آئی تھی تو اس کے پاس کچھ پیسے تھے جو اس نے جان کو واپس کیے تھے۔ جان دو دن تک یہ فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ وہ ان پیسوں کا کیا کرے؟ کیونکہ انہیں استعمال وہ نہیں کر سکتا تھا مگر پھر اسے چیرمینی کا خیال آیا اور عبیرہ کی طرف سے اس نے وہ پیسے چیرمینی کر دیے تھے۔

”شاید ان کا سب سے صحیح استعمال یہی ہو سکتا ہے۔“ اس نے گہری سانس لی اور پلٹ گیا۔ شام تک عباد صاحب کی طبیعت میں کافی بہتری آ گئی تھی۔ عبیرہ کے کہنے پر وہ گھر آ گیا تھا مگر دماغ وہیں اٹکا ہوا تھا۔

”مجھے نہیں پتا مجھے یہ کہنا چاہیے یا نہیں لیکن مجھے لگتا ہے آپ کو مسر مہرا کو سنیا کا پتا دینا چاہیے عبیرہ!“ وہ کچھ دیر پہلے ہی آیا تھا۔ اسے اسپتال سے اطلاع ملی تھی کہ صبح پانچ بجے کے قریب عباد صاحب کی طبیعت ایک بار پھر خراب ہو گئی تھی۔

”انتی پریشانی کا سامنا کرنے کے بعد یہ بات تو آپ کی سمجھ میں بھی آ گئی ہوگی۔“ اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

”جو مجھے سمجھ میں آیا ہے وہ کبھی آپ کو سمجھا ہی نہیں سکتا۔ آپ کے لیے بھی ہر پریشانی پریشانی ہے اور ہر مصیبت مصیبت لیکن میرے لیے ایسا نہیں ہے۔“ وہ

استول پر بیٹھی تھی۔ اس کے ہاتھوں میں عباد صاحب کا ہاتھ تھا وہ جیسے لہجے میں مخاطب تھی۔

”یہ ایک حقیقت ہے کہ میں نے کبھی زندگی میں ایسی پریشانیوں کا سامنا نہیں کیا اور نہ ہی ایسی بے اعتباری کا لیکن پریشانیاں اس لیے نہیں آتیں کہ انسان پریشان ہو کر روئے۔ اللہ سے شکوہ کرے اور کبھی کبھی اللہ کے ساتھ کفر بھی کر بیٹھے۔“ وہ چند ثانیوں کے لیے رک تھی اور جان کو محسوس ہوا تھا کہ وہ ایک بار پھر اسی کلاس روم میں تھا جہاں عبیرہ پکڑ دیا کرتی تھی۔

”پریشانیاں انسان کی زندگی میں اس کا ایمان جانچنے کے لیے بھیجی جاتی ہیں۔ جو لوگ کچھ ایمان کے مالک ہوتے ہیں وہ جلد پریشان ہو کر ناشکری کرتے ہیں۔ اللہ عزوجل کو یاد دلاتے ہیں کہ انہوں نے دن میں کتنی بار اس کی عبادت کی۔ کتنی بار اس کی یاد میں سجدے کیے کتنی نمازیں پڑھیں کتنی زکوٰۃ دی کتنی خیرات دی مگر خود یہ بھول جاتے ہیں کہ اللہ پاک نے کتنی بار ان پر احسان کیا ان کے کتنے گناہوں کو معاف کیا ان کی کتنی گستاخیوں کو نظر انداز کیا۔ ایسے لوگ حقیقتاً ناشکرے ہوتے ہیں لیکن اللہ پاک کے کچھ بندے ایسے بھی ہوتے ہیں جو ان مشکلات اور پریشانیوں سے گھبرا کر ناشکری کرنے کے بجائے اپنے رب سے ثابت قدم رہنے کی دعا کرتے ہیں۔

اس سے ہر پل اس کی پناہ چاہتے ہیں کہ وہ انہیں شیطان کے بہکاوے سے بچائے۔ صبر کرتے ہیں اور ہر ممکن طور پر شکر کرتے ہیں زیادہ سے زیادہ تسبیح و تہلیل کرتے ہیں تاکہ وہ اپنے رب کے برگزیدہ بندوں میں شامل ہو جائیں۔ میں شامل تو ہو سکتی ہوں بس یہی بات اس کی پاک ذات کو راضی کرنے کی جستجو مجھے ایمان کو تحفظ دینے کی امت عطا کرتی ہے اس نے مجھے اس زمین پر اگر کسی کے لیے ذریعہ ہدایت بنایا ہے تو یہ میرے لیے بہت بڑی خوش نصیبی تھی اور آپ چاہتے ہیں جان میں اس خوش نصیبی سے ہاتھ دھو بیٹھوں ناراض کروں اس رب العزت کو جس کے مجھ پر بے شمار احسانات ہیں۔ وہ رب جو رات سونے

اور دن کو اٹھنے سے پہلے میرے رزق کو طے کر دیتا ہے۔ وہ رب جو میری ہر آئی جاتی سانس کا مالک ہے جو میری غلطیوں پر میری سانسوں کے اس سلسلے کو توڑ نہیں دیتا جو اپنے کسی احسان کا مجھ سے بدلہ نہیں مانگتا۔ میں نے اس سے بے حد اور بے لوث محبت کی ہے اور میں اس کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر سکتی ہوں یہاں تک کہ اپنی جان بھی۔“ جان بوم سادھے سن رہا تھا۔

”بے شک یہ میرا رب ہی بہتر جانتا ہے کہ اس نے اس دنیا میں کس کو کس کام کے لیے بھیجا ہے مجھے بھی نہیں علم تھا کہ میں کبھی کسی کے لیے ذریعہ ہدایت بنوں گی۔“ وہ چند لمحوں کے لیے رک تھی اور شاید آپ کو بھی کبھی اندازہ نہیں تھا کہ کبھی آپ کسی مسلمان لڑکی کی اس طرح اور اس حد تک مدد کریں گے کیونکہ نہ یا آپ کی خواہش ہے اور نہ میری۔ یہ اس کی مرضی اس کی سوچ ہے جس کی سوچ تک کبھی کسی کی پہنچ ممکن ہی نہیں۔ میں اور آپ اور ہم جیسے بہت سے صرف کردار ہیں جو اس کے تخلیق کیے ہوئے ہیں اور اسی کے محتاج ہیں اور وہ ہمیں اپنا محتاج رکھے آمین۔“ عبیرہ خاموش ہو گئی۔

چند لمحے ساکت کھڑے رہنے کے بعد وہ کمرے سے باہر نکل آیا۔ راننداری میں چلتے ہوئے اس کے ذہن میں عبیرہ کے جملے گردش کرنے لگے تھے وہ لڑکھڑایا پھر سنبھلا دیوار کے ساتھ لگی چیر پر بیٹھتے ہوئے اس کے ذہن میں پچھلے تمام واقعات گھومنے لگے تھے وہ پہلی بار عبیرہ کا اس کے روبرو آنا اور پہلی ہی بار میں اس کے دل میں عبیرہ کے لیے ان چاہی نری پیدا ہونا اسے دیکھ کر ہر شے سے بے گانگی محسوس ہونا وہ سب کچھ جان کے ذہن میں فلم کی مانند چل پڑا تھا اس کے ذہن میں وہ خواب گھومنے لگے تھے جو عبیرہ سے ملنے کے بعد اس نے دیکھے تھے۔

”سب کچھ کس طرح خود خود ہوتا چلا گیا تھا کتنی نا بعداری کتنی فرماں برداری کیوں؟ کس لیے کون ہے وہ عبیرہ کا رب جس نے مجھے جان ویراج چوہاں کو ایک مسلمان کے لیے اتنا نرم دل بنا دیا میں جو مسلمانوں سے

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی ویب سائٹ

یہ ٹائمہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں؟

- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریویو ایبل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر ویو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✧ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ پیریم کوالٹی ہمارے کوالٹی، کمپریڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریٹ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسج کرنے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریٹ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سلیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

✧ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

✧ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں www.paksociety.com

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیگر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1



دونوں کے رب نے؟“ اس کا ذہن ایک بار پھر منتشر ہو گیا تھا مگر اب کی بار اس نے ان سوچوں کو جھٹک دیا تھا۔



کمرے میں گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ کسی تھوڑے تھوڑے وقفے بعد کھانسنے کی آواز کمرے سے پھیلے سانسے کو توڑ رہی تھی۔ ایک دم ہی کھانسی کا دورہ شدید ہوا تھا۔ بل بھر کو ایسا محسوس ہوا کہ کھانسنے والے کا دم نکل گیا ہو مگر حقیقتاً ایسا نہیں تھا۔

”صغرا!..... صغرا!.....“ کھانستے ہوئے بہت لاغر آواز میں کسی ملازمہ کا آواز لگائی تھی کچھ ثانیوں بعد ملازمہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی اور جلدی سے لائٹ کھولنے ہوئے ٹیبل سے پانی کا گلاس اٹھا کر اپنی ماں کو دیا پانی سے کچھ افاقہ ہوا پھر انہوں نے لڑکھرائی زبان سے بولنا شروع کیا۔

”صغرا!..... میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ تم..... تم..... میرے بیٹے کو بلا دو اس سے کہو..... آخری..... آخری بار مجھ سے ملنے آجائے بس ایک بار..... صرف.....“ ایک دم سے کھانسی پھر شروع ہو گئی تھی۔ ملازمہ نے ساتھ رکھے فون سے ایک نمبر ڈائل کیا تھا بیل جا رہی تھی۔



”عجیرہ!“ اس کے کانوں سے عباد صاحب کی آواز گھرائی۔ وہ بیڈ پران کے ہاتھ کے قریب سر رکھے بیٹھی تھی ان کی آواز پر اس نے جلدی سے سر اٹھایا۔

”بابا جان! آپ ٹھیک تو ہیں ناں۔“ اس نے پریشان لہجے میں پوچھا۔

”ہوں میں ٹھیک ہوں۔“ انہوں نے بہت لاغر لہجے میں کہا۔

”میں ڈاکٹر کو بلا کر لاتی ہوں۔“ وہ مڑتے ہوئے بولی۔

اس کو جاتا دیکھ کر عباد صاحب کے ذہن میں ایک ہی بات چلنے لگی تھی کہ ان کی بیٹی نے کیا قسمت پائی تھی۔ انہیں

اتنا بے زار تھا اس کے دل میں اتنی محبت بھر دی ایک مسلمان لڑکی کے لئے کون ہے وہ جسے اتنا اختیار ہے؟ کون ہے وہ رب؟ عجیرہ جس سے اتنی محبت کرتی ہے اتنی محبت کہ وہ اپنا سب کچھ اپنی جان بھی اس کے لئے قربان کر دینا چاہتی ہے۔ کیا میں بھی اسی رب کا بندہ ہوں؟ کیا میرا اور عجیرہ کا رب ایک ہے؟ کیا عجیرہ جیز کے علاوہ کسی اور کو رب مانتی ہے؟ کیوں میرے پاس اپنے ہی سوالوں کا جواب نہیں؟ کیوں میں اپنے دین سے جڑی غلط فہمیوں کو دور نہیں کر سکتا؟ اور عجیرہ کیسے اپنے دین ہی نہیں ہر دین پر جامع گفتگو کر سکتی ہے؟“ اس کا ذہن بڑی طرح منتشر تھا۔ ہمیشہ کی طرح عجیرہ کے آخری جملے اسے بڑی طرح ہلا گئے تھے بھی اس کا موبائل بجا اٹھا اس نے نام دیکھا لگی کی کال تھی جو اس کا کلاس میٹ تھا۔

”ہیلو۔“ اس نے تھکے ہوئے انداز میں کہا۔

”ہیلو جان! کہاں ہو یا راجہ پیر اشارت ہونے میں صرف آدھا گھنٹہ باقی ہے سب لوگ آگئے ہیں آج تم اتنے لیٹ کیسے ہو گئے؟“ اس نے پرتشویش لہجے میں کہا۔

”پیر.....؟“ جان نے حیرت سے دہرایا۔

”ہاں آج پبلک ریلیشن کا پیر ہے تم بھول گئے؟ یہ کیسے ممکن ہے؟“ وہ مزید حیرت کا شکار ہوا۔

”لیکن مجھے تو یاد ہی نہیں رہا میں آ رہا ہوں پندرہ منٹ میں۔“ اس نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا اور کال ڈس کنیکٹ کر دی۔

”بے شک میرا رب ہی جانتا ہے اس نے اس دنیا میں کس کو کس کام کے لیے بھیجا ہے۔“ لفٹ کی طرف بڑھتے ہوئے اس کے ذہن میں ایک بار پھر عجیرہ کے جملے گونجے تھے۔

”حقیقتاً اگر لگی نے مجھے کال نہ کی ہوتی تو میں آج کے پیر میں غیر حاضر ہو جاتا۔ آج تک چار سالوں میں مجھ سے یہ غلطی نہیں ہوئی مگر آج..... آخری سال کے آخری سمسٹر میں اتنی بڑی غلطی کر بیٹھا۔ پر مجھے بچالیا کس نے.....؟“ عجیرہ کے رب نے؟ میرے رب نے؟ یا ہم

وہ لمحے یاد آنے لگے تھے جب احمد نے عیمرہ پر الزامات لگائے تھے خود ان سے بھی کتنی بدتمیزی کی تھی اور اسی بات کو برداشت نہ کرتے ہوئے ان کو دل کا شدید دورہ پڑا تھا۔

”کاش کہ میں نے عیمرہ کو اس نکاح کے لیے راضی نہ کیا ہوتا۔ کاش میں بھی احمد کی اس حقیقت کو دیکھ پاتا جسے عیمرہ نے دیکھا۔ کاش..... کاش..... مگر اس رب کے آگے سب مجبور ہیں وہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور وہی اس کے بندوں کے حق میں بہتر ہوتا ہے مگر اس رشتے کے ختم ہونے میں عیمرہ کے لیے کیا بہتری ہو سکتی ہے؟ کیا سوچ رکھا ہے میرے رب نے عیمرہ کے لیے؟ کیا احمد سے بہتر ہے جسے میرے رب نے عیمرہ کے لیے منتخب کیا ہے؟“ چبھی کمرے کا دروازہ کھلا اور عیمرہ کے ساتھ ڈاکٹر اور نرس داخل ہوئے تھے۔ ڈاکٹر نے انہیں چیک کیا اور نرس نے انہیں انکشن لگایا۔

”یاب بہتر ہیں۔“ ڈاکٹر نے عیمرہ کو مخاطب کیا اور پھر چلا گیا۔ عیمرہ اسٹول پر بیٹھ گئی اور عباد صاحب کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا۔

”میں نے آپ کو بہت پریشان کیا ہے ناں بابا جانی!“ عیمرہ نے نم لہجے میں کہا۔

”آپ تو میری سب سے پیاری بیٹی ہیں عیمرہ! آپ کو دیکھ کر میرے دل کو ٹھنڈک پہنچتی ہے آپ میرے لیے پریشانی کا سبب بھی نہیں ہو سکتیں۔ بس غلطی مجھ سے ہوئی ہے۔ آپ کے انکار کے باوجود میں نے آپ کی زندگی ایک غلط انسان کے ہاتھوں میں سونپ دی۔ مجھے معاف کر دیجیے گا عیمرہ! زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں.....“ عیمرہ نے انہیں پیچ میں ہی ٹوک دیا۔

”آپ ایسی باتیں نہ کریں بابا جانی! آپ نے کوئی غلطی نہیں کی جو ہوتا ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔ اب آپ زیادہ باتیں نہ کریں اور آرام کریں۔“ عیمرہ کی اس بات پر وہ مسکراتے ہوئے آنکھیں بند کر گئے جب کہ عیمرہ بنا آواز کے رو رہی تھی اس نے زندگی میں کبھی اپنے بابا جانی کو اتنا بیمار نہیں دیکھا تھا اور اسی لیے اس کی ہمت ٹوٹ گئی تھی اس

کا دل ایک ان دیکھے خوف کا شکار تھا۔ وہ اپنے بابا جانی سے بے حد محبت کرتی تھی اور کسی بھی قیمت پر ان سے دور جانے نہیں چاہتی تھی۔



”آپ کا پروجیکٹ تو بہت کامیاب ہے اس میں کوئی شک نہیں اذان لیکن اگر آپ اپنا یہ انسٹیٹیوٹ شہر میں قائم کریں گے تو زیادہ کامیابی ہوگی۔“ کاشان نے مشورہ دیا۔ وہ دونوں اس وقت اذان کے پروجیکٹ سائڈ سے واپس آ رہے تھے۔

”دیکھو کاشان! شہروں میں اسلامک سینٹرز کی کمی نہیں اور شہر میں لوگ پڑھ لکھے ہیں اسلام کے بارے میں پڑھتے ہیں اور اسے سمجھتے بھی ہیں مگر ہم کسی گاؤں میں چلے جائیں اسلام کے حوالے سے لوگوں میں بالکل ہی معلومات کا فقدان پایا جاتا ہے۔ لوگوں کو اسلام کے

دوسرے اذکار کے بارے میں معلومات تو درکنار وہ اسلام کی بنیاد اسلام کا سب سے بڑا عقیدہ کلمہ طیبہ وہ لوگ اس سے بھی ناواقف ہوتے ہیں اگر دیکھا جائے تو وہ صرف نام کے مسلمان رہ گئے ہیں۔ اسی لیے میں چاہتا ہوں کہ جس کامل دین کا وہ لوگ حصہ بنیں وہ اسے اپنی طرح سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہوں۔ دین سے دوری کا مطلب ہے اپنے رب سے دوری اور رب سے دوری انسان کو گمراہی اور جہالت کے ان اندھیروں میں پہنچا دیتی ہے جہاں وہ نیکی اور گناہ کے ہر فرق سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور ہر کبیرہ صغیرہ گناہ بھی ایک نارمل روٹین کی طرح کرتا ہے یہاں تک کہ شرک بھی۔“ اذان نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

”ہوں..... میں نے اس زاویے سے تو سوچا ہی نہیں تھا یہ تو آپ نے ٹھیک کہا اذان! لیکن پھر اسلامک سینٹر میں ہی آپ مہارت تعمیر کلاسز بھی پلان کر رہے ہیں کیوں؟“ کاشان کا انداز ایک بار پھر نہ سمجھنے والا تھا۔ ”اچھا سوال ہے۔“ اذان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”کیونکہ دینی علم آ جانے سے ان کے پاس روزی کا

آنچل جنوری ۲۰۱۵ء 64

ذریعہ نہیں آ جائے گا۔ اس لیے دین کی بیداری کے ساتھ ضروری ہے کہ ان کی پاس کوئی ایسا ہنر ضرور ہو جو ان کی روزی کا ذریعہ بن سکے اگر ہم کوئی اسکول قائم کرتے ہیں تو پہلی بات تو یہ کہ اسکول میں پڑھنے والے بچے ہوں گے اور فیمیلیز کو سپورٹ کرنے کے لیے انہیں اگلے کئی سال چاہیے ہوں گے۔ دوسری بات یہ کہ پڑھ لکھ کر انہیں نوکری کے لیے شہر ہی آنا پڑے گا اور میں شہر میں شہر والوں کے لیے تو نوکریاں ہیں نہیں انہیں کہاں سے ملیں گی۔ اسی لیے میں نے یہ کلاسز کی ہیں یہ کلاسز ہر عمر کے انسان کے لیے ہیں۔ ان مہارت کو سیکھ کر یہ لوگ اپنی فیمیلیز کو بھی سپورٹ کر سکیں گے اور اپنے بچوں کو بہترین تعلیم بھی دلا سکیں گے اور پھر تم نے یہ محاورہ تو سنا ہی ہوگا ہنر بادشاہ ہے۔“ اذان نے آخری جملہ کہہ کر اپنی بات پر مہر لگادی۔

”بہت اچھا خیال ہے۔ میں تو یہاں تک سوچ بھی نہیں سکتا۔“ کاشان نے معترف ہوتے ہوئے کہا۔

”شکریہ۔“ اذان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”مگر یہ بات شاید کسی کو معلوم نہیں کہ اتنی بہترین سوچ رکھنے والا انسان بھی اپنی زندگی میں کہیں نہ کہیں اینارل ہے یا رہ چکا ہے ناں اذان.....“ کاشان نے مسکراتے ہوئے جانچنے والے انداز میں کہا۔ اذان کے لبوں پر ایک سہل مسکراہٹ ابھری تھی۔

”موجودہ دور میں ہر انسان کسی نہ کسی حد تک اینارل ہے اس کی وجہ یہ تو اس کا آج ہے یا پھر گزرا ہوا کل۔“ اذان نے نارمل انداز میں بڑا سنجیدگی سے جواب دیا۔

”کیا آپ کا بھی کوئی گزرا ہوا کل کوئی ماضی ہے اذان؟“ کاشان کا انداز اب تجسس تھا۔ اذان اب کی بار ہنسنا تھا۔

”میں صرف مذاق کر رہا تھا تم تو سیریس بن گئے۔“ کاشان نے اس کی بات کو نظر انداز کیا۔

”اگر آپ مذاق کر رہے تھے تو پھر مجھے یہ بتائیں کہ آپ مجھے پندرہ دن سے اتنے ڈپریشن کیوں تھے؟“ کاشان ہنسند ہوا۔

”یہ کیا منطق ہے کاشان! کیا لازمی ہے کہ ڈپریشن ہونے کے لیے ہماری زندگی میں کوئی ماضی ضرور ہو۔“ اذان نے اب کی بار جھنجھلائے والے انداز میں کہا۔

”نہیں یہ لازمی نہیں مگر جو لوگ ہمارے دل کے بہت قریب ہوں اگر وہ ہماری زندگی میں شریک سفر ہیں تو ہم زندگی میں آنے والی بڑی سے بڑی پریشانی کو بھی ہنس کے سہہ لیتے ہیں لیکن اگر وہی لوگ ہم سے چھڑ جائیں کہیں کھو جائیں تو زندگی بے معنی ہو جاتی ہے اور میں نے اس دن آپ کی آنکھوں میں بے معنی ہوتی زندگی کا عکس دیکھا تھا۔“ کاشان بہت جذب سے کہہ رہا تھا اور اذان کے چہرے پر سنجیدگی چھانی جا رہی تھی۔ اذان کے ذہن میں ایک دم ایمان کے لفظوں کی بازگشت شروع ہو گئی تھی۔

”اذان ہمارے نکاح والے دن عیمرہ ہمارے ساتھ تھی اس کے بعد وہ ہم سے کبھی نہیں ملی۔ ہم سے کوئی رابطہ نہیں کیا اور وہ ہم سے رابطہ کر بھی نہیں سکتی تھی کیونکہ اسے بتا ہی نہیں تھا کہ ہم گھر چھوڑ کر جا چکے ہیں۔ عبدالمعیز کی اماں ہمیں اپنے گاؤں لے گئی تھیں ہم دو سال وہیں رہے پھر عبدالمعیز نے یہاں آ کر اپنی جاب تلاش کر لی اور تقریباً ڈھائی سال بعد میں اور اماں بھی شہر آ گئے۔ ہم نے عیمرہ سے ملنے کی کوشش کی تھی مگر وہ ہمیں نہیں ملی۔“

”اذان ادھر دیکھو.....“ کاشان پوری قوت سے چیخا تھا وہ گہری نیند سے جاگا تھا جیسے ایک ٹرک بہت تیزی سے ان کی کار کی سمت میں ہی آرہا تھا۔ اذان نے فوراً اسٹیرنگ گھمایا اور کار کچے میں اتر گئی تھی۔ ٹارر کتے ہی کاشان مخاطب ہوا۔

”کب سے کہہ رہا ہوں اذان دیکھو سامنے سے ٹرک آرہا ہے مگر نہ جانے کن خیالوں میں گم ہو۔“ اذان بنا کوئی جواب دیے کار سے اتر گیا تھا کاشان بھی اتر آیا۔ مغرب میں سورج ڈوب رہا تھا کار سے ٹیک لگاتے ہوئے وہ کاشان سے مخاطب ہوا۔

”آئی ایم سوری کاشان! آج میری وجہ سے تمہاری زندگی..... آئی ایم سوری۔“ اس کے لہجے میں

آنچل جنوری ۲۰۱۵ء 65

[illegible][illegible][illegible][illegible][illegible][illegible]

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ ٹائمہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ٹیمیں :-

- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو م ایبل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو یو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✧ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریٹخ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائنٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں ایلوڈنگ
- ✧ سپریم کوالٹی، تارل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریٹخ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسے کمانے کے لئے شریک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

✧ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

✧ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں www.paksociety.com

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1



”ارے تمہارے پیپرز کیسے رہے؟“ انہیں اچانک یاد آیا۔

”اتجھے رہے مگر ابھی صرف دو ہوئے ہیں۔“ اس نے اطمینان سے جواب دیا۔ ”مما ایک بات پوچھوں آپ سے؟“ اس نے کچھ دیر تو وقف کے بعد کہا۔

”ہاں کہو“ وہ اس کی طرف متوجہ ہو چکی تھیں۔

”ڈیکوریشن کے دوران مجھے پتا چلا کہ بابا کا اسٹڈی روم آپ نے کبھی کھولنے کی اجازت نہیں دی۔ مجھے اس کی وجہ سمجھ نہیں آ رہی تھی تو اسی گھر کا حصہ ہے۔“ جان کے لہجے میں الجھن تھی۔

”اس کی دو وجوہ ہیں ایک یہ کہ وہ کمر کسی کے استعمال میں نہیں اور دوسرا اس کمرے سے تمہارے بابا کی یادیں جڑی ہیں۔ تمہارے بابا کے جانے کے بعد جب بھی اس کمرے میں گئی تو شدید ڈپریشن کے دورے کا شکار ہوئی۔ اسی لیے پھر میں نے خود کو کمر بند کر دیا کیونکہ اگر مجھے کچھ ہو جاتا تو پھر تمہیں کون سنبھالتا۔“ ان کا لہجہ دھک سے بھر پور تھا اور آنکھوں میں بھی ہلکی ہلکی نمی نظر آنے لگی تھی۔

جان کو لگا تھا کہ اس نے غلطی کی ان سے سوال پوچھ کر۔

”آئی ایم ریلی ویری سوری ماما! میرا ارادہ آپ کو دکھائی کرنے کا نہیں تھا۔“ وہ ان کے گلے لگ گیا اور اس کی ماما کے لبوں پر فافتانہ مسکراہٹ پھیلی چلی گئی تھی جب کہ دور کہیں نگاہیں یہ منظر دیکھ کر برسنے لگی تھیں۔

”کیا حقیقت کبھی سامنے نہیں آئے گی میرے مالک! کیا اس چہرے سے کبھی نقاب نہیں اٹھے گا؟“ مگر کہیں سے کوئی جواب نہیں آیا تھا۔



آج عباد صاحب کو اسپتال میں پانچ دن ہو گئے تھے گزشتہ دنوں کے مقابلے میں آج ان کی طبیعت کافی بہتر تھی۔ وہ خود سے اٹھ کر بیڈ پر بیٹھ گئے تھے ڈاکٹر بھی حیران تھے کہ ایک دم اتنی بہتری آگئی تھی طبیعت میں۔ عدیل کچھ دیر پہلے ہی گھر گیا تھا مگر جان ابھی بھی بیٹھا تھا جان نے کئی بار یہ بات نوٹ کی تھی کہ عباد صاحب بہت

کی طرف بڑھاتے ہوئے انہیں دیکھنے لگا۔

”یہ میرے پروفیسر ہیں جان! پروفیسر خالد عباسی۔“

عبیرہ نے اب جان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
”جان.....؟ حیرت انگیز! پہلی نظر میں کوئی یہ اندازہ

کر ہی نہیں سکتا کہ آپ ایک مان مسلم ہیں؟“ ان کے لہجے میں حیرت تھی مگر جان کو یہ بات بہت ناگوار گزری تھی۔
”کوئی بات نہیں مسٹر عباسی! انسان کو اکثر ایسی غلط فہمیاں ہو جاتی ہیں۔ میں ابھی جلدی میں ہوں درنہ اچھی گفتگو ہوتی۔ آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔“ جان نے جلدی جلدی سپاٹ لہجے میں کہا اور اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں سے نکال لیا۔

”یقیناً اللہ نے چاہا تو ہماری ملاقات دوبارہ ہوگی۔ یہ میرا ذیبتنگ کارڈ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ بہت جلد آپ کو اس کی ضرورت پڑے گی۔“ انہوں نے ایک کارڈ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بہت پرسکون لہجے میں کہا۔ جان نے ابھی نگاہوں سے انہیں دیکھا اور پھر کارڈ پکڑتے ہوئے عبیرہ سے مخاطب ہوا۔

”اوکے عبیرہ! میں چلتا ہوں پھر آؤں گا اور عدیل کو بھی یاد کروں گا کہ وہ آپ کی ماما اور بہن کو لے آئے اسپتال۔“ عباسی صاحب بہت غور سے دیکھ رہے تھے اسے عبیرہ سے بات کرتے ہوئے وہ وہیں سے مڑا اور دروازہ کی طرف بڑھ گیا۔ عباسی صاحب نے ایک نگاہ غور سے اب عبیرہ کو دیکھا اور پھر مسکرا دیئے۔

”کیا ہوا سر!“ عبیرہ کو کچھ سمجھ نہیں آیا۔
”کچھ نہیں مجھے لگتا ہے کہ تمہارا طالب علم مجھ سے ڈر گیا۔“ انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا اور عبیرہ بھی مسکرا دی۔



”اذان! آخر کون آ رہا ہے جس کا تم اتنی بے صبری سے انتظار کر رہے ہو؟“ کا شان بہت دیر سے نوٹ کر رہا تھا کہ وہ ان پورٹ لاؤنج میں ادھر سے ادھر ٹہل رہا تھا اور بار بار گھڑی بھی دیکھ رہا تھا۔

آنچل ✽ جنوری ۲۰۱۵ء 70

”میرا بہترین دوست میری جان میرا عدیل! کوئی سے واپس آ رہا ہے۔ ایسا لگ رہا ہے جیسے زندگی لوٹ رہی ہے میری طرف۔ میں بہت خوش ہوں کا شان!“ اس کے ہر جملے میں خوشی کا رنگ بھرا ہوا تھا۔ کچھ دیر بعد ہی کا شان اس شخص سے بھی مل لیا تھا جس کا انتظار اذان اس قدر بے صبری سے کر رہا تھا وہ ایک درمیانے قد کا لڑکا تھا سیاہ بال، گندمی رنگت خوش مزاج۔ اذان بڑی گرم جوشی سے اس سے گلے ملا اور پھر کا شان کا تعارف کرایا اس سے۔ عدیل سے مل کر کا شان کو ایک لمحے کے لیے بھی یہ نہیں محسوس ہوا تھا کہ وہ اس سے پہلی بار مل رہا ہے۔

”تمہاری پلی ایچ ڈی کیسی رہی؟“ اذان نے بیک ذوق مر میں عدیل کو مخاطب کیا۔

”وہ اندازہ تو تمہیں میری دماغی حالت سے ہوگا جب تمہیں صبح اندازہ ہوگا کہ میری پلی ایچ ڈی کیسی رہی۔“ عدیل نے بالکل سنجیدہ لہجے میں کہا اور وہ دونوں ہنس پڑے اس کی بات پر۔

”مجھے لگا تھا کچھ سدھاتا جائے گا تم میں لیکن وہ عدیل ہی کیا جو بدل جائے۔“ اذان نے ہنستے ہوئے تبصرہ کیا۔
”یہ معاملہ صرف میرے ہی نہیں تمہارے ساتھ بھی ہے محترم! بدلے تو تم بھی نہیں ہو تمہارے دل تنگ رسائی ہے مجھے۔“ عدیل نے دعویٰ کیا اور اس بات پر اذان نے نگاہیں چرائی تھیں جب کہ کا شان کے دل کو لگی تھی یہ بات۔

”اذان کا بہترین دوست وہ تو اذان کے بارے میں سب کچھ جانتا ہوگا۔“ کا شان کا دماغ ایک دم ہی بے قرار ہو گیا تھا۔ اذان نے موضوع بدل دیا کار اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھی۔



”عدیل آج انکل کو ڈسچارج کیا جا رہا ہے۔ تم عبیرہ کے ساتھ انہیں گھر لے جانا۔ میں کراچی کے لیے نکل رہا ہوں تم نے جوائڈریس دیا ہے عبیرہ کی پچھوپچا میں ایک بار وہاں جا کر دیکھنا چاہتا ہوں ہو سکتا ہے کام بن جائے۔“

جان نے اسپتال سے باہر نکلتے ہوئے کہا۔
”میرے خیال میں تو تمہارا جانا بے کار ہے کیونکہ یہ ایڈریس پرانے گھر کا ہے۔“ عدیل نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

”وہاں جا کر ہو سکتا ہے مجھے نئے گھر کا ایڈریس مل ہی جائے۔ امید پر دنیا قائم ہے عدیل! اور پھر مسٹر مہرا سے کسی رحم کی توقع نہیں ہے۔“ جان بہت جذب سے کہتا چلا گیا اور عدیل نے صرف اثبات میں سر ہلایا۔



”اماں! ڈاکٹر نے کہا ہے کہ بابا جانی کو اب کسی قسم کا صدمہ نہیں پہنچنا چاہیے بہت مشکل سے ان کی حالت سنبھل رہی ہے اس لیے ہمیں اب بہت احتیاط سے کام لینا ہوگا۔“ عبیرہ نے بہت دھیمے لہجے میں کہا وہ دونوں اس وقت عباد صاحب کے کمرے کے باہر کھڑی تھیں عبیرہ کچھ دیر پہلے ہی انہیں لے کر گھر آ گئی تھی۔

”ہاں ہمیں بہت احتیاط کرنی ہوگی۔“ انہوں نے عبیرہ کی تائید کی۔

”یہ عالی کہاں ہے اماں؟“ اچانک ہی عبیرہ کو اس کا دھیان آیا۔

”وہ ٹیوشن گئی ہے بڑی مشکل سے چھوڑ کر آئی ہوں۔ تمہیں تو پتا ہے ناں پڑھائی میں تو اس کا دماغ لگتا ہے نہیں! بس پورا دن تصویریں بنواؤ اس سے۔“ وہ خفا ہونے لگی تھیں جب کہ عبیرہ مسکراتی ہوئی اندر کی طرف آ گئی۔

پکڑے چیخ کر کے اس نے شکرانے کے لفظ ادا کیے اور پھر بستر پر لیٹی تھی۔ درود شریف پڑھتے ہوئے اس کے ذہن میں وہ دن گھوم گیا جب اسپتال میں ادائیگی کرنے کے لیے اس کے پاس پیسے نہیں تھے اور جان نے ادائیگی کی تھی۔ اس دن عبیرہ کو جس قدر شرمندگی کا سامنا ہوا تھا شاید اس کا اندازہ خود اس کے سوا اور کوئی نہیں کر سکتا! اسی لیے اس نے اس شرمندگی کو مٹانے کے لیے اپنی سونے کی بالیاں اور سیٹ جو اس کی اماں نے شادی کے لیے بنوایا تھا بیچ دیا تھا۔

”آج جان صبح کے بعد واپس نہیں آیا ورنہ وہ تو دن میں دوبارہ ضرور آتا ہے۔“ اس نے لیٹے لیٹے سوچا۔
”خیر جو بھی ہو اللہ پاک اس نے ہمیشہ میری بہت مدد کی ہے تو اسے اس کا اجر ضرور دینا اور اس کا سب سے بڑا اجر تو یہ ہوگا کہ تو اسے اپنی محبت عطا کرے اپنی جستجو عطا کر دے اپنی سب سے بڑی نعمت اپنے دین سے اسے سرفراز فرما آمین۔“ عبیرہ نے ہمیشہ کی طرح اپنے رب کو صدق دل اور بہت سچائی سے پکارا تھا۔ مگر خود اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ اس کے معصوم دل کی دعا جان کے لیے کتنی بڑی مصیبت کتنا طویل امتحان بنے گی۔



صبح صادق کا وقت تھا، ملکی خنک سی ہوا تھی۔ چاروں طرف بہت تیز روشنی پھیلی ہوئی تھی وہ حطیم (خانہ کعبہ کے سامنے کچھ فاصلے پر بنی سنگ مرمر کی چھوٹی سی آدھی گول دیوار) کے اندر خانہ کعبہ کے دربر درجہ ریز تھی۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ہر شے اپنے پاک و بلند بزرگی اور صاحب قدرت رب کی حمد و ثناء میں مصروف ہو۔ ہر نظارہ منور محسوس ہو رہا تھا بھی ایک بہت صاف اور خوش الحان آواز سنائی دی تھی شاید مسجد حرام (خانہ کعبہ کے گرد جتنے حصے میں نماز پڑھی جاتی ہے اسے مسجد حرام یعنی حرمت والی مسجد کہا جاتا ہے) میں کوئی اذان دے رہا تھا آواز اتنی میٹھی تھی کہ وہ سجدے سے سر اٹھانے پر مجبور ہو گئی اس نے ادھر ادھر دیکھا مگر کوئی نظر نہیں آیا بالآخر وہ اٹھ کر حطیم سے باہر نکل آئی۔ آواز خانہ کعبہ کے دوسری طرف سے آرہی تھی وہ آگے بڑھی تو بہت تیز روشنی اس کی آنکھوں کو خیرہ کرتی ہوئی محسوس ہوئی۔ وہ مزید آگے بڑھی تو آواز اور روشنی دونوں ہی مدھم مدھم ہو گئی تھیں اور وہاں پہنچنے پر اسے آواز اب اگلی طرف سے آنے لگی وہ گول چکر لگا کر اگلی طرف آئی تو پچھلی طرف سے آنے لگی تھی۔ اس طرح تقریباً سات بار ہوا تھا اور اس نے سات بار خانہ کعبہ کے چکر لگائے تھے لیکن جب ساتویں بار وہ خانہ کعبہ کے دربر داری تو اس نے وہاں کسی کو احرام باندھے سجدے کی حالت میں پایا پھر وہ شخص سجدے سے

آنچل ✽ جنوری ۲۰۱۵ء 71

”اماں آپ بابا کے پاس جائیں میں اب کسی اسپتال میں جا کر چیک کرتی ہوں ایسا نہ ہو کہ وہ کسی حادثے کا شکار ہو گئی ہو۔“ عمیرہ نے ڈوبتے لہجے میں کہا۔ ”آپ بابا کو کچھ نہ بتائیے گا۔“ اس نے اندر کی طرف بڑھتے ہوئے کہا

دورہ میکانیکی انداز میں عباد صاحب کے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

(آخری حصہ ستمبر ماہ ان شاء اللہ)

آنجل ✿ جنوری ۲۰۱۵ء 72

میں خیال ہوں کسی اور کا، مجھے سوچتا کوئی اور ہے
سر آئینہ میرا عکس ہے پس آئینہ کوئی اور ہے
میں کسی کے دست طلب میں ہوں تو کسی کے حرف دعا میں ہوں
میں نصیب ہوں کسی اور کا مجھے مانگتا کوئی اور ہے

گزشتہ قسط کا خلاصہ

شرمین خوب صورت اور سلجھی ہوئی لڑکی ہے۔ چار سال پہلے اس کی زندگی میں صبح احمد آیا تھا اور اتنا ہی عرصہ ان دونوں کی محبت پروان چڑھی پھر صبح تعلیم مکمل کر کے واپس گراچی اپنے گھر چلا گیا اور شرمین سے وعدہ کر گیا کہ وہ جلد ہی اس کے لیے اپنی ماں کو بھیجے گا لیکن صبح احمد کی ماں شرمین راضی نہیں ہوئیں اور صبح کی شادی فریحہ سے کر دیتی ہے۔ شرمین ایک فرم میں جاب کر رہی ہے شرمین کے آفس میں مرزا صاحب شرمین سے جھوٹی محبت کا دم بھرتے ہیں جس سے پریشان ہو کر شرمین صبح احمد کو خط لکھ کر گراچی آنے کا بتاتی ہے۔ صبح احمد پہلی فلاسٹ سے شرمین سے ملنے چلا آتا ہے اور اسے اپنی شادی کا بتاتا ہے شرمین اس کی شادی کا سن کر ششدر رہ جاتی ہے۔ شرمین کی کزن زینت آ پا کا بیٹا بولی شرمین سے عمر میں چھوٹا ہونے کے باوجود اس سے محبت کرنے لگا ہے جس کا اظہار وہ شرمین سے بر ملا کرتا ہے شرمین اسے سمجھاتی ہے مگر بولی بعض نہیں آتا۔ عارض ایک بزنس میں ہے عارض کی شرمین سے پہلی ملاقات سڑک کنارے ہوتی ہے جس سے عارض اس کے حسن کا گرویدہ ہو جاتا ہے اور اظہار محبت کرنے لگتا ہے۔ شرمین کو لفظ محبت سے چڑ ہو جاتی ہے اور اب بولی کے ساتھ مرزا صاحب اور عارض بھی اس کے حسن کے پرستار ٹھہر گئے۔

عارض صغیر کو شرمین کے بارے میں بتا کر محبت کا اعتراف بھی کرتا ہے جس پر صغیر کو حیرت ہوتی ہے کہ کہاں عارض لڑکیوں کو وقت گزاری کا سبب سمجھتا تھا اور اب اسے شرمین سے محبت ہو گئی ہے۔ صغیر شرمین سے مل کر اسے عارض کی محبت کا یقین دلاتا ہے۔ شرمین صغیر کے کہنے پر عارض سے ملتی ہے اور اس سے معافی کر لیتی ہے شرمین کو لگتا ہے کہ اس معافی کے بعد سب معاملات ٹھیک ہو جائیں گے مگر ایسا نہیں ہوتا۔ بولی بھی انگوٹھی لے کر شرمین کے پاس معافی کی غرض سے آتا ہے۔ لیکن جب شرمین اسے اپنی اور عارض کی معافی کا بتاتی ہے تو بولی کو دکھ پہنچتا ہے اور وہ خوشی کی کوشش کرتا ہے لیکن بروقت زینت آ پا سے ڈاکٹر کے پاس لے جا کر اس کی جان بچائی ہیں اور پھر زینت آ پا ملک چھوڑنے کا فیصلہ کرتی ہیں ان کی نظر میں شرمین سے دوری بولی کے دل سے شرمین کا خیال نکال دے گی مگر ایسا ممکن نہیں ہوتا۔ کینیڈا جا کر بولی وہاں کی رنگینوں میں کھو کر ماں کو بھول جاتا ہے۔

صغیر کی شادی زینت آ پا کے ساتھ بہت دھوم دھام سے ہوتی ہے زینت آ پا بھیگ کر پسند ہے۔ صغیر بھی اس شادی سے خوش ہے مگر شادی کی اولین رات اس کے تمام ارمانوں پر اوس پڑ جاتی ہے جب صغیر کو زینت آ پا کی کہانی سنائی ہے صغیر کا

ارمانوں کا ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے۔

مارش شرمین سے محبت کے عہد و پیاں کر کے بزنس کے سلسلے میں امریکہ آتا ہے اور وہاں اس کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے۔ شرمین کی پریشانیوں میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے اس کی اماں کی طبیعت دن بدن خراب ہوتی جا رہی ہے۔ زینت آ پا بھی بولی کو کینیڈا چھوڑ کر شرمین کے پاس آ گئی ہیں۔ مرزا صاحب نے بھی جھوٹی محبت کے اظہار سے شرمین کو عاجز کر رکھا ہے۔

صغیر کو زینت آ پا سے نفرت ہو گئی لیکن وہ اپنی ماں کی وجہ سے زینت آ پا کو گھر سے نہیں نکال سکتا اور تاں ہی اپنی ماں کو زینت آ پا کی حقیقت بتا سکتا ہے۔

زینت آ پا کی سمجھ میں نہیں آ رہا کہ وہ کس طرح اپنے گناہ کی تلافی کرے اور صغیر کی نظروں میں اپنا مقام حاصل کرے۔ جہاں آراء کو زینت آ پا کی خراب طبیعت کسی خوشی کا باعث لگتی ہے۔ وہ صغیر سے زینت آ پا کو ڈاکٹر کے پاس لے جانے کو کہتی ہیں مگر وہ ٹال جاتا ہے اور خود ایک ایکسیڈنٹ کا شکار ہو کر ڈاکٹر کے پاس جا پہنچتا ہے۔ جہاں آراء اس کے بازو اور سر پر پٹی بندھی دیکھ کر گھبرا جاتی ہیں۔

شرمین سے بے لوث محبت کرنے والی اس کی اماں خالق حقیقی سے جا ملی ہیں۔ وہ خود کو تنہا محسوس کرتے ہوئے غم کی تصویر بن کر رہ گئی ہے صغیر اور زینت آ پا اس کی دلجوئی کر رہے ہیں امریکہ سے عارض بھی فون کر کے اسے صبر کرنے کو کہتا ہے۔

دو دن کی چھٹی کے بعد جب شرمین واپس آفس آتی ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب نے اس کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کی سیٹ کسی اور کو دے دی ہے۔ شرمین ان سے پوچھتی ہے تو مرزا صاحب اس کی غیر حاضری اور کام کی زیادتی بتا کر شرمین کو اپنی پرسنل سیکرٹری کی نوکری کی پیش کش کرتے ہیں۔ جس پر شرمین اپنا استعفیٰ دے دیتی ہے۔

زینت آ پا اپنے اندر ہونے والی تبدیلی خوش آئند لگ رہی ہے۔ وہ سوچ رہی ہے کہ اب سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا لیکن جب دوسرے دن وہ آفس سے واپسی پر میڈیکل اسٹور سے زینت آ پا کی دوائی لےتا ہے تب اسے زینت آ پا کی مسکراہٹ سمجھاتی ہے اور وہ گھبرا کر زینت آ پا کو اپنے گھر میں رہنے کے لیے اس کے سامنے شرط رکھ دیتا ہے۔

زینت آ پا شرمین کو لے کر اپنے گھر آ جاتی ہیں اور اب وہ چاہتی ہیں کہ شرمین ہمیشہ وہیں رہے جبکہ زینت آ پا بولی کو بھی سمجھا کر دیکھ چکی ہیں اس کی ابھی بھی وہی ضد ہے کہ اگر شرمین اس کی محبت کو قبول کر لے تو وہ واپس آ جائے گا اب زینت آ پا امتا کے ہاتھوں مجبور ہو کر شرمین کو بولی کا ساتھ قبول کرنے کے لیے دل میں دعا کر رہی ہیں۔

بولی جی شرمین کے اپنے گھر آنے پر خوش ہے اور اس سے جلدی واپس آنے کا وعدہ کرتا ہے۔ شرمین بولی کے گھر آ کر پریشان ہو گئی ہے جبکہ زینت آ پا نے اپنا بزنس بھی شرمین کے حوالے کر دیا ہے۔ مرزا صاحب بھی شرمین کو منانے لگے ہیں۔ عارض کا آپریشن بھی کامیاب ہو گیا ہے اور وہ پاکستان آنا چاہتا ہے لیکن جب وہ شرمین سے اپنی بے انتہا محبت کا جواب مانگتا ہے تو وہ ذہنی الجھن کی وجہ سے عارض کو ٹھیک جواب نہیں دے پاتی جس سے وہ مایوس ہو جاتا ہے اور واپس پاکستان آنے کا ارادہ چھوڑ کر وہیں مصروف ہو جاتا ہے۔ زینت آ پا صغیر کی شرط مانتے ہوئے گھر سے نکل جاتی ہے اور اتفاق سے اس کی ملاقات اپنی سہیلی منشی سے ہوتی ہے جو ایک عرصے سے سعودی عرب رہنے کے بعد اب طلاق لے کر واپس آ گئی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

”یا تمہارا مسئلہ کیا ہے؟“ عارض نے جھنجھلا کر پوچھا۔
”زیبا..... زبیا میری زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔“ صغدر نے پہلی مرتبہ بڑے بڑے انداز میں اظہار کیا۔
”کیسا مسئلہ؟“ عارض نے دہرایا۔

”پارتم چھوڑ دے پہلے ہی ای نے میرا ناطقہ بند کر رکھا ہے کہ ابھی جاؤ۔“
”نی الحال تم ای کا کہنا مان لو آؤ پس کا جھگڑا بیٹھ کر حل کرو۔“

”تمہیں اندازہ ہی نہیں ہو سکتا کہ جھگڑا کیا ہے؟“ اس نے لمبی سانس بھری۔
”دیکھو! بہت سی خامیوں کو نظر انداز کرنا پڑتا ہے۔ تم جاؤ جا کر بھابی کو لے آؤ۔“ عارض نے سمجھایا۔

”نہیں ویسے بھی وہ اپنی مرضی سے گئی ہے۔“
”میں شرمین سے کہتا ہوں کہ وہ بھابی سے مل کر انہیں سمجھائے۔“ عارض نے کہا۔
”نہیں اس کی ضرورت نہیں۔“

”یا پارتم چاہتے کیا ہو؟“ عارض کو غصہ آ گیا۔
”زیبا کا جرم سنو گے تو نفرت سے تھو کو گے۔“ صغدر کو بھی غصہ آ گیا۔
”کہیں کسی اور میں تو.....“ عارض نے دانستہ جملہ اذھورا چھوڑ دیا۔
”صرف انوالوی نہیں.....“ وہ بولا۔

”اوہ ویری سوری۔“ عارض کے دل کو دھچکا لگا۔
”میرا ضبط ہے کہ میں نے اسے برداشت کیا۔“
”تو پھر اپنے بچے کا سوچو۔“

”اس سے مجھے بچہ نہیں چاہیے بچے کے لیے اس کی کوکھ پسند نہیں کرتا۔“
”مگر یا ابھی تو تمہارا ہے۔“
”ہنہ لیکن جنس جذباتی اتفاق۔“
”تو اس میں بچے کا کیا قصور؟“

”میرا بچہ ایسی عورت کے وجود سے پیدا نہیں ہوگا تم بتاؤ کیا تم اپنی بیوی کے کالے کرتوت برداشت کر لو گے؟“ صغدر نے سوال کیا۔

”سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔“

”تو میں بھی یہ سب برداشت نہیں کر سکتا۔“

”یعنی تمہیں بچہ نہیں چاہیے یہ تو زیادتی ہوگی۔“

”کہہ سکتے ہو ابھی ای کو کچھ پتا نہیں وہ بچہ کی ضد چھوڑ دے تو میرے گھر میں پڑی رہے۔“ صغدر نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

”یہ تو بہت عجیب فیصلہ ہے۔“

”شاید۔“

”تو پھر علیحدگی بہتر ہے۔“

”بچہ تو پھر بھی میرا وہ نہیں رکھ سکتی۔“

”اچھا نی الحال تم غور کرو اور ابھی بھابی سے ملنے جاؤ ای کو صدمہ نہ پہنچاؤ۔“ عارض نے سمجھایا۔
”ای کی وجہ سے ہی تو اب تک قبول کیا ہوا ہے۔“

”اور بانی سب تو خیریت ہے تا میرا مطلب ہے شرمین۔“

”ٹھیک ہیں بس اپنی ٹینشن سے نجات نہیں ملتی..... تم نے فون نہیں کیا۔“

”کیا تھا بس اب تو ڈاکٹر سے چلنے پھرنے کی یا سفر کرنے کی اجازت کا انتظار ہے۔“
”بابا ٹھیک ہیں۔“

”ہنہ! سنو ابھی مارکیٹ گئے ہیں۔“

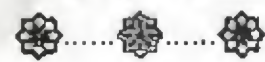
”چلو میرا سلام کہنا۔“

”اوکے لیکن تم مجھداری سے کام لینا ای کی خاطر ہی سہی۔“

”اوکے اللہ حافظ۔“

”اللہ حافظ۔“

فون بند کر کے وہ بیڈ پر گر گیا۔ عارض کے فون سے کافی دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا تھا۔ ورنہ وہ کافی ڈپریشن میں تھا..... اب کافی بچہ بچار کے بعد اس نے یہ فیصلہ ضرور کیا تھا کہ ایک بار وہ زیبا کے گھر چلا جائے ماں کے حکم کی تعمیل کرے اور پھر زیبا سے دو ٹوک بات کرے..... مگر اس وقت جانا مناسب نہیں تھا لہذا صبح کا ارادہ کر کے سو گیا۔



دروازے پر لگا تار دستک ہو رہی تھی۔

کوئی آٹھویں دسویں دستک پر حاجرہ نے دروازہ کھولا تو صغدر کو تہہ دیکھ کر وہ کچھ متذبذب کا شکار ہوئیں مگر اس نے سلام کیا تو مسکرا دیں۔

”آؤ خیریت صبح صبح.....“ انہوں نے اندر آنے کی دعوت میں اپنی فکر کو اجاگر کیا۔

”وہ بس.....“ وہ مسکراتے ہوئے اندر آ گیا۔

”زیبا تو ٹھیک ہے نا۔“ حاجرہ نے فکر مندی سے پوچھا۔

”جی..... وہ.....“ وہ ٹھیک سے ان کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔

”کیسے نا ہوا؟ زیبا کو بھی لگتا ہے اس کے ابا کی طبیعت بہت خراب ہے۔“ حاجرہ نے گویا یہ سب کہہ کر اس کی مشکل حل کر دی۔

”جی ضرور..... میں یہاں سے گزر رہا تھا۔“ وہ ہٹلایا۔

”جائے ناشتہ۔“

”نہیں بس میں چلتا ہوں۔“

”اپنے انکل سے نہیں ملو گے؟“ اسے ایک دم کھڑا دیکھ کر حاجرہ نے کہا۔

”جی زیبا کے ساتھ آؤں گا۔“ وہ سخت ذہنی الجھن کا شکار ہونے کے باعث ایک بل بھی یہاں رکنا نہیں چاہتا تھا۔
حاجرہ نے خاموشی اختیار کی وہ سلام کر کے تیزی سے باہر نکل آیا۔ داغ ماؤف ہو رہا تھا کہ زیبا پھر کہاں گئی..... رات بھر وہ کہاں رہی..... اس سوال نے اسے اپنے حصار میں لے لیا..... جوں جوں سوچ رہا تھا زیبا سے بدظن اور بدگمان ہوتا

جار ہاتھ غم و غصہ اور نفرت سے اس کا انگ انگ سلگ رہا تھا۔

”میری طرف سے بھاڑ میں چائے۔“ گاڑی کی اسپید بڑھاتے ہوئے اس نے سوچا مگر اگلے ہی لمحے ای جان کا سوچ کر خود بخود گاڑی کی اسپید کم ہوئی چلی گئی۔

”اب امی جان کو کیا بتاؤں کہ ان کی لاڈلی بہو گھر نہیں گئیں..... رات بھر جانے کہاں رنگ رلیاں مناتی رہیں؟ لیکن جانتا ہوں امی نے ہزار باتیں مجھے ہی سنائی ہیں انہوں نے میری کسی بات پر یقین نہیں کرنا..... اور میں زیبا کو کہاں سے لا کر ان کے سامنے پیش کروں۔“

”یا خدا!“ اس نے بے بسی سے کہا..... آفس کے لیے دیر ہو رہی تھی گھر میں جہاں آراء کو سوتا چھوڑ کر نکلا تھا۔ ان کے پیروں پر آسپے پڑ گئے تھے وہ ناشتہ نہیں بنا سکتی تھیں..... ان کا خیال آتے ہی اس نے گاڑی گھر کی طرف دوڑائی ماں کے خیال سے ہر لمحہ اس کے ذہن سے نکل گئی۔ اس نے سوچ لیا کہ زیبا سے متعلق کچھ بھی کہہ دے گا..... فی الحال امی کو ہر دکھ اور صدمے سے دور رکھنا ہے باقی بعد کی بعد میں دیکھیں گے..... کچھ نہ کچھ تو اس کہانی کا انجام ہوگا..... کچھ بھی تھا وہ زیبا کے لیے پہلے کیا کم تنفر تھا جو اس نے یوں گھر چھوڑ کر مزید اسے اشتعال دلایا..... اب اسے ڈھونڈنا کس قدر دشوار تھا..... من چاہی چیز تلاش کرنے کے لیے انسان جنون کی حدوں سے گزر جاتا ہے مگر جسے دل نہ چاہے اس کے لیے جنون تو دور کی بات کوئی ہلکی سی تحریک بھی نہیں ہوتی..... یہی حال اس کے دل کا تھا زیبا کا جانا سکون کا باعث تھا اسے تلاش کرنے کی آرزو بھی نہیں تھی صرف مجبوری تھی زمانے کی نظروں میں قانوناً شرعاً وہ اس کی بیوی تھی..... بلکہ اب تو اس کی کوکھ میں اس کے وجود کا احساس بھی پیدا ہو گیا تھا۔



اس کے گھر میں داخل ہوتے ہی جہاں آرا نے پہلا سوال یہی کیا۔

”کیا لگے ہو زیبا کو؟“

”وہ..... وہ آ رہی ہے آ جائے گی۔“ وہ ہکا بکا۔

”ہیں..... ارے وہ کیسے آ جائے گی؟“ وہ تقریباً غصے سے بولیں۔

”جیسے گئی تھیں.....“ اس نے بھی غصہ ضبط کرتے ہوئے جواب دیا۔

”وہ تو مجبوری تھی مگر اب تو تم گئے تھے۔“

”کوئی مجبوری نہیں تھی آپ پریشان نہ ہوں میں ناشتہ بناتا ہوں۔“

”صفدر! صاف صاف بتاؤ اس نے کیا کہا؟“ انہوں نے براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

”ای! آپ لعنت بھیجیں آنا ہوگا آ جائے گی۔“ وہ جھنجھلا گیا۔

”یہ کیا بات ہوئی؟ شرم نہیں آتی بیوی پر لعنت بھیجتے ہوئے۔“

”آپ جو ایک ہی بات کے پیچھے پڑ جاتی ہیں.....“ وہ شرمندہ سا ہو گیا۔

”لڑائی کس بات کی ہے؟“

”اس نے سرے سے اس گھر کو قبول ہی نہیں کیا.....؟“ مجبوراً اسے جھوٹ کا سہارا لینا پڑا۔

”کیا مطلب؟ ایسا کب کہا اس نے؟“ وہ متعجب ہو کر بولیں۔

”سب کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔“

”وہ تو بہت اچھی ہے۔“

”میں نے کب برا کہا نصیب تو میرا برا ہے۔“ وہ دھیرے سے بڑبڑایا۔

”صفدر! ضرور کوئی بات ہے۔“

”کوئی بات نہیں ہے وہ آ جائے گی۔“

”کب.....؟“

”اس کے والد صاحب کی طبیعت خراب ہے آ جائے گی۔“ اسے مزید جھوٹ بولنا پڑا۔

”کیا ہوا؟“

”وہ طویل عرصے سے بیمار ہیں بڑھاپا ہے۔“ وہ ان پر بیزاری ظاہر کرنا نہیں چاہتا تھا اس لیے نرمی سے بولا۔ وہ چپ ہو گئیں۔ تو وہ پھر بولا۔

”اب میں ناشتہ بنانے جاؤں مجھے آفس بھی جانا ہے۔“

”ہنہ! بس مجھے ایک ٹوسٹ اور دودھ کا کپ دے دو۔“ امی نے کہا تو وہ اثبات میں گردن ہلا کر کچن کی طرف آ گیا۔

لیکن ایک دم ہی ایسا لگنے لگا کہ اس کا دھیان صرف اور صرف اس جھوٹ کی طرف ہے جو کچھ دیر پہلے ماں سے بولا ہے۔

انڈے بڑے دودھ سب نظروں کے سامنے تھا مگر وہ بے جا ہاتھ مار رہا تھا کچھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ کچن میں کس مقصد سے کس کام کے لیے آیا تھا؟

”صفدر! یہ تمہاری زندگی کی خوشیوں کو کس کی نظر لگ گئی..... کیا ہونے والا ہے؟ کب تک ماں سے جھوٹ بولو گے اگر زیبا گھر نہ گئی تو اس کے ماں باپ کو کیا جواب دو گے؟ ذہن میں سوال کلبلائے تو وہ اور زیادہ مضطرب ہو گیا..... جیب میں موبائل فون بجا تو وہ چونکا جلدی سے فون نمبر دیکھا مگر نامعلوم نمبر بند ہو چکا تھا اسے ناشتہ بنانے کا خیال آیا جلدی جلدی امی کے لیے اور اپنے لیے انڈے فراہم کیے سلاٹس سینکے دودھ گرم کر کے گلاسوں میں ڈالا اور کچن سے باہر نکل آیا۔



وہ گہری سوچ میں غلطاں تھی۔ ننھی نے ناشتہ میز پر لگایا اور بولی۔

”اوہ! ابھی تم کس سوچ میں پڑ گئیں؟“

”کتاب ہے جس سے وہ شخص فون نہیں سنا۔“ زیبا بہت افسردہ تھی۔

”یار! کوئی وجہ بھی ہو سکتی ہے تمہارے آنے سے جانے وہ کتنے پریشان ہوں.....“ ننھی نے اس کے لیے سلاٹس پر مار جریں لگاتے ہوئے کہا۔

”میرا دل گھبرا رہا ہے جانے کیا ہونے والا ہے؟“

”دیکھو! دو ہی باتیں ہیں ایک یہ کہ تم گھر چلی جاؤ یا پھر دل مضبوط رکھو۔“

”اور اماں! اب وہ تو صدمے سے مر جا میں گے۔ صفدر! ان کو بتائے گا۔“

”خود ہی تو کہہ رہی ہو کہ صفدر کو تمہاری پروا نہیں ہے۔“

”تو پھر فکر چھوڑنا رام سے ناشتہ کرو۔“ ننھی نے کہا۔

”سوچتی ہوں کہ اماں ابانے اگر مجھے گھر میں رہنے کی اجازت نہیں دی تو کیا ہوگا؟“

”یہ گھر ہے نا کیوں فکر مند ہوتی ہو ابھی گرو چھٹے گی صفدر بھائی تمہارا خیال کریں گے وہ بھلا کب تک اپنی امی سے جھوٹ بولیں گے۔“ ننھی نے چائے کی چسکی لیتے ہوئے اپنا خیال ظاہر کیا۔

”مگر صفدر مجھے وہاں دیکھنا ہی نہیں چاہتے اب وہ بچے کے درپے تھے تو میں نے گھر چھوڑا۔“

”حیرت ہے کوئی اپنے بچے کے بھی درپے ہو سکتا ہے۔“
 ”انہیں مجھ سے اپنا بچہ نہیں چاہیے۔“ وہ افسردہ سی بولی تو منہ کی کواشتعال آگیا۔
 ”ہنہ! انہیں یہ سب پہلے سوچنا تھا۔“

”میرے ساتھ یہی ہونا تھا میں نے محبت میں دھوکا کھایا، اگر کوئی مجھ سے سبق لے تو میں محبت سے دور رہنے کو کہوں۔“

”اب کف خسوس ملنے سے کیا حاصل؟ تم اپنے بچے کے ساتھ آرام سے زندگی گزارو۔“

”ہاں! مجھے کسی صورت اپنے بچے سے الگ نہیں ہونا یہ بچہ تو میری آبرو ہے مجھے صفر سے اس کے لیے نہیں دونا۔۔۔۔۔۔ صفر کو میرا بچہ نہیں لینے کا کوئی حق نہیں۔“ وہ کافی مضبوط ارادے کے ساتھ بولی۔
 ”چلیں۔“ منہ نے پوچھا۔

”ہاں! میں ذرا چادر لے آؤں۔“ وہ کہہ کر کمرے کی طرف جانے ہی والی تھی کہ منہ کی کامو بائل بچ اٹھا۔ منہ نے بغور نمبر دیکھتے ہوئے فون اٹینڈ کیا۔
 ”ہیلو! جی کون؟“ منہ نے کہا۔

”آپ نے میرا نمبر ملایا تھا جی۔“ دوسری طرف سے کچھ سنجیدہ اور جھجکتی آواز آئی۔
 ”آپ صفر بھائی بول رہے ہیں۔“ منہ نے پوچھا، ”زیبا ایک کراس کے قریب آگئی۔“
 ”جی۔۔۔۔۔۔ جی۔۔۔۔۔۔ آپ کون۔۔۔۔۔۔؟“

”میں زیبا کی سہیلی ہوں منہ میں نے ہی آپ کا نمبر ملایا تھا۔“

”کون؟ میرا مطلب ہے میرا نمبر آپ کے پاس۔۔۔۔۔۔“

”زیبا نے دیا یقیناً، بس میرے بارے میں اس نے بتایا ہی نہیں ہوگا۔“

”ہمارے اتنے بے تکلفانہ مراسم نہیں تھے۔ خیر کہیے۔“

”آپ بیوی کے لیے نہیں جانا چاہیں گے۔“ منہ نے کچھ سنجیدگی سے پوچھا۔

”بیویاں گھر سے نہیں بھائیں۔“ زہر میں بجا لہجہ تھا۔

”وہ میرے پاس ہے بھائی تو نہیں۔“

”آپ کوئی بھی معنی پہنا نہیں حقیقت یہ ہے کہ وہ گھر سے بناتے گئی۔“

”حقیقت یہ بھی نہیں ہے فون پر یہ بات نہیں ہو سکتی اگر آپ مل بیٹھ کر بات کر لیں تو بہتر ہوگا۔“

”اسے کہیے کہ خاموشی سے گھر آ جائے مگر میری شرط پر۔“

”مطلب۔۔۔۔۔۔؟“

”مطلب اسے معلوم ہے۔“ فون دوسری طرف سے بند ہو گیا۔ منہ زیبا کو دیکھنے لگی وہ غزدہ سی صوفے پر گری گئی تھی۔ منہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو اس کی آنکھیں چھلک پڑیں۔

”اللہ بہتر کرے گا پریشان نہ ہو۔“ منہ نے سمجھایا تو وہ طویل سانس بھر کر رہ گئی۔



”سترہ سو پچاس روپے دے دیجیے۔“ میڈیکل اسٹور کے پلزمین نے میڈیسن کا بل بناتے ہوئے کہا۔ زیبا ایک دم پریشان سی ہوئی اس کی پریشانی بھانپتے ہوئے منہ نے اپنے بیگ سے پیسے نکال کر دے دیے۔

آنجل ✽ جنوری ✽ ۲۰۱۵ء 80

”میں شرمندہ ہوں، کچھ پیسے ہیں میرے پاس۔“ زہبا نے میڈیکل اسٹور سے باہر نکلتے ہوئے کہا تو منہ نے ہلکی سی خفگی بھری نظروں سے دیکھا اور کہا۔

”اسے کیوں کہا؟“

”زندگی کس موڑ پر لے آئی ہے؟“ اس کی آنکھیں ڈبڈبائیں۔

”اچھا اب شکل ٹھیک کرو تمہارے اماں ابا کیا سوچیں گے؟“ منہ نے کہا اور ہاتھ کے اشارے سے ایک رکشہ رکویا اور پتہ سمجھا کر دونوں بیٹھ گئیں۔ سارے راستے منہ اے تسلیاں دیتی رہی۔۔۔۔۔۔ اپنے گھر پہنچنے تک بچے کی خاطر وہ کافی مطمئن ہو کر مضبوط سا خود کو محسوس کر رہی تھی۔

اماں اسے اچانک دیکھ کر نہال ہو گئیں۔ منہ کی آنکھیں انہوں نے خوب پیار کیا۔

”صفر آیا تو۔۔۔۔۔۔“

”وہ میں اپنا گھر سیٹ کر رہی ہوں اس لیے زیبا کو لے آئی تھی۔“ منہ نے اماں کے بولتے ہی جلدی سے بات سنبھالی۔

”اچھا تم پاکستان آگئی ہو۔“

”جی خالہ! بس اپنا ملک ہی اصل گھر ہوتا ہے۔“

”اور بچے وغیرہ۔“

”کوئی نہیں ہے میں اکیلی ہی آئی ہوں۔“

”اور میاں۔۔۔۔۔۔؟“

”اماں مجھے کچھ گھبراہٹ ہو رہی ہے ابا سے ملتے ہیں تم کچھ ٹھنڈا بنا دو۔“ زیبا نے اب کی بار اماں کو اس کی طرف سے ہٹایا۔

”خالہ! آپ مانی بننے والی ہیں، کچھ بھی ابا سے جلدی سے دے دیں۔“ منہ نے شرارت سے کہا تو حاجرہ کا چہرہ خوشی سے تھما اٹھا۔

”بچہ! ارے اتنی بڑی خوشی کی خبر صفر کیوں نہیں بتا کر گیا؟“ حاجرہ نے زیبا کو گلے لگایا پیشانی چومی اور کہا۔

”وہ پہلے اور کیا بتاتے ہیں۔۔۔۔۔۔؟“ زیبا بڑبڑائی۔

”تم دونوں اندر چلو میں کچھ لاتی ہوں۔“ حاجرہ نے کہا اور کچن کی طرف بڑھ گئیں۔ اور وہ دونوں وہیں ایک دوسرے کو کچھ دیر بیٹھتی رہیں۔

”کتنا اچھا ہوگا اماں کو اگر صفر کا فیصلہ سن لیں تو۔“

”کچھ بتانے کی فی الحال ضرورت نہیں ہے میں صفر بھائی سے مل لوں پھر۔۔۔۔۔۔“ منہ نے دھیرے سے کہا تو وہ خاموش ہو گئی۔

”گھر ہا کے سینے پر سر رکھتے ہی سسکیوں سے رونے لگی۔ کتنے دنوں کا دکھا نسوؤں کی صورت بہہ لگا۔۔۔۔۔۔ ان کی بورجی آنکھوں سے بھی آنسو جاری ہو گئے۔“

”اچھا کیا تم آگئیں میرے پاس اب زیادہ وقت نہیں ہے زیبا۔۔۔۔۔۔“ وہ اکھڑی سانس کے ساتھ مشکل سے بولے۔

تو وہ شدت سے رو دی۔

”ابا! ایسے نہ کہیں میرا اور اماں کا کون ہے؟“

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ تمام پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو م ایبل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✧ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریٹخ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ ہر کم کوالٹی، کم پریز کوالٹی، کپیریز کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از منظر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریٹخ
- ✧ ایڈفری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شریک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

✧ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

✧ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں www.paksociety.com

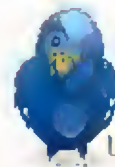
اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1



”زیبا! انکل کی طبیعت خراب ہے تم اور خراب کر رہی ہو۔“ ننھی نے اسے سیدھا کر کے کرسی پر بٹھایا۔

”انکل! آپ ٹھیک ہو جائیں گے۔“ ننھی کے دلا سے پرہیز کو یقین نہیں آیا کرب سے مسکرا دیئے۔

زیبا کا دل اس کرب سے گھٹا ہونے لگا۔ وہ بظاہر ابائے کندھے دبائی رہی لیکن اندر بیکل کر دینے والا دکھ طغیانی پر تھا۔ ہر طرف سے مصائب اور مشکلات نے گھیرا ہوا تھا شوہر سے لڑی جانے والی خفیہ جنگ میں دور دور تک اس کے لیے بے تاب وگیاں میدان تھا جانے جیت کس کی تھی اور مات کس کو ہونی ہے۔ وہ یہ سوچ سوچ کر پریشان تھی۔ ننھی کچھ دیر بیٹھ کر چلی گئی تو وہ اپنے کمرے میں آ گئی۔ اماں نے اسے روک لیا۔ وہ انکار نہ کر سکی طبیعت بھی خراب تھی۔ اپنے چنگ پر دراز ہوئی تو ہوش نہ رہا۔



اس نے ضروری فائلوں کو دیکھنے کے بعد دستخط کیے اور چند لمحے کے لیے سرکسی کی پشت سے لگا کر آنکھیں موند لیں۔ مگر اگلے ہی لمحے فون بجنے لگا۔

”جی۔۔۔۔۔“

”میم آپ کی کال ہے۔“ سکریری نے کہہ کر لائن تھوڑی کر دی۔

”ہیلو۔“

”ویلڈن سوٹ ہارٹ۔“ بوبی کی آواز آئی تو وہ سنبھلی۔

”کیسے ہو۔۔۔۔۔؟“

”فائن۔“

”کیسے یاد کیا؟“

”یاد اسے کرتے ہیں جسے بھولتے ہوں۔“ وہ شوخ ہوا۔

”بوبی ابا ہرہ کر بہت شارپ ہو گئے ہو۔“

”تمہارے لیے تو میں ویسا ہی ہوں۔“

”مجھے ضروری کام کرنے ہیں باقی پھر سہی۔“ اس نے ٹالا۔

”میں تمہیں دیکھ رہا ہوں بہت خوش ہو رہی ہے آج اس آفس میں مسٹرین ہیں کل مسزیا رہوں گی۔۔۔۔۔ جب

میں آ جاؤں گا۔۔۔۔۔“ بہت خنما آلود لہجہ اور جملہ تھا۔ وہ عجیب سی کیفیت کا شکار ہو گئی۔

”بوبی اپلیز۔“

”ماما کی ضد ہے میں آ جاؤں تم چاہتی ہونا آؤں۔“

”نہیں میں نے کب منع کیا؟“ وہ ہکلائی۔

”آؤں گا تو ایک ہی شرط ہے۔“

”پلیز بیکار باقی سننے کا وقت نہیں ہے میرے پاس۔“ اس نے جھنجھلا کر فون بند کر دیا۔

”یا اللہ! میں کیا کروں؟“ وہ بڑبڑائی۔۔۔۔۔ ذہن عارض کی طرف گیا تو مزید پریشانی میں اضافہ ہو گیا۔ عارض تو وہیں کا ہو کے رہ گیا تھا۔

”اگر آ جائے تو کچھ مسئلہ حل ہو جائے۔“ اس نے سوچا۔

”لیکن کیسے؟ بوبی کا آنا ضروری ہے اس کی ضد برقرار ہے زینت آپا کی بیماری ہے۔۔۔۔۔ کچھ بھی تو اپنی جگہ پر نہیں

زینت آپا کے احسانات کا بدلہ یہ تو نہیں کہ انہیں چھوڑ چھاڑ کر عارض سے شادی کر لی جائے..... اس صورت میں بولی پاکستان نہیں آئے گا اور یوں زینت آپا کے کاروبار کا کیا ہوگا.....؟“ یہ باتیں اس کے دماغ میں فلم کی طرح چل رہی تھیں..... ایسی فلم کی طرح جس کا انجام اسے قطعی معلوم نہیں تھا۔ زندگی گرداب میں پھنس چکی تھی۔ کاش! صبح احمد تم نے مجھے وقت اور حالات کے سامنے بے بس نہ کیا ہوتا؟ میری منزل پر کھڑے ہو کر تم نے کس بے رحمی سے مجھے واپس لوٹنے کا حکم سنایا، میری محبت، میرے خلوص کو دھتکارا تھا کہ میں اب تک منزل پر نہیں پہنچی؟ عارض کی صورت جو زندگی میں نے منتخب کی ہے اس کے بارے میں سوچ کر دل مضطرب سا ہو جاتا ہے جانے سکون اور اطمینان کیوں نہیں حاصل، محبت کی شکلیں کیوں بدلتی رہتی ہیں.....؟“ وہ آنکھیں موندے سوچ رہی تھی کہ موبائل فون کی گھنٹی نے چونکا دیا۔ عارض کا فون تھا۔

”ہیلو بڑی عمر ہے آپ کی.....“ وہ کچھ خوش ہو کر بولی۔

”جتنی بھی ہے، بس سرتہمارے ساتھ ہو۔“ عارض کی شوخ آواز نے اسے گدگدایا۔

”اچھا..... اچھا کیسے ہو..... کب آؤ گے؟“

”بہت بہتر ڈاکٹر نے مجھے اجازت دے دی ہے میں چل سکتا ہوں، بس ذرا گھوم پھر کے جلد واپس آئی ہے..... پھر دوبارہ بعد چیک اپ کے لیے آنا ہوگا۔“ اس نے تفصیل سے بتایا۔

”شکر ہے اللہ کا۔“

”میں نے بابا سے کہہ دیا ہے کہ چیک اپ کے لیے آؤں گا تو شرمین کو ساتھ لاؤں گا۔“

”یہ کیسے ممکن ہے؟ میں نے زینت آپا کا آفس ٹیک اور کیا ہے وہ بیمار بھی زیادہ ہیں۔“

”اچھا..... اچھا میں نے اپنے لیے تم سے منگنی کی ہے۔“ وہ صاف لہجے میں بولا۔

”میں نے کب انکار کیا ہے.....؟“

”تو بس اگلی بار میرے ساتھ آنا ہے۔“

”اچھا، ہنوز ولی دور است۔“ وہ بولی تو وہ چلا یا۔

”آسان سا جواب پلیز۔“ اسے ہنسی آ گئی۔

”اچھا دیکھیں گے۔“ مگر عارض کے اطمینان کے لیے یہ نامکمل سا جواب تھا۔

”میں کچھ نہیں سنوں گا۔“

”اب کوئی اور بات بھی کر لو۔“

”صفدر کا فون آف جا رہا ہے کئی روز سے بات ہی نہیں ہوئی۔“

”اچھا..... مجھے بھی کافی دن ہو گئے آج چکر لگاتی ہوں۔“

”مگر!۔“

”بس یہاں آفس کا نظام کافی ڈسٹرب ہے اسے ٹھیک کرنے میں بہت وقت لگے گا۔“ اس نے اپنی دانست میں ویسے ہی بتایا، مگر وہ چڑ گیا کہ شاید اسے سنایا جا رہا ہے۔

”ٹھیک ہے اس آفس سے ہی شادی کر لو۔“ فون کھٹ سے بند ہو گیا، شرمین کی آنکھیں کھلی رہ گئیں، فون دیکھتے ہوئے صدمے سے دل بھرا یا..... کچھ دیر نارل ہونے میں لگے..... پھر یہ سوچ کر تسکین پسلی خود کو دی کہ عارض کو اس سے شدید محبت تو ہے..... یہ احساس بھی بہت خوش آئند تھا۔ دوتے دوتے مسکراہٹ لبوں پر پھیل گئی۔

آنچل جنوری ۲۰۱۵ء 84

تیری یادیں کالج کے کمرے

اور میرا دل

لنگے پاؤں!!

بند کی پشت گاہ سے ٹیک لگائے وہ کافی دیر سے اپنے اور زینا کے تعلق پر غور کر رہا تھا۔ کمرے میں اس کی مہک قائم تھی، صوفے پر اس کا سبز دوپٹہ پڑا تھا، بند کی سائیڈ ٹیبل پر بال باندھنے والا ریشمی رومال پڑا تھا۔ ڈریسنگ ٹیبل پر کانوں کی بالیاں موجود تھیں۔ واش روم کے باہر سیاہ سیلپر رکھے تھے۔ وہ سب سے نظریں چرانے کی ناکام کوشش میں صرف اپنے انصاف کو تھکا رہا تھا۔ اسے نہ یہ یقین تھا کہ زینا لوٹ کر آئے گی یا ہمیشہ کے لیے چلی گئی..... اسے زچ کر دے گی یا خاموشی سے بات مان لے گی..... مگر ہر صورت میں گھر تو بکھر جائے گا..... اور ایسے میں وہ ماں کو اور باہر جان پہچان والوں کو کیا بتائے گا؟ وہ جانے کہاں رہ کر کس کس کو کیا کچھ بتا رہی ہوگی، میرے بچے کے حوالے سے الزامات کی بارش، مجھ پر برسار رہی ہوگی، سب مجھے سفاک اور ہرجائی سمجھیں گے، کوئی یہ نہیں یقین کرے گا کہ مجھے وہ بچہ کیوں نہیں چاہیے؟ اس سے میرا خونی تعلق ہے مگر روحانی نہیں..... میرا دماغ، میرا دل اس کو تسلیم نہیں کر رہے..... اتنا کچھ سوچنے کے بعد اسی طرح کچھ تکیے پر جھکا ہی تھا کہ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اور شرمین کا مسکراتا چہرہ دیکھ کر فوراً سیدھا ہو گیا۔

”السلام علیکم!۔“

”علیکم السلام آپ اس وقت خیریت۔“ صفدر نے کہا۔

”آپ جواتنے دنوں سے آئے نہیں، کوئی خبر نہیں تھی اس لیے خود آ گئی۔“ شرمین نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

”بس شرمین، بہن آفس کی مصروفیت بہت ہے آج کل۔“ وہ بمشکل ٹال سکا۔

”بھائی نظر نہیں آرہی۔“

”ہاں وہ چلی گئی ہیں۔“ وہ ایک دم کہہ گیا۔

”کہاں؟“

”وہ اسے گھر گئی ہیں۔“ وہ ہنکایا۔

”اسی لیے آپ او اس بیٹھے ہیں۔“ شرمین نے مسکرا کر کہا۔

”آپ سناؤ عارض کی سناؤ۔“ وہ بے ربطی باتیں کر رہا تھا۔ شرمین کو صاف محسوس ہو رہا تھا۔

”صفدر بھائی آپ ٹھیک نہیں لگ رہے۔“

”ارے نہیں، ایسی کوئی بات نہیں، بس تھکا ہوا ہوں۔“ وہ کمال ہوشیاری سے ٹال گیا۔

”اچھا عارض نے کہا کہ آپ سے کئی روز سے بات نہیں ہوئی۔“

”ٹھیک ہے، کر لوں گا فوراً مصروفیت کم ہو جائے۔“

”اچھا ہوا یہی تم آگئیں اب تم ہی صفدر کو سمجھاؤ۔“ اسی اثنا میں جہاں آرا چائے لے آئیں اور براہ راست شرمین سے مخاطب ہوئیں۔

”جی ہاں۔“ شرمین نے پوری توجہ سے پوچھا۔

”بھئی اسے سمجھاؤ میری بہو کو لائے۔“ انہوں نے برملا کہا۔

”اے وہ اپنے گھر گئی ہے خود آ جائے گی۔“ صفدر جھنجھلا کر بولا۔

آنچل جنوری ۲۰۱۵ء 85

”کیوں خود آجائے گی تم جا کر لے دو۔“ انہوں نے سختی سے کہا۔

”اچھا اچھا لے آئیں گے آپ پریشان نہ ہوں۔“ شرمین نے جلدی سے کہا۔

صفدر اٹھ کر کمرے سے باہر چلا گیا تو شرمین نے اندازہ لگایا کہ کوئی مسئلہ ہے؟

”یہ صفدر جانے کیوں زیبا کو لانا نہیں چاہتا وہ اس کی وجہ سے گئی ہے۔“

”کیا وجہ ہوگی؟ سب ٹھیک ہو جائے گا میں پوچھوں گی۔“ شرمین ان کی نرم آلودہ نکھیں صاف کرتے ہوئے بولی۔

”مجھے لگتا ہے صفدر کو کوئی لڑکی پسند آ گئی ہے۔“ وہ رقتہ آمیز لہجے میں بولیں۔

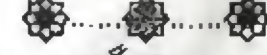
”اے نہیں..... نہیں صفدر بھائی ایسے نہیں ہیں۔“ اسے ہنسی آ گئی۔

”یہ مولیٰ محبت بری بلا ہے۔“

”ہا..... ہا..... ہا.....“ انہوں نے اس طرح کہا کہ اس کی ہنسی چھوٹ گئی۔

”میرا آنگن تو سونا ہی رہ گیا نا۔“

اللہ نہ کرے سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ اس نے تسلی دی اور انہیں بازوؤں میں بھر کے پیار کیا۔



وہ ٹی وی لاؤنج میں زینت آپا کی عدم موجودگی کے باعث سمجھ گئی کہ وہ شاید سو گئی ہیں۔ ان کی طبیعت ٹھیک ہو..... سوچ کر پہلے اپنے کمرے میں آ گئی فوراً ہی عادل بابا آ گئے۔

”کھانا لگاؤں چھوٹی بی بی۔“

”ہنہ..... لیکن زینت آپا.....“ اس نے پوچھا۔

”وہ بولی بابا سے فون پر بات کر رہی ہیں کھانا آپ کے ساتھ کھائیں گی۔“

”اچھا طبیعت کیسی ہے ان کی۔“

”بس ویسی ہی ہے اب کچھ خوش تھیں۔“ بابا نے بتایا۔

”آپ کھانا ان کے کمرے میں لے آئیں ہم وہیں کھائیں گے۔“ وہ کہہ کر واش روم میں گھس گئی اور فریش ہو کر زینت آپا کے کمرے میں پہنچی تو وہ واقعی خوش نظر آئیں۔

”شرمین! میری بیٹی آؤ میرے قریب۔“ زینت آپا نے محبت سے ہاتھ پھیلائے تو وہ ان میں سما گئی۔

”کیا بات ہے بہت خوش ہیں؟“

”بات ہی ایسی ہے شرمین۔“

”تو جلدی سے بتائیں۔“

”بولی آ رہا ہے۔“

”اچھا یہ تو واقعی خوشی کی بات ہے۔“

”شرمین! وہ ضد پر تو قائم ہے لیکن سمجھ جائے گا۔“ انہوں نے دل بہلانے کی خاطر بڑی نرمی سے کہا تو وہ خاموش ہو گئی۔

”آپا! مجھے پھر یہاں سے جانا ہوگا۔“ وہ سنجیدگی سے بولی۔

”نہیں کیوں؟ ایسا نہیں ہوگا۔ مجھ پر بھروسہ نہیں؟“ انہوں نے اسے سینے سے لگایا۔

”آپا! بات بھروسے کی نہیں ہے اصول کی ہے بولی کو اپنا بزنس سنبھالنا ہے وہ اسی کی جگہ ہے۔“ اس نے ان کا ہاتھ

اپنے ہاتھ میں لے کر سہلاتے ہوئے کہا تو وہ اس کے ہاتھ کو دباتے ہوئے بولیں۔

”تمہارا اپنا مقام ہے اور بولی کا اپنا۔ وہ تو ابھی نادانی کے سفر میں ہے۔“

”اس کی نادانی ہی تو خوفزدہ کرتی ہے۔“ وہ ہولے سے بولی۔

”امید ہے کہ وہ اب سمجھ سکے گا۔“ زینت آپا کے لہجے میں خوف کی سی بے یقینی موجود تھی۔ شرمین نے ان کی تسلی کے لیے کہا۔

”آپ مجھے جانے دیں پھر یہ خوف آپ کو بھی پریشان نہیں کرے گا۔“

”ہرگز نہیں! پرسکون ہو جاؤ اللہ بہتر کرے گا میری طبیعت مستقل خراب رہتی ہے۔“ زینت آپا نے نمناک آنکھوں سے دیکھا۔

”اچھا آپ پریشان نہ ہوں فی الحال تو انہیں اور میرے ساتھ کھانا کھائیں۔“ ان کی دلجوئی کی خاطر وہ مسکرا کر بولی تو وہ بھی مسکرا دیں۔ مگر دونوں اپنی اپنی جگہ شاید متفکری تھیں۔ ایک دوسرے سے چھپانے کے لیے پرسکون نظر آنے کی

اباجری کر رہی تھیں۔ زینت آپا کی فکر اور پریشانی شرمین سے مختلف اور جدا نہیں تھی فرق اتنا تھا کہ شرمین بولی کی ضدی فطرت اور اڑیل طبیعت سے واقف تھی اسے سمجھنا بہت دشوار تھا وہ گہری سوچ میں ڈوب گئی تو زینت آپا نے ہولے سے پکارا۔

”شرمین! وہم نہ کرو۔“

”آپا! بولی کی سوچ بالکل بھی نہیں بدلی۔“

”اے بدلنا پڑے گی بس تم فکر نہ کرو۔“ انہوں نے بہت یقین سے کہا تو اسے ان کی خاطر یقین سے بھرپور مسکراہٹ لبوں پر سجانی پڑی مگر دل دوسوں سے بھرا رہا ایسے میں عارض کا خیال آیا..... وہی منزل تھی اب تو..... مگر حالات کا اونٹ

جانے کس کدوٹ بیٹھنے یہ بھی تو ایک مشکل سوال تھا..... کیونکہ انسان چاہتا کچھ ہے اور ہوتا کچھ ہے۔

کمرے میں ہلکی سی زرد روشنی پھیلی تھی..... مگر وہ بالکنی میں کھڑی چاند تاروں کی سفید روشنی میں دور تک اپنی منزل کا

نشان دیکھ رہی تھی جو کہ اب تک اس کی نظروں کے سامنے کر ہمیشہ اوصل ہوتا رہا۔ پہلی پسندیدہ جگہ منزل کی شکل دھارنے کے بعد ختم ہو گیا۔ دوسری محبت ملی بھی تو جانے کیوں بے یقینی کی سی کیفیت نے دل کو گھسی میں لے رکھا تھا

قسمت نے ہمیشہ اس کے ساتھ انوکھا کھیل ہی کھیلا محبت کے معنی اور مفہوم ہی بدل کے رکھ دیے..... فکر اب یہ تھی کہ کیا ہونے والا ہے بولی کی آمد سے دل دو ماغ مضطرب ہو گئے تھے۔

”شرمین! تمہارا یہاں رہنا مناسب نہیں ہوگا تمہیں یہاں سے جانا ہوگا بولی زینت آپا کی اکلوتی اولاد ہے اس نے تو یہاں رہنا ہے زینت آپا کی بیماری بیٹے کی موجودگی میں کم ہو جائے گی ایسے میں تمہارے رہنے سے ماحول خراب ہوگا۔“ دو ماغ میں سوالات تلے تلے تو وہ بیکل سی ہو گئی۔

”بس! مجھے جانا ہی ہوگا مگر کہاں کس کے پاس؟ عارض تو پردیس میں ہی جیسا باد ہو گیا ہے اور زینت آپا کو کیسے

راضی کروں وہ تو قطعاً نہیں جانے دیں گی۔“ خود کلائی کرتے ہوئے کمرے میں آ کر ٹہلنے لگی۔ تو فون کی گونج نے چونکا دیا۔ مسکریں پر بولی کا نام دیکھتے ہی جھٹکا لگا مگر پھر کچھ سوچ کر ہمیشہ کی طرح اس نے بردباری کا مظاہرہ کیا۔

”ہائے بولی۔“

”ہائے ڈارلنگ!“ حسب معمول اس کی شوخ آواز آئی۔ شرمین کے ماتھے پر سلوٹیں بنیں مگر وہ ضبط کر گئی۔

”ہاں بولو۔“

”ہرمل ہر گھڑی یاد کرتا ہوں اس وقت بہت یاد آتی تو فون کر لیا۔“
 ”او! شکر یہ کیسے ہو؟“ وہ ہنسنا لگی۔
 ”شرمین! اس نے مخمور لہجے میں پکارا۔
 ”جی بولو۔“ وہ بڑی سنجیدگی سے بولی۔
 ”مجھے محسوس کرو۔“

”مطلب؟“ سمجھنے کے باوجود انجان بن کر پوچھا۔
 اپنے سے بہت قریب بہت اپنا جان کر وہ کہتے ہوئے اور سفر طے کرتا اگر وہ سچ پا ہو کر چلنا نہ ہوتی۔
 ”بوی! حد میں رہو۔“

”شرمین! تم ہی تو میری محبت کی حد ہو سرتا پامیری محبت کی جائز حد۔“
 ”اوہ..... افسوس تم بڑے نہ ہو سکے۔“ اس نے کہہ کر غصے سے فون بند کر کے بیڈ پر اچھال دیا اور خود لیے لیے سانس بھر کے نارمل ہونے کی کوشش کرنے لگی لیکن فون کی آواز نے پھر سے مشتعل کر دیا غصے میں فون اٹھایا اور چلائی۔
 ”بوی مجھے تمہاری وجہ سے یہ گھر چھوڑنا پڑے گا۔“
 ”ارے ارے کیا کر دیا بوی نے؟“ دوسری طرف سے عارض کی آواز ابھری تو وہ چونکی۔
 ”عارض..... عارض۔“

”بوی پر اتنا غصہ سرکار۔“
 ”عارض! تم نے کب آنا ہے۔ میں بوی کے آنے سے پہلے یہاں سے جانا چاہتی ہوں۔“ وہ بولتی چلی گئی تو عارض کو کسی حد تک اندازہ ہوا۔

”یو مین بوی پر اہم ہے۔“
 ”ہنہ میں اس کی بچکانہ فرمائش افور نہیں کر سکتی۔“
 ”میں اس ماہ میں آ جاؤں گا لیکن یار میں بوی سے جیلس ہو رہا ہوں۔“
 ”عارض! پلیز مجھے صرف زینت آ پا کا خیال ہے نہ میں یہ گھر کب کا چھوڑ دوں۔“
 ”تو چھوڑ دو۔ صفدر کی طرف شفٹ ہو جاؤ۔“

”نہیں صفدر بھائی کے اپنے فیملی ایشوز ہیں اور پھر زینت آ پا کی شوگر شوٹ کر جاتی ہے بلڈ پریش کا بتا نہیں چلا۔“ وہ بولی۔

”تو پھر صبر کرو میں آ جاؤں گا سب مسائل حل ہو جائیں گے۔“
 ”مگر میں سخت الجھن کا شکار ہو گئی ہوں۔“
 ”ویسہ ہے بہت مستقل مزاج۔“ عارض نے ذرا شرارت سے کہا۔
 ”ہنہ..... ابھی تک تو یہی لگتا ہے۔“
 ”یہ قوف ہے۔“ عارض نے کہا۔

”شاید اس کی نظر میں محبت ایک لطیفہ ہے۔“ شرمین نے کہا۔
 ”تو پھر انجوائے کرو ہنسو کیا ضرورت ہے پریشان ہونے کی۔“
 ”بس کبھی کبھی خوف آئے لگتا ہے۔“

”اچھا اب کوئی اور بات کرو۔“
 ”بس جلدی آ جاؤ۔“
 ”شرمین! تم مجھ سے کتنی محبت کرتی ہو۔“
 ”بس اتنی جو حقیقت میں ہونی چاہیے۔“
 ”مطلب۔“ وہ چونکا۔

”مجھے محبت کا ذرا مہ پسند نہیں جتنا تم چاہتے ہو شاید اس سے کم۔“ اس نے سادگی سے کہہ دیا اور اگلے ہی لمحے فون بند ہو گیا وہ کچھ غیر یقینی سی کیفیت کے ساتھ فون کو گھورتی رہی اور یہ سوچتی رہی کہ عارض نے فون خود بند کیا ہے یا لائن کٹ گئی..... پھر خود فون ملایا مگر دوسری طرف سے فون آف تھا۔

.....
 بڑے عرصے بعد ہلکی پھلکی دھوپ پھیلی تھی تو وہ پردہ سر کا کے بند کھڑکی سے تھوڑا سا شیشہ بھی ہٹا کے باہر کا نظارہ کرنی لگی..... باہر چہل پہل تھی لوگ بھاری گرم کپڑوں کا وزن کم کر کے باہر نکلے تھے..... اس نے بھی ارادہ بنایا اور کھڑکی سے پلٹ کر اپنے جوتے کسے اور کمرے سے باہر نکل آیا..... آ غاجی کافی کے مگ لیے آ رہے تھے اسے دیکھ کر بولے۔
 ”ینگ مین کدھر؟“

”بس ذرا بور ہو گیا ہوں باہر جا رہا ہوں۔“ اس نے سنجیدگی سے کہا تو وہ ٹھٹھکے۔
 ”..... ہے..... ہے یہ موڈ کو کیا ہوا؟“
 ”کچھ نہیں بس رات نیند ٹھیک سے نہیں آئی۔“
 ”بیٹھو کافی پیو۔“ انہوں نے میز پر مگ رکھتے ہوئے کہا اور خود بھی سامنے بیٹھ گئے۔
 ”بابا! دل نہیں چاہ رہا۔“
 ”یار رات..... رات میں کیا ہو گیا؟“
 ”بابا! وہ ٹھنکا۔“

”مائی ڈیر! تاؤ شاہاش۔“ انہوں نے کافی کی چسکی لی۔
 ”بس مجھے خود ابھی اندازہ نہیں بٹ کوئی ڈسٹر بنس ہے میرے اندر۔“
 ”تو اسے باہر نکالو شیر کرو مجھ سے نہ سہی صفدر نے یا پھر شرمین سے۔“ انہوں نے کہا تو شرمین کے نام پر اس کے چہرے پر پھیکیا سا تاثر ابھرا مگر کمال اداکاری سے وہ چھپا گیا۔
 ”کیا ہوا؟“

”کچھ نہیں صفدر خود بہت ڈسٹرب ہے۔“
 ”خیریت؟“
 ”اس کی مسز کا ایٹو ہے۔“
 ”تو یار! اصل کراؤ گھر کا سکون مشاہمت میں ہوتا ہے۔“
 ”اور دل کا سکون؟“ وہ بے دھیانی میں پوچھ بیٹھا۔
 ”محبت میں اعتبار میں۔“ وہ یہ کہہ کر کے اور بغور اس کا جائزہ لیتے ہوئے دوبارہ بولے۔
 ”خیر تو ہے یہ سوال کیوں پوچھا؟“

”ویسے ہی بابا۔“ بناوٹی ہنسی کے ساتھ جواب دیا۔
 ”خیر، ہم کب کی سیٹیں کرائیں۔“ انہوں نے کچھ سوچ کر اصرار نہیں کیا۔
 ”کرائیں گے جلدی کیا ہے؟“
 ”ہیں.....؟“ آغا جی کو حیرت ہوئی۔
 ”میں باہر سے ہو کر آتا ہوں۔“ اس نے ٹالا۔
 ”مجھے بھی ساتھ لے چلو۔“

”شیوہ آئیے۔“
 ”اچھا آپ اکیلے جاؤ مگر تیز قدم نہیں اٹھانے۔“
 ”آپ چلیں۔“

”نہیں میں نے فیجر کو بلایا ہے کچھ کام بنانے ہیں۔“

”اوکے! اللہ حافظ۔“ وہ کہہ کر باہر نکل آ گیا..... مگر باہر نکلتے ہی اس پر وہی کیفیت طاری ہو گئی جس نے رات بھر اسے سوئے نہیں دیا..... بلکہ جب سے فون پر بات کی تب سے یہی حال تھا کہ کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا پاکستان جانے کی خوشی بھی جیسے کر کر رہی ہو گئی تھی۔ بابا کے الفاظ اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔
 ”محبت میں اعتبار میں.....“ وہ دھیرے دھیرے چلتا ہوا مین مارکیٹ کی طرف نکل آیا دائیں بائیں خوبصورت اسٹورز دکانیں اشیاء سے بھری اور بجی دعوت خرید دے رہی تھیں مگر وہ بیزار سب پر نظریں ڈالتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا اسے کچھ نہیں خریدنا تھا کسی چیز میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

”عارض! کیا ہو گیا ہے تمہیں.....؟ کس بات نے یوں ہر شے سے بیگانہ کر دیا ہے؟“ ذہن میں یہ سوال ابھرے تو وہ بڑبڑایا۔

”شرمین! تم نے مجھے مٹا دیا۔“ پھر اپنے ہی جملے کے زیر اثر وہ گھنٹوں سڑکیں نا پتا رہا۔



تڑپتی رہی ہے اس کی کرونوں پر زندگی
 لمحے جدا یوں کے ماہ و سال ہو گئے
 مسلسل دس پندرہ منٹ سے سلاٹس کا کلکڑا انگلیوں میں دبائے وہ کسی سوچ میں غلطیاں تھی۔ زینت آ پانے چائے کا کپ بھی خالی کر کے رکھ دیا مگر وہ کھوئی رہی تو انہیں بولنا پڑا۔

”شرمین!“

”ہنہ منہ جی۔“ وہ چونکی۔

”پریشان ہو۔“ انہوں نے پوچھا۔

”نہیں بالکل نہیں۔“

”بالکل ہوا نکھیں دیکھو چہرہ دیکھو اور ہاتھ میں پکڑا سلاٹس کا کلکڑا ہی دیکھ لو۔“

”آپا کچھ خاص نہیں وہ آج ایک ٹینڈر بھرتا ہے اس کے بارے میں سوچ رہی تھی۔“ وہ ٹال کر جلدی سے پلیٹ پر جھک گئی۔

”مجھے پریشانی کی وجہ معلوم ہے۔“

”بھلا کیا؟“ اس نے نشو و نما سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے پوچھا۔

”بہو بی..... اس کی وجہ سے۔“

”ارے نہیں آپا آپ میرا اتنا خیال رکھتی ہیں کیا میں آپ کی خاطر بوہی کی باتیں نظر انداز نہیں کر سکتی۔“ اس نے محبت باش نگاہوں سے انہیں دیکھا۔ وہ کھل اٹھیں مگر پھر بھی اندر سے متفکر ضرور تھیں۔
 ”اس کی ضد انوکھی ہے اس نا سمجھ بچے کی ہی ہے جتا گ سے کھیلنا چاہے۔“
 ”چلیں چھوڑیں۔“

”شرمین! پلیز مجھے چھوڑ کر نہ جانا۔“ ان کا لہجہ گلو گیر ہو گیا۔

”ارے آپا آپ کیوں ہلکان ہو رہی ہیں میرا کون ہے آپ کے سوا؟“ وہ تیزی سے اٹھ کر ان سے لپٹ گئی۔
 ”پھر پریشانی کیسی؟“

”پریشانی کی اور بھی وجوہات ہو سکتی ہیں۔“ اس نے کافی سنجیدگی سے کہا۔

”پھر بھی بتاؤ تو سہی۔“

”کی الحال دیر ہو رہی ہے پھر بات کریں گے؟“

”شرمین! شام کو وقت نکال کر کچھ بیڈ ٹیلیس اور ٹاؤنز خرید لانا۔“

”جی بہتر یقیناً بوہی کی وجہ سے۔“ اس نے مسکرا کر کہا تو وہ اثبات میں گردن ہلا کر مسکرا دیں۔

”اور آپ کے لیے کچھ لانا ہے کیا؟“

”نہیں باقی فروٹس، سبزیاں وغیرہ تو شیردل بابا لے آئیں گے۔“

”رات مجھے واٹسی میں شاید دیر ہو جائے آپ کھانا کھا کر میڈیسن کھا لیجیے گا۔“

”خیریت۔“

”وہ ذرا صبر بھائی کی طرف جاؤں گی۔“

”اچھا..... اچھا۔“

”اوکے! اللہ حافظ۔“ وہ کہہ کر باہر نکل گئی..... مگر زینت ویرنگ اس کے متعلق سوچتی رہی..... کتنا غنیمت تھا اس کا وجود اس کی موجودگی..... اگر وہ نہ ہوتی تو کتنی تنہائی اور کتنی بھکی سی زندگی ہوتی اتنے بڑے گھر میں رہنا مشکل ہو جاتا۔
 ”کچھ بھی ہو مجھے شرمین کی خوشی عزیز ہے۔“ انہوں نے سوچا اور مطمئن ہو گئیں۔

”تیس ماہ حب! میں مارکیٹ جا رہا ہوں۔“

”ٹھیک ہے آؤ ضرور لائے گا۔“

”شرمین بی بی نے لسٹ بنا دی ہے۔“

”اچھا! بات ہے نصیب سے کہو میرا کمرہ صاف کر کے باقی صفائی کرے۔“

”جی بہتر۔“ شیردل بابا یہ کہہ کر اندر کی طرف چلے گئے۔



خالی زمین اور خالی آنکھوں کے ساتھ وہ کمرے کی چھت گھور رہی تھی کہ جھٹکے سے دروازہ کھلا اور صفدر اندر آ گیا۔ وہ جلدی سے اٹھ بیٹھی۔

”میری زندگی کو جہنم بنا کر خود کتنے سکون سے آرام کر رہی ہو۔“ اس نے آتے ہی براہ راست حملہ کیا..... وہ زیبا کے



لیے خلاف توقع تھا..... وہ کچھ بول نہ سکی تو وہ خود ہی بولا۔

”بولو..... میں نے تم سے کچھ کہا ہے۔“

”کیا بولوں؟ بچا ہی کیا ہے۔“

”کچھ نہیں بچانا مجھے..... جو کہا ہے اس کا جواب دو۔“ وہ شعلہ بارنگا ہوں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

”کون سا جواب؟“

”مجھے تم سے اپنا بچہ نہیں چاہیے۔“ وہ دو ٹوک لہجے میں بولا۔

”اور مجھے اپنا بچہ چاہیے۔“ وہ برابر کھڑے ہو کر بولی۔

”تو پھر میرے گھر میں تمہاری جگہ نہیں۔“

”ٹھیک ہے مجھے آزاد کر دو۔“ بہت بڑی بات بڑے اطمینان سے وہ کہہ گئی۔ صغیر بھونچکا رہ گیا۔

”بنا باپ کے نام کا بچہ.....؟“ وہ بولا۔

”اللہ میرے بچے کے باپ کو سلامت رکھے۔“ وہ مضبوط اور توانا لہجے میں بولی۔

”میری بھول کو چھو اور نہ مجھو تمہارا وجود سے مجھے گھن آتی ہے۔“

”تب بھی کوئی فرق نہیں پڑتا اب مجھے آپ سے نہیں اپنے بچے سے دلچسپی ہے۔“ وہ سینہ تان کر نظریں ملائے

ہوئے بولی تو وہ سچ پا ہو گیا۔

”مگر میں اپنا احساس تم سے نہیں چاہتا..... اور تمہیں اس کی اجازت نہیں دوں گا۔“

”آپ کے چاہنے نہ چاہنے کی مجھے طلب نہیں آپ کا ظرف تنگ ہو گیا ہے اب میری متا کا احساس نہیں۔“

نے تیزی سے جواب دیا۔

”ہنہ..... آلودہ کوکھ سے متا کا احساس۔“ وہ طنزیہ غرایا۔

”وہ گناہ ہو سکتا ہے مگر یہ نہیں۔“

”یہ ضد ہے۔“

”نہیں میرا فیصلہ۔“

”میرے گھر کے دروازے بند ہو جائیں گے۔“

”کرچیجے سفاک باپ بن جائے مگر میں اپنا فیصلہ نہیں بدلوں گی۔“ وہ ڈٹ گئی۔

”سوچ لو۔“

”سوچ لیا۔“

”میں اپنا نام نہیں دے دوں گا۔“

”حقیقت کو کون بدل سکتا ہے آپ لاکھ ندیں وہ ہے تو آپ کا.....“ وہ طنزیہ بنی۔

”میری بھول کو اپنی حق سمجھ رہی ہو۔“

”افسوس! آپ اپنے حق کو بھول کہہ رہے ہیں۔“

”ٹھیک ہے میں اس بھول سے بھی منکر ہو جاؤں گا۔ پھر یہ بچہ لے کر ثابت کرتی رہنا کہ کس کا ہے.....؟“ وہ تن

بولا۔ زیبائی آنکھیں کھلی رہ گئیں۔ نفرت میں وہ اس حد تک جاسکتا ہے یہ اسے اندازہ ہی نہیں تھا۔

”صغیر! آپ ایسا بھی کہہ سکتے ہیں۔“

آنکھیں بند کر کے

”ہنہ! اب ٹھنڈے دماغ سے سوچو میں آسانی سے اپنی ماں کو یہ بتا سکتا ہوں کہ اصلیت کیا ہے؟ اور یوں تم سے اور تمہاری ضد سے مستقل نجات مل جائے گی۔“ وہ یہ کہہ کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا چلا گیا اور وہ چمکا کر بیٹھ گئی۔ حاجرہ چاہے لے کر آئیں تو صفدر کی عدم موجودگی کے باعث بولیں۔

”صفدر کہاں گیا؟“

”اماں وہ چلے گئے۔“

”خیر ہے اتنی عجلت کیا تھی؟“

”ضروری کام یاد آ گیا تھا۔“ وہ کھوئی کھوئی سی بولی۔

”ساتھ لے جانے آیا تھا کیا؟“

”نہیں۔“

”ہوا کیا ہے؟“

”کچھ نہیں، بس ویسے ہی۔“ وہ جھنجھلا گئی۔

”چلو میں تمہیں چھوڑاؤں۔“ اماں نے ایک دم سنجیدگی سے کہا تو وہ بھڑک اٹھی۔

”بوجھ بن گئی ہوں داماد لے جانا نہیں چاہتا اور آپ لے جانا چاہتی ہیں۔“

”کیوں نہیں لے جانا چاہتا ہے تو پوچھ رہی ہوں بتاؤ۔“

”بس چھوڑ دیں اس بات کو۔“ وہ یہ کہہ کر کمرے سے باہر چلی گئی تو فکر مندی کے بہت سے درحاجرہ بیگم کے لیے کھل گئے۔ انہیں سب کچھ غلط سا لگنے لگا۔ صفدر کا آندھی طوفان کی طرح آنا اور جانا ہی کسی بڑی پریشانی سے کم نہیں تھا۔ بدمی ہو کر کچھ دیروہیں بیٹھی رہیں ڈھیر سارے دوسروں نے گھیر لیا۔



وہ کمپیوٹر پر آفس ورک کر رہا تھا۔

دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی تو وہ چونکا جہاں آتا تو دستک دیتی نہیں تھیں ان کے سوا اور گھر میں کوئی تھا نہیں پتہ نہ ہو سکتا ہے؟

”کون.....؟“

”صفدر بھائی! میں اندر آ جاؤں۔“ شرمین نے پوچھا تو وہ تیزی سے کرسی سے اٹھا اور دروازہ کھول دیا۔

”شرمین! بہن! خیریت اس طرح اچانک۔“

”کیوں میں نہیں آ سکتی کیا؟“ وہ کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولی۔

”آپ کا اپنا گھر ہے۔“

”آپ کی گھر والی کہاں ہیں؟“ چاروں طرف نظر دوڑا کر زیبا کی عدم موجودگی کے متعلق پوچھا۔

”اپنے گھر۔“

”اچھا! اسی لیے کمپیوٹر میں مصروف تھے۔“

”آپ سناؤ کیسی ہیں؟“ وہ یکسر ٹال گیا۔

”صفدر بھائی! عارض کی سنائیں۔“ دل کی شدید تکلیف کا اس نے برملا اظہار کر دیا۔

”کیوں؟ کیا آپ سے رابطے میں نہیں ہے؟“

”اس کا فون مسلسل آف جا رہا ہے بات ہوتے ہوتے بند ہوا اور اب تک بند ہے۔“ وہ بتاتے ہوئے خاصی مضطرب ہوئی تو صفدر نے بغور اس کے چہرے کو دیکھا وہ بہت متفکر سی تھی۔

”پریشانی کی کیا بات ہے؟“

”ہاں لیکن عارض نے پہلے کبھی ایسا نہیں کیا؟“

”اس کا فون واقعی آف ہے مگر اس کی چھتیس ہزار وجوہات ہو سکتی ہیں، فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں صفدر نے اسے کافی تسلی بخش لہجہ میں سمجھانے کی کوشش کی مگر اسے نہ یقین آیا اور نہ وہ مطمئن ہوئی۔

”وہ امریکہ میں ہے صفدر بھائی وہاں سے رابطہ کرنا کوئی مشکل نہیں۔“

”خیر ہے آپ کچھ مشکل ہی ہیں۔“

”نہیں! بس زندگی میں ایسے حالات کو رخ بدلتے دیکھا ہے کہ طبیعت غیر مطمئن ہی رہتی ہے۔“ وہ سنجیدگی سے بولی۔

صفدر نے چند لمحوں تک وقف کیا اور پھر بولا۔

”بدلتے حالات ہی کا نام زندگی ہے۔“

”مگر میں نے زندگی کو ہی ناقابل یقین پایا ہے! لمحوں میں صدیوں کی تبدیلیاں آ جاتی ہیں۔“ وہ دھیرے دھیرے بولی۔

”عارض کے لیے اتنی فکر مندی تشویشناک ہے۔“ صفدر نے ہلکی سی شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

”تشویش کی بات تو نہیں ہے لیکن عارض کی خاموشی بس عجیب سی ہے۔“

”فکر کریں کوئی وجہ ہوگی۔“ صفدر نے کہا۔

”نو بیٹا! کھانا کھاؤ۔“ جہاں آرا بیگم ٹرے اٹھائے آئیں تو گفتگو کا رخ بدل گیا۔

”آپ نے یہ زحمت کیوں کی؟“ شرمین نے اٹھ کر جلدی سے ٹرے پکڑی۔

”ای! میں خود لے آتا آپ کو کیا ضرورت تھی؟“

”ضرورت تھی اور کیا خود لے آتے بیوی کو میکے سے تو لانا نہیں سکے۔“ جہاں آرا بیگم یہ کہتی ہوئی واپس چلی گئیں تو صفدر نے کچھ شرمساری سے شرمین کی طرف دیکھا۔ شرمین کے ذہن میں بھی تشویش سی بیدار ہوئی۔

”ویسے صفدر بھائی! شرمین کچھ کہتے کہتے رک گئی۔“

”زیبا اور میرے بیچ اختلاف چل رہا ہے امی کو اس کا علم نہیں ممکن ہے زیبا واپس نہ آ سکے۔“ صفدر نے خود ہی اس کی زبان پر آئے سوال کا جواب دیا۔

”اتنے خیر! ایسا کیا مسئلہ ہو گیا؟“ شرمین نے تاسف سے بے ساختہ کہا۔

”چھوڑیں پھر سہی! کھانا کھائیں۔“ صفدر نے ٹال کر ٹرے میں سے پلیٹ اٹھا کر اس کے سامنے رکھ دی۔

”آپ مجھے بہن کہتے ہیں تو اعتبار بھی کر سکتے ہیں۔“

”ہاں! لیکن ابھی معاملہ کلیئر نہیں ہوا بتا دوں گا۔“ اس نے اپنی پلیٹ میں سالن ڈالتے ہوئے کہا تو اس نے مزید نہیں کر دیا۔ چپ چاپ کھانا شروع کر دیا۔



یاد دہشتی میں جوتا نکھوں کو سزا دی جائے

اس سے بہتر ہے کہ ہر بات بھلا دی جائے

جس سے تھوڑی سی بھی امید زیادہ ہو کبھی
ایسی ہر شمع سر شام جلا دی جائے
میں نے اپنوں کے رویوں سے یہ محسوس کیا
دل کے تگن میں بھی دیوار اٹھا دی جائے
الماری سے دراز کی ایک ایک چیز نکال کر کوڑے کی نوکری میں ڈال کے کچھ ذہنی سکون ملا مگر ننھی نے آ کر پھر سے
ارتعاش پیدا کر دیا۔

”یہ ہنر باغ نہ دیکھے ہوتے تو یوں ان کی قبر پر سو گوار نہ بیٹھنا پڑتا۔“
”یہ قبر تو نہیں کوڑے کا ڈھیر ہے۔“

”پھر اٹھو اس کوڑے کے ڈھیر سے اپنا حلیہ دیکھو تمہارا بچنا محال ہے بچہ کیا خاک بچے گا۔“ ننھی نے پھلوں کا شا پر اور
جوس بسکٹ کا شا پر میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

”نہیں میں رہوں نہ رہوں میرا بچہ سلامت رہے گا صفدر کے ضمیر کو جھنجھوڑنے کے لیے۔“

”اسے سلامت پیدا کرنے کے لیے تمہارا سلامت رہنا ضروری ہے اٹھو جلدی سے تیاری پکڑو ڈاکٹر سے ملنا۔“
”ننھی نے یاد دلایا تو اسے یاد آیا۔

”اوہ! میں بھول گئی دراصل ابا کی طبیعت بہت خراب ہے ان کے پاس ہم دونوں میں سے کسی کا رہنا بہت ضروری
ہے۔“ وہ پوری ہمت کے ساتھ اٹھتے ہوئے بولی۔

”ہسپتال داخل نہ کرادیں۔“ ننھی نے کہا۔

”کوئی فائدہ نہیں ہوگا آخری اسٹیج ہے ہم ذہنی طور پر تیار ہیں۔“

”اوہ! میرے خدا۔“ دکھ سے ننھی نے کہا۔

”کوئی ایکس دیکھ نہیں ہے۔“

”صفدر بھائی پھر نہیں آئے۔“

”نہیں۔“

”فون کیا؟“

”نہیں۔“

”میرا دل چاہتا ہے میں جا کر خوب کھری کھری سناؤں۔“ ننھی ایک دم اشتعال میں آ گئی۔

”ضرورت نہیں وہ سخت گیر مرد ہے۔“

”حد ہے بھئی! اپنی اولاد کے لیے بھی۔“

”ہاں! میری وجہ سے۔“

”چلو تمہیں نہ سہی اپنی اولاد کو تو قبول کریں۔“

”چھوڑو اس قصے کو۔ فیصلہ میں نے کیا ہے میں نہ اپنا بچہ کھونا چاہتی ہوں اور نہ صفدر کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔“

”اور وہ کیا چاہتے ہیں؟“

”جو تمہیں بتایا تھا۔“

”یعنی.....“ ننھی کی زبان پر اور کچھ نہ آیا۔

آنجل ✽ جنوری ✽ ۲۰۱۵ء 96

”ہاں! وقت فیصلہ کرے گا۔“

”اچھا جلدی تیار ہو جاؤ۔“

”ٹھیک ہے۔“ اس نے الماری سے اپنا ستری شدہ سوٹ نکالا اور باہر چلی گئی۔

”یہ بڑی قامت والے کس قدر چھوٹے ظرف کے مالک ہوتے ہیں بڑے بڑے دعوے کر کے چھوٹے کھوکھلے

لفظوں سے بات کھا جاتے ہیں۔ کوئی ان کو یہ یاد نہیں دلاتا کہ مرد کی تنگ دلی اور چھوٹا ظرف اسے زیب نہیں دیتے۔ ایک
لڑش کی اور کتنی بڑی سزا دینی ہے۔ یا خدا! میری سہیلی کو اس کرب ناک آزمائش سے نکال دے رحم ڈال دے صفدر بھائی

کے دل میں۔“ ننھی نے خلوص نیت کے ساتھ دعا کی اس کے اپنے مسائل کیا کم تھے جو سہیلی کا دکھ بھی دیکھنا پڑ رہا تھا۔
محبت کا کھیل کھیلنے والا تو جانے کس ڈر کو گیا..... ان جھوٹے لفظوں پر اعتبار کر کے کتنا کٹھن سفر طے کرنا پڑ رہا ہے۔ ننھی کو

خیالوں میں کھویا دیکھ کر نہ یہاں نہ کہا۔

”خیریت! کس بات پر سوچ رہی ہو؟“

”آں! کچھ نہیں تیار ہو چلیں۔“

”ہاں! چلو۔“ زبیا نے اپنا ہینڈ بیگ اٹھایا اور دونوں باہر آ گئیں۔



عائشہ میٹرنی ہسپتال کے ساتھ ہی میڈیکل اسٹور سے اس نے زینت آپا کی میڈیسن خریدیں اور گاڑی میں بیٹھنے ہی
والی تھی کہ مرزا نواز ش نے تیزی سے پاس پہنچ کر کہا۔

”ہم پر بھی نظر کرم ڈال لیا کرو۔“ شرمین کی پیشانی پر سلوٹیں ابھریں مگر کچھ فاصلے پر کھڑے چند افراد کی وجہ سے نرمی
اختیار کی۔

”خیریت آپ یہاں؟“

”ہم تو تمہارے عداوتے میں پڑے ہیں۔“

”نواز ش صاحب آپ کس منی سے بنے ہیں۔“ وہ دانت کچکچا کے بولی۔

”شرمین تمہارے ٹھکانہ دیکھ کر رشک آتا ہے لیکن تنہا کب تک جوانی کا بوجھ اٹھاؤ گی۔“ انہوں نے سیاہ چمکیلی گاڑی
کی چھت پر اپنی ایک انگلی پھیرتے ہوئے کہا۔

”آپ اپنی حد میں رہیں۔“ وہ چلا ہی پڑی۔

”شرمین! مجھے تم سے محبت ہے جو مجھے ہر مل ہر لمحہ بیکل رکھتی ہے۔“

”پوچھ سکتی ہوں آپ میٹرنی ہسپتال میں کیا کرنے آئے تھے؟“ اس نے طنز یہ انداز میں پوچھا۔

”وہ..... وہ کم بخت داخل ہے۔“ وہ کڑوا منہ بناتے ہوئے بولے۔

”کوڑا ہر.....؟“

”میری منحوس بیوی۔“

”اچھا! منحوس بیوی! یقیناً میٹرنی ہسپتال میں بلا وجہ داخل نہیں ہوئی ہوں گی۔“ وہ بھی بڑی تسلی سے کریدنے لگی تو وہ
خانے سے جڑ ہوئے۔

”بچی پیدا ہوئی ہے۔“ وہ نظریں جراتے ہوئے بولے۔

”واہ! غالباً آپ کی چوٹی اولاد ہے۔ کیا نام رکھا ہے؟“ شرمین نے دانستہ جلتی پر تیل چھڑکا۔

آنجل ✽ جنوری ✽ ۲۰۱۵ء 97

”ابھی نہیں رکھا۔“

”تو اس کا نام شرمین رکھ لیجیے۔“ اس نے مسکرا کر کہا تو انہیں پتے لگ گئے۔

”شٹ اپ وہ میری بیٹی ہے۔“

”تو.....“

”میں تم سے محبت کرتا ہوں۔“

”تو بیٹی سے بھی محبت کریں اور اس کا پیدا ہونا ہی آپ کی محبت کی علامت ہے۔“

”اپنی بکواس بند کریں بیوی سے بچے پیدا کر کے جھوٹی محبت کی کہانیاں باہر سنانے والے مرد آپ جیسے ہوتے ہیں۔“

”یہ سچ ہے کہ.....“

”میں میرے راستے سے مجھے کچھ نہیں سننا۔“ وہ غصے سے کہہ کر جھٹکے سے آگے بڑھی اور ڈرائیور کے دروازہ کھولنے سے پہلے ہی خود گاڑی میں بیٹھ گئی۔ نوازش علی اپنا سامنہ لے کر رہ گئے۔ شرمین نے کھڑکی کا شیشہ کھول کے مزید کہا۔

”اور ہاں ہاسپٹل میں جا میں جا کر بیٹی کو پیار کریں۔“

”شرمین ایہ نشہ جلد اتر جائے گا۔“ وہ جل کر بولے مگر اس نے شیشہ اوپر کر کے ڈرائیور کو چلنے کو کہا۔ غصے سے نجات کے لیے سیٹ کی پشت سے سر نکال کر آنکھیں موند لیں۔ کئی روز کے بعد کچھ ذہن ہلکا سا ہوا تھا وہ بھی نوازش صاحب کی خرافات کی نذر ہو گیا۔ اس کا ارادہ تھا کہ زینت آپا کو لے کر کہیں باہر جائے گی کچھ ان کا دل پہلے گا اسی لیے آفس سے کام ختم کر جلدی لگتی تھی..... مگر سارے موڈ کا ستیا ناس ہو گیا تھا۔ سارے راستے وہ نوازش صاحب کو کوئی رہی کافی غم و غصہ مگر تک پہنچتے پہنچتے کم ہو گیا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ زینت آپا کو اس کی کوئی فکر اور پریشانی نظر آئے وہ خوش رہیں ان کی صحت بحال رہے وہ اس کی محبت اور احسان مندی کا تقاضا یہی ہے کہ وہ انہیں خوش رکھے۔ ان کی صحت سب سے مقدم تھی اس کے نزدیک۔



شاہد لے کر واش روم سے باہر آئی تو زینت آپا کو کمرے میں دیکھ کر مسکرا دی وہ اس کے بیڈ پر بیٹھی تھیں۔

”آج سیدھی کمرے میں آ گئیں۔“ زینت آپا نے پوچھا۔

”بس فریش ہو کر آپ کے پاس آنا چاہتی تھی۔“ وہ تویے سے بال خشک کرتے ہوئے بولی۔

”سب ذمہ داریوں سے لڑتے ہوئے تھک جاتی ہوگی مجھے بہت دکھ ہوتا ہے۔“ وہ افسردہ ہوئیں تو وہ لپک کر ان سے لپٹ گئی اور پھر وہ نوازش صاحب کی ملاقات والا سارا قصہ سنا دیا۔

”اب بتائیے کوفت اور بیزاری ہوگی کہ نہیں؟“ اس نے آخر میں سوال کیا۔

”ہوئی بھی چاہیے لیکن نوازش صاحب کی بھی مجبوری ہے۔“

”کیسی مجبوری؟“

”محبت کرنا اور کروانا ہر آدمی چاہتا ہے۔“

”ہنہ محبت کو کھیل سمجھ رکھا ہے۔“

”اس کھیل میں بھی محبت شامل ہے فرق اتنا ہے کہ سب کی محبت ہمیں قبول نہیں ہوتی مختلف شکلوں میں نظر آتی ہے ہم جسے دیکھنا چاہتے ہیں وہی ہم دیکھتے ہیں۔“ وہ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بولیں۔

آنجل جنوری ۲۰۱۵ء 98

”مجھے تو اتنا ہی پتا ہے کہ یہ سب لفظوں کا گورکھ و ہندہ ہے اس کی اہمیت صرف جھوٹ پر ہے۔“ اس نے اپنے تجربے کے حوالے سے کہا۔

”میں جھوٹ نہیں ہے انسان کا ظرف جس قدر اعلیٰ ہوتا ہے یہ اسی قدر اس میں حلول کرتی ہے۔ میں ایک بات بتاؤں محبت بولی کی بھی پوری طرح سچ ہے مگر ہمارے پیانے خود ساختہ ہیں کہیں عمروں کا فرق کہیں شادی شدہ ہونے کی وجہ کہیں اسٹیٹس اور کہیں کوئی اور وجہ ہم پر رکھتے ہیں اسی لیے اعتبار نہیں کرتے۔“

”ایک شادی شدہ مرد کو اپنی بیوی سے محبت کرنی چاہیے نوازش صاحب کے ہاں چوتھے بچے کی ولادت ہوئی ہے یہ کون سی نفرت ہے؟“ اس نے غمی سے کہا۔

”یہ سمجھو کہ ایک چھت تلے رہنے والوں کو مرتے دم تک ایک دوسرے سے محبت نہیں ہوتی وہ سمجھوتے کے تحت زندگی گزارتے ہیں۔“

”بہر کیف! نوازش صاحب کی فطرت گندی ہے ان کی آنکھوں میں جو حیوانیت ہے اس سے محبت نہیں کہتے۔“

”آپ نہیں کہتی ہو مگر وہ تو یہی سمجھتے ہیں فطرت کو الگ رکھو محبت اپنا تعلق احساس سے جوڑتی ہے فطرت انسان کی اچھی اور بری ہو سکتی ہے۔“

”آپ مجھے بہت بھوک لگی ہے۔“ اس نے موضوع بدلا۔

”اب مجھے بھی چلو کھانا لگ چکا ہوگا۔“ زینت آپا نے بھی اس کی کیفیت کے مطابق گفتگو کا موضوع فوراً بدل دیا۔

”آپ نے میڈیسن وقت پر لی تھیں اور فروٹ کھایا۔“

”ہنہ پھر خود اپنی واٹر روب سیٹ کی بولی کی واٹر روب سیٹ کی۔“ وہ ساتھ چلتے ہوئے بولیں۔

”اچھا یعنی آرام نہیں کیا۔“ اس نے رک کر کہا۔

”آرام ہی تو کرنی رہتی ہوں آج ذرا طبیعت بہتر تھی اس لیے۔“ ڈانٹنگ ٹیبل تک پہنچ کر وہ بولیں۔

”بولی نے آنے کا پروگرام بتا دیا ہے کیا؟“

”نہیں بس یقین سا ہے کہ آنے کا کہا ہے تو ضرور آئے گا۔“

”ہاں ان شاء اللہ۔“ وہ خوش ہو کر بولیں۔

”اس کا آفس بھی ٹھیک کرادوں۔“

”آنے تو دو عزام سن کر فیصلہ ہوگا بہت فرمانبردار اولاد نہیں ہے میری۔“ زینت آپا کا لہجہ ایک دم گلوگیر سا ہو گیا۔

”ایسا بھی نہیں ہے اولاد تو ہے۔“

”شرمین وہ بہت خدبی اور بے پروا ہے مجھے خوف میں مبتلا کرتا ہے پھر بھی اس کے بنا قرار نہیں۔“ ان کی آنکھیں سینے کی یاد سے بھرا گئیں۔

”یہی اولاد کی محبت ہے آپ کیوں دکھی ہو رہی ہیں بولی سمجھدار ہو کر آئے گا۔“ اس نے اٹھ کر ان کی پلیٹ میں خود سامان ڈالا اور محبت سے کہا۔

”اسی ہوئی ہے محبت۔“

”ہنہ آپ کی محبت پر تو مجھے شک نہیں۔“

”بولی کی محبت پر مجھے بھی شک نہیں۔“ وہ بہت دھیرے سے انتہائی سنجیدگی سے بڑبڑائیں۔ شرمین نے سنا مگر خاموش رہی۔

آنجل جنوری ۲۰۱۵ء 99

”شرمین! بڑے دن سے اس لڑکے کا ذکر نہیں کیا۔“

”عارض کا۔“ اس نے دھیمے سے پوچھا۔

”ہنہ۔“

”اس کا فون آف ہے آج کل۔“ وہ گہری سنجیدگی سے بولی۔

”خیریت۔“

”چھوڑیں اسے ضرورت ہوگی تو فون کر لے گا۔“ بڑا کھر اور کڑوا جواب تھا۔

”مگر میرا خیال تھا کہ.....“

”آپ! میں اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتی۔“

”بہنو! کتے سے پہلے۔“

”بہنو! کو میں خود سمجھا دوں گی مگر عارض کی منت کیوں کروں؟“ وہ یہ کہہ کر ٹیبل سے اٹھ گئی۔

☆☆☆.....

پاکستان نہ جانے کا فیصلہ سن کر آغا جی متحیر ہو کر بولے۔

”یار! احد ہے بھی میں نے سیٹیں بھی کنفرم کرالیں اور.....“

”بابا! آپ مجھ سے پوچھ کر کرتے۔“

”عارض! پہلے تمہیں جانے کی جلدی تھی۔“

”ہاں مگر اب نہیں رہی۔“ وہ رसान سے بولا۔

”لیکن کیوں۔“

”فی الحال نہیں جانا چاہتا۔“

”یار عارض! کچھ تو ہے۔“ آغا جی نے قریب بیٹھتے ہوئے نرمی سے کہا۔

”ہوسکتا ہے۔“

”ہوسکتا ہے نہیں ایسا ہے۔“ وہ پر یقین انداز میں بولے۔

”تو پھر۔“

”تو پھر اپنے بابا کو نہیں بتاؤ گے۔“

”آپ پاکستان جائیں بزنس دیکھیں میں آ جاؤں گا۔“ اس نے کہا۔

”شرمین سے لڑائی ہوئی ہے کیا؟“

”شرمین کہاں سیٹا گئی؟“

”شرمین کئی کہاں تھی؟“ وہ مسکرائے۔

”بابا! پلیز آپ اپنی تیاری کیجیے۔“

”تو تم نہیں جاؤ گے۔“

”فی الحال نہیں۔“

”یار! میں تمہارے بغیر۔“

”بابا! بس مجھے کچھ وقت چاہیے پلیز۔“

”کس لیے؟“

”یہی تو فیصلہ کرنا ہے۔“

”کیسا فیصلہ؟“

”بیوقوفوں کا مگر ابھی نہیں۔“ وہ جھٹکے سے اٹھا اور باہر نکلنے لگا تو آغا جی بولے۔

”اب کہاں چل دیئے؟“

”ہوا خوری کے لیے.....“

”میرے جگر گوشے ڈاکٹر نے اتنی بھی کھلی چھٹی نہیں دی۔“

”بابا! میں بچہ تو نہیں۔“

”مگر ضدیں بچوں جیسی ہیں شرمین کے لیے کتنی ضد کی تھی یاد ہے۔“ انہوں نے اس کے مضطرب دل کے تار چھیڑ دیئے۔

”پتا نہیں کیوں آغا جی کو لگا کہ وہ مجھ سا گیا شرمین کا نام سن کر کھلا نہیں۔“

”میں شرمسار ہوں۔“ بڑا سنجیدہ جواب آیا تو وہ ٹھٹھک کے اس کے برابر کھڑے ہو گئے۔

”ایسی کیا بات ہے میرے لعل! کیسی شرمساری مجھے تمہاری ضد بھی پہاری ہے۔“ وہ نہیں سمجھ پائے کہ اس نے ایسا کیوں کہا؟ اور شاید وہ سمجھا بھی نہیں سکا۔ باہر نکل گیا کتنے ہی بدم سے لے کر ان کی ٹیبل میں قید ہو کر سسکنے لگے۔

”فیصلہ لیتیں آ گیا کہ کوئی وجہ ضرور ہے مگر کیا.....؟ یہ وہ بڑی دیر خود سے پوچھتے رہے پھر ایک ہی فیصلہ کیا کہ اس کا جواب شرمین سے لیا جائے وہی شاید بتا سکے مگر نہ صفر در تو ہے ہی تاہم یہ تو لازم ہے کہ عارض کسی مسئلے میں الجھا ہوا ضرور ہے۔“

اس سے پہلے انہوں نے اس کو اتنا ڈسٹرب نہیں دیکھا تھا۔ اب ٹھیک دو دن بعد فلائٹ تھی نہ رہ سکتے تھے اور نہ پاکستان جانے کو جی چاہ رہا تھا۔ یہ سوچتے سوچتے وہ کمرے کی کھڑکی سے باہر دیکھنے لگے تو سڑک پر دھیرے دھیرے نپے تلے قدم اٹھاتے عارض کو دیکھ کر مزید پریشان ہو گئے۔



رات کے ایک بجے فون کی گھنٹی بجتی ہی وہ ہڑبڑا کر بٹھ بیٹھی۔ غیر متوقع کال آغا جی کا فون نمبر دیکھ کر دل گویا بیٹھنے لگا۔

”ابھی خیر اور میرے سے دعا کی اور فون کان سے لگایا۔ مگر وہ خود ان کا سوال سن کر فکر مند ہو گئی۔“

”بابا! میں کیا کہہ سکتی ہوں اس نے کئی روز سے مجھے بھی فون نہیں کیا۔“ اس نے بتایا۔

”مطلب! وجہ کوئی نہیں کی ہے۔“

”جی آپ پوچھیے۔“

”اگر سے بیٹا! پوچھا ہے مگر وہ کچھ بتائے تو.....“ وہ بولے۔

”آپ اسے کس واپس لے آئیں۔“ اس نے جلدی سے مشورہ دیا۔

”جی! تمہیں لے کر بات کی مگر وہ فی الحال پاکستان آنے کو تیار نہیں۔“

”کیا.....؟“ رات کے اس پہر حیرت سے اس کی چیخ نکلی گئی..... باہر تکتا واز گئی۔

”جی بیٹا جی مجھے تنہا ہی آنا پڑے گا۔“

”عارض! ایسا کیسے کر سکتا ہے وہ تو آنے کو بے قرار تھا۔ پھر پھر.....“ اس کے گلے میں گولہ سا پھنس گیا۔

”لگتا ہے کسی گوری کے دام الفت میں پھنس گیا ہے۔“ آغا جی نے شرارت سے کہا مگر اس کے دل پر جیج جی گونسا لگا۔

”تو رہنے دیں اسے وہاں۔“

”ہا۔۔۔۔۔۔ ہا۔۔۔۔۔۔ ہا۔۔۔۔۔۔ یہ تو میرا مذاق ہے دل پر نہ لو۔“ وہ ہنستے ہنستے بولے۔
”دل کی بات دل پر ہی لگتی ہے۔“

”بھئی خدا لگتی تو یہ ہے کہ عارض میاں دل پھینک تو رہے ہیں فلرٹ میں ماہر۔“ انہوں نے مزید اسے تنگ کیا۔
”پھر تو یہی بات ہوگی۔“ اس نے ہمت کر کے کہا۔

”ارے نہیں تم پر تو وہ جان دیتا ہے میں مذاق کر رہا تھا۔“

”ٹھیک ہے بابا میں کیا کہہ سکتی ہوں؟“

”کچھ کہنا بھی نہیں۔“

”اس کا تو فون ہی آف ہے۔“

”اچھا کب سے۔۔۔۔۔۔؟“ آغا جی کو خامی حیرت ہوئی۔

”آپ کو نہیں معلوم؟“ اب کے حیرت زدہ ہونے کی باری شرمین کی تھی۔

”نہیں یہاں کا نمبر تو آن ہے اور ہم اسی نمبر پر بات کرتے ہیں۔“

”شاید اسی لیے آپ کو نہیں معلوم۔“

”میں پوچھتا ہوں اس سے اب تو میں بھی فکر مند ہوں فون آف ہے تو؟ صفدر کا بھی رابطہ نہیں ہوگا۔“

”بابا مجھے بھی بتائیے گا پلیز۔“

”اگر اس نے کچھ بتایا تو۔“

”اور۔۔۔۔۔۔“

”سوری بیٹا آپ کو بے آرام کیا۔“

”ارے نہیں۔“

”پریشان نہیں ہونا۔“

”جی شکر یہ۔“

فون بند ہو گیا تو اس کی نیند اڑ گئی تھی۔ تشویش ہو رہی تھی۔ تجسس تھا، مگر نہ مایوسی تھی اور نہ ناامیدی۔۔۔۔۔۔ عارض کو کوئی مسئلہ درپیش ضرور ہے وہ کیا ہے؟ یقیناً کوئی بڑی بات ہوگی۔ وہ دیر تک یہی سوچتی رہی، لیکن کوئی سراہا تھ نہیں آیا۔۔۔۔۔۔ پھر کچھ دیر بعد ٹھکن کے باعث اسے نیند آ گئی۔

ڈور بیل تیسری بار بجی تو ننھی نکلن سے ہاتھ صاف کرتی ہوئی بچن سے نکلی۔
”کون۔۔۔۔۔۔؟“ دروازے کے قریب جا کر اس نے پوچھا۔

”صفدر۔“ بڑا سنجیدہ اور مختصر جواب آیا۔

”اوہ آئیے۔“ اس نے خوش دلی سے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

”شکریہ۔“ صفدر نے اندر آتے ہوئے کہا۔

”پلیز بیٹھے۔“ ننھی نے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

”شکریہ۔“ صفدر فلیٹ کے چاروں طرف نگاہ دوڑاتے ہوئے بیٹھا۔

”اگر اس نے کچھ بتایا تو۔“

”آپ کو ایڈریس تلاش کرنے میں مشکل تو نہیں ہوئی۔“

”نہیں بس مجھے ذرا جلدی ہے۔“

”جی صفدر بھائی زیبا کا قصور معاف نہیں ہو سکتا کیا۔۔۔۔۔۔؟“

”نہیں۔“

”کیوں؟ اگر کوئی اپنی غلطی کی معافی مانگ لے تو اللہ بھی معاف کر دیتا ہے۔“

”مگر میں انسان ہوں عام سا انسان۔“

”اپنے لیے نہ سہی بچے کے لیے اپنی والدہ کے لیے۔“

”اوہ۔۔۔۔۔۔ خوب یہ ایمو قتل طریقہ اختیار کریں گی آپ۔“

”صفدر بھائی یہ بات نہیں ہے بچہ آپ کا ہے اور آپ کا ہی رہے گا۔“

”مگر مجھے زیبا سے اپنی اولاد نہیں چاہیے مجھے زیبا سے محبت ہی نہیں۔“

”اچھا آپ کو کسی اور سے۔۔۔۔۔۔ وہ رکی۔“

”نی انحال تو نہیں۔ بہر کیف وقت تیزی سے گزر رہا ہے اسے کہیے کہ میرے فیصلے میں کوئی تہدیلی نہیں آئے گی۔۔۔۔۔۔“

”اپسی ممکن ہے مگر بچے کے بغیر اور کچھ نہیں۔“

”بہت مشکل ہیں آپ۔“ ننھی نے طنز یہ کہا۔

”بھئی ٹھیکس فار پلیمنٹ۔“ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

”زیبا کسی صورت اپنا بچہ نہیں کھونا چاہتی۔“

”ٹھیک ہے تو پھر اپنی مرضی کرے۔“

”فار گاؤ سیک صفدر بھائی ذرا سوچیں ایک ماں کیسے اپنی اولاد کو اور پہلی اولاد کو کھودے محض شوہر کے کہنے پر۔“

”وہ محض بھول تھی زیبا کو میں نے دل سے معاف کیا ہے نہ قبول کیا ہے۔“

”واہ جس مرد نے زیبا کی زندگی برباد کی اس نے بھی اسے قبول نہیں کیا اور آپ۔۔۔۔۔۔؟“

”نام نہ لو اس شخص کا وہ مجھے نظر آ جائے تو جان لے لوں اس کی۔“ وہ شدید اشتعال میں آ گیا۔ اس کی آنکھوں سے

چنگاریاں اڑیں اور جبروں کے سختی سے بچھڑ جانے کے باعث خالص آواز پیدا ہوئی۔

”اس کا مطلب آپ کو زیبا کی مظلومیت پر یقین ہے۔“

”اس شخص سے شدید نفرت کی وجہ یہ ہے کہ اس کی وجہ سے میری زندگی مسائل سے دوچار ہے۔“ اس نے واضح کیا۔

”لو کہ کا قصور ہو یا نہ ہو مزہ اسی کو کھٹکتی پڑتی ہے۔“ ننھی نے رنجیدہ خاطر ہو کر کہا۔

”ایسا ہی سمجھ لیجیے۔“

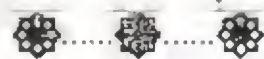
”اللہ اس کو برباد کر دے جس نے میری پیاری سہیلی کو محبت کے فریب سے دوچار کیا۔“ ننھی نے اسی کے انداز میں چبا

چبا کر الفاظ ادا کیے۔

”مجھے اجازت دیجیے اور اپنی سہیلی کو سمجھائیے۔“ وہ سپاٹ بنے لہجے میں کہہ کر دروازے کی طرف بڑھا۔ ننھی نے لمبے

چوڑے صفدر کے انداز سے بخوبی جان لیا کہ وہ اپنی ضد سے پیچھے نہیں ہٹے گا۔ زیبا کو ہی فیصلے پر نظر ثانی کرنی ہوگی۔۔۔۔۔۔

”مگر کیا؟ ایک ماں کے لیے اولاد سب سے قیمتی ہوتی ہے۔“



تبدیلی موسم کے باعث اسے فلو ہو گیا تھا۔

سر میں جسم میں درد اور بخار کی ہلکی سی حرارت محسوس ہو رہی تھی۔ دو روز وہ چاہ کر بھی زینت آپا کے حکم پر نہ اٹھ سکی۔ درمیانے موسم کے کپڑوں پر ہلکی سی نرم شال ڈال کر اسے ڈرائنگ روم تک لے گیا۔ بابا نے خاص بطور پر اس کی آمد کی اطلاع دی تھی مگر دروازے پر ہی اس کے قدم جم سے گئے۔ ناگواری اور بیزاری کے باعث سلوٹیں چتر ہو گئیں۔ مگر پھر کچھ سوچ کر ضبط کیا۔

”نوازش صاحب! آپ کو یہاں نہیں لانا چاہیے تھا۔“

”میں بہت مشکل میں یہاں آیا ہوں۔“ وہ بڑی سادگی سے کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

”ایسی کوئی نئی مشکل آگئی تو میرے فرائض آجائے مگر یہاں نہیں۔“ وہ بڑے کرخت لہجے میں بولی۔

”شرمین!“

”مس شرمین! اس نے جتنا۔“

”مس شرمین! میری بیوی مر گئی ہے۔“

”اوہ! اللہ! افسوس ہوا!۔۔۔۔۔“ اس نے کچھ نرمی سے کہا۔

”بچی کی ولادت کے وقت انفیکشن ہو گیا تھا سو وہ مجھے تنہا چھوڑ گئی۔“ انہوں نے بہت افسردگی طاری کی۔

”اللہ کی مرضی، مگر ہمیشہ کی طرح اس معاملے میں میں تو آپ کے کسی کام نہیں آ سکتی۔“ اس نے لائق طہار کی

”آپ سکتی ہو میری ہفتے بھر کی معصوم بچی کو اپنی گود میں چھپا سکتی ہو۔“ وہ فوراً بولے۔

”واہ! بہت خوب مطلب نیا ہتھیار ہاتھ آ گیا۔۔۔۔۔ کیسے انسان ہیں آپ؟ بیوی کا کفن بھی میلا نہیں ہوا اور آپ بچی کا

آڑ میں شکار کھیلنے گئے۔“

”میری مجبوری ہے شرمین! بچوں کے لیے ایسا کرنا ہے مجھے مگر میں تم سے محبت کرنا ہوں۔“

”پلیز! فضول باتوں سے گریز کیجئے مردوں کی آپ جیسی قسم سے مجھے نفرت ہے جانیے بچوں کو ماں اور باپ دونوں

پیار دیں۔“

”یہ سب آسائشیں اب میرے پاس بھی ہیں۔“ انہوں نے ڈرائنگ روم میں چاروں طرف نظریں گھماتے ہوئے کہا۔

”مجھے آسائشوں کی طلب نہیں۔“

”محبت کی ضرورت تو ہے۔“

”مرزا صاحب! پلیز جانیے بلکہ فوراً جانیے۔“ اس نے خاصی برہمی سے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

”شرمین! وقت گزر رہا ہے میری مجبوری کا وقت ہے کل کوئی تمہاری زندگی میں شاید نہ آئے۔“

”تو بھی آپ کو نہیں آواز دوں گی۔ جانیے یہاں سے۔“ وہ پھٹ ہی پڑی بابا اس کی آواز سن کر جلدی سے ڈرائنگ روم

میں داخل ہوئے۔ انہیں دیکھ کر مرزا نوازش کچھ جزبے سے ہوئے۔

”بابا! آئندہ یہ گیٹ سے اندر داخل نہ ہوں۔“ اس نے بابا کو مخاطب کیا۔

”مس شرمین! میں جا رہا ہوں۔“ وہ دروازے کی طرف بڑھے۔

”اور پھر بھی اپنی محبت کا سرمایہ لے کر میرے سامنے نہ آئیے گا۔“

”ٹھیک ہے جب یہاں سے نکلو تو آواز دے لینا۔“ وہ پلٹ کر لوٹے تو وہ غم و غصے سے چلا اٹھی۔

آنجل جنوری ۲۰۱۵ء 104

فرحانہ ناز کے خاندان کے لیے دعائے شفا و جزا

دانیال	کا	گھر	ٹوٹ	گیا
مولا	دور	جلد	ملال	کر
حفصہ		عبداللہ	کی	زندگی
رحمت	سے	اپنی	بحال	کر
ازشفائے	کریم	و	صبر	عظیم
فرحانہ	ناز	کو	ملے	دوام
جگر	گوشتے	اس	کے	مثال
ہو	قبول	دعا	یہی	خواہوں
عطا	سایہ	ذوالجلال		کر
ہر	حال	ہو	مولا	تیری
کچھ	ایسے	دل	میں	اجال
کوثر	تو	بھی	ہاتھ	اٹھائے
دعائے	مقبول	و	کمال	کر

کوثر خالد..... جزا نوالہ

”فارگاڈ سیک! اپنے بچوں کو سنبھالیے۔“

”بچوں کے لیے شادی تو مجھے کرنی ہے۔“

”ہزار شادیاں کریں مگر مجھے دوبارہ اگر نظر آئے تو میں بھول جاؤں گی کہ آپ میرے افسر رہے ہیں۔“ وہ یہ کہہ کر پہلے خود باہر نکل گئی۔ بعد میں مرزا نوازش تخت بھری مسکراہٹ کے ساتھ بابا کے ہمراہ باہر نکل گئے۔



جن راہوں پہ اک عمر تیرے ساتھ رہا ہوں

کچھ روز سے وہ راستے سنسان بہت ہیں

کنزور ہوں میں راہ میں طوفان بہت ہیں

اک ترک وفا میں اسے کیسے بھلا دوں

مجھ پر ابھی اس شخص کے احسان بہت ہیں

شدت غم سے اس نے آنکھیں موندی ہی تھیں کہ زینت آپا نے اس کے سر پر محبت بکھرا ہاتھ رکھ دیا وہ اٹھ بیٹھی اور اوسے مسکرا دی۔۔۔۔۔ آنکھوں میں چار سو پھیلا کرب اور پریشانی ان سے چھپ نہیں سکتی تھی۔

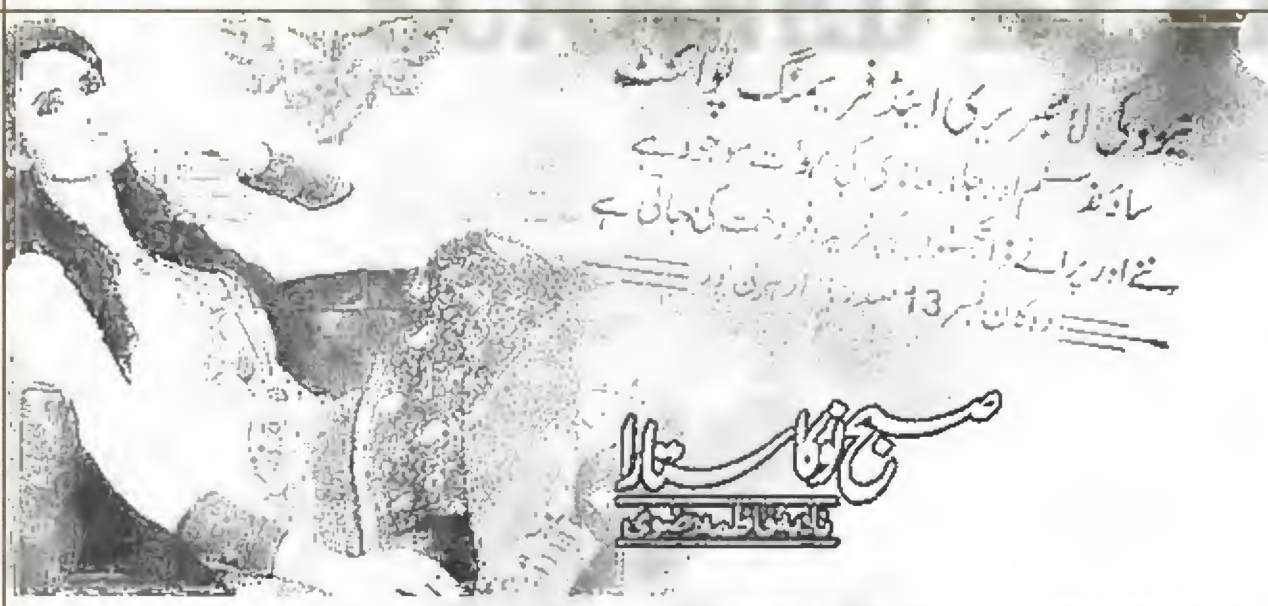
”بہتر تو یہی تھا کہ صبیح احمد کو معاف کر دیا جاتا۔“

”آپا! صبیح احمد کہاں سے آ گئے؟“ وہ حیرت زدہ رہ گئی البتہ عرصے بعد زینت آپا کے اچانک کہنے پر اسے ایسا لگا کہ لاکھ تہ خانے سے تمام مقفل ہنی دروازے کھول کر صبیح احمد اس کے سامنے کھڑے ہوئے ہیں۔

”شرمین! تم بتاؤ کہ صبیح احمد کہاں ہیں؟“

”مطلب؟“ وہ بولی۔

آنجل جنوری ۲۰۱۵ء 105



جنگلات
کالمیٹا سسٹم

کل راستے میں جس سے ملاقات ہوگئی
رہتا تھا دل کے پاس مگر اجنبی لگا
برسوں ہمارا عکس رہا جس کے روبرو
وہ آئینہ بھی پیش نظر اجنبی لگا

”دریشا باجی کچھ سناتم نے.....“ انتہائی تیز رفتاری سے دروازہ کھول کر گڈو ہانپتا کانپتا پھولی سانسوں سمیت صوفے پر گرتے ہوئے بولا جب کہ کاؤچ پر نیم دراز اوٹکتے ہوئے میگزین پڑھتی دریشا نے اسے انتہائی ناپسندیدہ لگا ہوں سے دیکھا۔
”کیسی کون سی افتاد آن پڑی ہے جو تم اس قدر بدحواس ہوئے جا رہے ہو۔“ وہ انتہائی بے زاری سے بولی۔
”دریشا باجی جو خبر میں تمہیں دینے والا ہوں اسے سن کر تمہارے چودہ طبق روشن ہو جائیں گے۔“ گڈو ڈرامائی انداز میں بولا تو جواباً اس نے استفہامیہ لگا ہوں سے دیکھا۔
”بھئی انکل کا بھوت بنگلہ کسی نے خرید لیا ہے اور آج وہ لوگ شفٹ بھی ہو گئے ہیں۔“
”کیا..... واقعی..... مگر وہ گھر کیسے فروخت ہو گیا وہاں تو جنات اور بھوتوں کا بسیرا ہے آخر وہ گھر کس نے خرید لیا؟“ دریشا کی غنودگی بھک سے اڑ گئی۔
انتہائی حیران کن وغیرہ یقین لہجے میں بولتی وہ کاؤچ سے اٹھ بیٹھی۔
”نجانے کس قسمت کے مارے نے وہ گھر خرید لیا۔“ گڈو بھی تائیدی انداز میں بولا تو دریشا کو اچانک کچھ یاد آیا۔
”تم نے کنزنی کو بتایا کہ وہ بھوت بنگلہ.....“
”ارے مجھے نہ صرف معلوم ہو گیا ہے بلکہ اس بھوت..... میرا مطلب ہے اس گھر والے کو بھی دیکھ لیا۔“
لاؤنج کا دروازہ کھول کر کنزنی اندر داخل ہوتے ہوئے دریشا کی بات درمیان میں اچک کر بولی جس کے چہرے پر گڈو کی طرح ہوائیاں برس رہی تھیں۔
”کیا مطلب گھر والے.....“ دریشا نا سمجھی والے انداز میں بولی۔
”ارے بھئی جنہوں نے گھر خریدا ہے ویسے ہے وہ پورا فواد خان کی کاپی اور چال ڈھال تو پوری کی پوری خجے دت جیسی ہے اور اشاکل تو بالکل وحید مراد جیسے ہیں

”شرمین! میں نے آج کے اس واقعے سے نہیں گزشتہ ہفتہ دس دن سے تمہیں خالی خالی اور مضطرب پایا ہے۔“
”دراصل آپ میں عارض کی طرف سے ڈسٹرب ہوں۔“ اس نے بتایا۔
”شرمین سچ یہ نہیں ہے۔“
”تو پھر۔“
”عارض تو ویسے ہی درمیان میں آ گیا، تم صبح احمد کے بنا ڈسٹرب ہو۔“ زینت آپا نے کب اور کیسے یہ اندازہ لگا لیا حیران نظروں سے دیکھ رہی تھی..... لیکن پھر اس نے سنجیدگی سے ان کے خیال کو مسترد کر دیا۔
”آپا! اب عارض میرا حوالہ ہے، صبح احمد جانچکے ہیں اپنی دنیا میں مگن ہیں۔“
”تو پھر بے رنگ اور پھسکی پھسکی کی زندگی کیوں ہے؟“
”بتایا نا کہ عارض کی وجہ سے اس کا فون آف ہے سو میں فکر مند ہوں۔“ اس نے وضاحت کی۔
”تو پھر عارض سے رابطہ کرو اور خوشیاں واپس لاؤ۔“
”ہنہ۔“
”بونی کے آنے سے پہلے ہوتا تو بہتر تھا مجھے اس کی طرف سے بھی ابھرن ہے۔“
”آپ نہ ٹینشن لیں میں اسے خود دیکھ لوں گی آپ کی طبیعت ویسے بھی ٹھیک نہیں ہے چلیں آپ کے کمرے میں چلتے ہیں۔“
”تمہیں کمرے میں بستر پر لیٹے لیٹے بھی اکتا گئی ہوں۔“ وہ بولیں۔
”او کے! پھر باہر چلتے ہیں کچھ سیر، کچھ شاہنگ اور پھر ڈنر۔“
”اور ڈنر میں پرہیز ہی پرہیز۔“ وہ اس کر بولیں۔
”ہنہ پرہیز تو علاج سے بہتر ہوتا ہے۔“
”لیکن میرا علاج بونی ہے میں حد درجہ لگرفتہ ہوں جانے اب تک کیوں نہیں آیا؟“ ان کی پلکیں بھیگ گئیں۔
”ارے! آجائے گا آپ ہمت سے کام لیں۔“ اس نے تسلی دی۔
”ہمت کہاں سے لاؤں؟ شوگر انڈر ہی انڈر چاٹ رہی ہے۔“
”پھر وہی بات آپ تو بہت بہا رہے ہیں۔“
”میں نہیں میں تمہاری طرح نہیں ہوں جانے والے کو رخصت کر کے آنے والے کا صبر سے انتظار کر رہی ہو۔“
”اور کوئی علاج بھی تو نہیں۔“
”کسی بھی طرح اس سے دو ٹوک بات کرو۔“
”ہنہ آپ فکر نہ کریں۔“
”فکر تو ہے مگر اللہ سے اچھی امید ہے۔“
”جو اللہ کو منظور ہے۔“
”پیشک.....“ زینت آپا نے کہا اور اس کا ماتھا چوم لیا۔

(باقی ان شاء اللہ سندھ ماہ)

البتہ ان کی اماں صاحبہ نسلن منڈیلا کی مشابہہ لگیں مجھے ایسا لگتا ہے جیسے انہوں نے ان موصوف کو گود لیا ہے۔“ کنزئی حسب معمول تفصیلاً بولی تو وریشا اور گڈو بڑی طرح چڑ گئے۔

”اف کنزئی! کبھی تو شوبز کی دنیا سے باہر آ جایا کرو تمہارے ذہن پر ہر وقت یہ ہیروز ہی کیوں سوار رہتے ہیں۔“

”ہاں وریشا باجی آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں کل جو سبزی والا گلی سے گزر رہا تھا اسے دیکھ کر مجھ سے کہنے لگیں بالکل شاہدہ منی کی فوٹو اسٹیٹ ہے۔“ آخری جملہ گڈو کنزئی کی ٹون میں بولا تو وہ کھسپائی سی ہو گئی۔

”تم خاموش رہو دیکھ نہیں رہے جب وہ بڑے باتیں کر رہے ہیں تو بیچ میں تم کیوں بول رہے ہو؟“

”ہائیں کون بڑے۔“ گڈو ادھر ادھر دیکھتے ہوئے حیرت سے بولا۔

”ہم بڑے.....“ کنزئی منہ بنا کر بولی۔

”اچھا مگر کہاں سے بڑے..... اچھا دانتوں سے بڑے ہی ہی ہی.....“ گڈو اس کے دانتوں پر چوٹ کرتے ہوئے بولا جو ذرا اوپر کو تھے اور جس پر اس نے تار لگولایا ہوا تھا۔

”گڈو میں تمہیں کچا چبا جاؤں گی اگر تم نے میرے دانتوں کے بارے میں ایک لفظ بھی بولا تو.....“ کنزئی آستینیں چڑھا کر دانت کچکا کر بولی وہ اس معاملے میں بہت حساس تھی۔

”ہاں ہاں میں جانتا ہوں کہ آپ دانتوں میں بہت خود کفیل ہیں مجھے باآسانی چبا سکتی ہیں۔ بتا ہے وریشا باجی! جب کنزئی باجی نے تار نہیں لگولایا تھا تو ان دنوں یہ جیلما نئی کی ساس کی قل کی رسم میں گئیں وہاں جیلما نئی کی اماں ان کے کان میں کہنے لگیں ”بیٹا! ساس میری بیٹی کی مری ہے اور دانت تم نکالے بیٹھی ہو کم از کم دنیا کے سامنے تو دانت مت نکالو۔“ گڈو مزے لے لے کر بولا تو وریشا خوب ہنسی۔

”ہاں ہاں اڑو میرا مذاق..... ایک میں ہی ہوں باجو تم دونوں کی محبت میں یہاں خود کو بے عزت کروانے کے لیے بھاگی بھاگی چلی آئی ہوں۔“ کنزئی باقاعدہ روہنے لگی تو دونوں جلدی سے اس کے پاس آ گئے۔

”افوہ کنزئی! اب تم شبنم مت بنو تمہیں معلوم ہے نا کہ یہ گڈو ہے ہی بے ڈھنگا۔“

”شبنم نہیں لوگ روتے ہوئے مجھے مینا کماری سے تشبیہ دیتے ہیں۔“ کنزئی اپنی ناک دوپٹے کے پلو سے بڑی طرح رگڑتے ہوئے بولی۔

”ہاں واقعی آپ تو مینا کماری سے بہت مل رہی ہیں۔“ گڈو باقاعدہ قریب آ کر اسے غور سے دیکھتے ہوئے بولا تو کنزئی بے تحاشا خوش ہو گئی۔

”سچ..... اچھا ذرا میں اپنے موبائل سے اپنی تصویر کھینچ لیتی ہوں۔“

”ہوں! اب آج سے مینا کماری کا نام وٹو کماری ہو گیا۔“

”گڈو کے بچے.....“ اپنے موبائل میں مگن کنزئی نے جوں ہی گڈو کا جملہ سنا وہ یکدم ٹپٹپٹ میں آ گئی جب کہ گڈو ”بھاؤ“ کہتا ہوا باہر بھاگا پیچھے پیچھے کنزئی اسے سنگین ستارچ کی دھمکیاں دیتی لپکی۔

”افوہ یہ کنزئی بھی نا..... نجانے اس بھوت بنگلے کے لوگوں کے بارے میں کیا بتانے والی تھی چھت پر جا کر ذرا کن سوئیاں لینے کی کوشش کرتی ہوں۔“ وہ خود سے بولتی چھت کی جانب بڑھی۔

”آئی لان تو آپ نے بہت جلدی سنواریا ارے گیندے کے پھول کتنے پیارے لگ رہے ہیں۔“ آج وہ تینوں بن بلائے مہمان کی طرح اپنی ہستیں مجتمع کر کے جا پہنچے تھے مکھل پورا ہفتہ انہوں نے اس بنگلے میں ٹانک جھانک کر کے بڑی بے صبری سے گزارا تھا اور ان سات دنوں میں انہیں صرف یہ معلوم ہوا تھا کہ اس بنگلے میں کل تین تین رہائش پذیر ہیں ایک پختہ مرن عورت ایک راجہ

عمر کا بڑی بڑی مونچھوں والا آدمی جس کے چہرے پر چپک کے نشان تھے جبکہ آنکھوں میں عجیب سی وحشت و سرخی بھی تھی اور تیسرا تقریباً تیس سال کا خوش شکل جوان جو ٹلی اسٹج ہی گھر سے نکلتا اور رات گئے لوٹتا۔ ان خاتون نے ان تینوں کا استقبال کچھ خاص گرم جوشی سے نہیں کیا تھا۔

”وریشا! مجھے تو ڈر لگ رہا ہے تم دیکھ نہیں رہیں وہ عورت ہمیں کتنا گھور گھور کر دیکھ رہی ہے۔“ دونوں کیاری کے قریب جا کر پھول دیکھنے لگیں جب ہی کنزئی نے سہمی ہوئی آواز میں اس کے کان میں سرگوشی کی۔

”ہاں اسے تمہارا آنا شاید پسند نہیں آیا اور تم نے ایک بات نوٹس کی یہ کیاری ایسی بنی ہوئی ہے جیسے کسی کی قبر اور گیندے کے پھول بھی ایسے لگے ہوئے ہیں جیسے.....“

”ک..... کیا..... قبر..... ہائے اللہ وریشا! مجھے قبروں سے بہت ڈر لگتا ہے ارے وہ دیکھو اگر بتیاں بھی ہیں۔“ کنزئی آخر میں ایک جانب اشارہ کر کے سہم کر بولی۔

”ہیں..... کہاں ہیں! افوہ وہ تو جھاڑو کے تنکے ہیں۔“ وریشا تندرے ریلیکس ہو کر بولی جب ہی ان خاتون نے انہیں مخاطب کیا۔

”بچو! جاؤ چائے پی لو۔“

”آئی! کیاری میں صرف گیندے کے پھول کیوں لگائے ہیں آپ لوگوں نے؟“ وریشا لان میں رکھی کین کی کرسی پر پڑھتی ہوئی بولی۔

”بیٹا! سالار بیٹا کو گیندے کے پھول بہت پسند ہیں۔“ وہ سہولت سے بولیں جب ہی گڈو کی گھلیائی ہوئی آواز ابھری۔

”وریشا باجی! مجھے چائے نہیں پینی پلیز گھر چلو۔“

کنزئی اور وریشا نے گڈو کی جانب دیکھا جس کا چہرہ سرسوں کی مانند زرد ہو رہا تھا انہیں کسی گڑ بڑ کا اندازہ بخوبی ہو گیا تھا وہ دونوں بھی فکر مند ہو گئیں۔

”آئی! ہمیں بہت ضرورت ہے جانا ہے، چلتے ہیں۔“

”وریشا! خدا کے واسطے مجھے اللہ سے دعا ہے۔“



نکست دروازے

دنیا کو بخیر کر کے اور انسانیت کو اپنی انکلیں پر چمانے

و لے لے کے قلم کا حوالہ احمد علی کی قلم دانہ

دہر مان

عالمی رشوں کے نہیں منظر میں

لیے بطور عامل اور شہر کی ایک لچب باؤل

شہر

نانی کے سفحیات میں محفوظ سرزمین پنجاب کی

ملک دارستان جو کلا سک داستانوں میں شہر

شہر

AANCHALNOVEL.COM

قارئین کی دلچسپی کے لیے خوبصورت سلسلے

خوشبو خشن: منتخب غزلیں، نظمیں۔ ذوق آگے اقتباسات

اقوال زریں احادیث وغیرہ معروف دینی اسکالر حافظ

شبیر احمد سے اپنے دنیاوی مسائل کا حل جانیے

رجسٹرڈ نمبر: 021-35620771/2

اپنی

111

110

آپا بوبان واحد میں انسان کا روپ دھار گیا۔
”بھو.....ت.....“ بمشکل اپنی زبان کو حرکت دے کر وہ فقط اتنا ہی بول پائی البتہ بے ہوش ہونے سے پہلے وریشا نے اس بھوت کو بڑی تیزی سے اپنے قریب آتے دیکھا تھا۔

.....

”بابا.....“ وہ عورت اور بہت سے عجیب و غریب شکلوں والے لوگ بڑی طرح قہقہے لگا رہے تھے جبکہ وریشا ایک کونے میں کھڑی تھر تھر کانپ رہی تھی۔
”آج کتنے دنوں بعد ہم کسی انسان کے کہاب بنا کر کھائیں گے ہو ہو..... بابا بابا.....“ کوئی یہ بول کر قہقہہ لگا کر انتہائی بیستناک طریقے سے ہنسا۔

”میں تو اس لڑکی کی ملائی ہوئی اور کڑا ہی بنا کر کھاؤں گی۔“ وہ عورت زبان کا چٹخارہ لیتے ہوئے بولی۔
”اس کا تو کٹا کٹ بھی لذیذ بنے گا۔“ کہیں سے آیا باز ابھری اور پھر سب لوگ پاگلوں کی طرح قہقہہ لگانے لگے۔

”نہیں نہیں..... خدات کے واسطے مجھ پر رحم کرو۔ میں اپنے والدین کی اکلوتی لڑکی ہوں میری تو شادی بھی نہیں ہوئی اور تم لوگ میری ملائی ہوئی بنانے کے درپے ہو..... نہیں نہیں..... ہائیں یہ بارش کہاں سے ہونے لگی۔“ وریشا بے ہوشی کے عالم میں زور زور سے چلاتے ہوئے اچانک حیرت سے بولی۔

”مکرمہ خدا کے واسطے اب تو ہوش میں آ جائیں ورنہ میں پورا تنگ آپ کے اوپر اندیل دوں گا۔“ دلکش مردانہ آواز انتہائی قریب سے ابھری تو وریشا نے بے ساختہ اپنی آنکھوں کو بھولا سا منے سفید شلوار گزرتے میں رفق سے طے میں جیتنا یہ وہی شخص تھا جو تین صدیوں سے اپنی محبوبہ کا انتظار کر رہا تھا وہ لمحے کے ہزارویں حصے میں سرعت سے بستر سے اٹھی۔

”آ.....پ.....“

”غالبا آپ مجھے بھوت سمجھ رہی ہیں حالانکہ لوگ تو

خود سے بولی تھی مگر اسی بل اس کی نظر ادھ کھلے دروازے پر پڑی اس نے ہلکا سا دھکا دیا تو گیٹ کھلتا چلا گیا۔
”ارے یہ تو پہلے سے ہی کھلا ہوا ہے۔“ حیرت سے بولی وریشا سہولت سے اندر داخل ہو گئی پورے لان اور پورے گھر میں گہری خاموشی اور جامد سناٹا تھا۔ ایک بل کو اس کا دل کپکپا یا مگر پھر سر جھٹک کر وہ چھوٹے چھوٹے محتاط قدم اٹھاتی داخل دروازے کی جانب بڑھ گئی۔ شومئی قسمت وہ بھی کھلا مل گیا۔

”یہ سارے دروازے کھلے ہوئے کیوں ہیں؟“ لاؤنچ میں داخل ہو کر وہ تھوڑا گھبرا کر خود سے بولی پھر ادھر ادھر نگاہ دوڑائی لاؤنچ کی سیٹنگ اسے بڑی عجیب و غریب لگی۔

”یہ..... یہ بکرے کا منہ اور سینک انہوں نے دیوار پر کیوں لٹکائے ہوئے ہیں۔“ وریشا اپنے خشک ہونے ہوئوں پر زبان پھیر کر سرگوشی میں بولی پھر سامنے موجود سیڑھیوں کی جانب بڑھی۔

”میرے خیال میں وریشا آج کے لیے اتنا کافی ہے ویسے بھی گڈ اور کنزٹی میرے انتے ہی کارنامے کے متعلق جان کر امپر لیس ہو جائیں گے۔“ وریشا نے خود سے کہا وہ ابھی مڑنے ہی والی تھی کہ اچانک لائٹ چلی گئی۔

”ما خدا..... یہ لوڈ شیڈنگ..... لائٹ کو بھی ابھی جانا تھا۔“ وہ گھبرا اٹھی معاً کسی کونے سے روشنی ابھری تھی۔
”میری جان تم آگئیں میں کچھلی تین صدیوں سے تمہارا کتنی بے قراری سے انتظار کر رہا تھا میرے پاس آؤ میری جان۔“ روشنی کے سنگ ابھرتی اس آواز نے وریشا کو جیسے ہوا میں معلق کر دیا۔

”تین صدیاں.....“ وہ ہکا کر بولی لیٹر کپ کا اس کے ہاتھ سے چھوٹ چکا تھا۔

اس نے پلٹنا چاہا وہاں سے بھاگنے کی کوشش کی مگر جیسے وہ گوند کی طرح وہیں چپک کر رہ گئی ہلکی روشنی اور ملگجے اندھیرے میں ابھرتا ہیولا بڑی تیزی سے اس کے پاس

بہیں فوت ہو جاؤں گی۔“ کنزٹی کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی جب کہ گڈ بھی سہم کر وریشا کے قریب کھسک آیا اور وریشا صاحبہ ایک بار پھر مراقبے میں چلی گئیں۔

.....

وریشا یونیورسٹی سے تھکی ہاری گھر آئی تو ای نے بتایا کہ چوکیدار کوئی لیٹر غلطی سے دے کر چلا گیا ہے جس پر کسی دوسرے بنگلے کا ایڈریس درج ہے۔
”ہائے ای یہ لیٹر تو بھوت بنگلے کا ہے۔“

”کیا مطلب بھوت بنگلے کا.....؟“ ای تادی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولیں۔

”مم..... میرا مطلب ہے بھٹی صاحب نے بنگلے کا ایڈریس ہے مگر پوسٹ مین نے اتنی بڑی غلطی کیے کر دی۔“ وریشا کچھ چڑ کر بولی۔

”ارے بھٹی ہمارے گھر کی نیم پلیٹ ٹوٹ گئی تھی تا اور ابھی تک دوسری نہیں لگی وہ سمجھا ہو گا یہی ایڈریس ہے۔“ ای رسائیت سے بولیں تو وہ محض سر ہلا گئی۔

”تم کپڑے چھین کر لو میں جب تک کھانا لگا دیتی ہوں۔“ ای کی بات پر وہ سر ہلا کر اسے کمرے کی جانب آگئی پھر لیٹر کو دیکھ کر کسی سوچ میں گم ہو گئی۔

شام کو وریشا دل مضبوط کر کے لیٹر ہاتھ میں لیے اسی بھوت بنگلے کے سامنے کھڑی تھی ایڈوچر کا شوق اور اٹنے سیدھے گھپلوں میں کودنا اسے بچپن سے ہی پسند تھا۔ بھوت بنگلے کے یکینوں کے بارے میں جاننے کا تجسس کم ہونے کی بجائے بڑھتا ہی جا رہا تھا اور اپنے اس تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہ لیٹر دینے کے بجائے اکیلی ہی یہاں چلی آئی تھی مگر اب اندر ہی اندر رہی تھی۔

”آف یہ کنزٹی کو آج ہی شاپنگ پر جانا تھا اور وہ گڈو کو چنگ سینٹر جا کر جیسے دھڑنے میں بیٹھ گیا ہے مگر وہ دونوں ڈرپوک ہوتے بھی تو کبھی میرے ساتھ نہیں آتے آخر ہیں نا کمزور۔“ خود سے باتیں کرتی ہوئے وریشا آخر میں منہ بنا کر بولی۔

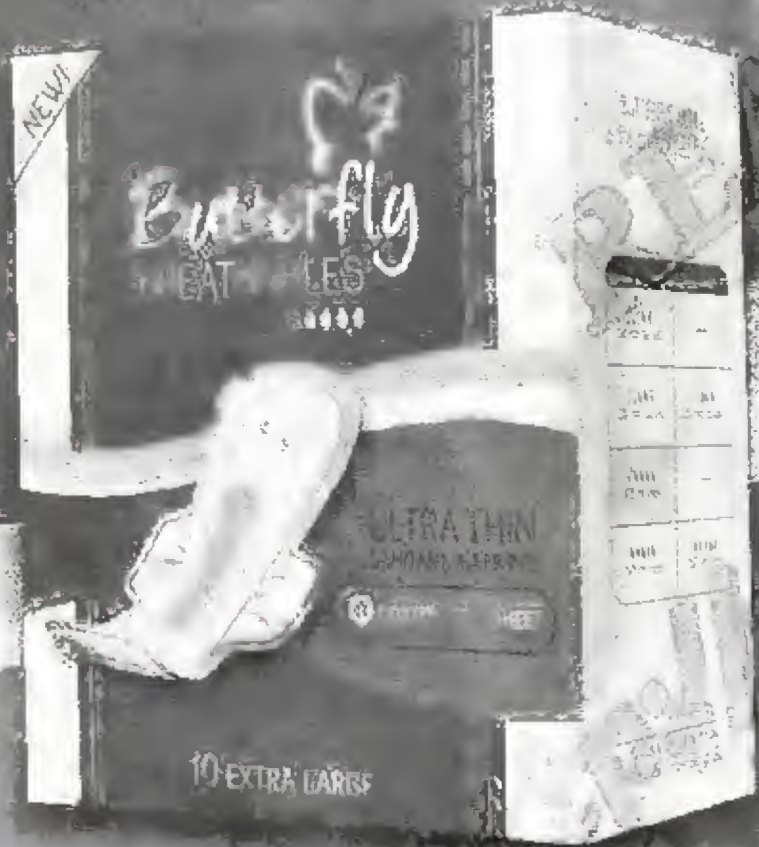
”شایاں بہادر دلیر وریشا آفتاب اگھٹی بج۔“ وریشا



Butterfly
BREATHABLES



کون سا سنگین مذاق..... وہ ہنسنے چوتھوں سے
بولی گلابی اور آف وائٹ کنٹراسٹ سوٹ میں وہ
بہت پیاری لگ رہی تھی۔ سالار نے اسے کئی بار دیکھا
تھا کبھی چھت پر اپنے گھر میں تاک جھانک کرتے
ہوئے تو کبھی قریبی بنے پارک میں واک کرتے
ہوئے جو اکثر اپنی بہادری کے قصے اپنی سہیلی اور بھائی
کو سنار ہی ہوتی تھی۔
”یہی کہ میں بھوت ہوں۔“
”آپ خود ہی تو اپنے منہ سے کہہ رہے تھے کہ میں
تین صدیوں سے تمہارا انتظار کر رہا تھا۔“ وہ برا سامنہ
بنا کر بولی تو سالار انتہائی گھبر لہجے میں بولا۔
”ہاں میری مایا میں پچھلے تین صدیوں سے تمہارا ہی تو
انتظار کر رہا تھا۔ میرا بھوت جگہ جگہ بھٹک رہا تھا تمہاری
تلاش میں۔“ وریشا نے بے تحاشا چونک کر اسے دیکھا
مگر آنکھوں میں ناچتی شرارت اور ہونٹوں پر مچلتی شوخ
مسکراہٹ نے اسے شرمندہ کر دیا۔
”ہوں..... دیری فنی!“ وہ چڑھ کر بولی وہاں سے تیزی
سے نکلی البتہ عقب سے ابھرتے سالار کے جاندار تھپتھے
نے اسے بے تحاشا خفت میں مبتلا کر دیا۔
دن اپنے مخصوص رفتار سے گزرتے گئے وریشا نے
اس دن جو بھوت بنگلے میں ہوا اس کا تذکرہ کنزئی اور گڈو
سے بالکل نہیں کیا ورنہ وہ اس کا مذاق اڑاتے۔ گڈو آج
آجکل جنوری ۲۰۱۵ء 112



کل اپنے امتحان میں مصروف تھا اور کنزئی اپنی کمپیوٹر
کلاسز میں لہذا دونوں کی توجہ فی الحال بھوت بنگلے سے
ہٹا ہوئی تھی وریشا کا دو تین بار سالار سے سامنا ہوا تھا
ایک بار جب وہ چھت پر کسی کام سے گئی تو اپنے میسر پر
موبائل فون پر بات کرتے سالار نے اسے دیکھ کر ہاتھ
ہلایا تھا مگر اس نے انتہائی بے رخی سے منہ پھیر کر نیچے کی
راہ لی تھی جب کہ دوبارہ گھر سے نکلتے اور آتے اس کی زکو
سالار پر پڑی تھی جو اسے دیکھ کر ہمیشہ ایک میٹھی سی
مسکراہٹ اس کی جانب اچھالتا جب کہ وریشا بڑی
طرح کلس کر رہ جاتی۔
”ہائے وریشا! ہم کتنا پاگل بنے نا اس بھوت بنگلے
کے لوگ کوئی جن بھوت نہیں بلکہ انسان ہیں اور اس دن
کیسے خوف زدہ ہو کر ہم وہاں سے بھاگے تھے۔“ وہ دونوں
گھر کے قریبی بنے پارک کی بنچ پر بیٹھی تھیں تب ہی کنزئی
ہنسنے ہوئے بولی تھی۔
”اوپنہ یہ مجھ کو تم دونوں نے ہی چھوڑی تھی کہ وہ
گھر آسید زدہ ہے۔“ وریشا چڑھ کر بولی۔
”ہائے وریشا باجی! اب اتنا جھوٹ بھی نہ بولو تم اللہ کو
کیا منہ دکھاؤ گی۔“ گڈو ہلہلا کر بولا۔
”تم میرے منہ کی فکر مت کرو سمجھے چار سال تم میرے
بڑی ہوں ادب کرو میرا۔“ وہ ڈپٹ کر بولی۔
”چھوڑو گڈو یہ تو ہے ہی ہمیشہ کی طرح ایسی
ہی کمینی۔“
”اچھا میں کمینی اور اپنے بارے میں تمہارا کیا خیال
ہے؟“ وہ خواہ مخواہ استغیث چڑھا کر بولی نجانے کس بات
پر اسے اتنا غصا رہا تھا۔
”میرا خیال تو بہت نیک ہے۔“ کنزئی شرمیلیں
مسکراہٹ سمیت بولی تھی۔
”اوہ تو موصوفہ اتراہٹ میں مبتلا ہو گئی ہیں تم خدا
کے واسطے یہ میرا جیسی مصنوعی اور بھونڈی شرم نہ دکھاؤ۔“
”وریشا تم اپنی حد میں رہو میں ایک شرعی لڑکی ہوں
اور میری شرم بالکل خالص اور حقیقی ہے۔“ کنزئی نے

تھا شام امان کر بولی۔

”ویسے کنزئی باجی ابیہ جو پوزا بھی آپ نے بقول شرم و حیا والا دیا ہے یہ کس خوشی میں تھا؟“ گڈو نہ سمجھنے والے انداز میں بولا۔

”ارے بدھو تمہاری بہن کے ہاتھ پیلے ہونے والے ہیں۔“ کنزئی اب باقاعدہ دوپٹے کا کونا اپنی انگلی پر لپیٹتے ہوئے لجا کر بولی۔

”مگر مجھے تو آپ کی آنکھیں اور چہرہ بھی پیلا پیلا لگ رہا ہے ذرا دکھائیں تو سہی۔“ وہ تشویش زدہ لہجے میں گویا ہوا۔

”دھت شرارتی کہیں کا۔“ وہ ہنوز انداز میں بولی وریشا کو تو جیسے چکراتے لگے۔

”دنیا میں تم واحد لڑکی نہیں ہو جس کی شادی ہو رہی ہے اترامٹ ہے کہ ختم ہی نہیں ہو رہی۔“ وریشا نے تپ کر کہا۔

”اوہ تو کیا سلمان بھائی (کنزئی کا معیتر) آسٹریلیا سے آرہے ہیں بے چارے کنزئی باجی کو لینے۔“ گڈو کچھ تاسف سے بولا۔

”ہوں اور سنو..... حد ہے چھپھور پن کی کہ بارات گھوڑی پر چڑھ کر لارہے ہیں۔“ وریشا استہزائیہ انداز میں گویا ہوئی تو گڈو بے ساختہ تھقب لگا کر ہنستا چلا گیا۔

”وریشا باجی! سلمان بھائی اگر گھوڑی پر بیٹھیں گے تو وہ تو بے چارے ان کے وزن سے کبھی ہی بن جائے گی۔“

”ہاں یہ تو تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔“ وریشا ہنستے ہوئے بولی جب کہ کنزئی دونوں کو کھا جانے والی نظروں سے گھور رہی تھی۔

”ویسے وریشا باجی تمہیں دانت نکالنے کی ضرورت نہیں ہے یہ لمحہ فکر یہ ہے کہ ابھی تک کوئی معقول رشتہ تمہارے واسطے برآمد نہیں ہوا۔“ گڈو یکدم سنجیدگی سے بولا۔

”تم تو جانتے ہو گڈو! آج کل ہر کوئی گورے رنگ پر مرتا ہے اور معاف کرنا تمہاری بہن تو کی سا نولی ہے۔“

کنزئی طنزیہ انداز میں وریشا کے گندمی رنگ کو نشانہ بنا کر گویا ہوئی۔

”ہاں ہاں سلمان بھائی نے تمہاری گوری رنگت تو دیکھ لی مگر لمبے دانت نہیں دیکھے۔“ وریشا بیچ سے اٹھ کر لڑاکا انداز میں بولی تو اس سے پہلے کنزئی کوئی جوابی جملہ کرتی مغرب کی اذان نے فی الحال سیز فائر کیا تو تینوں نے گھر کی راہ لی۔



کوئی بارات نہ آئے رہے ہم آس لگائے عمر یا بقی جائے کوئی رشتہ نہ آئے گھر کی ڈسٹنگ کرتے ہوئے وہ ہولے ہولے ہوئے گنگنا رہی تھی جب کہ چہرے پر رنگ گورا کرنے کی غرض سے شہد اور بیسن کا لپ لگا رکھا تھا۔

”ویسے وریشا باجی تم اس وقت بڑی ڈراؤنی لگ رہی ہو بھوتی جیسی۔ شکر ہے کہ امی پاپا اس وقت گھر پر نہیں ہیں۔“ ریموٹ پر چینل سرچ کرتے گڈو نے نکلڑا لگایا۔

”سنو گڈو! کتنا مزہ آ جائے کہ میری شادی اس کنزئی سے پہلے ہو جائے۔“ وریشا ڈسٹنگ کا کپڑا چھوڑ چھاڑ کر اس کے پاس آ کر اشتیاق سے بولی۔

”وریشا باجی دلہا کوئی پزایا برگرتو ہے نہیں کہ ایک لون کرو اور فوراً حاضر ہو جائے اس کام میں بڑے پاپڑنیے پڑتے ہیں۔“ آخر میں وہ دادی اماؤں کی طرح بولا۔

”ہاں یہ بات تو ہے۔“ وہ تائید آہولی۔

”ارے یاد آیا۔“ گڈو اپنی جگہ سے اچھل کر انتہائی جوش سے بولا۔

”کیا کوئی رشتہ ذہن میں آیا۔“

”ہاں وہ بھٹی صاحب کے سارے پچھلے ماہ ابی بیوہ..... میرا مطلب میل (مرد) بیوہ ہوئے ہیں وہ کل انکل اظہر سے کہہ رہے تھے کہ چالیسیویں کے فوراً بعد میں عقد ثانی کرنا چاہتا ہوں۔“ وریشا کے اس قدر اشتیاق بھرے انداز میں پوچھنے پر گڈو بڑے جوش سے بولا۔

”گڈو کے بچے۔“ وہ دانت کچکیا کر رہ گئی۔

”ارے ایک اور رشتہ ہے خالدہ آنٹی کی نند کے شوہر کا کیوں کہ وہ اپنی بیوی سے انتہائی بے زار اور بے پناہ تنگ ہیں۔“

”وہ..... وہ ٹھیک بڑھا..... بھینکا“ لیے منہ والا جس کے لیے کان سوکھے کر لیے جیسے ہیں اور اس کی ناک پچکے ہوئے ٹھنڈی طرح سرخ اور چٹھی ہے۔“

”انفہ باجی تم نے تو خالدہ آنٹی کی نند کے شوہر کو تو سبزی کی دکان ہی بنا ڈالا۔“ وہ ہر سامنے بنا کر بولا۔

”گڈو! ابھی اور اسی وقت میری نظروں کے سامنے سے غائب ہو جاؤ ورنہ.....“ انتہائی طیش کے عالم میں وہ مٹھیاں بچھ کر فقط اتنا ہی بول سکی۔

”ہاں ہاں بھی جا رہا ہوں تم پھولن دیوی کیوں بن رہی ہو۔“ وہ گھبرا کر صوفے سے اٹھتے ہوئے بولا پھر ذرا پلٹ کر گویا ہوا۔

”یہ شہد اور بیسن کو منہ سے تو دھولو..... ورنہ ایسا نہ ہو کہ سارے رنگ سے بھی ہاتھ دھولو۔“ گڈو کی بات سیدھا اس کے دل میں لگی تھی سو وہ سب کچھ جھٹک کر واش بیسن کی جانب بھاگی۔



”سالار بھائی بتا رہے تھے کہ ان کی پوری فیملی امریکہ میں شفٹ ہے مگر وہ اپنے ملک کے لوگوں کا علاج کرنا چاہتے ہیں۔ پتا ہے کنزئی باجی! وہ غریبوں کا مفت علاج کرتے ہیں۔“ گڈو کی سالار سے بہت اچھی دوستی ہوئی تھی جو آکر ٹھہرا۔

”اونہہ..... مدر ٹریسا بننے کا شوق۔“ بظاہر میگزین پڑھتی اوریشا منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی۔

”وہ بہت انس رہے تھے یہ سب سن کر کہ ہم ان کے گھر میں رہنے والوں کو بھوت سمجھ رہے ہیں۔“ گڈو نے مزے سے کہا۔

”نہی ہی ہی..... سچ ہم کتنا ڈر گئے تھے نا! گیندے کے پھول کی کداری کو قبر سمجھ بیٹھے تھے وہ تو زرینہ آنٹی جو ان کے گھر کی بی بی تھیں۔“

نیلیم رائو

اسلام علیکم! آنچل اسٹاف اور قارئین کو نیلیم رائو کا چاہتوں اور محبتوں بھرا سلام قبول ہو۔ میرا تعلق ملتان کے چھوٹے سے قصبے جتوئی سے ہے میری پیدائش 9 محرم کی ہے اور فرسٹ ایئر کی طالبہ ہوں۔ میرا پسندیدہ کلمہ واسٹ اور فیروزہ ہے میری سب سے اچھی اور فریبی دوست ام ہانی ہے۔ میں محبت پر یقین نہیں رکھتی موسم میں زیادہ تر سردی پسند ہے۔ پڑھنا لکھنا اچھا لگتا ہے زندگی کا صرف ایک ہی خواب..... سچین بننا لیکن اس کے لیے دعاؤں کی ضرورت ہے کہتے ہیں دعا سے نقد بدل جاتی ہے۔ مجھے سز کرنے کا بہت شوق ہے لیکن کبھی کیا نہیں غصہ بہت کم آتا ہے لیکن ناراض ہونا بہت آتا ہے شاید میری یہ عادت کسی کو بری لگتی ہو۔ دوسروں کی فکر بہت زیادہ کرتی ہوں کھانے میں جاؤں پسند ہیں۔ میری ایک خالی جگہ ہے جو ہانی مجھے بتاتی ہے میں مایوس بہت جلد ہو جاتی ہوں زیادہ لوگوں سے ملنے سے گھبراتی ہوں۔ ڈرنی بھی بہت ہوں آنچل میں بیاض دل پڑھنا زیادہ پسند ہے۔ اب اجازت دیں اللہ حافظ۔

بتایا کہ مالی کو وہاں گوڑی کرنی تھی اور تم گڈو! انہوں نے نجانے کس بات پر ڈیڑھ سو بولا تم نے ڈیڑھ سو سال کا اضافہ کر دیا۔“ کنزئی محفوظ ہوتے ہوئے بولی تو وریشا کو وہ لمحے تمام تر جزئیات سمیت یاد آ گئے جب وہ سالار سے ملی تھی اور جن سے پیچھا چھڑانے کی کوشش میں وہ ہلکان ہو چکی تھی۔ اپنی حماقت دے دینی پر اسے ہمیشہ کی طرح بے تحاشا غصہ آ گیا وہ بے ساختہ زار و قطار رونے لگی۔

”ارے ارے وریشا..... کیا ہوا؟“ دونوں گھبرا کر اپنی باتیں چھوڑ کر اس کی جانب لپکے جبکہ اس کے رونے میں اور زیادہ روانی آ گئی۔

”وریشا باجی آخر ایسا کیا پڑھ لیا آپ نے اس میگزین میں؟“ گڈو میگزین کو الٹ پلٹ کر کے دیکھتے ہوئے بولا۔

”مجھے لگتا ہے گڈو! یہ میری رخصتی کا سوچ کر رو رہی ہے مت رو میری بہن۔“ کنزئی جذباتی ہو کر اس کے گلے لگ گئی جسے وریشا نے چڑ کر پرے دھکیلا

تھا اسی دوران گھر کی گھنٹی بجی وہ تینوں لان کے ایک طرف بیٹھے تھے آتی ہوئی گلابی سردی میں سہ پہر کے ان لمحوں میں لان میں بڑی نرم و ملائم سی دھوپ اور ٹھنڈی چھاؤں بھی تھی۔

”کنزئی میں..... میں.....“

”ہاں ہاں بولو میری بچی کیا میں.....“ کنزئی اس کا شانہ تھکتے ہوئے اگوانے والے انداز میں بولی جب کہ گڈو گیٹ کی جانب جا چکا تھا۔

”میں..... میں.....“

”آف اب میں میں سے آگے تو گاڑی بڑھاؤ۔“ کنزئی چڑھی گئی۔

”کنزئی مجھے بھوت سے..... افوہ میرا مطلب ہے مجھے بھوت بنگلے سے محبت ہو گئی ہے۔“

”ہائیں..... تو اس میں اتنا رونے کی کیا بات ہے؟“ کنزئی استعجاب سے لہجے میں گویا ہوئی۔

”آف مولی عقل..... مجھے بھوت بنگلے میں رہنے والے سے.....“

”آ..... آ.....“ دریشا نے چڑ کر بولتے ہوئے جونہی سامنے نگاہ اٹھا کر دیکھا ایک فلک شکاف جی برآمد ہوئی جب کہ کنزئی بڑی طرح سہم گئی۔

”یادداشت دریشا! تم تو میرا ہارٹ فیل کر دو گی۔“ کنزئی کو نظر انداز کیے وہ بڑی حیرت سے گڈو کے ساتھ کھڑے بلو جینز پر بلیک شرٹ پہنے چہرے پر تبسم سجائے سالار کو دیکھے ہی جا رہی تھی جب کہ گڈو اسے ایک ٹک سالار کو تکتے یا کر شرمندہ سا ہورہا تھا۔ گلا کھٹکھار کر اس نے دریشا کی محویت کو توڑنا چاہا مگر وہ تو جیسے وہاں تھی ہی نہیں۔

”دریشا! باقی بعد میں دیکھ لیتا یہ کون سا بھاگے جا رہے ہیں۔“ کنزئی نے اس کے کان میں کھس کر تیز آواز میں سرگوشی کی تو وہ بڑی طرح ہڑبڑائی گئی۔

”میرے خیال میں یہ مجھے اب تک بھوت سمجھ رہی ہیں۔“

”آ..... آپ یہاں کیسے آ گئے؟“ وہ ہونٹ پر سے بولی۔

”کیا مطلب اپنی ٹانگوں سے چل کر آ رہا ہوں۔“ سالار نے فوراً جواب دیا۔

”حد کرتی ہو تم بھی باجی! بھلا مہمان سے کوئی ایسے پوچھتا ہے۔“ گڈو خفت بھرے انداز میں گویا ہوا پھر اسے لے کر لان کے درمیانی حصے کی جانب بڑھ گیا جہاں کین کی کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔

”سالار بھائی مجھے دودن سے محسوس ہو رہا ہے جیسے مجھے چکرا رہے ہیں کچھ کمزوری بھی ہو رہی ہے آپ پلیز میرا چیک اپ کر لیں۔“ کنزئی بیگم مطلبی لہجے میں بولیں تو اس بل دریشا کا دل چاہا کہ اس کا سر توڑ دے جب کہ ان موصوف نے کنزئی کی نبض بھی ٹٹولنا شروع کر دی۔

دریشا نے بے ساختہ کنزئی کا ہاتھ جھپٹ کر جھٹکا تھا۔ ”تمہیں ہر ڈاکٹر کو دیکھ کر اپنی نامعلوم بیماریاں کیوں یاد آ جاتی ہیں یہ دماغ کے ڈاکٹر نہیں ہیں جو تمہارا دماغی خلل دور کر سکیں۔“ دریشا کلس کر دھیمی آواز میں کنزئی کے کان کے قریب آ کر بولی تو کنزئی خواخوہ کھیانی ہو کر ہنسنے لگی پھر معاً کچھ یاد آیا تو دریشا سے پوچھنے لگی۔

”تم ان کے بارے میں کچھ کہہ رہی تھی نا۔“ ”مم..... میں..... نہیں..... میں کیا کہوں گی میں تو انہیں جانتی بھی نہیں ہوں۔“

”نہیں دریشا تم انہی کے بھوت بنگلے میں..... میرا مطلب ہے ان کے گھر اور شاید اور ان کے بارے میں دھواں دھار روتے ہوئے کچھ بتانے والی تھیں۔“ دریشا کی ہکلاہٹ سے بھرپور وضاحت کو گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کنزئی شکی انداز میں بولی جب کہ سالار نے اسے پوری طرح اپنی نظروں کی گرفت میں لے رکھا تھا سرخ و سیاہ امتزاج کے سوٹ میں روئی روئی آنکھوں سمیت وہ اس بل بہت نروس دکھائی دے رہی تھی۔

”ارے یاد آ یا تمہیں اس بھوت بنگلے سے محبت ہو گئی ہے یہی کہہ رہی تھیں نا تم۔“ کنزئی جوش سے اچھل کر

جلدی سے بولی۔

”آ..... ہاں ہاں میں تو یہ کہہ رہی تھی کہ وہ گھر میرے خوابوں کے شہزادے جیسا ہے میرا آئیڈیل میری چاہت۔“ دریشا کچھ بھی سوچے سمجھے بنا جلدی جلدی بولنے لگی۔

”ہوں وہ گھر.....“ سالار ایک ہنکارا بھر کر بولا۔

”اور نہیں تو کیا.....“ وہ فوراً گویا ہوئی۔

”لیکن دریشا باجی شاید وہ تم ہی تھیں نا جس نے سب سے پہلے پورے محلے میں یہ نعرہ لگایا تھا کہ اس گھر میں بھوتوں کا سیرا ہے جو تمہیں دو سو سال پرانا لگتا ہے۔ وہاں کے درخت ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ جن پر جھولا ڈال کر یقیناً چنگیز خان کی بیویاں اور منگولیا کی بیٹیاں اور ان کی سہیلیاں ساون کے گیت گاتی ہوں گی۔“ گڈو بولتا ہی چلا گیا۔

”گڈو پہلے لگتا تھا مگر اب نہیں لگتا۔“ دریشا اپنی جگہ سے پہلو بدل کر بولی۔

”سالار بھائی میں نے گڈو سے آپ کے متعلق بہت سنا تھا آج ملاقات بھی ہو گئی سچ مجھے بڑی خوشی ہوئی۔“ کنزئی خلوص سے بولی دریشا تینوں کو باتیں کرنا دیکھ کر خاموشی سے وہاں سے پلٹ آئی۔



دریشا ان دنوں بے حد پریشان تھی دسمبر کا بھیجا بھیجا موسم آچکا تھا سینے سال کی پہلی تاریخ کو کنزئی پیادیس سدھارنے والی تھی جب کہ گڈو کا آدھے سے زیادہ دن کنزئی کے گھر میں ہی گزر رہا تھا جو پچھلی گلی میں واقع تھا۔ دنوں بچپن کی سہیلیاں اور پڑوسی تھیں وہ ایک دوسرے سے لڑتی جھگڑتی تو خوب تھیں مگر ایک دوسرے کے بڑا نہیں چھین بھی نہیں آتا تھا۔ دریشا سالار کی محبت میں گرفتار ہو چکی تھی مگر یہ اعتراف اس نے کسی سے آگے نہیں کیا تھا۔ سالار تو یہاں پر دیکھتا تھا اس کے گھر والے امریکہ میں مقیم تھے وہ کسی بھی وقت امریکہ جاسکتا تھا۔ سالار کی شوخی اس کی شرارت اور سحر انگیز آنکھوں کی محویت

شمالیہ کوثر

السلام علیکم! میرا نام شمالیہ کوثر ہے میں بی بی اے کی طالبہ ہوں اور مجھے پیار سے سچ بھی کہتے ہیں۔ ہم سات بچپن بھائی ہیں میری آبی نائلہ اللہ تعالیٰ کے پاس چلی گئی ہیں دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جنت الفردوس میں اتنی مقام عطا فرمائے آمین۔ اس کے بعد میں سب سے بڑی ہوں پھر آبی نائلہ اویس مہوش سمیرا نادیہ اور آخر میں سب سے چھوٹا علی رضا ہے۔ ہم سب پڑھ رہے ہیں اور امی جان بہت اچھی ماں بھی اور دوست بھی ہیں۔ ابو جان بہت ہی پیار کرنے والے ہیں اب آ جاتے ہیں خویوں اور خامیوں کی طرف تو خامی پہلی تو یہ ہے کہ میں دوسروں پر جلد بھروسہ کریتی ہوں اور ہمیشہ نقصان اٹھاتی ہوں اس کے علاوہ بہت جلدی غصہ آ جاتا ہے۔ غلط بات بھی برداشت نہیں کر سکتی۔ خویاں..... بہت ہی نرم دل ہوں کسی کا بھی دکھ برداشت نہیں ہوتا۔ اب اجازت چاہتی ہوں اللہ حافظ۔

نے اسے اپنی محبت و چاہت کے ظلم میں بڑی طرح جکڑ لیا تھا وہ چاہ کر بھی خود کو اس ظلم سے آزاد نہیں کر پارہی تھی۔

آج کنزئی کی مہندی تھی وہ بچھے دل سے تیار ہو کر اس کے گھر آ گئی تھی وسیع و عریض گھر کے لان میں اس وقت خوب ہنگامہ برپا تھا۔ کنزئی کے گھر والوں اور سسرال والوں کے درمیان گانوں کا مقابلہ ہو رہا تھا وہ نسبتاً تنہا گوشے میں چلی آئی۔

”آپ یہاں اکیلی کیوں کھڑی ہیں؟“ کھدر کے بلیک شلوار سوٹ میں وہ اپنی تمام تر وجاہت کے ساتھ اس کے مقابلے کھڑا ہوا۔

”آپ کو اس سے کیا؟“ وہ حسب معمول تنک کر بولی۔

”آپ مجھ سے ہمہ وقت خفا خفا کیوں رہتی ہیں۔“ میرون رنگ کے فراک پا جاسے کے سوٹ میں ہلکا ہلکا میک اپ کیے وہ بہت حسین لگ رہی تھی پھر وہ خود سے گویا ہوا۔



سلاٹ
عالمیہ

”دراصل اس دن میں اپنے دوست کے پلے کی رہبر سل کر رہا تھا وہ تھیر ڈراے کرتا ہے اور زبردستی ایک بھوت کا رول اس نے مجھے دے دیا تھا۔“ وہ مسکراتے ہوئے بولا تو دریشا خفیف سی ہو گئی اور بتاؤ کچھ کہے وہاں سے پلٹ آئی جب کہ سالار وہیں کھڑا دیر تک مسکراتا رہا۔
فلش کا اختتام ہو چکا تھا بارہ بجتے ہی پناخوں کی آوازوں سے ماحول گونج اٹھا تھا سب ایک دوسرے کو نئے سال کی مبارکباد دے رہے تھے۔

”اللہ کرے اس سال میری بتو بھی دلہن بن کر پیادیں سدھار جائے۔“ کنزئی نے دریشا کو پلٹاتے ہوئے خلوص سے کہا تو دریشا کا ضبط جواب دے گیا وہ پھوٹ پھوٹ کر ردی بہت سارے کرنے کے بعد جب وہ خود ہی خاموش ہوئی تو اسے کنزئی کی چپ کا احساس ہوا۔
”بے حس لڑکی میں زور ہی تھی اور تم مجھے چپ بھی نہیں کر رہی تھیں۔“ دریشا اپنے مخصوص انداز میں بولی تو کنزئی ہنسنے لگی۔

”تم کیا سمجھتی ہو میں تمہاری کیفیت سے انجان تھی میری چندا میں اسی دن جان گئی تھی کہ دال میں کالا نہیں بلکہ پوری دال ہی کالی ہے۔ جب تم نے اس بھوت بنگلے والے سے محبت کا اظہار کیا تھا۔“ کنزئی مایوں کے پیلے جوڑے میں ملبوس مزے لے کر بولی تو دریشا نے اسے انتہائی حیرت سے دیکھا۔

”پھر سالار بھائی نے ہمیں اس دن والا واقعہ بھی سنا ڈالا جب تم انہیں بھوت سمجھ کر بے ہوش ہو گئی تھیں اور.....“

”اور کیا.....؟“ وہ بے ساختہ شرماتا ہوئی۔
”اُف اب تم میرا بن کر یہ مصنوعی شرم کی اداکاری مت کرو۔“

”میں کوئی میرا دیر نہیں بن رہی۔“ کنزئی کے چھینر نے پردہ کھسیانی ہو کر بولی۔

”پھر جب گڈو نے بتایا کہ تم چاہتی ہو کہ مجھ سے پہلے تمہاری شادی ہو جائے مگر کوئی رشتہ درکار نہیں ہے تو

جھٹ سالار بھائی نے تمہیں اپنا رشتہ دے دیا۔“
”کیا..... یہ تم کیا کہہ رہی ہو کنزئی! اب بس کر یہی ڈرامہ۔“ دریشا گواہی سے بولی۔

”دریشا باجی یہ ڈرامہ نہیں حقیقت ہے وہ تو سالار بھائی کو آپ کے بارے میں اپنے گھر والوں کو بتاتا تھا اور مجھے ای پاپا کو آپ دونوں کے بارے میں ورنہ یقیناً آپ کنزئی باجی سے پہلے دلہن بن جاتیں۔“ عقب سے گڈو کی کھلکھلائی آواز ابھری تو دریشا نے بے ساختہ پلٹ کر دیکھا جس کے سبک کھڑا سالار اسے بے پناہ زور کر گیا تھا۔

”بھئی ہم نے سوچا کہ تمہارے خوابوں کے شہزادے یعنی اس بھوت بنگلے سے تو تمہاری شادی نہیں ہو سکتی تو کیا ہی اچھا ہو کہ اس گھر کے مالک سے تمہارا بیاہ کر دیں۔“ کنزئی ہنستے ہوئے بولی۔

”مجھے نہیں کرنی ان سے شادی وادی.....“ وہ جھنجھلا کر بولی نجانے کہاں سے اتنی ڈھیر ساری شرم عود کرائی تھی جب ہی گڈو کسی کی آواز پر وہاں سے پلٹا تھا اور کنزئی ”میں ابھی آئی“ کہہ کر وہاں سے کھسک گئی تھی تب ہی سالار چلتا ہوا اس کے قریب آن رکھا تھا۔

”نیا سال ہمارے زندگی کے نئے سفر کے ساتھ مبارک ہو۔“ لکھیر دگلش آواز پر دریشا نے بمشکل نگاہ اٹھا کر حیا آلود لہجے میں کہا۔

”آپ کو بھی یہ نیا سال اور یہ سفر مبارک ہو۔“ پھر دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر بے ساختہ مسکرا دیئے جب کہ سیاہ آسمان پر غنمٹاتے روشن ستارے ان کی داغی خوشیوں کے لیے دعا گو ہو گئے اور صبح نو کا ستارہ انہیں خوش آمدید کہہ رہا تھا۔



دیوانگی لے آئی ہے کس موڑ پہ ہم کو
گھر لوٹ کے آئے ہیں تو گھر ڈھونڈ رہے ہیں
اب جس بڑھا ہے تو ہواؤں کی طلب ہے
اب دھوپ بڑھی ہے تو شجر ڈھونڈ رہے ہیں

کینٹ کاؤنٹی سے ملتی یہ خوب صورت اور بے فضا قصبہ
اسے بے حد پسند آیا اس علاقے میں سیلوں کی بہتات تھی
بیٹا آپ نے بتایا کہ یہ علاقہ سیلوں کی کاشت اور سرسبز و
شاداب باغوں کی وجہ سے مشہور ہے اور لندن یہاں سے
صرف ایک گھنٹے کی ڈرائیو پر ہے۔ ٹرین سے جاؤ تو آدھا
گھنٹہ لگے گا، میں تمہیں لندن بھی دکھاؤں گی اور یہاں کی
خوب صورت ٹرین بھی تمہیں ایسا لگے گا جیسے تم کسی
خوابناک طلسم میں ہو یا پھر کسی پرستان میں۔

مگر یہاں سے جانا کس نے تھا اور کہاں جانا تھا میں
یہاں سے کہیں اور جانے کے لیے نہیں آئی تھی۔

مونا سارا دن اس بریلے سرد موسم میں سفید چوکھٹوں
والے درتے کے رخ شیشے سے ٹیک لگائے باہر دیکھا
کرتی وسیع لان سرسبز فرشی قدرتی غالیچے پر برف کے
پھول گرتے رہتے آج کل برف باری بہت ہو رہی تھی۔
ابھی چند دن پہلے شبنم کے قطروں کی شکل میں اوس کی
بوندوں کو برف کی صورت میں پھولوں کی پتیوں پر دیکھا
تھا۔ اس کا دکھن کر لگتا تھا اوس کے قطرے ٹھنک کر بریلے
اولے بن گئے ہیں ننھے ننھے بے حد سرد.....

”ننھے.....“ دھیرے سے سینے پر ہاتھ رکھ لیا۔

میرے منے کا کیا حال ہوگا اور میری منی میری گڑیا گرم
گلابی کبل کی گرمی میں ماں کی آغوش ماں کی گود ڈھونڈ رہی
ہوگی اور نہ پا کر کیسے گلابی کبل کے اندر بے چین و بے قرار
ہوگی۔ منا کون سا بھلا ہوگا بھوک میں شور مچاتا ہوگا مچلتا
ہوگا۔ سیراب تو ہو جاتے ہوں گے مگر بے چینی بے قراری
ہنوز برقرار رہتی ہوگی۔

آنجل ❀ جنوری ❀ ۲۰۱۵ء 120

”مونا ہم خود کر لیں جواد نے تو قسم کھائی ہے نہ
بٹھنے کی۔“ آپلی میرے پیچھے کھڑی ہوئیں۔

”میں برف نکالتی جاؤں گی تم واپس سے صاف کرتی
جانا اور یہ لاٹک شوز پہن لو اور کوٹ کے بٹن بند کر کے
دستانے بھی پہن لو۔“ واپس میری جانب بڑھا کر ہدایت
جاری کی۔

آپلی ہمیشہ کی ہدایت یافتہ تھیں اور میں مسکرا کر واپس
لے کر ان کے پیچھے چلی آئی۔ آپلی برف نکالتی جاتیں مونا
برف ہٹاتی جاتی، کچھ دیر میں راستہ صاف ہو گیا۔ آس
پاس کے پودوں کی بھی برف جھاڑی۔

”بیٹا! راستہ تو صاف ہو گیا چلو اب شاپنگ کر
آئیں۔“ دونوں ایک ساتھ چوکیں۔ داخلی دروازے پر
گاہوں کی جیب میں ہاتھ ڈالے سر پر ادنیٰ ٹوپی جمائے جواد
بھائی شرارت سے مسکرا رہے تھے۔ آپلی نے لب بکھنچ کر
مصنوعی حلقی بھرے احساس سے انہیں دیکھا مونا نے اک
نگاہ ال کر نگاہ چرائی۔

انسی محبتیں ایسے محبوبانہ انداز میرے نصیب میں نہیں
لکھے گئے تھے حالانکہ شوہر کا ساتھ دس ماہ اور آٹھ دن رہا تھا
مگر محبت پیارا اپنائیت جیسے قریبی جذبے فطری تعلق اور
محبت میرے نصیب میں بھی ہی نہیں۔

وہ دھیرے سے واپس لے کر اندر آ گئی شاید جلد بازی
میں کیے گئے فیصلے اسی طرح کے ہوتے ہیں سر سے
اتارے ہوئے پوجہ کی طرح۔ وہ ہر وقت اپنی زندگی کا ماتم
نہیں کرتا چاہتی تھی حادثے ہر کسی کے ساتھ ہوتے ہیں
اس کے ساتھ بھی ہو گیا۔ محبت الدین نے اسے کون سی
جذباتیت دی تھی محبت سے نوازا تھا وہ اس کی سرد مزاجی کو
بھی بھول جانا چاہتی تھی مگر..... مگر جگر گوشے جو نو ماہ اس
کے وجود کا حصہ رہے تھے اسی تلخ دور کو بھولنے بھی نہیں
دیتے تھے۔

اب وہ ننھے منے سے دو کنول کے پھول..... دھیرے
سے انگلیوں پر حساب لگایا، تین سال اور تین ماہ کے
ہو چکے تھے۔

وہ درتے بچے کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی کرشن کھینچ کر
شیشے کے پار دیکھا..... چلنے لگے ہوں گے بھاگتے
وڑتے گرتے پڑتے کتنے ہاتھ سنبھالتے ہوں گے۔
دادی پھوپھو محبت اس کی بیوی واری صدقے جاتے ہوں
گئے ان کے سونے ویران گھر کی رونق گھر میں کل کاریاں
گونجتی ہوں گی۔ رخساروں پر ٹھنڈک اتری تو چونک گئی۔

”مونا آ جا تمہاری کالی تیار ہے اور پلیز ذرا تم حاتم اور
جالم کو دیکھ لیدنا۔ گڑیا تو کلرنگ کے ساتھ مگن رہے گی۔“
اندر سے آپلی کی آواز آئی۔ دھیرے سے رخسار صاف
کر کے گھوم گئی۔

”برف باری بھی رک گئی ہے اور راستہ بھی صاف ہے ہم
گاڑی لے کر نہیں جا رہے مارکیٹ تک تو جانا ہے۔“
”جی۔“ وہ لاؤنچ میں آ گئی۔

”اور تمہیں کچھ چاہیے؟“ جواد بھائی رین کوٹ پہنتے
ہوئے پوچھ رہے تھے۔
”نہیں۔“ وہ نظر چرا کر آگے بڑھ گئی۔

”میں نے پہلی لڑکی دیکھی ہے جسے مارکیٹ سے کچھ
نہیں چاہیے ورنہ عورتیں تو.....“ شرارت سے بیٹا آپلی کی
طرف دیکھ رہے تھے۔

بیٹا آپلی کا جسم شادی کے بارہ سال بعد اب بھر گیا تھا
اور بڑا نہیں لگتا تھا اور جواد بھائی شرارت سے انہیں عورت
کہنے لگے تھے۔

”تو خود کون سے لڑکے ہیں تو نہ دیکھیں اپنی چھین
چھیلے بنے پھرتے ہیں۔“ برس میں کچھ تلاشتے کچھ
ڈالتے آپلی نے مصنوعی حلقی سے گھورا۔

”ہا ہا.....“ جواد بھائی نے حظ اٹھایا۔ ”کتنا جلتی ہو تم
مجھ سے یہی تو حسن ہے جس پر مغربی لڑکیاں مرتی ہیں۔“
”اچھا چلیں بس، جل جل کے اوتا پ نے جلا جلا کر تو
نارہ سال گزار دیے۔“ بیگ شانے پر لٹکا کر جواد بھائی کو

باہر دھکیلتے ہوئے ہوا میں ہاتھ لہرا کر اسے خدا حافظ کہا اور
داخلی دروازے سے باہر نکل گئے۔ لاؤنچ میں سناٹا چھا گیا
اندر بچوں کے کمروں سے کارٹون کی آوازیں آ رہی تھیں ذرا

آنجل ❀ جنوری ❀ ۲۰۱۵ء 121

ساپروہ اٹھا کر باہر کی جانب دیکھا۔

اسے مینا آئی اور جواد بھائی کی ٹوک جھونک بہت اچھی لگتی تھی۔ دل کی ہوک، بنجر زمین پر کاشت کی خواہش جگا دیتی تھی اس کے وجود کی چپ بڑھ جاتی تھی۔ وہ جو رومانس کی علمبردار محبت کی قائل اور ہر چیز سے خوب صورت اور رو مینفک ماحول تلاش کر لیتی تھی اب تو زندگی سے محبت ہی ختم ہو گئی تھی اک ہوک اک درد اک آس د پیاس رہ گئی تھی۔

تنبہائی خاموشی سناٹا اس کے دل کے برقیے دروازوں کو کھول دیتا تھا۔ خاموشی سے دل کے ایوانوں میں خالی کنبندوں کے درمیان گھوما کرتی اور ہجر کے درد کو دل پر اوس کی بوندوں کی صورت میں گراتی سوچتی بہلاتی اور اپنا قصور تلاش کرتی۔



”بہت اچھی پارٹی ہے تمہیں چینیج بھی ملے گا اور تم خوش بھی ہو گئی مزہ بھی آئے گا۔“

”آپ اتنی ٹھنڈے فریادی حد کرتی ہیں آپ بھی۔“ اپنے گرد کبل لپیٹ کر صاف انکار کر دیا۔

”یہ ٹھنڈیہ موسم و بر فباری تو لندن کا مزاج ہے اور بارہ مہینے یہ سرد گرم موسم رہتا ہے اب اس موسم کی خاطر ہم اپنی گید رنگ اپنی پارٹیز چھوڑ دیں۔“ اپنا مینی کیور کرتے ہوئے آپ بیتی جاری رکھیں اور اسے اکسار ہی تھیں کسی ہونے والی ممکنہ پارٹی میں اسے لازمی جانا ہے۔

”تو جائیں آپ میرا جانا ضروری تو نہیں ہے۔“ کبل گردن تک پہنچا لیا۔

”بے شک ضروری نہیں ہے۔“ اپنی چیزیں اٹھا کر ہاتھ روم میں چلی گئیں۔

اتنی مصروفیت کے باوجود آپ آج بھی اپنا بہت خیال رکھتی تھیں شاید اسی لیے جواد بھائی چکور کی مانند چکراتے تھے۔

”مگر ہمیں تمہیں لے جانا بہت ضروری ہے آج اور آج کے دن ہر پارٹی میں جانا ہے۔“

ساتھ۔“ تو اسے ہاتھ صاف کرتی وہ باہر آ گئیں۔

”کیوں.....؟“ کبل کے اندر سے آواز آئی۔

”اس لیے کہ اب ہم نے تمہارے ہاتھ پہلے کرنے ہیں تمہارے لیے رشتہ تلاش کرنا ہے اور تمہیں رخصت کرنا ہے۔“ اس کا سانس کبل کے اندر سینے کے درمیان رک گیا۔

”اس غم کو بہلانے کے لیے چار سال کا عرصہ بہت ہوتا ہے اس کا ازالہ غم تو نہیں ہو سکتا مگر دوسری صورت ضرور ہوتی ہے مونا! اور اس دوسری صورت سے ہم فائدہ اٹھا لیتا چاہتے ہیں سن رہی ہو..... نا مونا! مینا آپ نے گھوم کر اس کا کبل پہنچ لیا۔ آنکھوں کو بازو سے چسپا بنے وہ تکیے پر آنکھیں موندے پڑی تھی۔

”مونا.....“ مینا آپ اس کے سر ہانے بیٹھ گئیں ان کی محرومی انگلیاں اس کے بالوں میں سرایت کرنے لگیں۔

”یہ ضروری ہے مونا! زندگی تنہا نہیں گزرتی اور سازی زندگی نوحہ کتاب بھی نہیں رہا جاسکتا۔ خدا بندوں پر ان کی برداشت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ ہمیں اپنی غلطیوں کا سوچ سمجھ کر کفارہ ادا کرنا ہوگا۔“ مونا کے بالوں میں سرسراہٹ ان کی انگلیاں اس کے حواس جگا رہی تھیں۔

”اتنی بڑی بات اتنی آسانی سے کر دی آپ نے۔“

”کیوں کس لیے..... زندگی میں اب رہا کیا ہے جتنو گریا یادیں..... سن رہی ہو..... نا۔“ اس کا شانہ ہلایا۔

”اٹھو جاگو..... نو سردی نو بر فباری۔“

”پلیز آپ! مجھے کہیں نہیں جانا۔“ کبل کھینچا۔

”تم نے سنا نہیں میں نے کیا کہا؟“ اس کی ٹھوڈی اٹھائی۔ گلابی آنکھیں شدت برداشت سے سرخ ہونے کو تھیں۔

”نہیں.....“ اس نے سر جھٹک کر کبل کھینچا مینا آپ نے گہرا سانس لیا۔

”تم سن بھی رہی ہو اور سمجھ بھی رہی ہو بس اب یقین بھی کر لو کہ یہ ہونا ہے۔“

”آپ.....“ مونا نے سر اٹھایا۔

دوسری شادی ہونی ہے تمہاری یہ میرا اور جواد کا فیصلہ۔“

”خفیٰ غصہ ناراضگی سب عیاں تھا دکھ غالب تھا۔“

”بے شک تمہارے ساتھ جلد بازی ہوئی مگر یہ بھی قسمت میں ہونا تھا۔ ای ابو کی وفات کے بعد تم فہد کی ذمہ داری تھیں اس نے باہر جانا تھا تمہیں چھوڑ کر یونہی نہیں جاسکتا تھا تمہاری شادی کر دی۔ بے شک وہ اس طرح سے نہیں کر سکا جواد الدین کی ذمہ داری ہوتی ہے مگر وہ اتنا بڑا بھی نہیں ہے ہم اسے کتنا قصور وار ٹھہرائیں گے۔ میں یہاں تھی عائشہ سٹریلیا میں فراز بھائی سعودیہ میں سب کچھ فہد نے کرنا تھا۔ ای ابو کی وفات پر سب موجود تھے اس لیے اتنی دور سے سب کا دوبارہ آنا ممکن نہیں تھا۔“

”آپ..... وہ دھیرے سے اٹھ بیٹھی۔“ مجھے کسی سے کوئی شکایت نہیں ہے۔“

”تو پھر زندگی کو از سر نو شروع کرنے کی تیاری کر لو۔“

”ہماری زندگی میں نہیں نہیں ہوتا ہاں اور ہوتا ہی ہوتا ہے۔ تم جانتی ہو اس بات کو تم مجھے سمجھا لو گی مگر جواد کو نہیں۔ جواد تمہارا کزن ہی نہیں بلکہ بہنوئی اور بھائی بھی ہے اس لیے تیار ہو جانا تمہارا ڈرنس ڈریسنگ روم میں لٹکا دیا ہے۔“ آپ کہتے کہتے اک دم سے فاصلی رخ اختیار کر لیتی تھیں ساتھ ہی کھڑی ہو گئیں۔ مونا انہیں جاننے دیکھتی رہ گئی۔

وہاں تھی دو بچوں کی بھلا کیسے شادی کر سکتی ہے کل کو بچے بڑے ہوں گے اس سے ضرور ملیں گے اور اگر اس نے شادی کر لی تو کیا سوچیں گے ان کی ماں نے ان کا انتظار بھی نہیں کیا اسے جبر جبری آ گئی۔

”نہیں یہ ممکن نہیں۔“ اپنے گرد کبل لپیٹ کر خود کو مضبوط کیا۔

”اگر تم تیار نہیں ہوئیں اب تک۔“ جواد بھائی اس کے کمرے میں آ گئے۔

”سردی بہت ہے جواد بھائی! میرے لیے مشکل ہوگا۔“

”آپ.....“

”ارے کوئی سردی نہیں ہے اور لندن کی سردیاں تو ادنیٰ کپڑوں کے ساتھ انجمائے کی جاتی ہیں۔ مینا.....“

مینا..... مونا کو گرم ٹوپی سوٹر کوٹ دونوں اپنے گلے کی ٹائی میں الجھے اس کی فکر میں غلطاں وہ مینا کو بلانے لگے۔

”پلیز جواد بھائی۔“ وہ اٹھ بیٹھی۔

”اس گید رنگ کا تمہیں مزا آئے گا تم بوز نہیں ہو گی تم تو جانتی ہو کہ.....“

”میں نہیں جاؤں گی۔“ ان کا دل توڑتے ہوئے اسے افسوس ہو رہا تھا ان کے ہاتھ رک گئے۔

”مونا.....“ دھیرے سے قریب آ کر ٹھہرے۔

”زندگی کو چلانے کے لیے یہ سلسلہ ضروری ہے مونا! ٹھہرے ہوئے پانی میں کائی لگ جاتی ہے بسا اٹھنے لگتی ہے اور انسان اتنا بھی فالتو نہیں ہوتا اور اگر تم انتظار کر رہی ہو کسی کا تو لا حاصل ہے۔“ وہ اس کے بیڈ کے کنارے پر کھڑے کمر پر دونوں ہاتھ رکھے کہہ رہے تھے مونا کا سر جھکا ہوا تھا۔

”کسی نے آنا ہوتا تو چھوڑ کر ہی کیوں جاتا۔“ مونا کی آنکھیں بھرا نے لگیں۔“ (میں ماں بھی تو ہوں کوئی یہ کیوں نہیں سوچتا)“

”بچے تمہارے پاس ہوتے تو بھی جینے کا سہارا ہوتا اور ہم تمہیں ہمیشہ تو اپنے پاس نہیں رکھ سکتے نا۔“ جواد بنجیدہ تھے مونا نے سر اٹھایا جواد مسکرا رہے تھے آنسو رخسار پر ڈھلک گئے۔

”چلو شاباش آ جاؤ۔“ تسلی آمیز انداز اختیار کیا اور باہر نکل گئے۔

آج کے لیے اتنا ہی لیکچر کافی تھا جواد بھائی کے اتنے خلوص پر اسے تیار ہونا ہی پڑا پر بل کھر کا سوٹ ہم رنگ خوب صورت ادنی ٹوپی دستا نے پہنے وہ بہت ہی پیاری لگ رہی تھی۔

ایک سال کی بیہوشی کوئی بیہوشی ہوتی ہے اپنے دماغ سے تاثر زائل کر دے ساتھ بھول جائے رنجیدگی کا لبادہ اتار دیتے تو آج بھی لاکھوں میں ایک تھی۔ تم عمر عین لو

عمر دس تیرہ چوبیس سال عمر ہی کیا ہوتی ہے لیکن اس کی قسمت..... مینا آپنی اس کے حسن کو سراہ کر نظر چرا کر گاڑی میں بیٹھ گئیں۔

”شکر اللہ تعالیٰ کا۔“ جواد بھائی نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر پیچھے دیکھا۔

”ہاں اللہ کا شکر کہ آج برقیاری کم ہو رہی ہے۔“ مینا باہر دیکھ رہی تھی گاہے بگاہے روٹی کے گالے آسمان سے گر رہے تھے۔ لندن کا موسم گرما برف بدلتا انداز مونا کو بہت اچھا لگا تھا۔

”میں اس لیے بھی شکر ادا کر رہا ہوں کہ آج میں بھی سانی والا بن کر نکل رہا ہوں ورنہ اس سے پہلے تو دوسروں کی خوب صورت سالیاں پیاری پیاری مندریں دیکھ کر جلتا تھا۔“ مونا نے تارنسکی سے گھورا اور پھر ان کے انداز پر ہنس دی مینا بھی ان کا ساتھ دینے لگی۔

آتش دان میں جلتی آگ جھولتی کرسی فلور کش جیتی مگر قدیم فرنیچر جگہ جگہ روشن قدیمیں گرم ماحول..... بیگم وقار النساء کا دھیمسا انداز وہ اس تقریب کی روح رواں تھیں یہ گھر ان کا ہی تھا نایاب چیزیں انکھی کر کے انہیں سجانا ان کا مشغلہ بھی تھا اور روزگار بھی۔

کئی سال پہلے وہ اور ان کے بھائی اسفندیار لندن پڑھنے کے لیے آئے تو ادھر ہی بس گئے۔ وقار النساء پھر پاکستان گئی ہی نہیں ادھر ہی شادی ہوئی مگر شوہر لاچکی تھا بن نہ سکی بچوں کو پاکستان لے کر چلا گیا مگر اب بچے بڑے ہو گئے تھے بیگم وقار النساء نے انہیں ادھر ہی بلوایا تھا۔ بیٹی کی پچھلے سال شادی کر دی تھی آسٹریلیا میں تھی اور ایک بیٹا ادھر پڑھ رہا تھا دوسرا پاکستان میں بڑا کر رہا تھا۔

مونا سحر زدہ انداز میں گھر کی خوب صورتی، خوبانہ ماحول کو دیکھ نہیں رہی بلکہ محسوس بھی کر رہی تھی۔ مینا آپنی اسے دھیرے دھیرے بتا رہی تھیں ان کے ہاتھوں میں گرم بھاپ اڑاتا کافی کا گگ تھا۔

”ہمارے دوستوں میں یہ گھر ہی سب سے بڑا ہے“

آنجل ❀ جنوری ❀ ۲۰۱۵ء 124

ہمیں دن ڈس کرنا ہو گیٹ ٹو گیدر کا پروگرام ہو کوئی چھوٹا شو کرنا ہو یا پھر کوئی اور پروگرام بیگم وقار اپنا لان دے دیتی ہیں۔ بہت زندہ دل خاتون ہیں خود بھی اپنے پروگرام ترتیب دیتی رہتی ہیں ان کا اپنا بوتیک ہے یہاں تمہیں ہر ڈیزائن ملے گا۔ بہت ہنرمند خاتون ہیں یہاں کی جدائی کو انہوں نے روک نہیں بنایا۔ مینا آپنی نے بانی کا آدھا گگ لے لے تھما دیا۔

”ان کے دوسرے شو ہر بہت اچھے ہیں ملواؤں گی تمہیں۔ ان کے شو ہر اور اسفندیار کہیں ٹور پر گئے ہوئے ہیں جہاں انہیں خبر ہو کہیں کوئی قدیم شامان موجود ہے فوراً دوڑے لگواتی ہیں ان دونوں کی ساری کی دوست سارہ بھی قریب آئیں۔“ یہاں سب کے رنج میں محبت اور انداز میں تپاک ہوتا ہے پاکستان آنے والوں سے یوں ملتے ہیں گویا کب کے پھرتے ہوئے آج کہاں آ کے ملے۔

”مینا! گھر لے کر آنا مونا کو۔“ یہ نکلتی ہی نہیں ہے آج بھی مشکل سے خوشامد نکلی ہے۔ مینا نے شرارت سے مونا کو دیکھا۔

”ارے لے نا بچوں میں دل لگ جائے گا۔“ پھر تو بالکل نہیں لاؤں گی دل لگ گیا تو بسانے کے لیے تیار نہیں ہوگی۔“ مونا نظر چرا کر بیگم وقار النساء کو دیکھنے لگی۔ خوب صورت انداز میں منسلک لہجہ محبت ان کے لہجہ اور انداز میں گنگنا رہی تھی۔ بچوں سے جدائی کا رنگ ان کے چہرے پر تھا انہیں ماں ایسی بھی ہوتی ہے کیا؟

ان کے پس منظر میں خوبانہ کی روشنی رقصاں تھی۔ مونا حقیقت میں یہاں آ کر بور نہیں ہوئی تھی اسے اچھا لگا اسے بہت مزا آیا شاید اس لیے بھی یہاں کا ماحول اسے بہت اچھا لگا اس تقریب میں کوئی بچہ نہیں تھا بچوں کی بجائے دوڑ میں قیمتی چیزیں ٹوٹنے کا ہی ڈر خود شہر رہتا ہے۔

آتش دان کے آگے رکھی چیر پر بیٹھی تو کتنے خوب

تنت کیسے اپنا رنگ بدلتی ہے اور وقار النساء نے گگ رکتے ہوئے اس تنہا دیکھی وا اس لڑکی کو دیکھا جس کے چہرے پر شعلے کے سائے درد کی صورت میں رقصاں تھے اور کوئی میٹر حیاں اترتے اترتے چونک گیا۔

گھر آ کر بھی کتنے دن تک وہ اسی سحر انگیز ماحول کا دیکھ رہی بیگم وقار النساء کی شخصیت نے اپنے حصار میں لے رکھا ان کا ماضی..... اپنے ماضی سے ملتا ہوا لگا اور ان کا حالی گہرا سانس لے کر آئیں مونا لیں..... اس کے حال سے کتنا مختلف..... کیا اس کے اندر اتنا حوصلہ اتنی ہمت ہے..... اس کا جگنو اس کی گڑیا دو آنسو آنکھوں میں گہرے گہرے۔

مینا آپنی جاب میں جواد بھائی کا آفس اور بچوں کی اسکولنگ..... سارا دن گھر خالی رہتا تھا مینا آپنی کو کنگ ٹام کو کرتی تھیں اس نے کو کنگ کرنا چاہی تو جواد بھائی نے منع کر دیا۔

”بالکل بھی ہمارے گھر کے بیلنس ٹائم کو متاثر مت کرو مینا اور وہ بٹ ہو جائے گی اور تم نے کون سا یہاں بنایا۔“

”اگر مجھے یہاں نہیں رہنا تو کہاں جانا ہے؟“ درستی سے باہر دیکھتے ہوئے شیشے کی سطح سے ناک نکادی اک ٹھنڈکی وجود میں اتر گئی۔

شادی بچے اور جدائی..... زندگی کی ساری حدیں تو پار کر لیں زندگی کے سارے موسم تو دیکھ لیے ہیں اب کیا..... کیا دیکھنا ہے زندگی میں۔ یہاں نہیں ہوئی تو ادھر پاکستان میں ہوئی کسی سرد سے کمرے میں پڑی ہوئی لائونڈری گزرنے کے لیے کسی اسکول میں نوکری کر رہی ہوئی لیکن یوں بیٹھ کر بھی زندگی نہیں گزار سکتی..... وہ دیوار سے لپک لپک آتے جاتے لوگوں کو دیکھتی بے اختیار اسی پناہ سوچنے لگی جس رخ پر مینا آپنی نہیں سوچنے دینا چاہتی تھی۔ سوچتے ہوئے ایک ہاتھ سے نم پلکوں کو چھوا اور

دوسرے ہاتھ سے درتے کاشیشہ کھول دیا بخ بستہ ہوانے اسے چھو لیا بھی فون کی بیل نے چونکا دیا۔

”ہیلو.....“

”ہیلو ہاں مینا! کیسی ہوتی؟ میں وقار النساء ہوں۔“

”سوری میں مینا نہیں ان کی چھوٹی بہن ہوں۔“

تردید کی۔

”اچھا..... اچھا مونا! آئیں تمہیں نامیرے گھر۔“

”جی۔“

”کیا کرتی رہتی ہو سارا دن۔“ بے تکلفانہ سا انداز تھا۔

”کچھ نہیں گھر کے کام۔“

”انسان کچھ نہ کرے تو ضائع ہو جاتا ہے اور اللہ نے کسی انسان کو ضائع کرنے کے لیے پیدا نہیں کیا کچھ نہ کچھ صلاحیت ہر انسان میں رکھی ہے۔“ مونا چپ سی ہو گئی۔ ”آنا پھر مینا کے ساتھ تمہارے لیے کام نکالتی ہوں۔“

”جی۔“

”ضرور آنا۔“ فون بند کرنے سے پہلے تاکید کی۔ اور مینا آپنی اور جواد بھائی بے انتہا چونک گئے کہ بیگم وقار النساء کا فون آیا تھا وہ تو اتنی مصروف ہوتی ہیں کہ انہیں سر کھجانے کی فرصت نہیں۔

”کام کرو گی ان کے لیے ان کی بوتیک پر۔“ مینا آپنی بے انتہا خوش تھیں۔

”میں کیا کام کروں گی بھلا۔“ وہ حیران ہوئی۔

”ارے اتنا بڑا گھر ہے خوب صورت قدیم امتزاج سے جڑا ہوا پھر سارے کام گھر میں ہی ہوتے ہیں۔ جیوہری کے لیے بھی کار میگر رکھے ہوئے ہیں لوگ تو ان کے گھر جانے کے لیے بہانے تلاشتے ہیں۔“

”لیکن آپنی! ہمیں کیا ضرورت ہے؟“ برتن سمیٹنے لگی۔

”مگر ہمیں ہے تمہارے لیے۔ تمہارا گھر بسانے کے لیے ان کے گھر میں رشتے بھی ملے ہوتے ہیں یا کروائے جاتے ہیں خود میں نے بھی رشتے کروائے تھے۔“ مونا ان

آنجل ❀ جنوری ❀ ۲۰۱۵ء 125

کی شکل دیکھنے لگی۔

”اس رشتہ کروانے میں میں بھی حصہ دار ہوں گا۔“
جواد بھائی افسر رہے تھے، مونا خاموشی سے باہر نکل گئی۔
زندگی میں کسی اور امتحان کی گنجائش نہیں نکلتی، ایک
طلاق یافتہ کے لیے بہتر رشتہ نہیں مل سکتا پھر ملے بھی کیوں
میری کون سی خواہش ہے۔ ذہن میں پھر سے سوچیں سر
اٹھانے لگی۔

”کل ویک اینڈ ہے تیار رہنا ان کے گھر چلیں گے۔“
اندر سے بیٹا آئی کی آواز بلند ہوئی، اس نے سنی ان سنی کر دی
مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

اگلے دن اسے کاسنی کپڑوں میں ملبوس کروا کر لے کر
ہی نکلیں، بیگم وقار النساء بڑے تپاک سے ملیں۔

انہیں مونا بہت اچھی لگی تھی اس کے دکھ نے انہیں غم
زدہ کر دیا تھا اتنی عمر اور ایسا صبر انسان غم و دکھ ملنے پر صبر نہ
کرے تو کیا کرے مقابلے کی ہمت ہی نہیں ہوتی۔

”بیٹا بتا رہی تھیں کہ تم فارغ رہتی ہو پاکستان سے جو
آئی ہو پاکستان میں زیادہ تر لوگ فارغ رہتے ہیں مگر یہ
مغرب ہے اور یہاں یہ ممکن نہیں۔“ ان کا انداز بہت
دوستانہ اپنائیت لیے ہوئے تھا۔ کوئی اتنا بھی مکمل ہوتا ہے
مونا انہیں سوچے گئی۔

”م بھی میں تمہیں بطور نگران رکھ رہی ہوں، دراصل
میری ہوم سیکرٹری پاکستان گئی ہوئی ہے اور میں باہر کے کام
دیکھوں یا گھر ایک پروگرام بھی منعقد کرتا ہے، کرو لگی نا؟“
”ہاں ہاں کر لے گی کرے گی کیوں نہیں چھ ماہ تک
آرام بھی تو کیا ہے۔“ جواد بھائی چھیڑ رہے تھے۔

اور انکار کی گنجائش اس کے پاس بھی نہیں تھی وقار النساء
نے اسے بہت متاثر کیا تھا اسے تصوراتی ماحول میں رہنا
وقت گزارنا اسے اچھا لگتا تھا بیگم وقار النساء کی ضرورت
سے زیادہ تو بیٹا آئی اور جواد بھائی کی خوشی اہم لگ رہی تھی۔
”واہ بھی واہ تمہارے تو مزے ہو گئے لگی بندھی
نو کر لی گئی۔“

”مگر بیٹا آئی مجھے کام کیا کرنا ہوگا۔“

”فی الحال بطور نگران آہستہ آہستہ کام بھی

جائیں گی۔“



”آج تو تم اس شلووار قمیص اور اس لمبے سے دوپٹے
کے ساتھ گزارہ کر لو مگر کل سے ہرگز انہیں مت پہننا
تمہیں جینز کے ساتھ کرتے اسکارف لادوں گی لاڈل
کوٹ استعمال کر لینا۔“ بیٹا آئی اسے تیار کرتے ہوئے
ہدایت دے رہی تھیں۔

”یہاں تمہیں اسی طرح سے رہنا ہوگا، تم ایزی ل
کر دو گی۔“ اب وہ اس کا ہلکا سا میک اپ کرنے لگیں۔

”پلیز آئی! مجھے یہ پسند نہیں ہے۔“ ہاتھ روکا۔
”تمہیں کیا پسند ہے اور کیا نہیں اب یہ ہمیں پوچھنا
تمہیں نہیں۔“ اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔ ”اور یہ بال کچھ
رہنے دو۔“

”مغرب کا حسن تو تم دیکھ ہی رہی ہو مگر کشش مشرق
کے حسن میں ہے۔“ وہ اس کے لمبے سیاہ چمکیلے بالوں میں
محبت سے برش کر رہی تھیں۔ ”اور میں چاہتی ہوں کہ کوئی
ان زلفوں کا شکار ہو جائے۔“

”ہا ہا ہا.....“ وہ جھٹکے سے مڑی اور برش لے کر بال
اور کلپ کر لیے۔ وہ ایک نظر آئی پر ڈال کر بیگ میں لپیٹ
چیزیں رکھنے لگی۔
”اب تمہیں ڈرائیونگ بھی سیکھنی ہوگی۔“ بیٹا آئی
اسے چھوڑنے جا رہی تھیں اور ساتھ ہی ہدایت بھی دے
رہی تھیں۔

”میں بس سے جایا کروں گی۔“
”بس روٹ دور ہے۔“ وہ مہارت سے ڈرائیونگ
کر رہی تھیں۔

”میں ان سڑکوں پر ڈرائیونگ ناممکن.....“
”دنیا میں کچھ بھی ناممکن نہیں ہوتا مونا اور لندن کی
سڑکوں پر تو کچھ بھی نہیں اور تم اپنی زندگی میں سے ناممکن
باتیں نکال دو ایک نئی زندگی تمہاری منتظر ہے۔“ انہوں نے

بیگم وقار النساء کے طلسماتی محل کے آگے گاڑی کھڑی
کر دی۔ اس کا سفر ادھر تک کا ہی ہے۔ ”مجھے بار بار پہنچنا ہے
کلائنٹ کھڑی ہوں گی شام میں میں یا جواد تمہیں یک
کر لیں گے۔“ انہوں نے اس کی سائیڈ کا دروازہ کھول کر
اترنے کا سگنل دیا وہ ہکا بکارہ گئی۔

”اتر و بھئی گیٹ کی بیل بجاؤ چوکیدار آئے گا وہ تمہیں
بیگم وقار النساء تک پہنچا دے گا۔“

”مگر.....“ اس کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے بریلے
ہونے لگے ایک کچی نے اپنے حصار میں لے لیا۔

”آئی پلیز۔“
”جاؤ کچھ نہیں ہوتا۔“

”اندر تک ساتھ چلیں پہلا دن ہے۔“
”اچھا آج آخری مرتبہ آئندہ مت کہنا۔“ وہ گاڑی
سے اتریں بھائی اس کا ہاتھ پکڑا اتنی دیر میں گیٹ کھل
گیا۔ اس کا ہاتھ تھامے اندر بڑھ گئیں بیگم وقار کے سامنے
جا کر کھڑی ہو گئیں۔ اس نے نچل سے ہاتھ بچھ لیا۔

”آپ کے پاس ہے اس کو اعتماد حوصلہ امید دیں کہ
یہ ایک مکمل لڑکی بن جائے۔ میں چلتی ہوں، مونا! رات
بچھوٹ کر دینا میں آ جاؤں گی۔“

”اس کی تم فکر مت کرو میرا ڈرائیور چھوڑ دے گا۔“
”اے اے اس سے بہتر کیا بات ہو سکتی ہے۔“ پلٹ کر
دروازہ سے منہ نکالا اور روپوش ہو گئیں۔

”بیٹھو۔“ وہ بیٹھ گئی۔ ”بیٹا بہت اچھی لڑکی ہے اس کی
مکمل میں کوئی بور نہیں ہوتا۔“

”جی۔“ اس نے ارد گرد کا جائزہ لیا۔
”یہ ان کا آفس تھا بہت خوب صورت سجا ہوا اس سے
زیادہ خوب صورت مسکان تھی جس نے ان کے شکر نی
ہونوں کا احاطہ کیا ہوا تھا۔“

”اس عورت کو اپنے بچے یاد نہیں آتے۔“ کتنا نازک
خیال دل کو چھو گیا، گڑ بڑا کر سیدھی ہوئی۔

”بہنیں لوگوں کو دیکھ کر احساس ہوتا ہے کہ یہ ہمارے
لیے کتنے موزوں رہیں گے۔“ وہ گویا ہو گئیں۔

”جی.....“ میں سمجھی نہیں۔

”اپنائیت کا احساس ہوتا ہے اور تمہیں بھی یہاں تنہائی
کا احساس نہیں ہوگا۔“ بولتے بولتے تسنہل گئیں۔
”تمہیں لندن کیسا لگا؟“ سرخ قلم ان کے ہاتھوں
میں تھا۔

”ایک دم ٹھنڈا بریلہ اور بھگیا ہوا۔“
”وہ نہیں.....“ بیوہ کے آنکھ کے آنسو کی طرح۔“ میں
ان کی شکل دیکھنے لگی۔

”نہیں.....“ اس کی بوندوں کی طرح۔“
”یہ گرم بھی بہت ہے۔“

”ہوں.....“ آئی بتا رہی تھیں ابھی مجھے اندازہ
نہیں ہے۔“

”ہو جائے گا اندازہ۔“
وہ کرشل کے نازک سے گھوڑے تھے جوان کی مضبوط
سیاہ ٹیبل کے شیشے کی سطح پر بھاگنے کی کوشش کر رہے تھے۔

بیگم وقار نے قلم کی ضرب سے اس ڈائل کو گھما دیا، گھوڑے
دھیرے دھیرے ایک دوسرے کے پیچھے دوڑنے لگے ان
پر لگے بال دھیرے دھیرے لہرانے لگے اک خوب
صورت منظر.....!

”گھوڑے کی پینٹنگ ہمیشہ سے میری کمزوری تھی۔“
”کتنا خوب صورت منظر ہے نا۔“

”جی۔“ میں مسکرا دی۔
”گھوڑے مجھے بہت پسند ہیں مضبوط توانا اور خوب
صورت۔“ میں ان کی شکل دیکھنے لگی۔

”میرے پاس فارم ہاؤس بھی ہے میں بہت اچھی تو
نہیں مگر اتنی بڑی بھی سوار نہیں ہوں۔“

”آپ کی اردو بہت اچھی ہے۔“
”میری سندھی عربی پنجابی برٹش اور انگلش بھی بہت
اچھی ہے۔“ میں حیران ہوئی۔ ”دراصل میری درک شاپ
اور اسٹور پر ہر طرح کے لوگ آتے ہیں ان کے ساتھ ان کی
زبان میں بات کرو تو وہ اپنائیت محسوس کرتے ہیں۔ آخر ہم
دیباغیہ میں رہتے ہیں۔“ وہ مسکرائی۔ ”اور اپنائیت ہم زبانی

سے بھی ہوتی ہے اور یہاں ہر زبان کا شخص ملے گا۔ اگر تمہیں یہاں رہنا ہے تو یہ ہنر آنا ہوگا۔ وہ گاہے بگاہے گریس فل انداز میں مجھ پر نگاہ ڈال رہی تھیں۔

جانے کیوں مجھے لگا وہ میرا جائزہ لے رہی ہیں مجھے سمجھ رہی ہیں۔ وہ ایسا کر سکتی تھیں آخر انہوں نے مجھے ملازمت دینی تھی۔

”اگر یہاں مستقل رہنے کا ارادہ ہے تو تعلیم ضروری جاری رکھنا، تعلیم فرض میں معاون ثابت ہوتی ہے۔“ میں نے گہرا سانس لے کر سر جھکا کر اپنی ہتھیلیوں کو دیکھا۔

”ہاں شاید مگر اب یہ ممکن کہاں اب تو بس زندگی گزارنی ہے جہد مسلسل کی طرح تاکہ وہ گڑیا جگنو یاد نہ آئیں جو لکھ لکھ میری زندگی کو ہلاتے رہتے ہیں۔ میں کیسی بدنصیب ماں ہوں۔“ وہ اپنے خیال میں غرق تھی اور کوئی اسے پرہیز نہ کرتا تھا۔

”اب تمہیں ہر کام کا جائزہ لینا ہے وہ بیان رکھنا ہوگا ورکرز پر نظر رکھنا ہوگی۔ یہاں کے ماحول کو سمجھنا ہوگا، کلاسٹڈ سے کیسے بات کرتے ہیں اور آرڈر وغیرہ

بک کرنے ہوں گے۔“

”جی.....“ مودب ہو گئی۔

”تمہیں بیٹا نے بتایا ہوگا میں تمہاروں پر شادی کی تقریب کے لحاظ سے یا کسی اور ایونٹ پر کیمرپ وغیرہ بھی لگوائی ہوں اس کی تیاری بھی کروانی ہوں۔“

”جی۔“ میں نے خیالوں کو جھٹک دیا جبکہ وہ کھڑی ہو گئیں۔

”آؤ میں تمہیں ورکشاپ تمہارے آفس اور شاپس کا وزٹ کروادوں۔“ میں نے ان کی تھلید کی۔

”جب میں شروع شروع میں لندن آئی تھی تو بالکل تمہارے جیسی تھی۔“ میں نے راہداری میں چلتے ہوئے انہیں دیکھا۔

”میری جیسی.....“ وہ تو میرا الٹ تھیں خوب صورت دراز قد سنہری بال شفاف رنگت تراشا ہوا سراپا اور پاورفل اور میں سیدھی ساوی لمبی ی چٹیا خاموش چپ..... ان کی

ہیل کی ٹک ٹک کوریڈور میں گونج رہی تھی۔

”میں آج بھی ویسی ہی ہوں۔“ ذرا سا میری جانور جھکیں ایک آنکھ دہائی اور شرارت سے ہونٹ دبا کر شرارتی سے انداز میں ہنس دیں۔ ”یہ روپ یہ سنگھار تو میرے کاروبار کی ڈیمانڈ میرے شوہر گردیزی کی خواہش ہے۔“

سیاہ اسکرٹ بلاؤز سرخ اسکارف ہمہ رنگ بلاؤز کے سرخ بنوں کے ساتھ ان پر بہت بیچ رہا تھا۔

یہ عورت کبھی مجھ جیسی تھی..... میں بے یقین تھی۔ انہوں نے ایک کمرے کا دروازہ کھولی دیا وسیع و عریض ہال تھا۔ مختلف رومز بنے ہوئے تھے وہاں مختلف کام ہو رہے تھے۔

یہاں مختلف آرڈرز مکمل ہوتے ہیں سب ورکرز ہمارے ہی ہوتے ہیں زیادہ تر ایشین ہی نوکری کرتے ہیں۔“ جن نے ہمیں دیکھا انہوں نے ہاتھ اٹھا کر میڈیم کو سلام کیا ہاتھ ہلا کر وہ پلٹ آئیں۔

”آہستہ آہستہ تم سیکھو گی یہاں کیا کام ہوتے ہیں۔ آگے چلے گئیں باہر کی جانب شاہیں میں گفٹس آئیٹم فلاور شاہیں بک اسٹال انٹیریئر ڈیکوریشن اور الالا بلا.....“ انہوں نے اشارہ سے بتایا۔

”کل میں تمہیں دکھاؤں گی ابھی ایک کام مجھے یاد آ گیا ہے۔ تمہیں تمہارا آفس دکھاؤں آج تم آفس دیکھو آرام کرو۔ لیپ ٹاپ استعمال کرو اور ہاٹ ٹی سے لطف اندوز ہو۔“ اپنے پاکٹ سے سیل نکال کر نمبر پیش کرنے لگیں اب وہ جلدی جلدی چل رہی تھیں۔

”میرے آفس کے برابر میں تمہارا آفس ہوگا۔ شام کو اگر میں نہ آسکی تو میرا ڈرائیور تمہیں چھوڑ آئے گا۔“ ڈرائیونگ یہاں کی سڑکیں خالی گاڑی ڈرائیور عجیب حزن میرے اندر سرایت کر گیا۔

”نہیں میڈم! میں آپ کی فون کروں گی۔“ انہوں نے سر گھما کر مجھے دیکھا اور پھر سیل کالوں سے لگایا۔ میں ان کے اشارے پر بیٹھنے کی دیواروں والے کمرے میں داخل ہو گئی وہ تیزی سے انگش میں محکوم تھیں۔

128

آنجل جنوری

129

آنجل جنوری

128

آنجل جنوری

129

آنجل جنوری

128

آنجل جنوری

129

آنجل جنوری

128

آنجل جنوری

129

آنجل جنوری

128

آنجل جنوری

میں شرمندہ سی ادھر ادھر دیکھ رہی تھی لب ٹاپ کھلاتھا اسے استعمال کرنا نہیں آتا تھا۔ اتنی لچل انگش آف..... میری پیشانی بھینگنے لگی انگش میگزین ہائے اللہ۔

چمکتا ہوا چوڑی اسکرین کا موبائل روبا لونگ جیسر سیاہ سرڈیل پر رکھا سنہری فون کلینڈر ڈائری قلم دان۔

”اوکے میں چلتی ہوں مونا! آج تم صرف جائزہ لو کسی چیز کی ضرورت ہو تو یہ نیل بجا دینا۔“ وہ غجلت میں تھیں۔ ”وراصل مجھے ضروری کام یاد آ گیا ورنہ آج میرا ارادہ تمہارے ساتھ تمام دن گزارنے کا تھا۔“ وہ میرے سامنے ٹھہریں۔

”تم مجھے بہت اچھی لگی ہو۔“ دھیرے سے میرا رخسار چھوا۔ جانے کیوں مجھ ان کے اندر متا کا سا احساس ہوا۔

”نک ٹک کرتی باہر چلی گئیں۔ ماحول میں سناٹا چھا گیا میں جیسر پرزھے گئی پرسکون شفاف اور ساکن سناٹا جیسے کوئی بھی اس ماحول کا حصہ نہ ہو..... ایک عجیب سا سکون تھا جو ٹھہر گیا تھا نشست سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔

”میں یہاں ایڈجسٹ ہو جاؤں گی مجھے تو کچھ تا بھی نہیں ہے۔ سب سے پہلی بات کہ انگش اتنی ہائی..... آف! تنگی آہٹ ہوئی اک لڑکا مگ ٹرنے میں رکھے اندر آ گیا۔

”کچھ اور تو نہیں چاہیے۔“ شستہ صاف اردو۔

”نہیں۔“ میں نے انکار میں سر ہلا دیا لڑکا باہر نکل گیا۔

”گزارا ہو جائے گا۔“ دل کو طمینان سا ہوا اور مگ اٹھا لیا ہاتھ تھی قطرہ قطرہ گرمائی وجود میں اترنے لگی۔

شکر ہے تم نے آمادگی ظاہر کی ورنہ میں سمجھی تھی آج پہلا دن ہی آخری ہوگا۔ رات کلیننگ کرتے ہوئی آپلی ہس رہی تھیں۔

”ہاں میری مرضی کے مطابق کام نہ ہوا تو چھوڑ بھی سکتی ہوں۔“ کنبل اپنے اوپر کھینچتے ہوئے اتر آئی۔

”واہ..... واہ..... واہ!“ جواد بھائی اندر آ گئے۔

128

آنجل جنوری

129

آنجل جنوری

128

آنجل جنوری

129

آنجل جنوری

128

آنجل جنوری

129

آنجل جنوری

128

آنجل جنوری

129

”جیسے مالکہ یہی ہوں۔“ مونا ٹچل سی ہو گئی۔

”ارے دلچسپی کا اتنا سامان ہے وہاں کہ نہ پوچھو بندے کا دل لگے گا ہی اور بات دل کی ہوتی ہے دل لگنا چاہیے۔“

”دل.....“ دھکتی رگ پر انہوں نے ہاتھ رکھ دیا۔

بس دل کو ہی تو بہلاتا ہے کسی طرف اور لگاتا ہے دل جوا نسو تھا دل جوا ہ بن گیا تھا دل جو سنہیل نہیں رہا تھا۔ گہرا ٹھہرا ہوا سانس نو سے کی طرح دل سے نکلا۔

”یہ تمہاری نئی زندگی کی ابتدا ہے۔“

”نئی زندگی.....“ بیٹا آپلی کی جانب دیکھا وہ اپنے کام میں مصروف تھیں انہیں اپنی اسکرین کا بہت خیال رہتا تھا۔

”نہیں۔“ دھیرے سے لگاہ چرائی انہیں دوسروں کا بھی بہت خیال رہتا تھا۔

”اور میرے لیے بھی کوئی آفر ہو تو دیکھنا۔“ جواد بھائی اپنی رو میں تھے۔

”کیوں.....؟“ بیٹا آپلی کا وارنگ بھرا انداز۔

”بیوی کچھ تو خیال کرو۔“ مسکین سی صورت بتائی۔

”مثلاً کس قسم کی آفر۔“ دلچسپی سے جواد بھائی کی مسکین سی صورت کو دیکھا۔

”کوئی جاب کی..... کسی گوری کے لیے اور.....“

”اور یہ کہ.....“ بیٹا آپلی نے کشن ان کی جانب اچھالا بڑی مہارت سے کچ کیا۔

”تمہاری بہن نے تو.....“ جواد بھائی اپنی رو میں تھے۔ یہ انداز تکلم یہ شرارتی لمحے میری زندگی میں نہیں آئے تھے میں نے لگاہ چرائی۔

بیٹا آپلی دوسرا کشن اچھال رہی تھیں جواد بھائی باہر بھاگے جواب میں بیٹا آپلی پیچھے مڑ کر بھاگیں میں نے کنبل منہ تک کھینچ لیا اور مڑ کر ماضی میں جھانکا..... بہار کا کوئی جھونکا میری زندگی میں نہیں آیا آمد بہار کا انتظار کرتی رہی اور خزاں نے زیست پر سیرا کر لیا اور خزاں بھی ایسی کہ جو ہر آن خشک پتیوں کا ڈھیر لگانی جا رہی تھی ارد گرد۔ یہ جواد بھائی اور بیٹا آپلی تھیں جو میرے اندر

زندگی کی رتق پیدا کر رہی تھیں..... آنکھیں موند کر میں
نے دھتی رگ پر ہاتھ رکھا اور قطرہ قطرہ دکھ میری
آنکھوں میں جمع ہونے لگا۔



جواب بہت اچھی تھی زندگی کو مصروفیت مل گئی۔ بیگم وقار
کا حلقہ احباب بے حد وسیع تھا بے حد مصروف زندگی تھی
شاید زندگی سے فرار خود کو بہلانا اسی کو کہتے ہیں۔ شیشے کی
دیوار کے باہر دیکھتے ہوئے سوچتی مگر نہیں آہستہ آہستہ یہ
بہید کھلا۔

یہ مصروفیت ان کے نام کا حصہ تھی وہ بے حد مصروف
سوشل بزنس وومن تھیں وہ ماضی میں نہیں جیتی تھیں میری
طرح۔ وہ حال کا حصہ تھیں وہ حال میں جیتی تھیں اس مقام
تک آنے میں ان کو کتنا عرصہ لگا ہوگا۔ میں ماہ و سال کا
حساب لکھیوں پر کرنے کی کوشش کرتی کسی زمانے میں وہ
میرے جیسی تھیں۔

اپنے کمرے میں درپچے کے پاس کھڑے ہو کر شیشے
کی سطح سے سرنگا کر باہر دیکھتے ہوئے میں سوچتی اور مجھے
اس مقام تک آنے میں اتنی ہی عرصہ لگے گا میرے دل کا
کوٹا سکڑنے لگتا۔ میرا زخم تازہ تھا وہ میرے جگر گوشتے
میرے خون میرے جسم کا حصہ رہے تھے ممتا کا لمس میرا
جگر نوچنے لگے۔

میں نے ان کو چھوا بھی نہیں تھا آنکھیں جلنے لگیں اور
گلہ رندھنے لگا۔ باہر سورج نکلا ہوا تھا چمکتی برف پر سورج
کی شعاعیں پڑ رہی تھیں ہر ذی روح باہر تھی۔ ہلکی ہلکی
برف پگھل رہی تھی موسم بدل رہا تھا شاید..... مگر میرے
اندر کا موسم..... گہرا سانس لیا۔ بیرونی دنیا میں کتنی ہی
بتدی آجائے میرا اندرون پن ایسے ہی رہے گا یاد رفتگان
میں جتلا۔

”مونا..... مونا.....“ پینا آپی آوازیں دیتی اوپر آگئیں
مجھے سنبھلنے کا موقع بھی نہیں ملا۔

”تم.....“ مجھے یوں گم صدم کھڑا دیکھ کر چونکیں۔ ”پھر تم
نے یادوں کے گھوڑے پاکستان کی سرحدوں پر ڈال

دیئے۔ آج سڈے ہے اپنے کپڑے دھو لو میں کچن میں
ہوں۔ شام کا ڈنک کارو گرام ہے تیاری کر لو۔“
”آپی.....“ میں کھڑکی سے ہٹ گئی۔

”ہمیں زندگی کو چلانا چاہیے ورنہ زندگی ساکت و جامد
ہو جائے گی۔ ساکت پانی میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے اور
خالی درو دیوار پر جالے لگ جاتے ہیں۔ تمہارے سامنے
بیگم وقار النساء کی زندہ مثال ہے زندگی کو احساس کرنے
والوں کے لیے قربان کیا جاسکتا ہے۔“ میری سستی کے
جواب میں آپی کا لپچر شروع ہو گیا۔

کہاں میں کہاں وہ..... ایک خوش قسمت باکمال
خاتون اور میں سیاہ بخت.....

”اتنی خود سری اچھی نہیں ہوتی مونا!“ بولتے بولتے
آپی نے بستر صاف کر دیا، میبلے کپڑے سیٹ کر باسکٹ
میں ڈال لیے۔ ”ذرا سی کوشش سے ہمیں اک بہتر انسان
مل سکتا ہے۔“

”نہیں آپی! مجھے بار بار اس چیز کا احساس مت
دلائیں میری زندگی میں بہتر شخص کی گنجائش نہیں نکلتی نہ
سہی۔“ پینا آپی کے انداز میں بے پروائی تھی جاتے
جاتے پیچھے مڑ کر دیکھا۔

”وہ خود ہی نکال لے گا تم تیار رہو۔“ آپی کا منہ
کسی کو خاطر میں نہیں لاتی تھیں کاش بھائی کی جگہ آپی
میرے ساتھ ہوتی تو یوں زندگی خوار اور رائیگاں نہ جانی۔
میں کھڑی ہو گئی بحث فضول تھی انکار یعنی انجی جوار
بھائی آجاتے پھر بچے پیچھے لگ جاتے جاتے ہی بنتی۔



”ہیں ڈے کیئر.....“ میں تو چونک ہی گئی اور سامنے
کھڑی بے زاری شکل بنائے حبیبہ کو دیکھا۔

”یہاں ڈے کیئر بھی ہے؟“ میں حیران تھی۔

”ہاں اس میں حیران ہونے والی کون سی بات ہے؟“
حبیبہ التاج حیران ہوئی۔

”یہاں اس علاقہ میں زیادہ تر عورتیں جاب کرتی ہیں
بچے بھی ہیں وہ اسی طرح توازن برقرار رکھتی ہیں کام اور

بچوں میں۔ یہاں چھوڑ جاتی ہیں آفس سے آتے ہوئے
لے جاتی ہیں۔“

”بچہ.....“ میں نے دل پر ہاتھ رکھا میری آنکھیں
چمکنے لگیں۔ ”یہ تو بہت مزے کا کام ہے۔“

”مزے کا.....“ وہ چل رہی تھی۔ ”تو کل سے تم کر لو۔“
وہ فائیکس میں سر کھپا رہی تھی۔

”مجھے معلوم ہی نہیں تھا یہاں ڈے کیئر ہے میں ضرور
آتی آفس ورک سے زیادہ مجھے یہ کام اچھا لگتا ہے آؤ چھینچ
کر لیتے ہیں۔“ میں بے چینی ہوئی۔

”مونا یا سان ہے نہ ہماری مرضی ہے میڈم دونوں کو
نکلا دیں گی۔“ وہ کھڑی ہو گئی۔

”اچھا میں بات کر کے دیکھوں گی۔“

”میرا نام مست لینا۔“ وہ جاتے جاتے مڑی اور پھر اس
کے سارا انداز پر ہنس دی۔

”نچے سے بچے میرے.....؟“ میں ہلک اٹھی
میرے بازو سمٹ کر میرے سینے سے لگ گئے عالم تصور
میں اپنے بچوں کو چومنے لگی ہاں اسی طرح سے شاید
گئے دنوں کا سدباب ہو۔

اگلے دن میں بے چینی سے میڈم کا انتظار کر رہی تھی مگر
بوسا رہی نہیں آئیں اگلے چند دن وہ ذاتی مصروفیت میں
انجھی رہیں فون پر بات کرنا مناسب نہ لگا۔ میڈم مجھ پر
بے حد اعتبار کرنے لگی تھیں میری ڈیوٹی مگر اس کی تھیں اور
میں بہت انداز سے یہ کام کر رہی تھی۔ اس روز میں روم روم
گھومتی ہائزہ لیتی دوسری جانب آنکلی۔

میری تلاش ڈے کیئر تھی دل کے ہاتھوں مجبور تھی تبھی
مجھے حبیبہ نظر آئی پر ام میں ایک بچے کو لے کر گھوم رہی تھی
بچہ کسٹل رور ہاتھ نہا منہ محض آٹھ دن ماہ کا ہوگا۔

بچے کو گود میں لیتی تو شاید وہ چپ ہو جاتا مگر وہ محض
پر ام گھوم رہی تھی کھلونا بجا رہی تھی بچہ رور کر رہا تھا حال ہو رہا
تھا۔ اس کے منہ میں فیڈر ڈال رہی تھی بالکل انارزی پن کا
مظاہرہ بچے کا درو تکلیف محبت کوئی احساس اس کے
ہاتھ سے پر نہ تھا۔

”حبیبہ.....“ میں قریب چلی گئی۔ ”کیا ہوا کیوں رورہا
ہے؟“ ترحم نگاہوں سے اسے دیکھا۔

”جانے کیا مصیبت ہے ایسا اڑیل ہے چپ ہی نہیں
ہوتا۔“ میں نے جھک کر اسے گود میں اٹھالیا شانے سے لگا
کر کمر سہلائی۔

”بچہ محبت کی زبان سمجھتا ہے محبت کا لمس محسوس کرتا
ہے۔“ میں نے اس کا چہرہ صاف کیا بچہ ضد میں آیا ہوا تھا۔
میں ماں ضرور بنی تھی مگر میری آغوش میں میرے بچے نہیں
کھیلے تھے میں ادھوری ماں تھی۔

بچہ بے حد خوب صورت تھا میں اسے بہلا رہی تھی
چپ کر رہی تھی مجھے خود بخود بہلانا آ گیا میری ہانہیں
اسے جھولا جھلانے لگیں۔ بچہ رور کر تھک چکا تھا غنودگی
میں جانے لگا آنکھیں متورم تھیں سسکیاں لینے لگا۔

”اس کی ماں کب آئے گی؟“ میں نے شانے
سے لگایا۔

”اس کی ماں نہیں آتی باپ ہے مگر کاروباری
مصروفیت شام میں یہ بچہ اندر چلا جاتا ہے اندر کے لیے
میڈے الگ سے۔“

”کسی خاص آدمی کا ہوگا؟“ میں پوچھنے لگی۔

”ہاں نہیں۔“ بے زاری سے بچہ پوچھنے لگی۔

”یہاں یہ سب چلتا ہے بچے کو لے کر کسی کے کام
نہیں رکھتے۔“

”کسی امیر آدمی کا ہوگا جو یہاں کا فل خرچہ
برداشت کر سکے۔“

”ہاں.....“

میرے کاندھے سے لگ کر بچہ سو گیا میں دھیرے
دھیرے کھل کر اسے سکون دینے لگی مجھے یوں لگا میرا جگنو
اور گڑیا میرے سینے میں سما گئے ہوں۔ ممتا کی پیاس
امٹنے لگی میری پلکیں بھیگ گئیں۔

”اسے احتیاط سے یہاں لانا دو۔“

”جاگ جائے گا۔“ میں نے بچے کو ہانہوں میں
سامنے کیا بچہ پوچھنے لگا اور فیڈر اٹھا کر دھیرے سے اس کے

منہ سے لگا دیا، بچہ چلا، منہ بسورا سسکی نکلی پھر آہستہ آہستہ پینے لگا۔

”پتا نہیں کیا بات ہے مونا! یہ بچہ مجھ سے نہیں سنبھلتا۔ اتنا ضدی اتنا اڑیل ہو جاتا ہے کہ بس میری ضرورت نہ ہوتی تو میں کب کا چھوڑ کر جا چکی ہوتی۔“

”آئندہ جب بھی ایسا ہو مجھے بلوالینا مجھے بچے سنبھالنے خوب آتے ہیں۔“ مجھے اپنے لہجے میں اپنے چہرے پر ممتا کا لمس محسوس ہو رہا تھا۔

”کتنے بچوں کو پالنے کا تجربہ ہے؟“ وہ ہنس رہی تھی میں نے اس کی جانب دیکھا۔

”دو.....“

”کہاں ہیں وہ بچے؟“

”اپنے باپ کے پاس۔“

”اور تم.....؟“

”انہیں میری نہیں صرف بچوں کی ضرورت تھی میں وہاں اکیلی تھی پھر مجھے آپ نے یہاں بلوالیا۔“

”تمہارا شوہر..... بچے.....“ حبیبہ حیران تھی۔

”طلاق کے بعد میرا کسی پر کوئی حق نہیں تھا۔“ میری آنکھیں جلنے لگیں۔ بچہ مکمل طور پر گہری نیند میں تھا میں نے اسے پر ام میں لٹا دیا۔

”جاوید اب کافی دیر تک سوتا رہے گا۔“ حبیبہ نے میری جانب دیکھا اور پھر کھڑی ہو گئی۔

”تھینک یو۔“

”میں بچے کو دیکھے گئی۔“ حبیبہ پر ام لے گئی میں آنچل سے بھیگی پلکیں صاف کرنے لگی۔ میرے جیسے محروم تنہا کتنے ہوں گے میں اندر جانے کے لیے کھڑی ہو گئی۔

ہزاروں..... لاتعداد..... مجھ سے بھی زیادہ دکھ تکلیف میں مبتلا جیسے یہ بچہ..... میں نے چلتے چلتے ڈے کیس کی جانب دیکھا۔ مجھے اپنا دکھ کم لگنے لگا میرے اندر برداشت حوصلہ صبر تھا جبکہ یہ بچہ..... میری آنکھیں نم ہونے لگیں اور پھر

میں اپنے آفس کی جانب چلی آئی اندر داخل ہوتے ہوئے چوٹی میڈیم کلاس میں۔

”آپ.....؟“

”تم کہاں تھیں؟“ فائلیس دیکھتے ہوئے انہوں نے مجھ کو دیکھا۔

”میں حبیبہ کی طرف اچانک ہی وزٹ کرتے ہوئے چلی گئی تھی۔“ میں جیسے پر بیٹھ گئی۔

”اچھا لگا وہاں جا کر۔“

”جی۔“

”اگر میں ادھر ہی کام کرنا چاہوں تو.....؟“ میڈم کا ہاتھ رک گیا وہ مجھ کو دیکھنے لگیں۔

”مجھے تمہارے متعلق بیٹانے بتایا تھا تم ان بچوں میں خود کو بہلانا چاہتی ہو یہ مسئلہ کا حل نہیں ہے۔“

”میرا کوئی مسئلہ نہیں ہے میڈم! بس مجھے اچھا لگے گا ان میں رہ کر۔“

”یہاں پہنچاتے جاتے رہتے ہیں۔“

”جی..... میں سمجھتی نہیں۔“

”ان میں دل بہلا لوگی تو زندگی کا مقصد کیسے پاؤ گی۔“

”زندگی کا مقصد.....؟“

”یعنی کہ تم نے ابھی تک سوچا ہی نہیں کہ تم نے زندگی میں کیا کرنا ہے۔“ میں نے سر جھٹکا لیا۔ میری زندگی کا مقصد کیا تھا مجھے ابھی تک یہ ہی سمجھ نہیں آیا تھا۔

”مونا..... زندگی ہمیں یونہی نہیں ملی کہ اسے بے کار فضولیات کی نذر کر دیا جائے۔“ یکدم ہی میری آنکھیں چمکنے لگیں۔

”کسی بھی دکھ تکلیف غم کی اگر مستقل پرورش کی جائے تو وہ ناسور بن جاتا ہے۔ ناسور وجود کی زمین کا دیمک ہے اور زندگی بہت قیمتی اثاثہ ہے اس کی قدر کرنا چاہیے۔“

”میں معصوم بے سہارا بچوں کے لیے کام کرنا چاہتی ہوں آپ کے ساتھ مل کر۔“ میں نے بے ساختہ کہا۔

”اچھی طرح سے سوچ لو یہ بہت جان جوکھوں کا کام ہے۔ مونا.....“ انہوں نے دھیرے سے پیپر روٹ کاغذ پر

لکھایا۔ اپنی زندگی میں سادی لٹرائیڈ درجہ دو معیار

بھی ہومر کے تحفظ کے بغیر عورت ادھوری ہے زندگی یونہی نہیں گزاری جاتی۔“

”شاید یہ کام میں اب دوبارہ نہ کر سکوں۔“ میرا لہجہ قطعی تھا۔

”ہاں مشکل ہے ناممکن نہیں۔“ مسکرا کر مجھ کو دیکھا۔

”جو ہمیں چھوڑ چکا ہے اس کی یاد میں غرق ہو کر زندگی نہیں تباہ کرنی چاہیے۔“

”اور وہ معصوم بچے جو کبھی نہ کبھی تو مجھ سے آ کر ملیں گے انہیں کیا جواب دوں گی؟“ میری آنکھیں بھرا آئیں دل ہر دقت اس کے سمندر میں بھیگا رہتا تھا۔

”اس کی جواب دہ تم نہیں ہو تمہارا شوہر ہوگا سزا اس نے سناٹی تم اپنی زندگی بیاباں کی نذر نہیں کر سکتی۔“ میں نے سر جھٹکا لیا سیل فون بجنے لگا آپ کی کال تھی تبھی دروازہ کھلا

اور شیشے کا در کھول کر کوئی اندر آ گیا بغیر اجازت کے۔

”آؤ..... آؤ.....“ بیگم وقار کا چہرہ کھل گیا۔ میں نے دھیرے سے سیل کان سے لگا لیا، مینا آپ کی ہدایت نامہ سنا رہی تھیں۔

آنے والے کی نظروں کے ارتکاز پر میں نے سر اٹھایا، بڑی حیرت بھری فرصت سے مجھے دیکھا جا رہا تھا فون بند ہو گیا۔

”مونا! یہ افراسیاب میرا بیٹا..... افراسیاب یہ میری بیٹی کو لیک۔“ میں نے سر کے اشارے سے سلام کیا اور

خواتوا سیل فون چیک کرنے لگی۔

”تم کب آئے؟ کام ہوا؟ کتنے پیسے لائے..... ارے بیٹو تو سیدھے ادھر ہی آ رہے ہو..... گھر سے فریش ہو کر آئے ہو؟“

”آرام سہاٹی! وہ بیٹھ گئے میں کھڑی ہو گئی۔“

”مونا! ذرا کچھ بھجوا دینا کسی سے کہہ کر۔“

”جی۔“ میں باہر نکل آئی ارتکاز نظر برقرار محسوس ہوا۔ معصوم جانے کب سے یہاں ہیں مگر پاکستانی عادات نہیں چھوڑی نظر بازی کی۔

”ہیں..... تم نے دیکھا کیسا ہے افراسیاب۔“ مینا آپ کی لہجے میں اشتیاق تھا میں حیران ہوئی۔

”یار.....“ جواد بھائی لاؤنج میں آ گئے۔ ”ہوگا وہی دو ہاتھ پیر والا بن مانس۔“

”جواد.....“ آپ نے انہیں گھورا۔ ”بچوں کی ارد و خراب کرنا ہے بن مانس نہیں بھلے مانس ہوتا ہے۔“

”وہی..... وہی.....“ شرارت سے ہنسنے لگا۔

”اور تمہیں کیا پنچائیت ہے۔“ انہوں نے ریموٹ اٹھا لیا۔

”ہائے کسی بھی ویل آف ایجوکیڈ ویل میگزین ویل ڈریس شخص کو دیکھنا کیسا لگتا ہے جواد آپ کو نہیں پتا؟“

”ویل میگزین.....“ مونا عالم تحریر میں تحلیل ہونے لگی (وہ تو پاکستانی مرد تھا نظر باز)۔

”دنیا میں کوئی شخص تو مکمل ہے نا۔“ مینا آپ کی کہے جا رہی تھیں۔

”تو اپنے لیے ہوگا تم کیوں خود تری میں مبتلا ہو۔“ جواد بھائی چھینٹنے سے باز نہیں آ رہے تھے۔

”جواد.....“ مینا آپ نے گھورا۔

”میں ایمان لایا تمہاری بات پر۔“ جواد نے ڈرنے کی ایکٹنگ کی میں بھی ہنس دی۔

”مونا کو یہ نوک جھونک، تکرار، ٹکراؤ، جان بوجھ کر ستانا اور پھر ماننا، بہت اچھا لگتا تھا۔ شادی کے بعد ایسی زندگی کا خواب میں نے دیکھا تھا ایسی زندگی مجھے مل بھی جاتی

اگر..... اگر ان لوگوں کی پلاننگ نہ ہوتی انہیں بچہ چاہیے تھا مونا نہیں اور محبت کیسے مجھے چاہ سکتے تھے جب کہ ان کی چاہت موجود تھی۔

مونا اپنی کم نصیبی پر شاکی تھی دھیرے سے مینا آپ کی اور جواد بھائی کو الجھتا چھوڑ کر بچوں کی طرف آ گئی۔ اندر

جانے کس بات پر بحث و تکرار جاری تھی میں نے قابل توجہ نہیں جانا۔



اب میں اتر حبیبہ کی طرف نکلی حبیبہ سے وہ بچہ

سنجھتا ہی نہیں تھا حبیبہ اسے میرے حوالے کر کے موبائل سے کھیلنے لگتی۔ ڈیڑھ دو سال کا یہ بچہ میرے اندر سارہا تھا میرا جگنو بننے لگا گڑیا کا لٹکا میری متا کو قرار آنے لگتا۔ میرا دل نہیں چاہتا کیا اسے گود سے اتاروں، میڈم کی اجازت سے میں ادھر آتی تھی تاہم میں لان سے بھی اندر نہیں گئی۔ اس روز میں ایان سے ملی تو اسے بخار ہو رہا تھا نڈھال تھا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

”اسے دوا دی۔“ فکری مندی سے پوچھا۔

”ہاں روئے جا رہا ہے۔“

”ظاہر ہے بچہ ہے بیمار ہے ماں کو ڈھونڈ رہا ہے۔“

”اب میں ماں تو بننے سے رہی۔“ بے زاری حبیبہ نے سر جھٹکا۔

”حبیبہ.....“ میں نے ایان کو اپنی آغوش میں سنبھال کر اسے سنجیدگی سے دیکھا۔ ”تم اپنے کام سے اتنی بے زار ہو تو کیوں کام کر رہی ہو؟“

”یار اتنی اسہارت تنخواہ ہے تو کیا حرج ہے برداشت کرنے میں۔“ شانے اچکا کر بے نیازی سے کہا۔

”اگر کام میں خلوص شامل کر لیا جائے تو اجر زیادہ ملتا ہے اور ان بن ماں کے بچوں سے جتنی زیادہ محبت کرو گی ثواب اتنا ہی ملے گا۔“ میں نے ایان کے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

”میں آئی.....“ وہ ایک دم موبائل لے کر اندر بھاگی

میں سگی بچ پر بیٹھ گئی۔ بچہ میری گود میں یوں مطمئن سا سو رہا تھا جیسے میں اس کی ماں ہوں بخار کی بے قراری کو بھی قرار

تھا۔ میں دیر سے دیر سے اسے تھکنے لگی۔

میری گود میں میرا جگنو سلیا گڑیا میرے شانے سے آگئی میری آنکھ نم ہو گئی۔ بعض گھاؤ ساری عمر نہیں

بھرتے میرا دل سک رہا تھا۔ صبر آ بھی جاتا ہے صبر کیا بھی جاتا ہے مگر شاید میرے لیے دونوں ہی چیزیں مفقود

تھیں..... ایان کو میں نے بے خودی سے اپنی آغوش میں بھر لیا اک قرار سا تر نے لگا۔ اس بات سے بے پروا تھی

کوئی مجھے دیکھ سکتا ہے تو دیکھ لے ایک بچے کو بیمار کر رہی تھی

میں گن تھی۔

اگلے دن میں آفس پہنچ کر حبیبہ کے پورشن کی جانچ

بھاگی مجھے ایان کی طبیعت کا پوچھنا تھی اسے گود میں لین

تھا۔ حبیبہ اسے لے کر کھل رہی تھی اس کے چہرے کی بے

زاری ہنوز قائم تھی بچے کی طبیعت بہتر تھی اس کا چہرہ اترا ہوا

تھا میں نے گود میں لیا ایان میرے شانے سے لگا لگا۔

”اس کی ماں کو آج بھی آفس جانا تھا۔“

”اس کی ماں نہیں ہے۔“ حبیبہ موبائل میں گم تھی میں

اس کی شکل دیکھنے لگی۔

”اور باپ.....“

”باپ کا تو پیدائش سے پہلے ہی انتقال ہو گیا تھا۔“

میں سگی بچ پر بیٹھ رہی تھی ایان میری گود میں لیٹا تھا۔

”ارے اتنی حیران مت ہو یہاں قدم قدم پر بہت

سے ایسے کیس ملیں گے فرق صرف اتنا ہے کچھ کا نصیب

اس بچے جیسا ہوتا ہے اور کچھ بچے زمانے کے سرد گرم نہیں

رل رل کر مل جاتے ہیں۔ زندگی ہے تو سبز بھی جاری رہتا

ہے۔“ حبیبہ کا انداز سرسری تھا وہ ماں نہیں بنی تھی نا۔

”کیا تم جانتی ہو کہ متا کا دکھ کیا ہوتا ہے؟“ میں

وہیرے دھیرے ایان کے سنہری بالوں سے کھیلنے لگی تھی

منی انگلیوں میں میری گھڑی کا اسٹریپ تھا بے

قراری اور شانتی میرے دل میں ترازو ہو رہی تھی۔

کھانا کھاتے ہوئے میں نے ایان کے متعلق بتایا

کتنا اکیلا اور تنہا تھا۔

”ہوں۔“ جواد بھائی پلاؤ سے انصاف کر رہے تھے۔

”بیگم وقار کیسی ہیں؟“ مینا آپی بچوں کو سرد کر رہی تھیں

میں نے بھنڈی اور ماش کی دال پلیٹ میں ڈالی۔

”ٹھیک ہیں۔“

”اور ان کا بیٹا؟“ اپنے لیے کھانا ڈال کر بیٹھیں۔

”مجھے کیا معلوم؟“

”اور کیا اسے کیا معلوم؟ تم اس کی کیس ہسٹری میں کتنی

دلچسپی رکھتی ہو مگر نہ سالی صاحبہ پوری فائل ہی تیار کر

لائیں۔“ جواد بھائی چھیڑنے سے باز نہیں آئے۔

”آپ تو جانتے ہیں مجھ سے۔“

”تم سے تو جانتا ہوں مگر جب جب تم تک سک سے

جوار ہوتی ہو اور.....“

”جواد۔“ آپی نے سرزنش کی۔

”بیت تم سر جھاڑ منہ پھاڑ رہتی ہو تم سے کیا جلا

جائے۔“ جواد بھائی بات مکمل کر کے سانس لیتے تھے۔

”سنا مجھے بھی اپنے دوست سے ملو نا۔“ جواد بھائی

میری جانب متوجہ ہوئے۔

”دوست.....“ میرا نوالہ اٹکا۔

”نئی دہی جس کی وجہ سے تمہارا وہاں دل لگ گیا ہے

مگر تو تم نے مہینہ کیا ہفتہ بھی نہیں نکلتا تھا۔“ جواد بھائی کہہ

رہے تھے میں انہیں دیکھ رہی تھی کتنی غلط سوچ تھی۔

”جواد..... مونا ایسی نہیں ہے۔“ مینا آپی کو بھی برا لگا۔

”یہ ایسی ہی ہے اگر نہیں ہے تو یہاں لندن سے آتی

ہواؤں نے کر دیا ہے آخر انسان کو دل بھلانا ہوتا ہے اور

مونا بھی انسان ہے فرشتہ نہیں۔ اس کو بھی اپنی مرضی سے

زندگی گزارنے کا حق ہے اور مونا.....“ انہوں نے بات

کرنا کرتے میری جانب دیکھا۔ ”میری فکر مت کرنا

مجھے ملے گی نہیں لگا۔“

”مگر مجھے بہت برا لگا ہے۔“ میں نے ہاتھ روک لیا۔

”آپ مجھے ایسا سمجھتے ہیں مجھے دکھ ہوا۔“

”لکھ۔“ وہ سنجیدہ تھا۔

”جواد.....“ مینا آپی بھی سنجیدہ تھیں۔

”میں نے خود بتایا ہے پوچھ لو اگر نہیں جھوٹا ہوں تمہاری

جان کا قسم.....“ میں ہکا بکا بیٹھ رہی تھی۔

”کب.....“ بچے بیٹھے کی جانب متوجہ تھے۔

”میں انہیں لگی۔“ اگر یہ مذاق تھا تو بہت برا تھا۔“

”ارے ارے کہاں چلیں تم نے خود نہیں بتایا مجھے کہ

ایان سے تمہارا دل لگ گیا ہے تو وہ تمہارا دوست ہونا۔“

جواد بھائی نے میرا ہاتھ پکڑ کر بٹھایا۔

”جواد.....“ آپی نے چچہ اٹھایا۔ میں رو دی میرا کتنا

خون خشک ہوا تھا۔

”اپنی سوچ کو بڑا کرو پختہ کرو۔ بھلا بہنوں سے ایسے

مذاق کرتا ہے کوئی میں تو شرارت کر رہا تھا۔ تم بڑا اٹل کھاؤ

اور بتاؤ تمہارا دوست کیسا ہے جو تمہیں آنے نہیں دیتا۔“

میری آنکھیں بھرا نے لگیں کیسا مذاق تھا۔

”بہت بُرے ہیں آپ جواد۔“ مینا آپی نے سر جھٹکا۔

”بھئی تو تم میرے ساتھ ہو۔“ چچہ بھر کر ٹرائفل منہ میں

ڈالا۔ اس سے پہلے وہ مینا آپی کے منہ سے کچھ سنتے دوسرا

چچہ ان کے منہ میں ڈال دیا۔ بچے کھلکھلانے لگے میں بھی

ہنس دی۔

”سچ بتاؤ میں غلط کہہ رہا تھا۔“ میں نے انکار میں سر

ہلا دیا میری آنکھیں بھرا نے لگیں۔

”دیکھا میں کتنا سچ بولتا ہوں۔“ جواد بھائی چپکے۔

”مونا.....“ لیکن صاف کرتے ہوئے انہوں نے

مجھے دیکھا۔

”جی۔“

”وہاں ڈے کیڑ بھی ہے ہزاروں بچے ہیں۔ بعض بن

ماں باپ کے ہم کسی کے دکھ کا مداوا نہیں کر سکتے وہاں دل

مت لگا لیتا۔ ہم نے تمہیں تمہاری شادی کے لیے بلایا ہے

یہ فریضہ جلد ادا کرنا ہے تم اس بات کا خیال رکھنا۔“ ڈسٹر اور

پلیٹ میرے ہاتھ میں رکھی رہ گئی۔

”یہ مشیت ایزدی ہے اور اسی میں غور کی بقا اور

تحفظ ہے۔ جواد کا مذاق اپنی جگہ مگر وہ تمہارا ہے لیے فکر

مند رہتے ہیں۔“ وہ مونا کے سامنے آئیں۔ ”اپنے

ذہن و دل کی سلیٹ کو صاف کر لو۔ گزرا ہوا وقت واپس

نہیں آتا گزرے ہوئے وقت کے ساتھ ٹھہرا نہیں

جاسکتا۔“ آپی باہر چلی گئیں میں برتن کی بھینٹ کے ریک

میں رکھ کر اندر آ گئی۔

”جس کام کے لیے دل راضی نہ ہو وہ کام میں کیسے

کر سکتی ہوں شادی ناممکن..... خود کو تیار کر بھی لوں تو

میری اہمیت مفقود حوصلہ پست اور اعتماد تاراج تھا اور شادی

کے لیے ان قیمتی چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ لا حاصل زندگی سے بہتر ہے حاصل پر قناعت کر لوں۔ میں نے درتچے کے پردے کھینچ دیئے باہر گہری رات کے سائے پھیل رہے تھے سامنے اسٹریٹ لیمپ جل رہے تھے سامنے دلازمیں ایک بوڑھا انگریزا اپنے گھر کی چوکھٹ پر بیٹھا تھا اس کے قریب ہی کافی کا گگ رکھا تھا۔ کسی گہری سوچ میں غرق تھا سب کے اپنے اپنے دکھ تھے میں نے پردے گرا دیئے۔

میرا دکھ..... فضا میں کافور کی خوشبو پھیلنے لگی لندن کی سردی مجھے کافی اچھی لگی تھی ابھی جواد بھائی مجھے واڑ دیتے میں نے خود کو فریش کیا اور باہر کی جانب قدم بڑھانے لگی۔

”جیب.....“ صبح میں نے ایان کو پیار کرتے ہوئے جیب کو دیکھا۔ ”تم تو کہہ رہی تھیں کہ اس کا باپ اسے چھوڑ کر جاتا ہے کل تم نے کہا کہ اس کے ماں باپ دونوں نہیں ہیں۔“

”ہاں اس کے ماں باپ نہیں ہیں جس آدمی کے ساتھ رہتا ہے وہ اس کا دادا ہے میں نے بھی اسے نہیں دیکھا جب میں ڈیوٹی پر آتی ہوں تو یہ موجود ہوتا ہے۔“ وہ موبائل پر لگی ہوئی تھی۔

”صرف اس بچے کی دیکھ بھال کرتی ہو۔“

”ہاں اس کی تین گورنس ہیں ایک صبح کی ایک شام کی ایک رات کی۔“

”اچھا.....“ میرے دل کو اطمینان سا ہوا میں ایان سے کھیلنے لگی وہ بھی مجھ سے مانوس ہو گیا تھا۔

اس روز میں آفس آئی تو میڈم موجود تھیں۔

”اسلام علیکم!“ آج بہت دنوں بعد انہیں دیکھا تھا تک سب سے تیار براؤن شیڈ کے ساتھ وائٹ جیلری بہت بھلی لگ رہی تھی انہوں نے پیپر ورک کرنے کے لیے کچھ فائلیں دیں۔

”آج کل بہت مصروف ہو دو کام ایک ساتھ کر رہی ہو۔“ مسکرا کر مجھ کو دیکھا۔

”جی۔“

”اپنا کام کر کے بھاگ بھاگ اندر بھاگتی ہو۔“ انہوں نے ہاتھ روک لیا میں شرمندہ سی ہوئی۔

”تمہارا کام مکمل ہوتا ہے مونا!“

”مگر یہ طریقہ ٹھیک نہیں ہے مونا! میں نے مجھ پر اعتراض کیا ہے بہت اچھی لگتی ہے وہ چارمنگ سی لیڈی، تم جیب سے ڈیوٹی بھی بدلتا چاہتی ہو۔“ میں ان کی جانب دیکھنے لگی وہ میری جانب متوجہ تھیں۔

”تم اپنا کیئریر بناؤ اگر میں تمہیں ادھر بھیج بھی دوں تو تمہاری صلاحیتوں کے ساتھ نا انصافی ہوگی شاید تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ تم کتنی ذہین ہو یہ گورنس کی جانب تمہیں زیب نہیں دیتی۔“

”مجھے وہ بچہ اچھا لگتا ہے۔“ میں نے سر جھکا لیا۔

”تم اس بچے کو اپنا عادی مت بناؤ کہ پچھڑتا مشکل ہو جائے۔“ میں ان کی شکل دیکھنے لگی۔ وہ سنجیدہ تھیں۔

”دیر سے دیر سے پیپر ورک گھما رہی تھیں۔“

”ڈے کیئر میں ہر دوسرا بچہ ایسا ہے ہر کسی پر متاعین نچھاور کر سکتے ادیت ہمارا مقصد ہونا چاہیے۔“ جیبی وردار کھلا اور وہ قدر اور شخصیت انداز لگتی۔

”آئیے گردیزی!“

”دیکھتے میں اپنے وقت پر موجود ہوں آپ ابھی تک مصروف ہیں۔“ شوخ سا انداز دلجو۔

”یہ مصروفیت تو کام کا حصہ ہے بیٹھیں کافی منگوائی ہوں۔“

”کافی راستے میں میں شام شاول فارم ہاؤس میں گزرتا چاہتا ہوں۔ افراسیاب گاڑی میں موجود ہے چلو جلدی۔“

”او کے..... او کے۔“ وہ کھڑی ہو گئیں۔

”اور کسی کو لینا ہے۔“ وہ شرارت سے ہنس رہے تھے۔

”جی نہیں۔“

”یہ گریس فل سی لیڈی کون ہیں؟“ میری جانب متوجہ ہوئے۔

”مونا ہے بہت اچھی اور مختاری ہے۔“

”اوہ واؤ..... چارمنگ۔“ ان کا انداز بے ساختہ تھا۔

”سبنا کل ہال کی صفائی کروا دینا خصوصاً آتش دان کی کل رات ڈنر ہے وہاں۔“

”جی۔“

”کچھ ہینک چیزوں کے پیکٹ آئے ہیں وہ بھی لکھوا کر پھیل پر رکھوا دینا صفائی کا خاص خیال رکھنا۔ کل آف آف ہے مگر میں مینا کو کہہ دیتی ہوں بلکہ تم دونوں سنیں آ جانا۔“

”جی۔“

”اور ڈنر میں تم لوگ بھی انوائٹ ہو۔“ میں مسکرا کر چپ ہو گئی۔

”جینے میڈم!“ موصوف کے انداز میں پیار تھا۔

میں ان شاندار سے کپل کو دیکھتی رہ گئی گریس ڈینٹ اور چارمنگ ایک مکمل فمیلی۔ آج میں نے میڈم کے دوسرے شوہر دیکھے تھے اگر انہوں نے مجھے بتایا نہ ہوتا تو میں پینل کے گمان میں رہتی۔ کیا کوئی اتنا خوش نصیب ہو سکتا ہے جس نے بے یقین تھی اتنی مطمئن۔

”آقا حیران مت ہوا کرو۔“ مینا آپی نے میرا رخسار چھو لیا۔

”جیرے دھیرے جاننے لگو گی تو ہمارا کیا بھی بُرا نہیں لگے گا۔“ بیگم وقار ایک پریکٹیکل خاتون ہیں اس نے غلط فیصلوں سے بیکھتی ہیں انہیں دل سے نہیں لگا کر رکھتیں تمہاری طرف۔“ دل اور مثال ساتھ ساتھ دے رہی تھیں

میں مینا کو تنقید رہی۔

”دنیا بول ہے پچھڑے ہوئے ضرور ملتے ہیں انہوں نے بچوں کو اپنی زندگی کی رکاوٹ نہیں بنایا۔ ماں ہیں آنسو بھی گرتے ہوں گے تنہائی میں روئی بھی ہوں گی مگر خود کو مضبوط کرنے کے لیے انہوں نے اپنے قدموں کو نہیں

”دنیا بول ہے پچھڑے ہوئے ضرور ملتے ہیں انہوں نے بچوں کو اپنی زندگی کی رکاوٹ نہیں بنایا۔ ماں ہیں آنسو بھی گرتے ہوں گے تنہائی میں روئی بھی ہوں گی مگر خود کو مضبوط کرنے کے لیے انہوں نے اپنے قدموں کو نہیں

روکا۔ زندگی سے اپنا حق اپنی محبت سے وصول کیا دیکھو آج کتنی قابل ہیں ہر چیز ان کے قدموں میں ہیں اور وہ پہلا مرد جو ان کی زندگی میں آیا انہیں قابل اعتبار سمجھا اور اپنے بچوں کو بھی انہیں طلاق دے کر واپس لے گیا۔ آج اسی کے بچے ان کے پاس ہیں شادی کی ہے مینی کی بیٹی ماں کا دم بھرتے ہیں۔ دوسرے شوہر جان چھڑکتے ہیں ان کے دونوں بچوں کو سنبھالا ان کی شادیاں کیں خود ان کا ایک بیٹا ہے۔“ میں منہ کھولے سن رہی تھی۔

”ملال کی ان کی زندگی میں جگہ نہیں وہ زندگی کے پل پل سے رس کشیدنا جانتی ہیں۔ انہیں ماتم اور آنسوؤں سے نفرت ہے وہ کہتی ہیں زندگی انسان کو ایک بار ملتی ہے ہمیں اسے ضائع کرنے کا حق نہیں ہے۔“ آپلی مجھے بتا رہی تھیں سمجھا رہی تھیں۔ میں چپ چاپ سن رہی تھی اب آپلی بچوں کے لیے میٹھا بنا رہی تھیں۔

”زندگی میں مٹھاس نہ ہو تو ہر چیز ادھوری ہوتی ہے مونا! اور میں چاہتی ہوں تم اپنی زندگی میں رنگ و خوشبو بادل اور خوشیوں کے ساتھ مٹھاس بھی شامل کرو۔ اپنی زندگی سے نہیں تو دوسروں کی زندگی سے سبق سیکھو۔“ انہوں نے دھیرے سے میرے شانے پر ہاتھ رکھ دیئے میں بس بیٹھی رہی۔ گویا میرے اندر جوش دیولہ ہی ختم ہو گیا تھا میں تو بس زندگی کے دن پورے کر رہی تھی۔

”میں چاہتی ہوں مونا کہ تم زندگی کو ایسے جیو کہ زندگی کو تم پر رشک آئے خوشیاں آپ چل کر تمہارے دروازے پر آئیں۔ اور ان شاء اللہ ایسا ہوگا اور میں اس خبیث آدمی کو یہ بتا دینا چاہتی ہوں کہ میری بہن اتنی بُری نہیں تھی جتنا بُرا سلوک تم نے اس کے ساتھ کیا میں تمہیں دنیا کی خوش نصیب عورت بنا دوں گی۔“ انہوں نے میری پیشانی چوم لی اور میں بس ان کی محبت و چاہت محسوس کر رہی تھی۔

آفس جا کر میں سب سے پہلے جیب کی طرف گئی لان دیران تھا۔ میں اندر کی جانب بڑھ گئی راہداری عبور کر کے سامنے شیشے کا دروازہ کھول کر اندر چلی آئی۔ میرے سامنے

آفس جا کر میں سب سے پہلے جیب کی طرف گئی لان دیران تھا۔ میں اندر کی جانب بڑھ گئی راہداری عبور کر کے سامنے شیشے کا دروازہ کھول کر اندر چلی آئی۔ میرے سامنے

آفس جا کر میں سب سے پہلے جیب کی طرف گئی لان دیران تھا۔ میں اندر کی جانب بڑھ گئی راہداری عبور کر کے سامنے شیشے کا دروازہ کھول کر اندر چلی آئی۔ میرے سامنے

آفس جا کر میں سب سے پہلے جیب کی طرف گئی لان دیران تھا۔ میں اندر کی جانب بڑھ گئی راہداری عبور کر کے سامنے شیشے کا دروازہ کھول کر اندر چلی آئی۔ میرے سامنے

دس بارہ بچے تھے میڈ انہیں دیکھ رہی تھیں۔ کچھ بچے سو رہے تھے کچھ رو رہے تھے کچھ کھیل رہے تھے ان میں ایان نہیں تھا۔

”اُپنی خیر! اس کی طبیعت ٹھیک ہو۔“ میں نے دھڑکتے دل سے اطراف میں نگاہ کی حبیبہ بھی نہیں تھی۔

”حبیبہ کہاں ہوگی؟“ میں نے ایک میڈ سے پوچھا۔

”معلوم نہیں آج نہیں آئی۔“

”اور وہ بچہ ایان.....“ میں بے چین ہوئی اس بچے کو تو آنا چاہیے تھا۔

”وہ کبھی نہیں آیا۔“ لکھ ماروالا انداز تھا میں نے بے چین دل کو لیے باہر آگئی۔

سارا دن میرا بے چین گزرا ایان کا خیال تار ہا۔ میڈم بھی فارم سے نہیں آئی تھیں میں ہال کمرے میں آگئی ملازم کے ساتھ مل کر جھاڑ پونجھ کی کچھ ترتیب بدلی آتش دان کی صفائی کروائی ماحول میں عجیب سی فکٹسی تھی میں نے درپچوں کے سارے مہین پر دے کھینچ دیئے روشنی اندر آنے لگی اور باکس کھلوا کر ٹینک پیس ٹیمبل پر سیٹ کروا دیئے فضا میں ہلکی ہلکی ٹھنڈک تھی موسم تبدیل ہو رہا تھا۔ نم سی فضا میں مجھے یہ سب کرنا بے حیا جھا لگ رہا تھا کچھ دیر کے لیے ایان کا احساس بھول گئی تھی۔ شام تک میڈم کی فیملی واپس نہیں آئی تھی میں گھر آگئی۔ سب لاؤنج میں جمع ٹیلی ویژن پر کوئی سادی دیکھ رہے تھے۔

”آؤ سالی جی.....“ جواد بھائی کا موڈ خوشگوار تھا۔

”لگتا ہے مونا! باہر بر فباری ہو رہی ہے۔“

”ہیں..... نہیں تو۔“

”مگر تمہارے کوٹ پر یہ ننھے منے ذرے ہیں برف کے۔“ میں نے خود پر نگاہ کی ردی کے گالے ایسے چپکے تھے۔

”شاید میں نے غور نہیں کیا۔“ کوٹ اتار کر ریک پر لگا یا۔

”جاؤ کافی بنا کر لے آؤ۔“

”اچھا۔“ میں کچن کی جانب مڑی۔

”کیا ہے جواد! ابھی تو پی ہے اور وہ ابھی آئی ہے آفس سے۔“

”باہر ٹھنڈ ہے بیٹا! اسے بھی کافی کی طلب ہو رہی ہوگی اور کافی جتنی بار بھی بیو مزہ دیتی ہے۔“ میں مسکرا کر لگ نکالنے لگی جواد بھائی کا بھائیوں والا انداز بیٹا آپ کی ممتا..... میں خوش اور مطمئن تھی اپنی اس زندگی سے۔ کبک اور مق میرے دل میں تھی اب کوشش کرتی تھی کہ اس کی جھلک بھی میرے چہرے پر نظر نہ آئے۔ میں ان دونوں کا اداس نہیں کرنا چاہتی تھی۔

صبح میں آفس گئی میڈم آچکی تھیں۔ میرے پاس اس کا فون آیا کس آج میں آفس نہیں آ رہی میرے پوتے کو ٹھنڈ لگ گئی ہے میں اسے میڈ کے حوالے نہیں کر سکتی تھی ذرا دیکھ لیتا۔

”پوتا.....“ میں تو حیران رہ گئی۔ ”میڈم نے ذکر نہیں کیا تھا ہاں کبھی ذکر بھی نہیں آیا تھا۔“ میں کام میں مصروف ہو گئی۔

درمیان میں میں نے لان اور پھر ڈے کیسز کا چکر لگایا حبیبہ بھی نہ ایان..... حبیبہ چلی گئی ایان کیوں نہیں آیا۔ واپسی پر میں گول ستون کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔ لان کے اطراف میں نگاہ کی سورج کہیں دور چھپا ہوا تھا بادل بہت نیچے آئے ہوئے ڈھلتی شام کا منظر پیش کر رہے تھے ایک بریلی سی ٹھنڈک ہر سو پھیلی تھی۔ ایان کی طبیعت ٹھیک ہو جانے اب میں اسے دیکھ بھی سکوں گی یا نہیں۔ میرے دل میں ہوک سی اٹھی میں نے اندر کی جانب قدم بڑھا دیئے دھیان اس معصوم بچے میں الٹا ہوا تھا جسے گود میں لے کر میں جگنو کو یاد کر لی تھی میری گریبا میرے شانے سے لگ جاتی تھی۔ ہاتھ باندھ کر مین نے دائیں شانے کو مسلا اور آگے چلتے ہوئے راہداری مڑتے میں کسی سے ٹکراتے ٹکراتے پچی سر اٹھایا۔

”ایم سوری میڈم! میں جلدی میں تھا۔“ میرے سامنے میڈم کے نظر باز بیٹے کھڑے تھے۔

”جی.....“ میں سائیڈ پر ہو گئی مجھے دیکھتا وہ عجلت بھرے انداز میں اندر کی جانب بڑھ گیا میں نے آفس کی جانب قدم بڑھا دیئے۔

”آپ! میڈم کے پوتے کی طبیعت خراب ہے، میں اسے دیکھنے جانا چاہیے۔“ شام کو میں نے آپ سے کہا۔

”پوتا.....“ وہ چونکیں۔ ”ہاں ضرور ان کا بیٹا پاکستان آ گیا ہوگا۔“

”معلوم نہیں میں نے کبھی پوچھا نہیں دو دن سے آفس نہیں آ رہی تو فون آیا تھا۔“

”چلو اس وقت چلتے ہیں دن میں تو ہم لوگ مصروف ہوتے ہیں۔“

”اس وقت.....؟“ میں حیران ہوئی۔ ”باہر بر فباری ہو رہی ہے۔“

”اوہ.....“ بیٹا آپ کی کھڑی ہو گئیں۔ ”بر فباری یہاں کی رو میں کا حصہ ہے ہم اس کی وجہ سے کوئی کام روکتے نہیں اور کل زیادہ ہو گئی تو رکنہ پر مسکتا ہے۔ جاؤ فریش ہو کر آ جاؤ۔“ اور ان کی تیاری اور جوش دیکھ کر مجھے اٹھنا پڑا اور خصوصی تیاری کے ساتھ اگلے ایک گھنٹے میں میڈم وقار النساء کے ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے۔

”شکر ہے بچے کی طبیعت بہتر ہے فارم ہاؤس میں اس کی طبیعت خراب ہو گئی تھی۔ میڈ نے ذرا اس کا خیال نہیں رکھا ٹھنڈ لگا دی اسے خصوصی طور پر اپنے بچے کے لیے رکھا تھا۔“ میڈم کا چہرہ اترا ہوا تھا تو لہجہ بھیگا ہوا۔

”وہ دن ہسپتال میں رہا ہے کبلا کر رہ گیا۔“ لہجہ محبت سے بڑھا۔ ”میں نے تو سارے کام روک دیئے دل ہی نہیں چاہتا۔“

”اس کی ماں کہاں ہے؟“ بیٹا آپ نے پوچھا میں محض سی رہی تھی۔

”ماں پیدائش کے وقت مر گئی میرا بچہ تو اپنے بچے کا مرنے نہیں دیکھ سکا۔ پیدائش سے دو ماہ پہلے ہی درندوں نے است مار دیا۔“ وہ آبدیدہ لہجے میں بتا رہی تھیں۔ دکھ

تاسف ہمدردی سے ہم لوگ سن رہے تھے ننھا سا بچہ کتنا اکیلا تھا بالکل ایان کی طرح وہ معلوم نہیں کہاں ہوگا میرا دل دھڑکا۔

”آؤ بیٹا! میں تمہیں اپنے پوتے سے ملواؤں۔“ میڈم اٹھ گئیں۔ ہم ان کے پیچھے پیچھے اندر بڑھتے گئے بہت بڑا قدیم و جدید طرز کی آمیزش لیے بے حد خوب صورت گھر تھا جگہ جگہ خوب صورت ڈیکوریشن پس بینکنگز لگی تھیں مکین کے اعلیٰ ذوق کا نتیجہ تھیں۔

ہم ان کے پیچھے روم میں داخل ہوئے جہازی سائز بیڈ کے برابر میں کاٹ پڑا تھا۔ بچہ کبل میں لیٹا سو رہا تھا میڈم کاٹ میں جھکی بچے کو دیکھ رہی تھیں بیٹا آپ کے انداز میں محبت و رنجی تھی میں ذرا آگے ہوئی اور..... اور بچے پر نگاہ پڑتے ہی ساکت ہو گئی۔

”ایان..... ایان.....“ زرد چہرہ سرخ ہونٹ سپید رنگت میں پیلاہٹ بھورے بال پیشانی پر بکھرے تھے۔ سفید ٹیڈی بیر کا کان ایان کی ٹانگی میں تھا۔

”ایان.....“ میں بے قراری سے دوسری جانب سے آ کر کاٹ پر جھکی اس کے سر پر ہاتھ پھیرا منہ رخسار بند مٹھی کو سہلایا۔ میرا دل چاہا کہ ایان کو اٹھاؤں اور بازوؤں میں بھر لوں۔ میں ایسا کر بھی لیتی مگر وہ سو رہا تھا محض آرام اور طبیعت کے خیال سے جذبول پر بندھ باندھ لیا وہ لوگ جانے لگیں۔

”میں ذرا ادھر ہی رکوں گی آپ!“

”مونا یہ سو رہا ہے۔“ آپ نے آنکھوں سے اشارہ کیا۔

”میں اسے ڈسٹرب نہیں کروں گی۔“ میرا انداز ملتی سا تھا۔

”اوکے ویسے بھی اس کے اٹھنے کا ٹائم ہو رہا ہے، ہم بھی ادھر ہی بیٹھ جاتے ہیں۔“ بیٹا آپ! اور میڈم صوفے پر بیٹھ گئیں۔

میں بیڈ کے کنارے پرٹک گئی ایان کو دیکھ گئی میں اس قسم کے لیے فکر مند ہو رہی تھی اور وہ میرے کتنا

قریب تھا میری آنکھوں سے آنسو نکل پڑے، قلبی تعلق بندھ گیا تھا اس معصوم سے۔ مڑ کر دیکھا میڈم اور اپنی باہر جارہی تھی لمحہ بھر کو بھڑک کر دیکھا اٹھ کر کاکٹ پر جھکی دوسرے لمحے ایان میری بے قرار ہانپوں میں تھا اور قطرہ قطرہ تسکین میرے وجود میں اترنے لگی۔ آنسو خود بخود تسبیح کے دانے بن گئے ایان میری گود میں کسمار ہاتھ مگر رویا نہیں۔

اس کا سر میرے شانے سے لگ گیا میں نے اس کے رخسار پر اپنا بھگوار رخسار رکھ دیا اپنے بچوں سے بچھڑ کر یوں پہلی بار میں کسی بچے کو دیکھ کر بے قرار ہوئی تھی کسی بچے کو یوں آغوش میں لے کر پیار کیا تھا۔ مگر نہ اس سے پہلے تو میں خود کو بہلاتی رہتی تھی مصروف رکھتی تھی ورنہ یادیں تو ہمہ وقت مجھے گھیرے رہتی تھیں۔ آنکھوں کی پتلیوں میں تصویریں چمکولے بھرتی رہتی تھیں۔ میں ایان کو سمیٹے ادھر ادھر ٹہل رہی تھی وہ معصوم میرے شانے سے لگا پرسکون سو رہا تھا میرا اور اس کا دکھ سا بچھا تھا۔ یہ ماں اور باپ دونوں سے محروم تھا اور میں اپنے بچوں سے۔

”میں حبیبہ کی جگہ لے لوں گی مجھے کوئی اور کام نہیں کرنا۔ بھیلے سے پیسے بھی نہ دیں۔“ میں دل ہی دل میں سوچ رہی تھی ایان سے جدا ہونا ناممکن تھا۔ بازوؤں میں سیدھا کر کے اس کی پیشانی چوم لی۔

ممتا گویا میرے اندر سے اُڑ رہی تھی ننھا منسا ہاتھ اپنی ہتھیلی میں بھر کر چوم لیا۔ اسے لے کر صوفے پر بیٹھ گئی دھیرے دھیرے اس کے بال سہلاتے تھکتے اپنی پیاسی نظروں کو میرا ب کرتی رہی۔ جانے کیوں مجھے اتار دنا آ رہا تھا اور..... میں نے آنسوؤں کو بہہ جانے دیا۔

آج آپی کی بھی باتیں ختم نہیں ہو رہی تھیں کاش وہ لوگ یونہی باتیں کرتے رہیں۔ ایان میری گود میں یونہی سوتا رہے اور یونہی مجھے سکون ملتا رہے۔ دھیرے سے آنچل سے چہرہ صاف کرتے ہوئے سر اٹھایا میرے دل کو قرار سا آتا گیا دوسرے لمحے میں ساکت ہوئی دروازے میں میڈم کے بیٹے افراسیاب کھڑے تھے۔ میں محبوب سی ہوئی اپنی پوزیشن خود اچھی نہ لگی۔ دوسرے کا گھر دوسرے کا

بچہ میں ممتا بھرے انداز میں ممتا بھرا کر رہی تھی۔ صوفے پر سے پاؤں اتار کر نیچے رکھے تجل خفت بھرے انداز میں ایان کو لے کر کھڑی ہوئی ایان کو کاکٹ میں لٹایا دوپٹہ سنبھال کر مڑی افراسیاب بالکل میرے پیچھے کھڑے تھے جانے کب سے وہاں آ کھڑے ہوئے تھے۔

”ایم سوری..... دراصل میں..... وہ.....“

”لگتا ہے آپ کو بچوں سے بہت پیار ہے؟“ ان کا گھبراہٹ بھرا منہ نظر..... میں نے سر گھما کر نحو خواب ایان کو دیکھا منہ میں فرشتوں کے ساتھ کھیلتا وہ مسکرا رہا تھا۔ ”جی بچھلے کئی دنوں سے ملاقات نہ ہو سکی حبیبہ بھی نظر نہیں آ رہی تھی مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہ میڈم کا پوتا ہے۔“

”جی..... میں نے نگاہ اٹھائی۔“

”قابل ستائش..... کسی بھی غرض سے بے پروا۔“ میں نے سر جھکا لیا۔

”میں چلوں یہ سو گیا ہے۔“ قدم باہر کی جانب بڑھائے۔ موصوف کی نظروں کا ارتکاز مجھے اپنی پشت پر محسوس ہو رہا تھا۔

”آپی آپ کی بہت تعریف کرتی ہیں۔“ میرے قدم رکے نہیں اس بات کا کیا جواب دیتی شکریہ کہہ کر باہر آئی کی بھی گفتگو ختم ہو رہی تھی ہم لوگ خدا حافظ کہہ کر باہر نکلے تو ان کا شو فر تیار کھڑا ہوا تھا میں بیٹھتے ہوئے ہچکچائی آپی فخر سے بیٹھ گئیں۔

اگلے دن مجھے میڈم کے گھر جانا اچھا نہیں لگا فون پر ہی خیریت معلوم کر لی ایان بالکل ٹھیک تھا بس ذرا کمزور تھا۔ میرا دل اس کے لیے ہنسنے لگا مگر..... کچھ جگہوں پر بندھ باندھنا ضروری ہوتا ہے سو میں آنس آگئی کسی بھی میڈم پر میڈم کا اعتبار اٹھ گیا تھا ایان لان میں نرسری میں نظر نہیں آ رہا تھا اور مجھے صبر کرنا تھا ایک بار پھر صبر..... ایان کا احساس کر کے میرا دل پھٹنے لگتا آنکھیں بھر آتی ہیں اور میں ادھر ادھر کے کاموں میں خود کو بہلانے لگتی۔ آفس میں

بھی دھیان اس معصوم کی جانب لگا رہتا اس روز میں آفس آئی افراسیاب آفس میں موجود تھا۔

”آپ گھر نہیں آئیں سوچا کتاپ کی خیریت معلوم کر لوں۔“ میں نے حیرانی چھپا کر اسے دیکھا۔

”ایسا نے کام کرنے ہوتے ہیں ایان انہیں چھوڑنا نہیں ہے اس کے لیے دوسری گورنس دیکھ رہی ہیں۔“ میں ایک ہاٹے دیکھنے لگی۔

”آپ کی نظر میں کوئی ہوتا..... دراصل اسے میڈم کی ضرورت نہیں ہے بہت ضدی اور جڑے ہو رہا ہے ممتا اس کی ضرورت ہے اور ماں.....“ افراسیاب چیئر پر بیٹھتے ناخن سے ٹیبل کی سطح کھرچتے ہوئے سنجیدگی سے کہہ رہے تھے۔

”اور ماں پیسے دے کر بھی نہیں خریدی جاسکتی۔“ میرا دل کسی نے مٹھی میں لے کر جکڑ دیا۔

”اسے میرے پاس لے آئیں میں سنبھال لوں گی۔“ میں نے ساختہ کہہ گئی تھی۔

”کب تک.....“

”ساری عمر۔“ میں نے سر جھکا لیا میں ایک تری ہوئی بھکاراں ماں تھی۔ میرا اور کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا ایان کو مجھ سے زیادہ بہتر کون رکھ سکتا تھا کاش..... کاش.....

”میں بیٹا آپی سے بات کروں گی۔“

”ہو سکتا ہے بیٹا آپی تم سے بات کریں؟“ میں غائب رہا غائب دیکھنے لگی۔

”اسی وجہ سے ایسا آفس نہیں آ رہیں۔“

”یہ آپ کو میڈم کا بیٹا سمجھتی تھی۔“

”ہاں میں ان کا بیٹا ہی ہوں دراصل ماموں اپنا کہتے ہیں تو میں بھی بچپن سے اپنا کہتا ہوں۔“

”تو پھر آپ شادی کر لیں ایان کو ایک بہتر ماں بھی مل جائے گی۔“

”نہیں.....“ سنجیدگی سے ہاتھ بڑھا کر شفاف سطح پر کھینچے گھوڑوں کو پیش کیا وہ ایک دوسرے کے پیچھے بھاگنے لگے۔

”مگر یہ نیکی کسی کسی کے حصے میں آتی ہے ضروری ہے کہ اسے سگی ماں کا پیار ملے۔“ میں نے خواہ مخواہ فائل کھول لی۔

”شام میں ایان کو دیکھنے آؤں گی۔“

”ہاں ضرور چڑھ کر کمزور اور ضدی سا ہو رہا ہے۔“

”بچہ ہے نا تھوڑے سے بخار میں بڑے چڑچڑے ہو جاتے ہیں۔“

”جب تک اس کا مسئلہ حل نہیں ہو جاتا اسے میرے پاس چھوڑ دیا کریں۔“ جانے کیسے دل کی بات نکل گئی۔

”ہاں میں نے سوچا تھا بلکہ ایسا کہہ بھی رہی تھیں مگر میں نے منع کر دیا۔ بچے کو کوئی چیز دے کر چھین لی جائے تو وہ اس پر ظلم ہوتا ہے اور میں ایسا ظلم نہیں کر سکتا تھا آپ کب تک اسے رکھ سکتی ہیں۔“

”ساری عمر.....“ میرے دل میں ہوک اٹھی۔

”ساری عمر یونہی تو نہیں آپ کی شادی کی عمر ہے کل کو آپ رخصت ہو جاتی ہیں تو پھر.....“ میں چپ ہو گئی۔

شادی..... ایک بار پھر..... ناممکن..... میرے لیے

ایک تجربہ ایک دھوکہ ہی کافی تھا۔ دوسرے لمحے میں چونک کر سے دیکھنے لگی سنجیدہ متین المزاج یوں بیٹھا تھا جیسے نظر باز تو ہو ہی نہیں کیسے بردبار انداز میں مجھ سے باتیں کر رہا تھا اور میں..... میں اپنے آپ میں چونکی۔

میں کیسے اکیلے اس کے ساتھ بیٹھی تھی کیا تعلق تھا میرا

اور اس کا..... میں دھیرے سے کھڑی ہو گئی۔ ایان کا لٹائی تعلق کوئی اتنا مضبوط تو نہیں تھا۔

”میں چلوں سر دراصل وہ.....“

”شاید آپ کو میری بات بُری لگی۔“

”یہ آپ کا ذاتی مسئلہ ہے اور میرے پاس اس کا کوئی حل نہیں ہے۔“

”اسی لیے تو آپ کے پاس آیا تھا مجھے لگا شاید کوئی حل بتا سکیں۔“ میں ایک بار پھر اسے دیکھنے پر مجبور ہو گئی۔

”ایم سوری.....“

”پھر بھی آپ سوچنے کا کہ شاید آپ.....“ اک تلخ سی

شے نے میرے ہونٹوں کو چھو لیا۔

”اگر ایسی بات ہوتی تو میں اتنی حرام نصیب کیوں ہوتی؟ میں چلوں۔“ قدم باہر کی جانب بڑھا دیئے حالانکہ کام مجھے آفس میں تھا مگر مجھے بیٹھنا اچھا نہیں لگا موصوف کی موجودگی میں باہر آ کر میں نے اندر چائے بھجوا دی۔ اس روز میرا آفس کے کام میں دل نہیں لگا ابھر ابھر گھومتی کام کی نگرانی کرتی رہی پھر لان میں آ کر بے وجہ نہلتی رہی۔ فون کر کے میڈم سے علیک سلیک کے بہانے ایان کی طبیعت پوچھنے لگی۔

”بہت ضدی اور جڑ جڑا ہو گیا ہے کچھ نہیں کھا رہا کمزور دیکھو کیسے ہو گیا ہے۔ افراسیاب الگ پریشان ہے بن ماں باپ کا بچہ آج اس کی ماں ہوتی تو.....“

”میڈم اسے ابھر لے آئیں میں ابھی فارغ ہوں دیکھ لوں گی آپ کو بھی آفس میں کام ہیں۔“

”نہیں بیٹا! لیان کو اس ماحول اس تنہائی اسکے پن کا عادی ہونے دو ساری میڈم ایسی ہی ہوتی ہیں کوئی گورنس ماں تھوڑی بن جاتی ہے۔ افراسیاب کہتا ہے کچھ دن کی بات سے پھر عادی ہو جائے گا۔“ میں ساکت رہ گئی۔

اس کی رگوں میں کیسی بے قراری پروان چڑھے گی کیسا محروم تنہا بچہ ہو گا وہ..... میں نے خدا حافظ کہہ کر فون رکھ دیا۔ ایسے ہی چٹھی رہی پھر آفس کی سمت چلی آئی آپ کو فون کر دیا میرا دل میرا وجود کتنا اکیلا اکیلا سا تھا کوئی میرے دل سے پوچھتا۔

موسم ابرا لود ہو رہا تھا رات کی برفباری کے بعد اب ٹھہرنا تھا یہاں کی سڑکیں رواں دواں رہتی تھیں۔ میں فٹ پاتھ پر چلتی آگے بڑھتی رہی روز آنے جانے سے راستہ مجھے اذہر ہو گیا تھا۔ جانے میں نے کتنا راستہ طے کر لیا، گھر آنے والا تھا یوٹیلٹس اور گل صنوبر راستے میں کھڑے تھے تبھی ایک بلیک گاڑی میرے ساتھ ساتھ چلنے لگی اپنی دھن اپنی سوچ میں میرے قدم رواں تھے ہان بجائیں چوٹی سر گھمایا گاڑی میں افراسیاب تھے۔

”آپ یوں پیدل مارچ.....“

”جی یونہی ذرا موسم اچھا تھا۔“

”یہ موسم اچھا نہیں ہوتا ایک دم سے برفباری شروع ہو جاتی ہے یہ پاکستان نہیں کہ بارش میں بھی چلتے رہو آئیے میں چھوڑ دوں۔“ اگلا دروازہ کھول دیا۔

”نہیں شکریہ گھر آ گیا ہے وہ پارک اور اس سے اگلا موڑ.....“ میں بہت احتیاط پسند تھی میری احتیاج تھی مگر احتیاط لازم ہوتی ہے۔

”اوکے۔“ کہہ کر دروازہ بند کیا اور گاڑی بڑھا دی۔ میں نے چلنا شروع کر دیا مین نے بھی مادیات کو فوقیت نہیں دی تھی جو کسی کی امارت مجھے متاثر کرتی نہ محبت کی بھوک تھی مجھے عزت نفس بہت عزیز تھی اپنا رشتہ کے آگے جواد بھائی راستہ صاف کر رہے تھے۔ رات کی ممکنہ برفباری کے پیش نظر دروازے میں کھڑی آئی ہدایت دے رہی تھیں۔ جواد بھائی چڑ رہے تھے بچے درپچوں کے شیشے سے ناک نکالے کھڑے تھے۔

”بیوی تم مجھے مکمل ہی نوکر بنادو۔“

”شوہر کو ہر کام کرنا چاہیے جیسے بیوی کرتی ہے۔ گھر کے کام میں کیا نوکری..... پھر آپ کا ہی فائدہ ہے سچ راستہ صاف ملے گا۔“

”کھانا ملے گا کہ نہیں.....“ وہ چلائے نہیں پس دی۔

”لو..... مونا آگئی۔“

”ارے مونا تم..... رکو..... رکو..... جاؤ بیوی سرخ کار پٹ بچھو اور تہہ راجوب من چاہا.....“

”جواد.....“ آپ نے گھر کا۔ جواد بھائی کی زبان کو بریک لگ گیا۔ ”بہت فضول بولتے ہیں۔“ ہونٹوں پر انہی رکھ کر دوسرے ہاتھ سے مجھے آگے جانے کا اشارہ کرنے لگے دو چار سیڑھیاں چڑھ کر میں اندر داخل ہو گئی۔

بیٹا آپ نے پکڑ کر مجھے آگے کیا دوسرے لئے مجھے گلے لگا کر پیار کیا ان کی آنکھیں چمک رہی تھیں جواد بھائی شرارتی نظروں سے مجھ کو دیکھ رہے تھے۔

”خیر یہ تو ہے نا.....“ میں ہنسی۔ جواد بھائی انکار میں سر ہلاتے ہوئے پھر سے راستہ صاف کرنے لگے۔

”ہاں تم اندر چلو۔“ میں نے کوٹ اسکارف اتارا اور اندر بڑھ گئی۔ ماحول بڑا تر دوازہ گنگناہٹ لیے ہوئے تھا آپ اور جواد بھائی قہقہہ لگا رہے تھے۔

میں ساکت بیٹھی آپ کو گھور رہی تھی آپ خوش تھیں بے حد خوش انہوں نے دونوں بھائیوں کو بھی فون کر دیا تھا۔ آتا تو بس ادھار کھائے بیٹھی تھیں ہتھیلی پر سرسوں جمانے لگیں۔

”آئی.....“ مجھے اپنی آواز کنوئیں سے آتی محسوس ہوئی۔

”نہیں جانتی وہ کتنا اچھا ہے ہر لحاظ سے مکمل ہر لڑکی کا خواب تیرا آئیڈل..... کتنا دھیمہ مزاج ہے اس کا تجھے پھولوں کی طرح رکھے گا۔“

”آئی.....“ میں پیچھے ہو گئی۔ ”آئی ایسا ناممکن ہے سب جیسے ہی مت مجھے شادی نہیں کرنی قطعاً نہیں۔ یہ دھوکہ فریب اب نہیں..... مجھے شادی راس نہیں آتی۔“

”مونا! بدشگونی منت کرنا ہم نے ساری عمر تمہیں بھانسنے رکھنے کا ٹھیکہ نہیں لیا۔ اچھا رشتہ ملنے تک تم ہماری مہمان ہو بس یہ میں نے پہلے ہی تمہیں کہہ دیا تھا اور بار بار یقین بھی دلایا تھا۔ بہن کا رشتہ اپنی جگہ دنیا کے تقاضے اپنی جگہ۔ میڈم وقار نے مجھ سے خود فون پر بات کی ہے انہیں افراسیاب کے لیے تم بے حد پسند آتی ہو۔“ آپ نے میرے سر پر دھکا کر دیا تھا ناں اسٹاپ بول رہیں تھیں۔

”میں نہیں پسند نہ سہی نہیں ہر لحاظ سے پسند ہے ہم اس کے مونس گئے۔“

”میں ایک بار پھر اپنی زندگی نہیں تباہ کر سکتی میں ایسے ہی ٹھیک ہوں۔“ میں پیچھے ہوئی۔

”پہلا فیصلہ جذباتی تھا اب ہم سوچ سمجھ کر کر رہے ہیں نہ بھاری جذباتی عمر ہے نہ افراسیاب کی یہ رشتہ بڑے ارتقا کر رہے ہیں۔ یاد رکھو منتخب ہونا اور منتخب کرنے میں بہت فرق ہے مونا! خوش بختی ہمیشہ درپردستک نہیں دیتی۔ افراسیاب تمہارا صبر تمہارا انعام ہے اس سے لائق بر تو

گی تو ساری عمر پچھتاؤ گی۔“

”نہیں آئی! کسی مرد کی میری زندگی میں جگہ نہیں نکلتی اس ذات پر مجھے بھروسہ نہیں یہ صرف اپنے مفاد کے لیے سوچتی ہے۔ میں پھر استعمال کیا ہوا نشوونما نہیں بننا چاہتی۔“ میرا لہجہ قطعی تھا آپ کو غصہ آنے لگا۔ ایک بل کو مجھے دیکھتی رہیں اور پھر اٹھی اور باہر نکل گئیں۔ میں گش گش میں رکھے بیٹھی رہ گئی میرا دماغ سن ہو رہا تھا ابھی موصوف سے دوبارہ آج ملاقات ہو گئی ورنہ تو وہ ملتے ہی نہیں تھے۔

”نہیں مونا! ایک بار اور نہیں گناہ میں نے دیوار سے ٹیک لگالی میرے بچے ہیں میں ان کی یادوں کے سہارے زندگی گزاروں گی۔“ میں نے گہرا سانس لیا۔ ”کل کو آئیں گے ہی نا میڈم کے بچے بھی تو ان سے ملے ہیں۔“ دوسرے لمحے میں چونکی۔

میں شادی شدہ اور دو بچوں کی ماں تھی اور یہ بات افراسیاب کے علم میں نہیں تھی اگر ہوتی تو..... میں خوش ہونے لگی انکار لازم تھا..... صبح ناشتے کی میز پر میں نے ہنستے ہوئے یہ اطلاع بہم پہنچائی۔

”میڈم کو سب پتا ہے ان کے علم میں ہے اور میں نے ہی انہیں کہا تھا کہ کوئی رشتہ ہو تو بتائیے گا۔“ میری خوشی کا فور ہو گئی۔

”ان کے بیٹے کو تو یہ بات معلوم نہیں۔“ میری آنکھیں پھر سے چمکیں۔

”میڈم جیہاں دیدہ بردبار سمجھدار خاتون ہیں ہواؤں میں تیر نہیں چلائی اتنا بزنس سنبھالا ہوا ہے اور ان کے بیٹے کی بھی یہ کوئی پہلی شادی نہیں ہے جو وہ تمہارے حسن کے آگے جذباتی ہو۔“ آپ کو میرے انکار نے جلادیا تھا۔ میں ہنس دی آگے بڑھ کر ان کے گلے میں بانٹیں ڈال دیں۔

”آپ ناراض مت ہوں آپ میرا سب کچھ ہیں مگر کسی ایسی بات کے لیے مجھے مجبور مت کریں جو میرے اختیار میں نہ ہو۔“

”ہم تمہیں تمہارے اختیارات استعمال کرنے کے لیے نہیں کہہ رہے بس ایک بار اور ہمیں ہمارا اختیار استعمال

کرنے دو۔ آپ کی اپنی رٹ تھی میں گہرا سانس لے کر پیچھے ہٹی کچن کی جانب بڑھی۔

”ناشتے میں کیا لیں گی؟“

”کچھ نہیں۔“ جلا بھنا لہجہ تھا۔

”بوائے انڈیا بریڈ میں لے رہی ہوں شہد کے ساتھ۔“

”تم آفس نہیں جا رہیں؟“

”اس صورت حال میں جاسکتی ہوں بھلا میرے لیے دوسری جاب تلاش کریں۔“

”بھاڑ میں جاؤ تم۔“ وہ جانب پر جانے کے لیے اندر بڑھ گئیں۔

ناراضگی وقتی ہے مان جائیں گی۔ میں ناشتہ بنانے لگی گھر کی خاموشی بتا رہی تھی کہ سب جا چکے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد آپ بھی دھاڑ سے دروازہ بند کر کے چلی گئیں۔ مکمل ناراض تھیں میں نے کچن کی کھڑکی سے دیکھا بحرانی راستے پر وہ تیز تیز چلی جا رہی تھیں فضا میں دھند تھی رات کو برفباری نہیں ہوئی تھی۔ میں چائے دم دینے لگی۔

”آپ! آپ کی ناراضگی بے جا ہے میں کسی ایسے رشتے کو تعلق کو اب کیسے قبول کروں جسے میرا دل ہی نہ مانے۔ اعتبار ہی نہ ہو ہر لمحہ دھوکے کا احساس ہو۔ میں یہ کڑوا گھونٹ اب دوبارہ نہیں پی سکتی۔“ گرم بھاپ اڑاتی چائے کے پیچھے میری آنکھیں دھندلانے لگیں کوئی میرا دکھ نہیں سمجھ سکتا تھا۔ میرا درد نہیں جان سکتا تھا سب یہ ہی سمجھتے تھے کہ صبر آ گیا ہے۔ مگر صبر ایسے کیسے آ سکتا ہے دو بچوں کی ماں کو جس کی رگیں کاٹ کر بچوں کو زندگی دی گئی ہو۔

گھر میں گہری خاموشی تھی بچے اسکول سے آ کر کھانا کھا کر سو گئے۔ میں اپنے طور پر کچن میں مصروف رہی شام کو آپ اور جواد بھائی آ گئے۔ آپ ناراض جواد بھائی خوش..... دونوں کی چوچیں لڑی ہوں گی آپ مجھ سے خفا تھیں تو..... میں مجبور تھی۔

گزرتے دنوں سے زندگی رک سی گئی تھی مجھے ایان

کا خیال آتا معلوم نہیں کیسی طبیعت ہو۔ میڈم کا فون بھی نہیں آیا۔

”جواب..... نہیں جواب مجھے خود تلاش کرنا چاہیے۔“ خود سے باتیں کرتی رہتی۔

”تم نے اپنی آپ کو ناراض کر دیا ہے۔“ اس روز جواد بھائی لاؤنج میں میرے سامنے لیپ ٹاپ لے کر بیٹھ گئے۔

”انہیں بھی تو میرے حوالے سے سوچنا چاہیے۔“

”تمہارے لیے وہ بہت پریشان ہے سوچتی رہتی ہے وقت نے تمہارے ساتھ جو زیادتی کی ہے۔ اس کی تلافی کرنا چاہتی ہے۔“

”جواد بھائی! گئے وقتوں کی تلافی مزید دکھ کا باعث بنے گی۔“

”ہم جو سوچتے ہیں وہی حاصل کرتے ہیں مونا ضروری نہیں ہے کہ ہمارے ساتھ ہمیشہ ہی غلط ہو۔“

”ہاں کچھ لوگ اتنے ہی حرام نصیب ہوتے ہیں..... جو کھولی دکان کنش کی تو لوگوں نے مرنا چھوڑ دیا۔“ جواد بھائی ہنس رہے تھے۔

”ایسے لوگ تو خوش قسمت ہوئے مونا! ان کی وجہ سے اموات کم ہو رہی ہیں۔“ میں انہیں دیکھتی رہ گئی ان کا چہرے پر شرارتی مسکراہٹ تھی وہ بھی سیریس نہیں تھے۔ آپ کے ساتھ ملے ہوئے تھے مجھے کنوینس کرنے کے لیے تیار تھے میں کافی بنانے کے خیال سے اٹھ گئی۔

آپا کا فون آ گیا ویسے تو دعا سلام خیریت نامہ کے لیے تار ہتا تھا۔ انہوں نے میرا طبیعت نامہ پوچھ لیا۔

”خبردار جو اس رشتے کے لیے انکار کیا بہت خوش رہو گی تم۔“ مینا کوئی دودھ پیتی بچی نہیں ہے اور نام سمجھ ہو مگر آپ خوش قسمتی کو لات مت مارنا۔ ایک نئی زندگی کی ابتدا کرنا بچے بہت تمہاری زندگی میں ان دو کوروگ مت بناؤ۔ وہ تمہیں نہیں پہنچائیں گے ایسی بچی گولیاں نہیں کھیلی ہوئی انہوں نے سمجھ داری سے کام لو۔ وہ ماں..... ماں کہتے

تمہارے پیچھے نہیں آئیں گے ہیلو..... ہیلو..... سن رہی ہو ہیلو..... میں نے گہرا سانس لیا۔

”صرف ہیلو نہیں مونا! ہلو..... اپنی زندگی میں ہیلو پیدا کر بیٹا! ہمیں نہیں معلوم کہ ہماری زندگی کتنی ہے اور زندگی گزارنے کے لیے گنی چنی یادیں کافی نہیں ہوں مونا!“

رسال بھرا لہجہ تھا میں سنتی رہی۔ میرے احساسات کے بارے میں کوئی سوچ ہی نہیں رہا تھا۔

”میں پھر فون کروں گی اپنی ٹکٹ کا بتانے کے لیے احتیاط کیا ہوا ہے ریٹرن ٹکٹ کے لیے۔“ اطلاع دے کر فون بند ہو گیا۔

میں فکر مندی سے بیٹھی رہ گئی آیا آ رہی تھیں یہ احساس ہی سہاں روح تھا۔ یہ سب مل کر مجھے راضی کر لیتے مجھے افراسیاب سے مل کر بتا دینا چاہیے میں اندر ہی اندر فیصلہ کرنے لگی۔ ان کا انکار میری بھاتا تھا میرا انکار ان سب کو ہرٹ کر رہا تھا۔

صبح چھٹی تھی آفس بند تھے۔ آپ مجھ سے ناراض تھیں۔

”چلیں جواد دیر ہو رہی ہے۔ جواد بھائی گروہری کے لیے میں بھی چلوں گی۔“

”ہم مارکیٹ نہیں جا رہے ایان کی طبیعت خراب ہے اسے ٹھنڈ لگ گئی ہے اسپتال میں ایڈمٹ ہے۔“ میں دھک سے رہ گئی۔

”چلیں جواد اس کو کیا بتا رہے ہو بے حس ہے یہ تو ان لوگوں کو یاد کر رہی ہے جو اسے کچھ نہیں دے سکتے۔ کبھی جب سے بھٹکے ملے بھی تو شاید ہی پہچان سکیں۔ اس بچے کو نہیں دیکھ رہی جو اس کی زندگی بدل دے گا۔“ جواد بھائی کا ہاتھ تھم کر بڑبڑاتے ہوئے وہ باہر نکل گئیں اور میں بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی۔

مجھے بھی جانا چاہیے مگر کس حوالے سے..... میرے اندر سب قراری ہی ابھرنے لگی۔ میں درپے سے لگے شیشے

فرحانہ تار ملک کے نام سب فلک نے بارش کا سماں بنایا ہے کچھ تو ہوا ہے میرے دل نے بھی شور مچایا ہے سوچوں کی تائیں بھی بندھی کبھی ٹوٹ جاتی ہیں خیالات کا ایسا عجب جال ذہن نے بچھایا ہے دل و دماغ سب سمجھنے سے ہیں قاصر گردش حالات کو تیری موت نے مجھے پاگل سا بنایا ہے ابھی تو میرا ہتھ بڑھتا تھا کرن میں کیسا دل کو تو نے غم از دال لگایا ہے لرزتے قلم سے شازیہ نے کاغذ پر لکھے اشکوں کے موتی انہی موتیوں کی مالا سے مینوں کو سجایا ہے شازیہ ہاشم..... کھڈیاں خاص قصور

کی برقی سطح سے ناک لگا کر انہیں جاتے دیکھتی رہی یہ لوگ میرے لیے قلعہ تھے مگر میں اس خلوص کی حقدار نہیں تھی یہ خلوص مجھے سوائے دکھ کے اور کچھ نہیں دے سکتا تھا۔ میں اور کسی کراسس بھرے امتحان سے نہیں گزر سکتی تھی مجھے افراسیاب سے مل کر انہیں یہ بات سمجھانا تھی۔

رات میں نے جواد بھائی سے ایان کی طبیعت پوچھی۔

”تمہیں کیا..... کیسا بھی ہو.....“

”آپ!.....“

”مرے یا جیے.....“

”اللہ نہ کرے۔“ میں نے دہل کر سینے پر ہاتھ رکھا۔

”کرتا اللہ ہی سب کچھ ہے بندہ بڑا ناشکر ہے۔“ سر جھٹکا۔

”خبردار جو تم نے کسی کی خیریت پوچھی اب اپنی زندگی تم خود گزار دو گی اپنا ہر فیصلہ خود کرو گی۔ ہم تمہارے کچھ بھی نہیں ہیں۔“ میں سر جھٹکائے بیٹھی رہی۔ آپ سخت سنا کر باہر نکل گئیں انہیں جواد بھائی کا بھی لحاظ نہیں تھا۔ میں اٹھ کر اپنے روم میں آ گئی۔

ذہن خالی ہو رہا تھا آپ کی جذباتی وابستگی کہانی کو کوئی اور رنگ دے رہی تھی۔ آسٹریلیا سے فیضان بھائی کا فون

آ گیا وہ بھی سمجھا رہے تھے۔

”زندگی میں ہمیشہ ویسا نہیں ہوتا جیسا ہم سوچتے ہیں اللہ سے بہتری کی امید رکھنا چاہیے۔ جتنے دکھ تم نے اٹھائے تھے اٹھالیے مونا اب تمہاری خوشیوں کا آغاز ہو رہا ہے کفرانِ رحمت مت کرنا۔“ میں سن بیٹھی رہ گئی۔

”پیتا نے مجھے بتایا ہے رشتہ بہت اچھا ہے قدر کرنے والے لوگوں کی قدر کرنا چاہیے۔“ فون بند ہو گیا میرا دل بھی بند ہونے لگا۔

”بھلا میں نئی زندگی شروع کر سکتی ہوں عورت ماں بنتی ہے تو اس کی زندگی ختم ہو جاتی ہے۔“ سامنے قدر آؤ شیشے میں میرا سراپا نمایاں تھا کمزور لاغر کم لایا ہوا انیرا بائٹن۔ میری خوشی میرا اقرار..... سب ان لوگوں نے لے لیا تھا۔

”وہ بچہ مجھے دے دو میں بے لوث خلوص کے جذبے سے پالوں گی۔ پال پوس کر تمہارے حوالے کر دوں گی میری ممتا کو بھی قرار ہے گا وہ تو نو مولود ہے محروم تنہا نہیں ہوگا۔ میں لکھ کر دے دوں گی۔“ اک نئی راہ سوچھی اور میں نے افراسیاب سے بات کرنے کا فیصلہ کر لیا میرے دل کو اطمینان سا ہوا۔

صبح مجھے آپی اور جواد بھائی کی باتوں نے شاک لگا دیا ایان ابھی تک اسپتال میں تھا۔ اس کی طبیعت سنبھل نہیں رہی تھی۔ آپی کے جانے کے بعد جواد بھائی کے ساتھ اسپتال آ گئی کھلایا ہوا پھول بے سدھ پڑا تھا۔ میں کھڑکی سے سر لکائے اسے دیکھتی رہی جانے کتنا وقت گزر گیا آہٹ پر بانوس سے لمس پر سہاٹھایا۔

”آپ.....“ افراسیاب کھڑے تھے۔

”م..... میں ایان سے ملنے آئی تھی۔“ نگاہ چرائی۔

”اب بہتر ہے۔“

”یہ بہتر ہے.....؟“ میرا گلہ زندہ گیا۔ ”مرجھایا ہوا پھول بن گیا ہے۔“

”ماں کی کمی محسوس کرتا ہے اور ماں..... بازار سے نہیں ملتی۔“ ان کا لہجہ دھیمسا تھا۔ میں نے بھیگی ہوئی نگاہ اٹھائی اور نظریں سیدھی ایان پر اٹھی تھیں۔

”یہ مجھے کتنا عزیز ہے کوئی میرے دل سے پوچھنے دنیا کی ہر نعمت اس کے قدموں میں ڈھیر کر دوں بس اس ایک خوشی کے سوا.....“

”آپ سے امید تھی اس روز آپ کی خصوصی توجہ اور ایان کے چہرے کا سکون..... میں کچھ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا مگر.....“ جیسوں میں ہاتھ ڈال کر دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے۔

”ضروری نہیں کہ انسان کو وہی کچھ ملے جو وہ سوچتا ہے۔“

”میرے بیٹے کو بھی صبر آ جائے گا بہت صبر والے باپ کا بیٹا ہے۔“ جانے کیوں مجھے افراسیاب کا لہجہ بھیجا ہوا لگا تھا۔

”میں نے بہت چھوٹی سی عمر میں ماں باپ کو کھو یا تھا مگر پھر ماں مل گئی باپ کے رویے نے مجھے بے جا دور کر دیا تھا پھر میں نے شادی کر لی گھر والوں سے چھپ کر مگر ہمارے میری ساری توقعات پر پانی پھیر دیا۔ جذباتی عمر تھی میری اسے پیسہ چاہیے تھا وہ میرے پاس نہیں تھا میں نے اپنے بیٹے حماد کو اکیلا پالا پوسا پڑھایا لکھایا..... مگر وہ بھی میری طرح جذباتی محبت کا مارا لگا۔“ میں دم بخود رہی تھی افراسیاب کے بیٹے کا نام اگر حماد ہے تو یہ بچہ ایان کون ہے؟

”حماد نے لڑکی کو گھر سے بھاگ کر شادی کی مگر لڑکی کے گھر والے بھوکے گدھوں کی طرح اسے ڈھونڈتے رہے یہ دونوں بھاگتے رہے یہاں تک کہ حماد ٹھوکر کھا کر گر پڑا لڑکی کے بھائیوں نے اسے گولی مار دی۔ حماد اسی وقت مر گیا اس کے بعد زہرہ بھی جی نہ سکی۔ ایان کی پیدائش کے وقت اس کی زندگی نے وفانہ کی اور وہ مر گئی میرا بچہ میری طرح اکیلا رہ گیا۔“ ان کی آنکھوں میں ایک آنسو پلکوں پر ٹکا تھا میں سادہ بھادوں تھی مجھے علم نہ تھا۔

میں بھی تو زندگی کے سفر میں کئی اکیلی تنہا اور اداس تھی میرے اپنے میرا ساتھ چھوڑ گئے اور میں بتلائے یاد رہتی تھی۔

”یہ میرا پوتا ایان ہے میں اسے اتنا بہادر بناؤں گا کہ یہ کبھی اکیلا نہیں رہے گا۔“ وہ پھر سے سیدھے کمرے ہو گئے شیشے کے پار کسمساتے ہوئے ایان کو دیکھ رہے تھے۔

”مضبوط..... تو انا۔“ میں جانے کیوں شرمندہ ہو رہی تھی۔

”یادیں انسان کو یاد دیتی ہیں انسان کب تک ان کے سہارے جی سکتا ہے۔“ ایان رو رہا تھا نرس اسے چمکار رہی تھی سنبھال رہی تھی۔

”مجھے اندر جانے دیں۔“ میں بے قرار ہوئی۔

”نہیں مونا!“ افراسیاب نے ہاتھ اٹھا کر روکا۔ ”یہ وقت ایان کی طلب کا ہے طلب ہی انسان کو صبر کرنا سکھاتی ہے یا بے صبر بنا دیتی ہے۔ ابھی یہ روئے گا اسے صبر آ جائے گا روئے زمین پر اس کی ماں نہیں ہے۔“

”میں اسے جھوٹی تسلیوں سے نہیں بہلاؤں گا اور نہ اسے کمزور سہارے دوں گا۔“ نرس ایان کے منہ میں قطرہ قطرہ دودھ نکال رہی تھی اور وہ رو رہا تھا میرے آنسو میرے گریبان کو بھگور رہے تھے۔

”میں نے سسر کو منع کر دیا ہے کہ اس کو کسی سے ملنے نہ دیں ایسا بھی نہیں آئیں یہاں۔“

”کتنے سنگدل ہیں آپ۔“ میں نے بھیگی پلکوں کو اٹھایا۔

”یہ سنگدلی ہی تو اسے سنگ دل بنائے گی اور اسے یہ سکھائے گی کہ جو چیز اس کی نہیں ہے وہ اسے نہیں ملے گی۔“ میں نے ترجمی سے اسے دیکھا نرس اسے انجکشن لگا رہی تھی چیخ چیخ کر رو رہا تھا۔

”پلیز.....“ میرا دل اچھل کر حلق سے باہر آ گیا میں نے اندر کی جانب قدم بڑھائے۔

”نہیں مونا!“ افراسیاب نے میرا بازو تھام لیا۔ ”کل یہ اور دے گا جب آپ اس کے پاس نہیں ہوں گی اسے دے دینا اسے صبر سکھائیے۔“

میرا جھکنو چیخ چیخ کر رو رہا تھا میری گڑیا میرے پاس

پس برتھ ڈے ٹوپو
سراگلہ کے کیک کو دیکھو
آس امید کی کتنی کینڈل
جل کر اب بجھنے والی ہیں
سائید ٹیبل پر رکھے
سرخ گلاب.....

تنہائی اور اداسی کی کرنیں اوڑھے
مرجھانے والے ہیں
کارڈ پر لکھے دعاؤں کے پھول
آنسوؤں کی بارش میں
بھیک کر ملنے والے ہیں
گھڑی کی ٹک ٹک کرنی سوئی
اس سے پہلے بارہ کے ہندسے کو بھلا گئے
لوٹ آؤ تم
لوٹ آؤ تم.....

ام شمارہ..... جھڈ سندھ

آنے کے لیے چل رہی تھی۔

”نہیں.....“ افراسیاب نے مجھے کھینچ کر وہاں سے ہٹایا اور سگی بیچ پر لا بٹھایا۔

”میں نے اسے ضرورت کا محتاج نہیں کرنا مونا! میں نے آپ کو بتلایا ایک مختلف راستے پر نہیں چلانا۔“ میں پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی جانے کہاں سے اتارونا آئے جارہا تھا۔

”آپ گھر جائیں۔“ گھر اسانس لے کر وہ نشست سے ٹیک لگا کر بیٹھے دکھ ان کے چہرے پر بھی رقم تھا۔

”آپ کو آپشن دیا تھا زبردستی نہیں تھا مرضی ہر انسان کی اپنی ہوتی ہے۔“ میں نے آپچل سے چہرہ صاف کیا۔ افراسیاب کا سیل بجنے لگا اٹھ کر تھوڑی دور چلے گئے۔

”چلے“ میں آپ کو گھر چھوڑ دوں۔“ وہ واپس پلٹے۔ میں نے مڑ کر ایان کے روم کی جانب دیکھا محسوس ڈی روم نرس کے رحم و کرم پر تھا۔

”آپ کے بھائی آئیں گے؟“

”جی۔“ میں نے سر ہلایا۔

”مگر مجھے جانا ہے میں آپ کو یہاں نہیں چھوڑ سکتا۔“

”کیوں؟“

”آپ ایان کے روم میں چلی جائیں گی اور یہاں کے لیے بہتر نہیں ہے۔“ منہ پھیر کر موبائل چیک کرنے لگے میں ان کی شکل دیکھنے لگی۔

”آئیں میں چھوڑ دوں انہیں فون کروں۔“ انہیں ضروری جانا تھا اور میں جو سوچ رہی تھی کہ افراسیاب کے جانے کے بعد ایان کے پاس چلی جاؤں گی ارادہ باطل ہونے لگا۔

میں کھڑی ہوئی ایک بار پھر میں ایان کے روم کی جانب بڑھی۔

”نہیں مونا!“ میرا بازو پھر سے افراسیاب کی گرفت میں تھا۔ ”آپ میری بات سمجھیں جو راستے منزلوں کی جانب نہیں جاتے ان راستوں پر نہیں چلنا چاہیے۔ بجائے یہ کہ انسان بار بار ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو ٹوٹ کر جڑے اور جڑ کر پھر سے نچھڑ جائے۔ نہیں مونا! انسان کو اپنے ساتھ زیادتی نہیں کرنا چاہیے۔“ وہ مجھے اسی طرح سے پکڑے پکڑے چل رہے تھے جیسے میں پیچھے پلٹ کر بھاگوں گی استحقاق بھرا انداز تھا میں چلتی جا رہی تھی۔

”اگر آپ کے سابق شوہر نے آپ کو بچوں سے ملنے نہیں دیا تو یہ بہتر کیا۔ بچوں کو اسی حصار میں رہنا ہے وہ سمجھتے ہیں بے شک یہ آپ پر ظلم ہوا۔“ وہ میرا بازو پکڑے سیڑھیاں اتر رہے تھے کارڈور سے گزرتے روش پر آگئے۔ آنسو میرے قدموں تلے سے جاری تھے۔

ایان کو نہ دیکھنے کا دکھ تھا جگنو اور گڑیا کی یاد بھی۔ میرا دکھ تھا کیا تھا میں سمجھ نہ سکی۔ کرب کی بارش میری ذات پر برس رہی تھی گاڑی کے پاس لاکر فرنٹ ڈور کھولا اور مجھے بٹھا دیا۔ زخم جب تک ہرے رہتے ہیں جب تک ہم زخموں کو چھیلے تریاق نہ کریں اسے کریدتے رہیں۔

”یاد رکھیے مونا! زخم بھرنے کے لیے اور دکھ بھولنے کے

لیے ہی ہوتے ہیں ہماری بھی سلامتی ہوتی ہے۔“ گاڑی اشارت کر کے آگے بڑھائی۔

”بچے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائیں تو ان کی زندگی بچا ہو جاتی ہے۔ اپنی ذات پر ترس ہی کھاتے رہتے ہیں۔“ ایک موڑ کاٹا۔ ”اور ترس زندگی نہیں ہوتی مونا! جانبی زندگی نہیں بن جاتے اپنی زندگی کو از سر نو شروع کریں یہ میرا اخصانہ مشورہ ہے۔“ میں نے خود کو سنبھالا۔

”میں نے اگر از سر نو زندگی شروع کرنی ہوتی تو ادھر رہتی اگر ہماری زندگی میں غلط فیصلے ہو جائیں تو ضروری نہیں ہے کہ اس کے سدھار بھی نہ ہوں۔“

”سنبھلنے کا موقع ہر ذی روح کو ملتا ہے اپنی زندگی کو سوچیں ہو سکتا ہے رستے آپ کے لیے کچھ بہتر لکھے رکھے ہو۔“ انہوں نے گاڑی گھر کے آگے روک دی میں نے سر گھما کر دیکھا۔ سنجیدہ اور متین چہرہ سامنے دیکھ رہا تھا۔

”کچھ بہتر ہوتا تو آج میں ایان سے ضرور ملتی۔“ میرا لہجہ بھرانے لگا۔

”میں اپنے بچے کو ایک بہتر زندگی دینا چاہتا ہوں جس میں اسے محرومی نہ ہو ہر وہ رشتہ دینا چاہتا ہوں جو اس سے چھین نہ لیا جائے۔“

”میں بڑی ہوں کیا؟“ میں نے سر گھما کر انہیں دیکھا۔

”نہیں آپ بڑی نہیں ہیں آپ کا انتخاب یونہی نہیں ہوا تھا مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر اچھا انسان ہمارا نصیب بن جائے۔“

”میری اچھائی..... ان کی نظر میں.....“ میرے آنسو ٹھٹھک گئے۔

”اور میں زبردستی فیصلہ کر کے کسی پر ظلم نہیں کرنا چاہتا۔“ میں گاڑی سے اتر گئی۔

”وش یو بیسٹ آف لک۔“ وہ گاڑی آگے لے گئے میں ٹھٹھرتے ہوئے موسم میں ٹھنکی کھڑی رہ گئی سارے بیکے بادل میرے وجود میں سمائے اور آنکھوں میں آنسو بھرے۔ میں دھیرے سے پلٹ کر گھر کے بند

دروازے پر ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ دم بخود ساکت..... میرا ذہن خالی تھا۔

افراسیاب کیا کہہ رہے تھے۔ ”فیصلے ہمیشہ دو لوگ مل کر کرتے ہیں انہوں نے اپنا فیصلہ سنا دیا اور میرا فیصلہ..... میں نے بھی تو اپنا فیصلہ سنا دیا تھا پھر وہ کیسا اذیت کیسی بے قراری کیوں..... سب کچھ حسب حال ہی تو ہے مونا بخار احمد۔“ میں نے سر دروازے سے لگا دیا آنکھوں میں جلن آنکھیں بھی کھلی آنکھیں آسمان پر تھیں ایان کیسے بے قرار ہے جیسا تھا۔ کیا تھا میں گود میں لے لیتی سینے سے لگاتی حد توں کو قراتا جاتا۔

”نہیں مونا! مجھے ایان کو لچاتی خوشی نہیں دینی ہمیں ان راستوں کا انتخاب کرنا چاہیے جو ہماری منزل کی طرف جاتے ہیں۔ ہمیں مختلف راستوں پر بھٹکنا نہیں چاہیے۔“

”مونا تم.....“ پیچھے مینا آئی تھیں۔ ”کیا ہوا ایسے کیوں بیٹھی ہو؟“ وہ میرے پہلو میں بیٹھیں میرا ہاتھ تھامائیں

”آپ.....“ وہ سسکی۔ ”انہوں نے مجھے ایان سے ملنے نہیں دیا۔“ گہرا سانس لے کر انہوں نے میرے سر پر ہاتھ رکھا۔

”آپ!“ میں پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ ”مجھے ایان کے پاس جانا ہے اسے گود میں لینا ہے اسے میری ضرورت ہے۔“ وہ میرا جگنو میری گڑیا ہے۔ پلیز آئی..... آئی.....“

میں نے ان کی گود میں سر رکھ لیا۔

”نہیں مونا! وہ تمہارا جگنو نہیں ہے وہ ایان ہے دوسرے کا بچہ..... تم اسے ایان ہی سمجھو تمہارا جگنو تمہاری زندگی سے جا چکا ہے۔“

”آئی.....“ میں دھک سے روئے گئی۔

”نہیں بھیک میں بھی ایان نہیں دیں گے انہوں نے نہیں ایان کی ماں بنانا چاہا تھا میڈم نے پرپوزل بھیجا تھا مگر تم..... تمہیں نہ خود پر بھروسہ ہے نہ تقدیر پر شاکر ہو..... تمہیں جگنو کا نعم البدل مل رہا تھا مگر تم شاکر نہیں ہو۔“

”آئی.....“ میں نے سر اٹھایا۔ ”میں تیار ہوں! میں ساری دنیا کے سامنے سر جھکانے کے لیے تیار ہوں۔ میں افراسیاب سے شادی کے لیے تیار ہوں..... مجھے.....“

مجھے ایان دے دیں اسے میری ضرورت ہے۔“ میں گر گڑا رہی تھی آئی نے مجھے ساتھ لگا لیا۔

”سچ مونا.....؟“ اس بے چین بے قرار بچے نے یکدم سے فیصلہ کر دیا تھا۔

”کل صبح آیا آ رہی ہیں جنید کے ساتھ شاید منور بھائی بھی جائیں۔ ہم کل شام ہی تمہارا نکاح کر دیں گے۔“ آئی تو سارے پروگرام طے کیے بیٹھی تھیں۔

میں ان کے پروگرام سن کر کب رہی تھی میرے تصور میں میری بانہوں میں ایان تھا اور میں بانہوں کے جھولے میں اسے جھلارہی تھی میں عالم بے خودی میں تھی۔

آپا آگئیں سب کی خوشی دیدنی تھی۔ شام کو میڈم بھی آگئیں مجھے پیار کرتی رہیں۔ میں سر جھکائے بیٹھی رہی اور سب کچھ یوں ہوتا گیا جیسے یہ میری تقدیر میں رقم تھا اس کام کو ایسے ہی ہونا تھا۔ میرا نکاح افراسیاب سے ہو گیا اور میں رخصت ہو کر سیدھی اسپتال آئی افراسیاب نے ایان کو میری گود میں دیا میں دم بخود تھی۔ نیند میں بے چین ایان نے میرے بازو سے سر نکا دیا ایک قرار سا میرے وجود میں اتر گیا۔

میں اسے چوم رہی تھی پیار کر رہی تھی محبت کے آنسو عشق کی زمین پر گر رہے تھے ایان میرا عشق تھا عشق سچا ہو تو مل جاتا ہے۔ میں اسے دیکھ رہی تھی میری گود میں میرا نصیب سورا تھا۔ میں جگنو کو بھول گئی مجھے ماضی میں زندہ نہیں رہنا تھا۔ ماضی کی یاد ایک ماں کی بے قراری تھی۔ حال ایک ماں ایک بچہ کا قرار تھا۔

”چلیں.....“ افراسیاب میرے پہلو میں بیٹھ گئے۔

”نہیں.....“ مجھے کہیں نہیں جانا جب تک ایان گھر نہیں جائے گا۔“ اب مرے لہجے میں استحقاق تھا۔ مجھے اس بچے سے جدا نہیں ہونا تھا۔

ایان دونوں اور اسپتال میں رہا بہت کمزور ہو گیا۔ ہر لمحہ



کہیں یہ ترک محبت کی ابتدا تو نہیں ہوئی؟
 وہ مجھ کو یاد کبھی اس قدر نہیں آئے
 ابھی ابھی وہ گئے ہیں مگر کان پر ہاتھ رکھ کر
 بہت دنوں سے وہ جیسے نظر نہیں آئے

ہو گئی۔ پورے ہفتے میں واحد اتوار کا دن ہی ہوتا تھا جب
 ہفتے کے رکے ہوئے تمام کام نمٹاتے ہوئے وہ اپنے ہاتھ
 سے لگائے پودوں کی کتر پیونت کرتا نہیں بھولتی تھی۔ کافی
 دیر تک اپنے پسندیدہ کام میں مصروف رہنے کے بعد جب
 وہ تھک گئی اور انھی تو شام کے پانچ بج رہے تھے ہاتھ منہ
 دھو کر وہ لاؤنج میں آئی تو بابا سامنے ہی صوفے پر شام کا
 اخبار پڑھتے نظر آئے۔ وہ بھی ان کی طرف ہی چلی آئی۔
 ”اسلام علیکم بابا! اپنی نیوز.....؟“ وہ ان کے کندھے

میں ای میں لگی رہتی کچھ اور سو جھتا ہی نہیں تھا۔ مجھ سے
 مانوس ہو گیا میری جانب ہنسنے لگتا میری آغوش سے نہیں
 اترتا میری متاسیراب ہو رہی تھی میرے جذبے بچے بے
 لوث اور بے ریا تھے۔ اگلے دن ایان ڈسچارج ہو گیا میں گود
 میں لے کر گھر آئی میڈم وقار النساء کا انداز بے حد محبت
 آمیز تھا انہوں نے مجھے بہت پیار کیا۔
 ”ہمیں اپنے بچے کے لیے ایسی ہی محبت کرنے
 والی لڑکی چاہیے تھی ہم نے تمہارا انتخاب تو بہت پہلے
 کر لیا تھا مگر بہار اب اتری ہے میرے گھر پر۔“ میں
 نے شرما کر سر جھکا لیا۔
 میڈم باتیں کرتیں مجھے افراسیاب کے روم میں
 لے آئیں۔

”آج سے یہ تمہارا بھی بیڈ روم ہے ایان کے ساتھ
 ساتھ تمہیں افراسیاب کو بھی پیار کرنا ہے۔ اس کی زندگی
 میں بھی خوشیاں نہیں ہیں ہے مونا! وہ بھی دوسروں کے
 لیے جیا ہے۔“ میں نے سر جھکا لیا جھجک میرے وجود
 میں ور آئی۔
 ”تھوڑی دیر میں ایان کے ساتھ کھیلوں گی۔“ میڈم
 ایان کو لے کر چلی گئیں۔ میں بے انتہا خوشی کا احساس لیے
 بیٹھی رہ گئی تبھی آہٹ ہوئی میں نے سر اٹھایا سامنے
 افراسیاب کھڑے تھے مسکراتے ہوئے۔
 ”خوش ہو۔“ وہ میرے پاس ہی بیٹھ گئے میں جھجک کر
 پیچھے ہوئی۔
 ”مجھ سے ایان کبھی چھینیں گے تو نہیں؟“
 ”جب تک اسے بے لوث چاہت دو گی ایان تمہارا
 رہے گا۔“ انہوں نے میرا ہاتھ تھام لیا۔
 ”میری تقدیر نے تمہیں متاثر کیا؟ اگر پڑھ جاتا تو
 وکیل ہوتا۔“
 ”نہیں..... ایان کی بے چینی و بے قراری نے یہ
 فیصلہ کروایا۔“
 ”دل سے کہو۔“ آگے ہو کر جھجکے میں نے نگاہ اٹھائی۔
 ”ہاں دل سے کہا۔“

سلسل اپنے چہرے پر نظروں کی حدت محسوس کرنے
 سے اس کے گوڑی کرتے ہاتھ رک گئے بالوں کی بے
 ترتیب لٹوں کو مٹی سے لٹھڑے ہاتھ سے پیچھے کرتے
 ہوتے اس نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی کہیں بھی کوئی بھی
 دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ پتا نہیں کیوں اسے کافی دیر سے
 وہم سے دو رہا تھا کہ کوئی اسے دیکھ رہا ہے اب کون ہے.....
 کہاں ہے..... یہ سمجھ نہیں آ رہا تھا بلا خروہ اپنا وہم خیال
 کر کے قدرے مطمئن ہو کر پھر سے کام میں مصروف



سے لگ کر بیٹھتے ہوئے بولی۔ بابا نے پیار سے اپنی بیٹی کو دیکھا اور مسکرائے۔

”نیوز..... گڈ پائیڈ؟“

”اچھی خبر کی توقع اب بھی ہے آپ کو بابا! اب توئی وی آن کریں یا اخبار اٹھالیں بیڈ ہی بیڈ نیوز ہیں ہر طرف ایسا کیوں ہے بابا؟“

”ایسا اس لیے ہے بابا کی جان کیونکہ ہم میں صبر تحمل قناعت اور احساس کا فقدان ہو چکا ہے۔ ہم اس قدر مادیت پرست ہو چکے ہیں کہ قیمتی رشتوں کو بھی دولت کی ہوس میں کھودیتے ہیں اور افسوس پھر بھی نہیں ہوتا لیکن اب بھی کچھ امید بانی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس اتنی بڑی کائنات میں اچھائی کے پیامبر ابھی بھی باقی ہیں تو دنیا کا نظام چل رہا ہے ورنہ کب کی یہ دنیا ختم ہو چکی ہوتی۔“

”ٹھیک کہتے ہیں بابا! آج ہم اپنے بڑے کاموں پر فخر کرتے ہیں نیکی کی طرف اول تو جاتے نہیں اگر جائیں تو اس میں خدا کی خوشنودی کا خیال کم اور دنیا دکھاوے کا خیال زیادہ ہوتا ہے پھر بھی اگر یہ دنیا قائم ہے تو یقیناً کچھ اچھے لوگ ابھی بھی موجود ہیں۔“

”جی بیٹا بس خدائے پاک سب کو نیکی کی توفیق دے اور اب میرا بیٹا اتابی سے کہہ کر زبردست سی چائے تو پلائے بابا بہت تھک گئے ہیں۔“ ان کے لہجے میں اس کے لیے بے پناہ پیار سمٹا ہوا تھا انہیں اپنی اس پیاری سی حساس بیٹی سے بہت محبت تھی۔

وہ بچپن سے ہی ایسی تھی بے پناہ حساس اور خیال رکھنے والی محبت بانٹنے والی اور کبھی بھی شکایت نہ کرنے والی۔ شکوہ تو تب بھی نہیں کیا تھا اس نے جب محض چھ سال کی عمر میں اماں اسے ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر چلی گئیں۔ پھولے پھولے لگائی گاؤں پر آنسوؤں کی لیکریں سی جھی ٹھیں، میلے سے فراک میں ملبوس منہ بسورنی وہ بابا کے پاس آئی تھی۔ بہت خاموشی سے ان کے بازو کو دوپے بس وہ ان کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کے خاموش ہونٹوں میں چھپے تمام الفاظ بنا کہے بابا سمجھ گئے تھے اس کی آنکھوں میں

خوف تھا اس کے سارے خوف بنا کہے جان لینے کے بعد بابا نے اپنی محبتوں کا تمام تر مرکز اسے بنالیا تھا۔ انہوں نے اس خوب صورت گھر کے در و دیوار کو اس کے لیے مہربان گود بنا دیا تھا۔

”دیکھو حیدر بیٹا! پہاڑی زندگی باقی ہے تمہاری رانیہ بھی بہت چھوٹی ہے ایک ماں کی ضرورت اس عمر میں بھلے اسے ہونہ ہو مگر جیسے جیسے وقت گزرے گا اسے ماں کے سائے کی ضرورت پڑے گی اپنا نہیں تو اس کا خیال ہی کر لو بیٹا!“

”اتابی! آپ بھی اچھی طرح جانتی ہیں کہ جو مشورہ آپ مجھے دے رہی ہیں بھلے سے میرے لیے خوشی کا باعث ہو مگر جس کا نام لے کر آپ یہ مشورہ دے رہی ہیں اس کے لیے اس میں سوائے اذیت کے کچھ بھی نہیں ہوگا۔ کوئی دوسری عورت کبھی بھی رانیہ کو اس کی ماں جیسا پیار نہیں دے سکتی اور اگر مزید اولاد ہوگی تو شاید پھر میں بھی رانیہ کو اس کا حق ٹھیک طرح نہ دے پاؤں۔ ماں تو مقدر سے چھین گئی ہے میں اس سے خود کو دور کر کے اپنی بچی کو تنہا نہیں کرنا چاہتا پلیز اتابی!“ بابا نے دو ٹوک انداز میں اتابی کو سمجھایا اور مزید کہنے لگے۔

”اور جہاں تک ماں کی ضرورت کا تعلق ہے تو اتابی آپ نے جس طرح ایک ماں کا پیار مجھے دیا یقیناً رانیہ کے لیے بھی آپ کے دامن شفقت میں تھوڑی جگہ ضرور ہوگی۔ آپ نے آج تک اس کا خیال ایک ماں ہی کی طرح رکھا ہے آج رانیہ بھی میرا نہیں خیال کہ اسے مزید کسی کی ضرورت پڑے گی۔“ بابا نے اس طرح بات ختم کی تھی کہ پھر بھی اتابی نے انہیں دوسری شادی کا مشورہ نہیں دیا۔ وقت تندر لگا کر کس طرح اڑا ہوا تھا نہ چلا آج رانیہ بی بی ایس فاضل ایئر کی اسٹوڈنٹ تھی۔ بابا کی تمام تر محبت اور رانیہ کی تربیت کا حسین امتزاج رانیہ حیدر..... جو با اعتماد بھی تھی خوب صورت بھی۔ حساس بھی اور محبت بانٹنے والی بھی بابا کی بے پناہ محبت نے اسے اعتماد کے سانچے میں ڈھال کر بے حد رشکشن بنا دیا تھا۔

آنجل ✽ جنوری ۲۰۱۵ء 152



”یار میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ یہ اپنے یکٹین والے چائے اتنے بد ذائقہ سموسے کیوں بناتے ہیں؟“ سلمیٰ کے فانسے پر خیال انداز پر رانیہ اور صالحہ اس کی طرف پوری جان سے متوجہ ہوئی تھیں مگر جوابات اس کے منہ سے نکلی وہ ان بیٹیوں کا ہی میٹر گھما گئی تھی۔

”تم اتنی دیر سے یہ بات سوچ رہی تھیں؟“ صالحہ نے کہنت گھرے انداز میں پوچھا۔

”کیوں کیا قباحت اس میں آخر یہ راز بھی تو اہم ہے کہ ایک طویل عرصے سے ہمارے پیٹ اس اذیت کو بھگت رہے ہیں۔“

”تو آپ سے کون دست بستہ عرض گزارتا ہے کہ آپ یہ نیشنل سموسے ضرور کھائیں۔“ صالحہ نے جڑ کر کہا۔

”تو جان من پھر کیا کھائیں اونٹ کے پائے یا آپ کا بھیجا شریف۔“ سلمیٰ بھی جڑ گئی۔

”یار تم دونوں بھی کمال ہو یہ کون سی بحث لے کر بیٹھی ہو مجھے تو مسز جمیلہ جمال کی فکر کھائے جا رہی ہے کہ موصوفہ ایک تو کئی دن چھٹی کے بعد تشریف لائی ہیں اور پھر بھی اچھی طرح یاد ہوتا ہے انہیں کہ کیا کام دے کر گئی تھیں اس عمر میں بھی حافظ قابل رشک اور زبان کی تیزی پر تو چھریاں چا تو سب ہی فدا ہیں۔“ رانیہ ہاتھ میں پکڑے ٹوکس گھاس پر پختہ ہوئے بولی۔

”اوہو یار قبل از مرگ داویلا کر کے جی نہ جلاؤ وہ اپنی نائنٹ بی بی ہیں ناں! ارے وہی ہسٹری پارٹ دن کی چیلنج..... سنا ہے آج کل ہیر ہیر نہ آکھواڑیو گاتی پھر رہی ہیں وہ اپنے انگلش ڈیپارٹمنٹ کے ہونہار علی یاسر کے لیے۔“ سلمیٰ نے خاصے راز دارانہ انداز میں اظہار فراہم کی۔

”یہ لڑکی جس رفتار سے بوائے فرینڈز بدلتی ہے تو قدر ب خطرہ ہے کہ دنیا سے اس جیسی سوچ رکھنے والے تمام بچے اس کے شکار ہو چکے ہوں گے۔“ صالحہ نے بھی بال بال ملائی۔

قوة العين

آنجل کے تمام قارئین کو محبت بھرا سلام۔ انسان اشرف المخلوقات ہے کسی تعارف کا محتاج نہیں دنیا تو اپنا تعارف چاہتی ہے۔ پچھلے 20 سال سے پاکستان کے چھوٹے شہر ڈی آئی خان میں گوشہ نشین ہوں نام تو قرۃ العین ہے پیار سے سب عینی کہتے ہیں۔ ہم 7 بہن بھائی ہیں بہن بھائیوں میں سب سے بڑی ہوں (ایف اے) انٹر میڈیٹ کرنے کے بعد سیدھا فوج میں آ گئی۔ اسٹڈی کسی وجہ سے مکمل نہیں ہو پائی ارمان تو بہت تھا پر حالات نے اجازت نہیں دی۔ دعا کیا کریں ہر مسلمان و پاکستانی کے لیے کہ جو حالات آج کل چل رہے ہیں ہمارے ملک کی زوال پذیری کب ختم کی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس ذوق ناؤ کو بجائے آمین۔ جس سوچ کے تحت قائد نے ملک کو تعبیر بخشی کاش آج بھی سب ویسے ہوتا پر سب کچھ تو اس کے بالکل برعکس ہے۔ قائد نے کہا کہ نو جوان ملک کا سرمایہ ہیں ہم تو ایسے نو جوان ہیں کہ جو اسے ہی ملک کو لنگے جا رہے ہیں ہم نو جوان ہی تو مغرب کی رنگینی میں کھنچے جا رہے ہیں۔ آپ بور تو ہو رہے ہوں گے لیکن جن حالات کے پیش نظر یہ سب کچھ لکھ رہی ہوں وہ آپ بہتر جانتے ہیں۔ میری خامیاں خوبیاں دونوں بہت زیادہ ہیں خالی یہ ہے کہ تقریباً سب لوگ مجھ سے خائف رہتے ہیں رہا سوال خویوں کا تو کبھی غور نہیں کیا بابا۔ حلقہ اخبار خاصا وسیع رکھتے ہیں ہم میرے بیٹے فرینڈز میں بی بی میری آمنہ سددری ماریہ صفیہ سندس بی بی ثومیہ جو یہ روبیہ طاہرہ صبا کلثوم غزل نازش ثانیاب سلمیٰ ارم مسرت ہیں۔ خوشبو رنگ موسم (سردی) بے حد پسند ہیں۔ بارس کی دیوانی ہوں راسخز میں سمیرا شریف طور نازیہ کنول نازیہ ماہا ملک عفت سحر طاہر بہت پسند ہیں۔ سمیرا شریف کی ”جس دج سے کوئی مقل میں گیا یہ چاہئیں یہ شدتیں“ نازیہ کنول کی ”محبت دل پہ دستک“ ماہا ملک کا ”جو چلے تو جاں سے گزر گئے“ عفت سحر کا ”پتھر دل کی پلکوں پر“ بہت پسند ہیں۔ ایک چھوٹی سی دعا کے ساتھ اجازت چاہوں گی کہ جن محلوں میں آپ ہنستے ہو وہ لمحے بھی ختم نہ ہوں۔

آنجل ✽ جنوری ۲۰۱۵ء 153



دنیا کو بکھر کر گئے تھے وہاں سے
والے رات کے ظلمت کا حوالہ
دید بان
کے لئے نظر میں وطن پرستوں کے
لیے طور خاص ارشد علی ارشد کا ایک دلچسپ ناول
خلیہ سنگ
تاریخ کے صفحات میں محفوظ سر میں بچاؤ کی لہریں
مگر اداسان جھلا نک داستان میں شہر ہوئی ہے

تاریخ کی دلچسپی کے لئے خوب صورت سلسلہ

خوشبو سخن: منتخب غزلیں، نظمیں، ذوق آگے اقتباسات
اقوال زریں، احادیث وغیرہ معروف دینی اسکالر حافظ
شبیر احمد سے اپنے دنیاوی مسائل کا حل جلیے

پیشکش کی ضرورت میں رجسٹرڈ (021-3562077/1/2)

دیا کرتی چاہیے کہ وہی سب کو ہدایت دینے والا ہے۔ وہی
سیدھا راستہ دکھانے والا ہے۔ بیٹا! انابی بچن کا کام سمیٹے
ہونے ساتھ ہی اسے سمجھا بھی رہی تھیں۔ بابا بچن کے
دروازے پر کھڑے دونوں کی گفتگو سن رہے تھے انہوں
نے حمایت بھری سانس لی اور وہاں سے پلٹ گئے یقیناً
ان کی بیٹی کی بہترین تربیت کر کے انابی نے ایک ماں
ہونے کا صحیح معنوں میں حق ادا کر دیا تھا۔ بے شک خدا نے
انہیں عمری میں بیوہ کر دیا اور اولاد کی نعمت سے بھی نہ نوازا
قیامت کے اندر موجود ایک سچھی ہوئی ماں نے بابا کے
بعد رانیہ کو بھی اپنی مہربان تم غوش کی گری دی تھی اور اپنے
اندر کی ساری ایمانداری جیسے سسٹی میں گھول کر پلا دی تھی۔
بچی وجہ تھی کہ اس قدر پرتا شوب اور نفسا نفسی کے دور میں
بھی رانیہ کی فطری معصومیت اپنی مثال آپ تھی۔

”انابی! مجھے کچھ بتائیں چاہیے میں ڈرائیور کا کام
ساتھ مارکیٹ تک جارہی ہوں آپ کو تو کچھ نہیں منگوانا۔“
سلیم سے سر پرودہ پٹہ اور ہنسی وہ لاؤنچ میں تخت پر بیٹھی انابی
کے قریب چلی آئی۔
”نہیں بیٹا مجھے کچھ نہیں چاہیے بس بہت خیال سے
جانا۔ باہر جانی ہو تو دل کو دھڑکا سا لگا رہتا ہے جب تک
دلہن نہیں آ جاتی۔ اللہ کی امان میں رہو بیٹا!“ انابی محبت
سے اسے دیکھتے ہوئے بولیں۔

”میری انابی کی ڈھیروں دعائیں میرے ساتھ رہتی
ہیں بھلا پھر کا ہے کا ڈنڈا۔ اچھا انابی اللہ حافظ۔“ وہ آگے
بڑھ گئی۔ اسیشنری مارکیٹ میں خاصا رش تھا وہ اسلم کا
گلاس بھر کھول کر اندر داخل ہوئی۔ کتابوں کا ایک جہان
آباد تھا گویا دنیا کا بہترین لٹریچر وہاں موجود تھا۔ بلند پایا
رائرز اور شاعروں کی گرانتھر کتابیں اس قدر خوب
صورت انداز میں ڈسپلے تھیں کہ رانیہ نے دل ہی دل میں
خاصا سراہا۔ اتنی بڑی شاپ کا مالک جو بھی تھا یقیناً بے حد
اٹنی ذوق کا مالک تھا۔ اس سے پہلے وہ اور کئی دکانوں سے
کتابیں خریدتی رہتی تھی پہلی بار اس دکان میں آئی تھی اور

”اس دنیا میں صرف بد عمل ہی نہیں ہیں اگر ہر کوئی
صرف بگاڑنے پر کمر بستہ ہو جائے تو دنیا بہت جلد ختم
ہو جائے مگر ایسا نہیں اللہ تعالیٰ کی اس کائنات میں ایک
توازن ہے کچھ بگاڑ پیدا ہوتے ہیں تو انہیں سدھارنے
والے بھی لازمی کہیں نہ کہیں موجود ہوتے ہیں۔ تصویر کے
ہمیشہ دور رخ ہوتے ہیں ایک روشن اور ایک تاریک اور میری
پیاری رانیہ بیٹا! آپ تصویر کا صرف ایک رخ دیکھ رہی
ہیں۔ انسان کو کبھی بھی خوش امید کی کا دامن ہاتھ سے نہیں
چھوڑنا چاہیے۔ ہر انسان اگر خود سے بہتری کی طرف قدم
اٹھانے کی ابتداء کرے تو آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جائے
گا۔“ انابی بہت پیار سے اسے سمجھا رہی تھیں۔
”انابی! اتنا بگاڑ اتنا الجھاؤ بھلا کس طرح ٹھیک
ہو پائیں گے۔“ رانیہ نے بے چینی سے پوچھا۔

”میرا بچہ جب تاریکی بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے تو پھر
سوریا لازمی ہوتا ہے جب یوں لگے کہ اب تو کچھ بھی اچھا
نہیں ہو سکتا سب کچھ ختم ہو جائے گا تب خداوند کریم ہم
خاک انسانوں میں ہی کچھ ایسے لوگوں کو ودیعت فرما دیتا
ہے جو اس اندھیرے میں روشنی کا باعث بن جاتے ہیں۔“
”آپ ٹھیک کہتی ہیں انابی! مگر میں سوچتی ہوں دنیا کا
کوئی ایسا شعبہ نہیں بچا جس میں بے ایمانی نہ ہو آپ کوئی
ہے ہماری نکلاں فیلو عالمہ جو ایک بہت بڑے فیئر کی بیٹی
ہے اس کے ابو بچھلے دنوں پکڑے گئے ایک کروڑ روپے کی
رشوت لی ہے انہوں نے۔ انابی صرف ایک بیٹی ہے ان کا
اتنا خرچہ تو نہیں جس کی خاطر ان کو بے ایمانی کرنی پڑے۔
اچھی خاصی تنخواہ ہے ان کی بہت کچھ ہے ان کے پاس خدا
کا دیا ہوا مگر پھر بھی وہ اور زیادہ کی لالچ میں حرام اکٹھا کیے
جاتے ہیں۔“

”بیٹا! بے ایمانی اور حرص دہوس کی کوئی حد نہیں ہوا
کرتی انسان کو ایک بار حرام کھانے کی عادت ہو جائے تو
پھر وہ کم پر قناعت کرنے کو تیار نہیں ہوتا۔ بس رب پاک
ہمیں حرام حلال کے فرق کو سمجھنے کی توفیق دے۔ اور حرام کے
ایک لقمے سے بھی محفوظ رکھے۔ اللہ تعالیٰ سے ہر مل جائی

”چھوڑو یا آج کل تو ہر طرف یہی بیماری پھیل چکی
ہے۔ میڈیا اور ٹیکنالوجی نے لائف کو کیا فاسٹ کر دیا
اخلاقیات کا گراف بالکل ہی گر گیا ہے۔ لڑکیاں ہر فیڈ
میں لڑکوں کا مقابلہ کرتے کرتے بالکل ہی آپے سے باہر
ہو گئی ہیں۔ مجھے بے حد افسوس ہوتا ہے ماڈرن ازم کے نام
پر ہم نے اپنے مذہب کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دی ہیں۔
جنت کی دوز میں آگے سے آگے بڑھنے کی خواہش نے
ہمارے اندر کے مسلمان کو بالکل ادھ موا کر دیا ہے۔“ رانیہ
کے لہجے میں تاسف تھا۔
”بس یا رخدا المسبت مسلمہ کو نیکی کی راہ پر چلنے کی توفیق
عطا فرمائے اور اب اٹھ جاؤ وہ سانسے میڑھیوں پر سے
اترتی ہوئی یقیناً اپنی سبز جیلہ ہی ہیں جو تشریف لا چکی ہیں
اور مجھ میں ان کا پیریدہ بنک کرنے کی جرأت نہیں ہے۔“
سلیم کپڑے جھاڑتی اٹھ کھڑی ہوئی تو رانیہ اور صالحہ بھی
اس کی تھلید میں اٹھ کھڑی ہوئیں۔

”انابی!.....! لوگ اتنے بے حس کیوں ہوتے ہیں؟“
بچن میں انابی کے پاس کھڑی وہ بہت معصومیت سے
پوچھ رہی تھی۔ انابی نے چوہے کی آج دھیمی کرتے ہوئے
اس کی طرف گہری نظروں سے دیکھا۔
”رانی بیٹا آپ نے یہ سوال کیوں کیا؟“ اس کے سوال
کے جواب میں انابی نے پھر سوال کیا۔

”انابی میں دنیا کو دیکھتی ہوں تو مجھے بہت دکھ ہوتا ہے
اللہ پاک کی اتنی خوب صورت دنیا انسان نے اپنی
بد اعمالیوں سے کتنی بد صورت بنا دی ہے ہر طرف ظلم و
زیادتی خود غرضی لالچ اور صرف اپنی فکر..... انابی زندگی اس
لیے تو نہیں دی جاتی کہ لوگ آپ کا استحصال کرتے
رہیں۔ زندگی کا مقصد تو بہت بلند بہت ارفع ہے۔“ اس کی
آنکھوں میں ادا سی تھی اور لہجہ بچھا ہوا۔

”ہر روز ہزاروں ایسی خبریں نظروں سے گزرتی ہیں
جنہیں سن کر پڑھ کر اپنے انسان ہونے پر شرم آتی ہے انابی
ایسا کیوں ہے؟“

اسے بے حد افسوس بھی ہو رہا تھا کہ وہ پہلے کیوں اس طرف نہیں آئی تھی۔ اسے انگلش لٹریچر سے خاص دلچسپی تھی اور تقریباً تمام اچھے انگلش رائٹرز کو پڑھ چکی تھی۔ ایک بار اس کی نظر سے Fourteen Rules Of Love گزری زیادہ عین تو نہیں بس سرسری ہی پڑھ پائی تھی اس کہانی کی ایلا کا کردار اس کے ذہن کی اسکرین پر اس طرح روشن ہو گیا تھا کہ بھولتا نہ تھا۔ وہ ایک باریق انداز میں اس ناول کو پھر پڑھنا چاہتی تھی۔

اس نے بغور کتابوں کو دیکھنا شروع کیا کافی دیر دیکھنے کے باوجود اسے اس کی من پسند کتاب نہیں ملی۔ اس نے کیرن آرمسٹرانگ کی "خدا کے لیے جنگ" اور دو مزید کتابیں اٹھا لیں اور کاؤنٹر پر آ گئی۔ کاؤنٹر پر موجود صاحب کمپیوٹر پر خاصے مصروف تھے۔

"ایکسیکوزی سر.....!" اس نے اسے متوجہ کیا "سلور فریم کی عینک کے پیچھے سے اس نے جھانکا۔

"سر اگر میں کوئی کتاب منگوانا چاہوں تو کیا آپ منگوادیں گے؟" اس نے پوچھا تو وہ قدرے مسکرایا اور اثبات میں سر ہلا کر رائٹنگ پیڈ اور پین اس کے سامنے رکھ دیا۔ اس نے Elif Shafaq لکھا اور اس کی طرف بڑھا دیا اور باقی کتابوں کی ادائیگی کر کے باہر آ گئی۔

سیکند سمسٹر کے ایگزیم کی تیاری میں وہ کچھ اس طرح مصروف ہوئی کہ کچھ دن تک اسے سوائے کتابوں اور کمپیوٹر کے اور کچھ بھی یاد ہی نہ رہا۔ آخری سپر دے کر آئی تو خوب لمبی تان کر سوئی۔ شام کو جب انھی تو فریش ہو چکی تھی منہ دھو کر جب باہر آئی تو اپنے پیارے لاڈلے پودوں کی یاد نے آ گھیرا۔

"ہائے اللہ وہ تو بے چارے مر جھا گئے ہوں گے پتا نہیں کسی نے پانی بھی دیا انہیں کے نہیں۔" وہ بھاگی ہوئی لان میں آئی اور اپنی من پسند کیاری کے قریب نیچے گھاس پر بیٹھ گئی۔ انابی پر اس وقت اسے جی بھر کر پیارا یا تھا کیونکہ اس کی عدم توجہی کے دورانیے میں انابی مسلسل پودوں کا

آنجل ✽ جنوری ✽ ۲۰۱۵ء 156

دھیان رکھتی رہی تھیں انہیں پانی دیتی رہی تھیں اس نے اپنے موسی ہاتھوں سے گلاب اور موسی کے کھلے ہوئے پھولوں کو نرمی سے چھوا ان کی ٹھنڈک آمیز نمی سے اسے عجیب سی فرحت کا احساس ہوا۔ وہ وہیں گھنٹوں تک گر بازو پلیٹ کر بیٹھ گئی سانس کے ذریعے اپنے گرد بکھری بھینی سی مہک کو اپنے اندر اتارتے ہوئے اسے پھر سے احساس ہوا تھا جیسے کوئی اسے دیکھ رہا ہے۔ اپنے گالوں پر نظروں کی حدت محسوس کر کے اس نے چاروں طرف بہت توجہ سے دیکھا مگر کوئی ذی روح دکھائی نہ دے رہا تھا۔ وہ کچھ عرصے سے محسوس کر رہی تھی کہ جب بھی وہ یہاں آ کر بیٹھتی اسے لگتا ہے جیسے وہ ان دیکھی نگاہوں کے حصار میں ہے۔ یہ احساس بہت عجیب سا تھا اچھا نہیں لگتا تھا تو برا بھی نہیں لگتا تھا مگر اب تک وہ یہ جان ہی نہ پائی تھی کہ وہ کون ہے جو اسے دیکھتا ہے یا یہ اس کا وہم ہے۔

اس دن صالحہ کا فون آیا محترمہ نے خاصی بسورتی ہوئی آواز میں اطلاع دی تھی کہ تین دن بعد اس کی منگنی ہونے جا رہی ہے اچانک ہی اس کے بابا میاں کے چچیرے بھائی کے بیٹے تشریف لائے اور موصوف نے صالحہ کو پسند بھی کر لیا اور فوراً سے منگنی کا مطالبہ کر دیا۔ قسمت کے دھنی پتے کہ اب میاں انہیں اور ان کے آباؤ اجداد کی جیوگرانی آپنی طرح جانتے تھے سوائے لائق فائق داماد کے مل جانے پر پھولے نہ سماتے ہوئے منگنی کی تاریخ مقرر کر ڈالی۔ اب مس صالحہ کو ساری ٹینشن اپنی ڈریسنگ کی تھی اور اسی خاطر وہ بسور رہی تھی جانتی تھی کہ اس بڑے وقت میں صرف رانیہ ہی ہے جو اس کی مدد کر سکتی تھی۔

"اوہو یار! تو اس میں اتنی پریشانی کی کیا بات ہے کہیں تم....." معنی خیزی سے بات کو اٹھورا چھوڑتے ہوئے رانیہ کھکھری۔

"ایسا کچھ نہیں ہے نہ میں کہیں انوالو ہوں نہ ہی مستقبل کے لیے میں نے کچھ بھی سوچا ہے۔ اب میاں کی کسی بھی بات سے مجھے کوئی اعتراض نہیں مگر تم جانتی ہو

میں خود سے متعلق کتنی چٹی ہوں اور ایک منگنی اور شادی کا موقع ہی تو ہوتا ہے جس میں انسان کو اچھا لگنے کی زیادہ چاہ ہوتی ہے۔"

"ہم....." رانیہ پھر کھکھری۔

"بس کرو یار! مجھے مدد چاہیے تمہاری شام میں کچھ وقت نکال کر میرے ساتھ لفیصل چلو۔"

"نہیں کریم کھلاؤ گی؟"

"شہناز! کچھ کھلاؤ گی کہو گی تو کے ایف سی کی پوری شاپ تمہارے گھر اسٹاک کروادوں گی مگر خدا را اس ٹینشن سے میری جان چھڑاؤ۔" صالحہ کے لیے تو جیسے حیات و موت کا مسئلہ بنا ہوا تھا۔

"اوہ ہلکی چھری تلخ تو لو حسین لگنے کے مواقع بہت آئیں گے۔ چلو خیر تم بھی کیا یاد کرو گی شام میں مجھے پک کر لونا میں تیار ہوں گی۔" رانیہ کا خرکا اس پر ترس آ ہی گیا۔

"ٹھیک ساڑھے چار بجے اور ہاں میں اندر نہیں آؤں گی انابی سے کہہ دینا کہ ان کے پیارے پیارے ہاتھوں کی چائے ادھار رہی میں ذرا علی اس سے نمٹ لوں پھر سکون سے ان کے ہاتھ کی چائے پیئیں گے بنائے۔" صالحہ نے فون رکھ دیا۔ رانیہ مسکرائی شام میں اس کے آنے سے پہلے ہی تیار ہو چکی تھی بابا اور انابی کو بتا کر ان کی اجازت بھی لے چکی تھی۔ جانتی تھی صالحہ وقت کی بہت پابند تھی اور ساڑھے چار کا مطلب واقعی ساڑھے چار ہی تھا اور توقع کے مطابق وہ بالکل ٹھیک وقت پر آ پہنچی تھی۔ ہارن کی آواز سن کر اس نے جلدی سے انابی کو خدا حافظ کہہ کر باہر نکل لیں اور بھاگتی ہوئی گیٹ سے باہر نکلی بالکل اسی بل پر تھکے والے گیٹ سے بھی کوئی عجلت میں باہر نکلا تھا۔ رانیہ نے بلا ارادہ اس کی طرف دیکھا چہرہ کچھ شناسا تھا مگر فیک سے یاد نہیں آ رہا تھا کہ کہاں دیکھا ہے جب کہ

مقابلے نے بس ایک توجہ بھری نگاہ اس پر ڈالی تو اس کی آنکھیں جیسے لودینے لگی تھیں ہونٹ مسکرائی۔ اس نے اسے ہاتھ سے رکنے کا اشارہ کیا اور جس تیزی سے گیٹ سے نکلا تھا اس سے دگنی رفتار سے واپس مڑ گیا رانیہ حیران

پریشان بس دیکھتی ہی رہ گئی۔

"اب چل پڑا لسی بھی حسین صورت نہیں تھی یار کہ فریفتہ ہو کر سکتہ زدہ ہو گئی ہو۔" صالحہ کی کمراری آواز نے اسے جھنجھوڑ ڈالا۔

"لا حول ولا..... جب بھی منہ کھولتی ہو اول فول ہی نکالتی ہو میں تو علی اس پر حیران ہوں کہ اسے تم میں آ خر کیا پسند آ گیا۔" رانیہ نے بھی دانت کچکچائے۔

"اب اگر شہناز وی رانیہ صاحبہ ہماری شان میں قصیدہ پڑھ چکی ہوں تو تشریف لائیں گی۔" لفیصل والے میرے چچا کے بچے نہیں ہیں جو ہمارے انتظار میں رہیں گے کل ہی میں نے انہیں فون کر کے کچھ ڈر۔ سز روک دینے کو کہا تھا دیر ہو گئی تو کوئی نہ کوئی خرید لے گا ہم منہ دیکھتے رہ جائیں گے۔"

"صالحہ اس نے مجھے رکنے کا اشارہ کیا تھا ایٹنی کیٹس کے خلاف ہے اگر ہم چلے جائیں۔" رانیہ کی بات سن کر صالحہ کو اس کی دماغی صورت حال پر کچھ شک سا گزرا۔

"تم جانتی ہو یہ کون صاحب تھے؟" صالحہ نے پوچھا۔

"نہیں....."

"ہیں..... یعنی کہ تم جانتی نہیں پھر بھی موصوف نے رکنے کا اشارہ کیا اور تم رک گئیں۔ او بی بی! کچھ ہوش کے ناخن لو زبانیہ کس طرف جا رہا ہے اور تم کہاں کھڑی ہو۔ یہ دور ایٹنی کیٹس کا نہیں رہا۔" صالحہ جھنجھلا کر ابھی مزید کچھ کہنے ہی والی تھی کہ گیٹ کھلا اور وہی موصوف باہر نکلتے دکھائی دیئے۔ اس نے جبراً اپنے منہ میں آئی بات کو طوق میں ہی گھونٹ لیا۔ وہ جو کوئی بھی تھا خاصا باوقار تھا خاص طور پر اسٹیلٹیو کل کے پیچھے سے جھانکتی اس کی بڑی بڑی ذہین آنکھیں خاصی متاثر کن تھیں۔ اس نے حیران کھڑی رانیہ کے ہاتھ پر کوئی چیز رکھی ماتھے تک ہاتھ لے جا کر جیسے سلام کا اشارہ کیا اور مخالف سمت میں کھڑی اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

رانیہ جب صالحہ کے قریب آ کر بیٹھی تو اس شخص سے متعلق شناسائی کی کتنی سبب چکی تھی اس نے اپنے ہاتھ میں دبی Fourteen Rules Of Love کو ایک نظر

آنجل ✽ جنوری ✽ ۲۰۱۵ء 157

دیکھا اور مسکرا دی گاڑی چل پڑی مگر خاموشی رہی جو زیادہ دیر تک صالحہ سے برداشت نہ ہو پائی۔

”اب کوئی مجھے کچھ بتائے گا! یہ سب کیا تھا؟“ صالحہ نے حیرت سے مسکرائی رانیہ کو دیکھا۔

”اوہو یار! ایک ڈیڑھ ماہ پہلے میں اسٹیشنری مارکیٹ گئی تھی کچھ کتابیں لینے۔ میں نے اس دکان کے مالک کو اس کتاب کا نام لکھ کر دیا تھا کہ مجھے منگوادیں۔ مجھے پتا نہیں تھا کہ مبصوف خیر سے ہمارے پڑوسی بھی ہوتے ہیں۔ میں تو بھول بھی گئی تھی مگر اسے یاد رہا کتنی عجیب سی بات ہے ناں۔“

”اس میں عجیب کیا دھرتی پر تمہارے جیسے خطی کم تو نہیں ہیں ابھی بھی خاصی تعداد میں موجود ہیں۔“ صالحہ نے یونان لیتے ہوئے گاڑی اخپھصل کے سامنے روک دی۔

”کیا کہا؟“ رانیہ نے گھور کر اسے دیکھا۔

”کچھ نہیں..... کچھ نہیں پیاری رانیہ شائینگ کرنے چلیں۔“ صالحہ نے سب کو شیرینی سے بھر پور بناتے ہوئے کھا تو رانیہ بس دانت پیس کر رہ گئی۔ صالحہ کی چوٹس کی چیزیں لیتے لیتے تو گویا دانوں تلے پسینہ آ گیا تھا اتنی مشکل چوٹس۔

”علی انس خدا تمہارے حال پر رحم کرے مجھے تمام عمر تم سے بے تحاشا ہمدردی رہے گی مگر افسوس میں تمہیں بچا نہیں سکتی تم نے خود اس اوکھلی میں سر دیا ہے۔“ اس کے ساتھ گھومتے گھومتے رانیہ تھک کر ایک اسٹول پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

”ہیں..... میری دوست ہو کر مخالف گروپ کے ساتھ ہمدردی اس غداری کی تمہیں کیا سزا دی جائے لڑکی!“ صالحہ مسکرائی۔

”کچھ کھلا پلا دے یار! مار دیا آج۔“ رانیہ نے دہائی دی تو وہ مسکراتی ہوئی سر ہلائی اسے لیے گراؤنڈ فلور پر بنے نوڈ کارز کی طرف بڑھ گئی۔

”یہ شکر کرو کہ میری مرضی کی سب چیزیں یہیں سے مل گئیں ورنہ دوسری مارکیٹیں جاتے تو کیا حال ہو جاتا تمہارا۔“

”اس خوش فہمی میں مت رہو کتا نس کریم کے ایک کپ کی خاطر میں اتنی خواری برداشت کرتی ہوں سڑک پر چھوڑ کر چلی جاتی۔“ رانیہ نے گویا اسے چڑایا۔

”جانتے تو تمہارے اچھے بھی بہر حال اچھا سا آرڈر کرو اتنی تھکاوٹ ہوگئی آج تو۔“ صالحہ نے ٹیبل منتخب کی اور بیٹھتے ہوئے بولی تو رانیہ بھی مسکرانے لگی۔



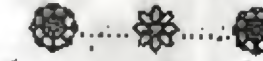
رات میں اپنے بستر پر لیٹتے ہی اسے اپنے پرے میں رکھی کتاب کا خیال آیا اور ساتھ ہی سارا منظر نگاہوں کے سامنے واضح ہو گیا۔

”دنیا میں ابھی بھی سلجھے ہوئے لوگ موجود ہیں۔“ کتا نس کیوٹ سا انداز تھا اس کا کوئی اور دیکھا تو شاید اسے اس میں کچھ قابل اعتراض لگتا مگر رانیہ جان گئی تھی کہ وہ جو کوئی بھی تھا اسی کی طرح کتابوں سے شغف اور محبت رکھنے والا انسان ہے۔ یہ کتاب یقیناً رانیہ کے لیے بھی خصوصی اہمیت رکھتی تھی۔ اپنے کاموں اور اسٹڈی میں الجھ کر وہ بھول ہی گئی تھی لیکن اسے یاد تھا اور نہ صرف یاد تھا بلکہ اس نے کتاب Avail کر کے اس تک پہنچا دی تھی۔ اس نے پرس سے کتاب نکال لی اور بستر میں گھس کر پوری نو بجار دیکھی سے پڑھنے لگی ایک ایک لفظ لکھنے والے نے جسے موتی پر دئے تھے صبح کی اذان کی صدا کانوں میں پڑی تو وہ چونک گئی۔ ساری رات بیت گئی اور اسے خبر تک نہ ہوئی ایک بل کو بھی نیند نے اس کی پلکوں کو نہیں چھوا تھا۔ محبت کا ایک انوکھا روپ دل کو چھو لینے والا اس قدر پاکیزہ رشتہ..... اس پر جیسے محبت منکشف ہونے لگی۔

محبت جس میں آنسو ہیں آہیں ہیں۔ محبت جس میں کہیں کانٹے ہیں تو کہیں پھول ہی پھول..... کہیں خوشبوئیں تو کہیں دھنک کے ساتوں رنگ۔ محبت جو غم و اندر سے شکستہ کر دیتی ہے تو کبھی ایک نشاط بے پناہ سے شگفتگی کا احساس عطا کرتی ہے۔ محبت کا ہر ورق اپنے ہونے کا یقین ہے طاقت ہے تاثیر ہے محبت جس میں عجیب سی سپردگی ہے اور کہیں عجیب سا گریز۔ کہیں خود کو

کرنے کا جذبہ تو کہیں سب سے خود کو چھپا کر رکھ لینے والا گریز۔ رانیہ کو لگا شمس کی ساری درویشی اس کے اندر سما گئی۔ اس قدر گریہ کیا تھا انہوں نے ایک ساکھی کے لیے اور پھر رپٹ نے ایک باقدر خطیب روی جیسا ساکھی انہیں نوازا دی۔ یہی محبت تھی..... یہی محبت کی اصل صورت اصل رنگ تھا۔

رانیہ نے کتاب ہیڈ سائڈ ٹیبل پر رکھی اور بستر سے اٹھ گئی۔ خوشبو کے نماز فجر ادا کر کے جب وہ اپنے رب کے حضور ہاتھ پھیلا کے بیٹھی تو اسے حیرت سی ہوئی۔ اس کے پاس..... کتنے کے لیے کچھ نہ تھا کوئی انسان جس قدر اپنی زندگی کے لیے طلب کر سکتا ہے وہ سب ہی کچھ تو تھا اس کے پاس۔ رب عظیم نے اگر اسے ماں کے سائے سے محروم کیا تھا تو انانی کی صورت متا کا تم البدل بھی عطا کر دیا تھا۔ یہ وہ اپنی دعاؤں میں دوسروں کے لیے بہت کچھ مانگ سکتی تھی مانگتی تھی۔ ہر ایک کا بھلا چاہتی تھی سب کے سکھ اور سکون کی طلب گار بھی دعا مانگنا شروع کی تو جانے کیسے شمس کا گریہ دھیان میں آ گیا۔ وہ بھی سب کے لیے سب کچھ مانگا کرتے تھے مگر اپنے لیے صرف ایک ساکھی ایک مزاج آشنا کی طلب ہو سکتی تھی ان میں اور بے شک رہی کو پا کر ان کی طلب شانت ہوگئی تھی یہاں تک بات کہ ان کے قریب میں آ کر اس نے تصوف اور معرفت کی جو حسین رنگ آمیزی دیکھی اور جس قدر محبت کا اخلاص پایا وہ انہیں ایک جید عالم اور متاثر کن شاعر بنا گیا۔



اس دن شام میں وہ اپنے پھولوں کی کیاری کے پاس اس ہی طرح نیچے گھاس پر بیٹھ گئی جان بوجھ کر ان کی آنکھوں کا حصار شمس کے فلسفے کی طرح اسے محسوس ہونے لگا تھا۔ اسے یہ پس اچھا لگنے لگا تھا اب وہ چونکتی نہیں تھی بس گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے بازوؤں پر چہرہ نکاسے خاموش بیٹھی رہتی تھی۔ اسے یوں لگتا تھا کہ وہ اگر تا زندگی یونہی بیٹھی رہے گی تو تا زندگی یہ نرم گرم سا ماحول نگاہوں کا لمس اس کے چہرے پر دکھتا رہے گا۔

یہ جاننے کی کوشش بے کار ہی تھی کہ کون تھا وہ؟ مگر کہیں نہ کہیں تو تھا اس کی نگاہوں کی دست برد سے دور مگر اس کے چہرے پر اپنی نگاہوں کو لگائے، کبھی رانیہ کو لگتا کہ یہ سب Fourteen Rules of Love کا کیا دھرا ہے کہ وہ ایک ان دیکھے جال میں خود کو مقید پانے لگی ہے اور کبھی اسے لگتا کہ ایک ان دیکھا استاد ہے جو اس کی انگلی تھا ہے اسے ان جانی راہوں پر لیے چلا جا رہا ہے اور وہ کسی فرماں بردار شاگرد کی طرح بس اس کی انگلی تھا ہے اس کے پیچھے سر جھکا کے چلی جا رہی ہے۔

اس کی کھوئے کھوئے رہنے کی کیفیت کو صالحہ اور سلمیٰ نے بہت شدت سے محسوس کیا تھا لیکن وہ ان سے کچھ بھی شیر نہیں کر سکتی تھی۔ وہ اس کی بہترین دوست تھیں لیکن یہ بات اگر وہ ان سے شیر کرتی تو یقیناً وہ اس پر بہت ہستیں کہ اس قدر فاسٹ نیکنا لوجی کے دور میں اس طرح کے خیالات دقیانوسی اور فرسودہ ہی قرار دیے جاسکتے تھے۔ آج کل کے دور میں محبت کہاں اتنی مشکل رہی تھی موبائل پر رائگ نمبر سے میسج آیا یا پلائے دیا اور کہانی شروع۔ بے جان محبت جس میں اب سوائے الفاظ کے لین دین کے کچھ بھی نہیں بچا تھا۔ چار دن بعد جی بھر گیا تو لڑکا لڑکی دونوں ہی اپنی اپنی راہ ہو لیے ایک نئی محبت ایک نئے ساکھی کی چاہ میں..... ایسے دور میں بھلا نگاہوں کی مقدس زبان کی کیا حیثیت و وقعت..... مگر وہ شاید فرسودہ اور پرانے خیالات ہی کی مالک تھی۔ بوڑھی روح جس کے اندر ایک سچے جذبے کی آرزو تھی۔ انانی کچھ دنوں سے محسوس کر رہی تھیں کہ رانیہ وہ پہلے والی رانیہ نہیں رہی کچھ تھا جو اسے اندر سے بے چین کیے دے رہا تھا۔ صالحہ کی ممکنہ بھی اس نے بہت بے دلی سے اسٹینڈ کی تھی۔ نہ چوڑیاں پہنیں نہ مہندی لگائی نہ ڈھنگ سے تیار ہوئی حالانکہ اس نے سلمیٰ کے ساتھ مل کر اس موقع کے لیے کتنے بہت سے پلان بنائے تھے اگر وہ پہلے والی رانیہ ہوئی تو علی اس کا ناطقہ بند کر دیتی مگر سارے فنکشن کے دوران وہ کچھ چنچنی چنچنی سی ہی رہی تھی سلمیٰ کے استفسار پر سر در دکا بہانہ بنا کے بیٹھی رہی تھی

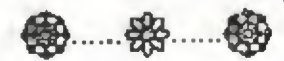
اور فنکشن ختم ہوتے ہی گھر آگئی تھی۔ وہ سب کے سامنے بہانے بنا سکتی تھی مگر انابی کی متا بھری گہری آنکھوں سے خود کو اوجھل نہیں رکھ سکتی تھی۔

”رانی بیٹا! میں آسکتی ہوں؟“ وہ اپنے بیڈ پر نیم دراز تھی جب انابی نے کمرے میں جھانکا وہ سیدھی ہوئی تھی۔
”آجائیں انابی! آپ کو اپنی بیٹی کے کمرے میں آنے کے لیے اجازت کی ضرورت کب سے ہونے لگی؟“
انابی مسکراتے ہوئے اندر آئیں اور اس کے قریب بیڈ پر بیٹھ کر بخور اس کو دیکھنے لگیں۔

”رانی بیٹا! ہمارا دعویٰ تھا کہ ہم اپنی بیٹیا کو اتنا چاہتے ہیں اس قدر دوستی ہے ہماری کہ ہم میں کبھی بھی کوئی فاصلہ نہیں۔“
انابی نے کہا تو رانیہ نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔
”دعویٰ تھا..... کیا مطلب انابی! ہم دونوں بہت اچھے دوست تھے اور ہیں۔“

”پھر یہ فاصلہ کیوں؟ رانی بیٹا آپ نے اپنے اور اپنی انابی کے درمیان یہ کیسی اجنبیت پیدا کر لی ہے۔ اسی کون سی الجھن ہے جو آپ ہمیں نہیں کہہ سکتیں؟ ہمیں بتا کر آپ اپنے دل کا بوجھ ہلکا نہیں کرنا چاہتیں۔ دیکھو بیٹا! اماں کا دامن محبت اپنی اولاد کا ہر دکھ سینے کی وسعت رکھتا ہے یا پھر آپ ہمیں اس قابل نہیں سمجھتیں؟“

”ایسا نہیں ہے انابی! میں نے آپ کو ماں کہا ہی نہیں بلکہ دل سے سمجھا بھی ہے شاید اماں ہوتیں تو بھی مجھ سے اتنا پیار نہ کرتیں جس قدر پیار میں نے آپ سے پایا۔ مجھے خود بتائیں انابی کد آخر میں کیا چاہتی ہوں کون سی الجھن ہے جو میرے اندر بے چینی پیدا کیے ہوئے ہے۔ میرا وعدہ ہے انابی جب مجھے سمجھا گئی تو سب سے پہلے آپ کو ہی بتاؤں گی۔“ انابی کے گرد بازو دھماں کر کے اس نے اپنا سر ان کے مشفق سینے میں چھپا لیا۔ خود سے متعلق ہستیوں کو دکھ دینے کا یا ان کو نظر انداز کرنے کا تو وہ خیال میں بھی نہ سوچ سکتی تھی۔ مگر یہ بے ایمان دل خدا جانے اس سے کیا کروانا چاہتا تھا۔ کیسی سرکشی پر تڑپا ہوا تھا؟ وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔



شام میں وہ اپنی من پسند جگہ ابھی آکر بیٹھی ہی تھی کہ گیٹ کھلا ایک بے حد نفیس سی خاتون اور بزرگ اندر داخل ہوئے۔ وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی تیزی سے ان کی طرف بڑھی۔

”اسلام علیکم!“ جھٹ سدا بہرہ پر اوڑھتے ہوئے اس نے سلام کیا خاتون نے مسکرا کر جواب دیا۔
”بیٹا گھر میں کوئی بڑا موجود ہے۔“ بزرگ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور پھر سوال کیا۔

”جی انکل آئیے۔“ وہ دونوں کو ہمراہ لیے کوریڈور کے دروازے سے اندر داخل ہوئی۔ انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھا کر اس نے انابی کو ان کے بارے میں بتایا اور خود اپنے کمرے میں چلی آئی۔ کمپیوٹر آن کر کے جو بیٹھی تو پھر وقت گزرنے کا ہاتھ نہ چلا۔ مغرب کی اذان کی صدا پر وہ چونکی اور ساتھ ہی خود پر غصہ آیا۔ کتنی بُری بات بھی جانے کون لوگ تھے بے چاری انابی! کیلے ہی کام نہ کر سکتی تھک گئی ہوں گی۔ اس نے کمپیوٹر آف کیا اور باہر نکل آئی انابی تخت پوش پر نماز میں مصروف دکھائی دیں۔ لیکن میں آئی تو سنک میں برتنوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا اس نے جلدی سے برتن دھوئے بابا بھی آنے والے تھے۔ خیال آتے ہی اس نے سوچا دو چار روٹیاں بھی ڈال لے کہ انابی بڑبڑاتی کچن میں داخل ہوئیں۔

”غضب خدا کا لوگ کیسے بنا جانے بوجھے ہی چل پڑتے ہیں! حد ہی ہوگئی۔“ یقیناً ان کا موڈ خاصا خراب تھا رانیہ چونکی۔

”کیا ہوا انابی؟“
”کچھ نہیں بیٹا! تمہارے بابا آجائیں تو ان سے بات کروں گی لو بھلا کیا تک تھی یہ۔“ وہ آدھی بات اس سے کر کے پھر بڑبڑانے لگیں۔ ایسا کبھی کبھی ہی ہوتا تھا کہ ان کا موڈ اس طرح آف ہو جائے آج پتا نہیں کیا ہوا تھا جو ان کو اتنا گوار گزار تھا۔

”بابا آئے تو انابی نے بمشکل ان کے کھانا کھانے کا انتظار کیا جیسے ہی رانیہ چائے بنا کر لائی انابی نے اسے

کمرے میں جانے کا حکم صادر کیا۔ رانیہ کے کان کھڑے ہوئے یقیناً جو بات بھی تھی اس سے متعلق تھی۔ جو انابی اچانک ہی جیمز بائز کی طرح مشکوک سی ہوئی تھیں۔ رانیہ کو حد بد تو بہت لگی مگر انابی اور بابا کی باتیں چھپ کر سننا اسے بے حد غیر اخلاقی لگا سو وہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔

”کیا مسئلہ ہے انابی! آپ کیوں اس قدر پریشان ہیں؟“
”حیدر بیٹا میں بہت پریشان ہوں۔“

”تو میں بھی تو یہی پوچھ رہا ہوں انابی کد آپ کیوں پریشان ہیں آپ کچھ بتائیں گی تو مجھے پتا چلے گا نا۔“ بابا نے بہت نرمی سے مسکراتے ہوئے ان کی طرف دیکھا جو خاصی بے چین سی تھیں۔

”آج شام ہمارے گھر میں پڑوس سے رضا صاحب اور ان کی بیوی آئے تھے۔“ وہ رکیں بابا نے صبر سے ان کی مزید گل افشانی کا انتظار کیا۔

”اپنی رانیہ کے رشتے کے لیے.....“ آخر کار وہ بات مکمل کرنے میں کامیاب ہو ہی گئیں بابا نے سکون کا سانس لیا۔

”آپ نے تو ذرا ہی دیا تھا انابی! یہ تو ہوتا ہی ہے ظاہر سی بات ہے ہماری بیٹی کب تک ہمارے پاس رہے گی ایک نہ ایک دن تو اسے رخصت ہو کر جانا ہی ہے۔ آپ اگر اس قدر پریشان ہوں گی تو میرا حوصلہ بھی ٹوٹ جائے گا انابی! بابا کی آنکھوں میں بھی ہلکی سی نمی تیر گئی۔

”پریشانی کی بات یہ نہیں کہ رانی بیٹا کا رشتہ آیا ہے پریشانی کی بات یہ ہے کہ کیا ہماری بیٹی کے لیے ایسے آدھے اور سورے لڑکے کا رشتہ ہی رہ گیا تھا یہ کوئی نیک شگون نہیں حیدر بیٹا کہ پہلا رشتہ جسے اللہ کی رحمت کہا جاتا ہے بے پایاں آیا۔“ انابی کی پریشانی کی وجہ اب سامنے آئی۔

”آدھا اڈھولا..... کیا مطلب انابی! مجھے کچھ سمجھ نہیں آتی۔“
”آپ کیا کہہ رہی ہیں؟“ بابا الجھ ہی تو گئے تھے۔

”وہ اپنے معذور بیٹے کے لیے رانیہ کا رشتہ مانگنے آئے تھے۔“
”تھنا ہے تھے کہ ان کے بیٹے نے انگریزی ادب میں

ایم اے کر رکھا ہے۔ لاکھوں کا کاروبار ہے اس کا دو بڑے بیٹے شادی کر کے ملک سے باہر سیٹل ہیں یہ سب سے چھوٹا ہی رہتا ہے شادی کے بعد ماں باپ نے اسی کے ساتھ رہنا ہے۔ پیدائشی قوت گویائی سے محروم ہے۔“ انابی کے لہجے میں پریشانی جھلک رہی تھی۔

”اوہو انابی! آپ بھی حد کرتی ہیں بھی رشتہ ہی تو مانگا ہے اگلی بار آئیں تو سہولت سے انکار کر دیجیے گا کوئی بھی معقول بہانہ بنا دیجیے گا کہ رانیہ ابھی پڑھ رہی ہے وغیرہ تاکہ ان کی عزت نفس بھی مجروح نہ ہو اور دکھ بھی نہ پہنچے۔“ بابا قدرے مسکرائے۔

”بیٹی والے گھر میں ہر طرح کے رشتے آتے ہیں انابی! ضروری نہیں ہوتا کہ ہر رشتہ بے حد اچھا ہو ہماری بیٹی کی عمر کون سی نکلی جا رہی ہے جو آپ پریشان ہو رہی ہیں۔ رت پاک نے چاہا تو ہماری بیٹی کا رشتہ بہت اچھی جگہ ہو جائے گا بس آپ دعا کیا کریں۔“ انہوں نے چائے کا کپ ہونٹوں سے لگا لیا۔

”اللہ کرے حیدر بیٹا ایسا ہی ہو۔ رت کی رضا اور خوشی کے ساتھ ہماری بچی سکھ کی زندگی پائے۔“ انابی نے دل سے دعا مانگی اور مالک حقیقی کی رضا اور خوشی کیا تھا وہ آنے والا وقت ہی بتانے والا تھا۔



”انابی..... آپ سے کچھ پوچھوں۔“ وہ اس وقت نیچے کارپٹ پر بیٹھی تھی اور انابی اس کے سر میں تیل لگا رہی تھیں۔

”پوچھیں رانی بیٹا؟“

”کل آپ کا موڈ کیوں آف تھا انابی!“ اس کے بالوں میں حرکت کرتی انابی کی انگلیاں بل بھر کورک گئیں۔ ”کل وہ جو خاتون اور بزرگ آئے تھے وہ کون تھے انابی؟“

”وہ پڑوس سے آئے تھے رضا علی نام تھا ان کا اور خاتون ان کی بیگم تھیں۔“

”وہ کیوں آئے تھے انابی؟“ اس نے سوال کیا انابی خاموش رہیں۔ ”انابی! اب آپ دوستی کے رشتے کا خیال

نہیں کر رہی ہیں ہم اچھے دوست ہیں ناں تو پھر بتائیے انابی! کل آپ ان کتے کے بعد اپنی پریشان کیوں تھیں؟“

”بیٹا! میرا خیال ہے آپ اپنے آپ کو ان باتوں سے الگ ہی رکھیے تو اچھا ہے۔“ انابی نے مبہم سا جواب دیا تو رانیہ نے پلٹ کر ان کی طرف دیکھا۔

”آپ ابھی چھوٹی ہیں معاملات کو سمجھنا اور ان کے مطابق سوچنا ابھی آپ کو ٹھیک طرح نہیں آتا۔“

”انابی! میری عمر تیس سال ہو چکی ہے میں اتنی چھوٹی نہیں کہ کچھ سمجھ نہ پاؤں آپ پلیز بتائیے ناں۔“ اس نے اصرار کرنے کے ساتھ ہی انابی کا ہاتھ تھام لیا۔

”وہ لوگ اپنے معذور بیٹے کے لیے آپ کا رشتہ لے کر آئے تھے رانیہ! میں نے آپ کے بابا سے پوچھ لیا ہے کچھ دن تک وہ لوگ آئیں گے تو انہیں انکار کر دیں گے۔“ انابی نے اسے بتایا تو رانیہ چونک اٹھی۔

”کیا معذوری ہے ان کے بیٹے میں۔“

”پیدا آئی بولنے کی صلاحیت سے محروم ہے دیسے تو پڑھا لکھا ہے دیکھا تو نہیں میں نے اسی وجہ سے بات آگے نہیں بڑھائی کہ جب رشتہ کرنا ہی نہیں تو کیا پوچھ کچھ کی جائے۔“ انابی تیل کی بوتل اٹھا کر اسٹور روم کی طرف چل دیں۔ رانیہ کی بے سوچ نگاہوں نے ان کا پیچھا کیا تھا اس نے پھرے بالوں کو سمیٹ کر بے ترتیب سا جوڑا بنایا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

اگلے ایک دو دن انابی نے دیکھا کہ وہ پہلے سے بھی زیادہ خاموش اور الجھی الجھی سی رہی نہ کان لگتی نہ کیپیوٹر آن کیا۔ ہاں پہروں اپنے پھولوں کی کیاری کے پاس بیٹھی رہتی۔ شام گئے تک جب انابی نے اسے وہیں بیٹھا دیکھا تو بے حد پریشان ہو گئیں۔

”ارے بچی! شام کو پودوں کے پاس نہیں بیٹھتے اٹھ جاؤ میرا بچہ شاباش۔“ انابی کے آواز دینے پر وہ اٹھ کر اندر آ گئی۔ رات میں کھانے کے بعد بابا لاؤنج میں بیٹھنے لگی دی پر نیوز دیکھ رہے تھے جب وہ ان کے قریب آ کر بیٹھ گئی۔

آنجل ✽ جنوری ✽ ۲۰۱۵ء 162

”کیا بات ہے بابا کی جان! آج کل بہت خاموش ہوئے ہیں۔“

”بابا میں ایک بات سوچتی ہوں۔“ رانیہ نے بابا کے کندھے سے سر نکا کر کے سوچ سے انداز میں کہا تو بابا نے بے حد شفقت سے اس کا سر تھکا۔

”کیا بابا سے شہر کرنا پسند کر دی؟“

”بابا میں سوچتی ہوں ہم ہر روز دنیا کے معاملات و مسائل پر کتنی گفتگو کرتے ہیں کتنا جلتے کڑھتے ہیں دوسروں پر انگلی اٹھانا انہیں برا بھلا کہنا شکوے شکایات کرنا یہی ہماری عادت ہے لیکن کیا ایسا ممکن نہیں کہ جو اچھا ہے دوسروں میں دیکھنا چاہتے ہیں جو بہتری ہم دنیا میں لا چاہتے ہیں اس کی ابتدا ہم اپنے گھر سے کر کے دیکھیں اس کے لیے میں محسوس کی جانے والی پختگی تھی۔ بابا نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔

”کیوں نہیں کر سکتے بیٹا! یقیناً سب کچھ ٹھیک نہیں کیا جاسکتا مگر اپنے حصے کا ایک چراغ روشن کیا جاسکتا ہے۔ ایک بھلائی ایک بہتری ایک اچھائی کی جاسکتی ہے بیٹا!“

”تو پھر بابا میری خواہش ہے کہ رضا علی صاحب کو انکار نہ کیا جائے۔“ اس نے سر جھکا کر اپنی بات کہہ دی انابی حیرت زدہ ہی تو رہ گئے۔ انہیں اپنے کانوں پر یقین نہ آیا تھا۔ انابی الگ حیرت آمیز صدمے کا شکار ایک ٹک اس کی طرف دیکھے گئیں انہیں رانیہ سے اتنی بڑی توقع ہرگز نہ تھی نہ ہی وہ اس سپر امنٹ کی لڑکی تھی۔

”دیکھو رانیہ بیٹا! پوری زندگی کے فیصلے اس طرح جلد بازی میں نہیں کیے جاتے۔ ابھی آپ ہمدردی سے سوچ رہی ہیں لیکن کل آپ کو اپنے اس فیصلے پر پچھتاوا نہ ہو۔“

انابی بے چاری بوکھلا سی گئیں انہیں سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح کچھ بولیں ایسا کیا کہیں جو رانیہ بی بی کو اس کے فیصلے کے غلط ہونے کا یقین دلادے۔

”بابا ہم کسی کو ایک ایسی خای پر رد کر دیں جس میں وہ برابر بھی اس کا قصور نہیں کیا خدائے بزرگ و برتر کی

ہر گھنٹی کا سبب نہیں ہوگا اگر کل آپ میرے لیے ہر لحاظ سے کمزور اور بہترین رشتہ قبول کر لیں اور بعد میں وہ کسی اخلاقی یا شرعی عیب میں مبتلا نکلے تو کس کو قصور وار ٹھہرائیں گے۔ میں جانتی ہوں میری ذات سے منسلک آپ نے اور انابی نے بہت سے خواب دیکھے ہوں مگر بابا یہ میری خواہش ہے۔ میں خدا کے سپنے ہوئے لوگوں میں سے ہوں اس کے دھتکارے ہوؤں میں سے نہیں۔“ رانیہ کا چہرہ جھکا ہوا تھا بابا کو اس وقت اپنی بیٹی پر بے پناہ پیار آیا۔

”ٹھیک ہے بیٹا آپ کی بات پر غور کیا جائے گا۔“ بابا نے اس کا سر تھک کر کہا تو وہ مشکور سی نظروں سے ان کو دیکھتی وہاں سے اٹھ گئی۔

”حیدر بیٹا! وہ تو جذباتی ہے اس عمر میں کچھ الگ کر کے دکھانے کا جذبہ بچوں سے بہت کچھ الٹا سیدھا کر دیتا ہے لیکن آپ تو ہوش کے ناخن لیں۔ زندگی بہت طویل ہوتی ہے پوری زندگی ایک خاموش انسان کے ساتھ کس طرح گزارے گی کچھ تو سوچیں۔“ انابی کو بابا کا اس طرح رانیہ کے حق میں ہونا ٹھیک نہیں لگا تھا۔

”بے شک انابی! آپ نے درست کہا لیکن میں ایسے لوگوں میں سے نہیں جو اپنی اولاد کو اپنے جبری اور نا پسندیدہ فیصلوں کی بھیجٹ چڑھا دیتے ہیں بظاہر اس ایک خای کے سوال رشتے میں اور کوئی خای نہیں۔ اچھے خاصے ذیل آف لوگ ہیں لڑکا بولنے کی صلاحیت سے محروم ہے لیکن خاصا پڑھا لکھا ہے۔ میرا خیال ہے رانیہ کی بات مان لینے میں کوئی مضائقہ بھی نہیں اور پھر یہ جو نیکی کی طرف رغبت ہے یہ بھی تو آپ ہی کی تربیت کا نتیجہ ہے کہ ہماری بیٹی خود غرض نہیں آج کل کی اولادوں کی طرح سرکش اور من مانی کرنے والی نہیں ہمیشہ ہر قدم پر اس نے میری عزت اور آپ کی تربیت کا پاس رکھا کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔“ بابا نے انابی کی طرف دیکھا۔

”نہیں حیدر بیٹا! کچھ غلط نہیں کہا آپ نے۔“ انابی ان باب بی بی کے دلائل کے آگے بے بس ہو گئی تھیں مگر اندر ہی اندر بہت ڈری ہوئی تھیں۔

صوفیہ نذیر

السلام علیکم! آنجل کے تمام قارئین اور آنجل کے تمام اسٹاف کو محبت بھر اسلام قبول ہو۔ 15 جنوری کو اس دنیا میں تشریف لائی ہم چھ بہن بھائی ہیں میرا نمبر بابا چچاں ہے۔ کھانے میں چاول پسند ہیں حساس ہوں کسی کو بھی تکلیف میں نہیں رکھ سکتی۔ کلر بلیک پسند ہے۔ آنجل کی تمام راسٹرز بہت اچھا ہوتی ہیں جیولری میں بڑے بڑے جھمکے پسند ہیں۔ پسندیدہ پیچر مس صابنہ اور مس فخر ہیں۔ دوغلا پن سے نفرت ہے باتونی ہوں (تھوڑی سی)۔ پسندیدہ پھول گلاب اور موتیا ہے۔ دوستوں میں آمنہ، نگین اور شائل شامل ہیں۔ آنجل تو میں چھٹی کلاس سے پڑھتی ہوں لیکن جنوری 2013ء سے باقاعدگی سے پڑھنا شروع کیا۔ ”ٹوٹا ہوا تارا“ اور ”مجھے ہے حکم اذناں“ میرے فیورٹ ناول ہیں اللہ آنجل کو دن دینی رات چوگنی ترقیاں عطا فرمائے آمین اس پیاری سی دعا کے ساتھ اجازت چاہتی ہوں اللہ حافظ۔

”تو پھر اللہ کا نام لیجیے اور اس جمعے کو ان لوگوں کو باضابطہ رات کے کھانے کی دعوت دے دیجیے۔ جس خدا نے بی بی کی رحمت سے نوازا وہی اس کے مقدر کا رکھوالا بھی ہے۔“ بابا نے بات ختم کر دی انابی نے بھی اثبات میں سر ہلایا اور وہاں سے اٹھ گئیں۔



جمعہ کی شام رضا علی بمعہ اپنی بیگم کے آگئے تھے پُر تکلف کھانے کے بعد جب بابا نے اس رشتے کے لیے ہاں کی تو وہ دونوں ہی حیرت آمیز خوشی کا شکار ہو گئے۔ بابا نے ضریر رضا کے حوالے سے پتا کروا لیا تھا وہ ہر لحاظ سے ایک بہترین لڑکا تھا اور فیملی بھی بے حد اچھی تھی رضا علی اور رقیہ رضا کے کہنے پر رانیہ اور ضریر کی منگنی کی بجائے نکاح کی تاریخ مقرر کر دی گئی۔ ایک ہفتے کے قلیل وقت میں نکاح کی تیاری کی گئی۔

بابا نے شادی کے لیے کسی بھی قسم کی کوئی شرط نہیں رکھی تھی لیکن رضا علی اور رقیہ نے اپنی رہائشی کوٹھی رانیہ کے نام

آنجل ✽ جنوری ✽ ۲۰۱۵ء 163

کردی اور چالیس لاکھ کا خطیر حق مہر مقرر کیا گیا۔

صالحہ اور سلمیٰ کو جب پتا چلا کہ ان کا ہونے والا بہنوئی بول نہیں سکتا تو وہ تو جیسے سکتے میں آگئیں۔ لاکھ انہوں نے سر پٹا رانیہ کو اس عمل سے باز رکھنے کی کوشش میں دور دور کی کڑیاں لاتی رہیں لیکن رانیہ بس مسکرا کر ان کی طرف دیکھے گئی یقیناً جس کو بھی علم ہوتا وہ اسی طرح بے چین ہو کر اسے سمجھانے دوڑتا لیکن کوئی اس کے اندر جھانک ہی نہیں سکتا تھا۔

شخص کا گریہ اس کے دھیان سے ہٹا ہی نہ تھا ایک ساتھی ایک محبت ایک آہ اور بس..... ان دیکھی آنکھیں اور ان کا لمس روح میں اندر کہیں ہو کئے سا لگتا تھا۔

”تم کچھ بولتی کیوں نہیں؟ فضول میں ہنس ہنس کر کیا دکھا رہی ہو؟ خیر کیا کی ہے تم میں جو تم نے ایک گونگے کو اپنی زندگی کا ساتھی چن لیا۔“ صالحہ نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔

”کوئی کی بھی نہیں بظاہر اور بہت سی کیاں ہوں گی میرے اندر۔ صالحہ! مکمل تو کوئی بھی نہیں نہ تم نہ میں نہ ہی کوئی اور تم بھی دوسرے مادیت پسندوں کی طرح محدود دائرے میں رہ کر مت سوچو پلینز مجھے اپنے اس عمل پر کوئی پشمانی نہیں۔ میں خوش ہوں۔“ اس نے جتنی انداز میں کہہ کر اسے خاموش کر دیا۔

نکاح کے جوڑے اور دیگر اشیاء کی خریداری کے لیے رقیہ رضا اسے اپنے ہمراہ لے جانا چاہتی تھیں لیکن اس نے سب کچھ ان کی چواکس پر چھوڑ دیا۔ صالحہ نے سنا تو سر پیٹ لیا۔

”ابھی سے انہیں احساس دلادو کہ تم حلوہ ہوتا کہ انہیں ہضم کرنے میں آسانی ہو اپنا بھی کچھ منوادگی کہ نہیں۔“ مگر رانیہ کی وہی مسکراہٹ تھی جو اس کا جی جلا دیتی تھی۔

”بھاڑ میں جاؤ تم اور تمہارا وہ ضریر رضا۔“ اس نے ایک دھموکا رانیہ کے جڑ دیا لیکن نکاح کے دن جب اس کے پارلر جانے سے پہلے اس کی جیولری اور اس کا ڈریس آیا تو سب ہی کی آنکھیں چندھیا سی گئیں۔ سفید لمبی فرائک

آنجل ✽ جنوری ✽ ۲۰۱۵ء 164

جس کے پرل ہارڈر پر سلور کورے کا بھاری کام تھا۔ سارے میں وائٹ گولڈ کی بھاری جیولری اور بہت ہی نفیس کی سلور پنسل ہیل کی سینڈل۔

ان سب چیزوں کے ہمراہ بیوٹیشن کی مہارت سے اسے کسی اپسرا کا سالو ہی روپ دے دیا تھا۔ نظر لگ جانے کی حد تک حسین لگ رہی تھی وہ جب اسے اسٹج پر لا کر بٹھا گیا تو انابی نے چپکے سے اس کی نظر اتاری۔ کیسی سوہنی اور معصوم صورت تھی اس کی نکاح کی تقریب شروع ہونے سے قبل ضریر رضا کو اس کے پہلو میں لا کر بٹھایا گیا تو وہ خود میں سمٹ سی گئی۔ ایجاب و قبول کی رسم ادا ہو گئی مبارک سلامت کے شور کے دوران ضریر رضا کے بھاری ہاتھ نے اس کا موی ہاتھ ایک لمبے کو تھا ما اور پھر چھوڑ دیا۔

کیا کچھ نہ تھا اس لمس میں اپنے ساتھ کا یقین بھروسہ مان محبت احساس ملکیت احساس تقاضا..... اسے ضریر رضا کی خاموش زبان سے کبھی ہر بات سمجھا گئی۔ دل سے یہ سب سا ہو کر دھڑکا اور اس نے آنکھیں اٹھا کر پہلی بار اس شخص کو دیکھنا چاہا جسے بنا دیکھے اپنی زندگی میں شامل کرتے ہوئے بہت سے لوگوں کو جواب دی تھی اس نے۔ اسپیکٹیکلر کے پیچھے سے جھانکتی متاثر کن آنکھیں جن میں محبت و استحقاق نے عجب سارنگ بکھیر دیا تھا اور گھنی موچکوں سے مسکراتے لب اس نے گہرا کر نظریں جھکا دیں۔

صالحہ جب اس کے قریب پہنچی تو خاصی بے دردی سے اس کے پہلو میں کہنی مار کر بولی۔

”کب سے چل رہا تھا یہ چکر اب سمجھ آئی کہ موصوفہ کو اتنے ایٹمی کیٹس کا خیال کا ہے کو آ رہا تھا اور جب میں نے پوچھا تو جھٹ سے کہہ دیا میں نہیں جانتی۔ جھوٹی..... بے ایمان.....“ وہ دانت کچکا رہی تھی تبھی ضریر نے اس طرف توجہ دی صالحہ کا دانت پیتا لہجہ بخوبی سن لیا تھا اس نے اپنی جیب سے پین نکال کر اس نے کاغذ پر کچھ لکھا اور صالحہ کو دے دیا۔ صالحہ نے وہ کاغذ ٹٹھی میں دبایا اور وہاں سے اٹھ گئی۔

کھانا شروع ہوا اور ساتھ ہی فوٹو سیشن کا سلسلہ بھی

جہاں چار گھنٹے سے اتنے بھاری کپڑوں کے بوجھ سمیت بیٹھے بیٹھے تھک گئی تھی۔

”رانیہ تقریباً تقریباً ختم ہونے کو ہے فوٹو سیشن بھی ہو چکا ہے۔ انابی کہہ رہی ہیں تمہیں تمہارے کمرے میں پہنچاؤں تم تھک بھی گئی ہوگی آ جاؤ۔“ صالحہ اور سلمیٰ اسے اسٹج سے اتار کر اندر لے گئیں۔

”تم بیٹھو ہم تمہارے لیے کچھ کھانے کو لے آئیں۔“ وہاں نکل گئیں۔

تینے قلیل وقت میں زندگی کتنے عجیب رنگ لے کر آئی تھی وہ تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس قدر جلدی کوئی اس کی زندگی میں شامل ہو جائے گا اس نے اپنی چوڑیوں غبرے مہندی رنگے ہاتھوں پر نظریں نکالیں۔

”آہم.....“ ہلکی سی کھنکھارنے کی آواز پر وہ پلٹی دروازے کے پتھوں پر ضریر رضا ایستادہ تھا بہت پیاری سی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے اندر آنے کے لیے اجازت چاہی۔ رانیہ نے سر ہلا دیا وہ ابھی اس زبان میں گفتگو نہیں جانتی تھی جو ضریر رضا کی سمجھ میں آتی۔ اس نے کچھ اشارہ کیا تو ضریر رضا ہنس پڑا پھر ہاتھ کے اشارے سے اس نے اسے سمجھایا کہ وہ گونگا ہے مگر بہرہ نہیں ہے۔ وہ اس سے بات کر سکتی ہے رانیہ قدرے جھینپ کر رن پلٹ گئی۔

ضریر رضا نے آگے بڑھ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اس کا چہرہ اپنی طرف کیا اور بغور اس کو دیکھا۔ نظروں کی حدت سے رانیہ کے گال تھمتھانے لگے ضریر نے ایک کاغذ اس کے ہاتھ پر رکھا بہت دھیرے سے اس کی پیشانی چومی اور ہار نکل گیا۔

رانیہ کے حواس جیسے گم سے ہوئے دھڑکنیں اس طرح سننا تب ہو گئیں جیسے سینہ سے دل کو آزاد کروینے کے درپے ہوں۔ پاؤں سے جان نکلنے لگی تو وہ بے دم ہی ہو کر بیٹھ پڑے گی۔ اس کے قرب کا یہ ایک برفسوں لمحہ اس کے حواس سنب کر گیا تھا۔ صالحہ اور سلمیٰ کی کیننگی پر تین حرف بھیج کر اس نے ضریر کا ہاتھ پایا ہوا کاغذ کھولا۔

”رانیہ!

نئے سال تم جب بھی آنا
نئے سال تم جب بھی آنا
سب کے لیے بس خوشیاں لانا
ہر چہرے پر ہنسی بھانا
ہر آنکھ میں پھول کھلانا
نئے سال تم جب بھی آنا
جو پھٹے پر ہنسی بھانا
جو روئے پر ہنسی بھانا
جو سوئے پر ہنسی بھانا
جو روٹھے پر ہنسی بھانا
نئے سال تم جب بھی آنا
میرے انہوں کو پاس لانا
دل کے ارماں پورے کرنا
سب کی دعائیں پوری کرنا
نئے سال تم جب بھی آنا
پروین افضل شاہین..... بہادر لنگر

اسلام علیکم!

یقیناً جب آپ ان حروف سے اپنی نگاہوں کو ہم کلام کریں گی اس وقت تک آپ رانیہ حیدر سے رانیہ ضریر بن چکی ہوں گی۔ حیرت سی حیرت ہے کہ جو کچھ سوچا تھا اسے اس قدر جلد ہوتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ کچھ ماہ پہلے کی بات ہے میں نے ایک لڑکی کو پودوں سے باتیں کرتے دیکھا کیا باتیں کرتی تھی کبھی بن تو نہیں پایا مگر وہ بلا ناغہ پودوں کی کیاری کے پاس آ بیٹھتی۔ میں مسلسل اس کو دیکھے چلا جاتا کبھی کبھی وہ چونک کر یوں ادھر ادھر دیکھتی گویا میری نظروں کو محسوس کر جاتی میں اس سے محض چند فٹ کے فاصلے پر اپنے گھر کی دوسری منزل کی کھڑکی سے اسے دیکھے جاتا۔ میں کوئی دل پھینک بندہ نہیں مگر اسے دیر تک دیکھے جانا میرا دل پسند مشغلہ تھا۔ پھر ایک دن وہ میرے سامنے کتابوں کی شیدائی بن کر آئی میں اسے اپنے سامنے پا کر کچھ حیران سا ہوا تھا۔ اس نے ایک کتاب کا نام لکھ کر مجھے دیا کہ یہ مجھے منگوادیں میں اسے بتانا چاہتا تھا

آنجل ✽ جنوری ✽ ۲۰۱۵ء 165

میر کی لائبریری کی اینڈر فرائز پر ایک پوائنٹ
سازندہ سہیل اور جاوید
سننے اور پڑھنے کا شوق رکھتے ہیں
13



ٹوٹا ہوا کالا

میر انشرف طور

کہ یہ میری فیورٹ کتاب ہے میرے پاس موجود ہے مگر میں اسے پتا نہ سکا۔ بول جو نہیں سکتا تھا اس دن مجھے اپنی قوت گویائی سے محرومی بہت کھلی پھر اس لڑکی نے بہت دیر تک پوچھوں کے پاس بیٹھنا شروع کر دیا۔ میں اسے دیکھے جاتا یہاں تک کہ شام کے دھندلے میں اس کا وجود کسی ہیولے کی مانند لگنے لگا۔ مجھے محسوس ہوتا وہ میری نگاہوں کی زبان سمجھنے لگی ہے پھر ایک دن اچانک وہ سر راہ مل گئی میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ ہی نہ رہا۔ میں نے اسے رکنے کا اشارہ کیا مگر جب میں تقریباً بھاگتے ہوئے اپنے کمرے تک گیا کتاب اٹھا کر واپس آنے تک یہی سوچ ذہن میں آتی رہی کہ پتا نہیں وہ رکی ہوگی یا مجھے خطی سمجھ کر چلی گئی ہوگی۔ جب میں گیٹ سے باہر آیا تو میری حیرت سوا ہو گئی کیونکہ وہ وہیں کھڑی تھی۔ میں نے کتاب اسے تھما دی وہ کچھ حیران تھی پر مجھے اس کی حیرت سے زیادہ اس بات کی خوشی تھی کہ میں نے ایک کتاب دوست کو اپنی پسندیدہ کتاب کا تحفہ دیا تھا پھر میں نے اپنی ماما اور بابا دونوں کو اس لڑکی کے بارے میں بتا دیا وہ میری خوشی کی خاطر اس کا رشتہ مانگنے چلے گئے لیکن جب واپس آئے تو خاصا امید تھے۔ وہ اپنے بابا کی ایک ہی بیٹی تھی بن ماں کی بیٹی۔ جسے اس کے بابا نے ماں اور باپ بن کر پالا تھا یعنی طور پر وہ اس کے لیے ایک مکمل شریک حیات چاہتے تھے ان کی یہ آرزو بے جا بھی نہیں تھی۔ میں بھی جانتا تھا کہ مجھ میں اتنی بڑی کمی ہے جسے نظر انداز کرنا کسی بھی لڑکی کے والدین کے لیے اس قدر آسان نہیں ہوگا مگر پھر بھی میں ایک کوشش ضرور کرنا چاہتا تھا۔ اس خاموش اجنبی لڑکی کے لیے جو بھی کبھی زبان ہوتے ہوئے بھی میری طرح محروم گویائی تھی کسی سنگ مرمر کے مجسمے کی طرح چپ۔۔۔۔۔ نہیں جانتا تھا کداس کی تلاش میں کہیں میرے نام کا پڑاؤ بھی آتا تھا یا نہیں مگر میں نے بہت سے لمحے اس کے ساتھ جئے تھے۔ مجھے لگتا تھا میں رومی ہوں اور وہ میرے لیے شمس اس کا ساتھ مجھے بہت کچھ عطا کر سکتا تھا سو میں اسے پانے کی تگ و دو میں لگ گیا۔ نصیب شاید مجھ پر مہربان تھا ربت

کریم نے اس سے ملنے کی سہیل عطا کر دی۔ ماما بلیا کی خالی جھولی میں وہ گویا ہر نایاب ڈال دیا گیا جس کے ملنے کی توقع اور امید تک نہ تھی۔ میں رب عظیم کے حضور لاگو ہوا شکر گزار ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کا بھی شکر گزار ہوں رانیہ ضریر رضا! ہر قدم آپ کے ساتھ کا تہمتی و خواہش مند۔

آپ کا ضریر

رانیہ کو پتا ہی نہ چلا کب اس کی آنکھیں بھیگ گئیں محبت نے کس طرح اسے اپنے دامن میں سمیٹا وہ جان ہی نہ پائی۔ اب اسے احساس ہوا کہ کیوں وہ ان دیکھی نظروں کے حصار سے محبت کرنے لگی تھی کیوں شمس کا گریہ اس کے اندر بھی مچلتا تھا۔ کوئی تھا جو بہت شدت سے اس کی چاہ اس کی محبت میں مبتلا تھا اس کی ہوک اس کے دل کی تڑپ غیر مرئی لہروں کی صورت اس کے وجود پر اثر انداز ہوئی تھی جب جب وہ ناامید ہوتا تھا وہ خود میں الجھی الجھی پھرتی تھی آج جیسے سب کچھ اس پر منکشف ہو گیا تھا۔

مانا کہ میری روح میرے ساتھ ہو مگر میرے دل و نگاہ سے مانوس بھی تو ہو کب تک رہیں گے یوں ہی محبت میں فاصلے اتنے قریب آؤ کہ محسوس بھی ہو وہ زبان نہیں رکھتا تھا مگر اظہار کرنا جانتا تھا اسے اپنے سینے میں بے حد قیمتی دل جس کی ہر وہل کہن وہ اس کے نام کرچکا تھا پھر وہ کیوں نہ اس کی محبت پر ایمان لے آتی کیوں نہ اس کی محبت کو شرف قبولیت بخشی۔ اس کے دل نے گویا عہد کر لیا کہ وہ بنا کہے اس کی آرزو کو جان لے گی اس کی ہر بات سمجھ لے گی کہ وہ تو سرتاپا محبت تھا اور محبت کو کسی زبان کی کسی اظہار کی ضرورت نہیں ہوتی۔ محبت اپنا آپ منکشف کر دینے کے ہر گز سنا گاہ اور آشنا ہوتی ہے۔

سب امتحان عشق کے اپنے کرے رہے

ہم کوزہ گر کے چاک پہ برسوں پڑے رہے

ان کی نگاہیں شوخ تھیں ہم تھے حیا پسند

مشتاق وہ ہم اپنے کہے پر اڑنے رہے

گزشتہ قسط کا خلاصہ

پولیس کی پیش رفت اور آنے والے خطرات کے پیش نظر شہزاد ملک چھوڑ دیتا ہے جبکہ دوسری طرف ایاز اپنے منصوبے میں ناکام ہونے پر ایک مرتبہ پھر انتقام کی آگ میں بھڑک اٹھتا ہے۔ دوسری طرف گھر والوں کے بروقت اسپتال لے جانے پر کاشفہ کی جان بچ جاتی ہے۔ عبدالقیوم کے اثر و رسوخ کی بدولت پولیس کیس بننے سے بڑھ جاتا ہے۔ عادلہ اسپتال میں ولید کو دیکھ کر کافی متاثر نظر آتی ہے اسے اپنی بہن کا انتخاب پسند آتا ہے۔ شہوار اپنے رویے کی بدصورتی محسوس کرتے مصطفیٰ کی بدگمانی دور کرنے کی غرض سے اسے فون کرتی ہے جبکہ مصطفیٰ اس کا نمبر دیکھتے ہی فون آف کر دیتا ہے۔ شاہزیب اسپتال جانے سے پہلے شہوار کو بھی ساتھ لے جانا چاہتے ہیں تاکہ وہ مصطفیٰ سے مل سکے لیکن شہوار اپنی دوستوں کی آمد کا ذکر کرتے جانے سے انکار کر دیتی ہے۔ انا بھی شہوار کے رویے میں موجود لا تعلقی مصطفیٰ کے لیے محسوس کر کے تاسف کا شکار نظر آتی ہے۔ مصطفیٰ کی حالت قدرے سنبھلتی ہے تو اسے ڈسچارج کر دیا جاتا ہے۔ اس کے گھر آنے پر سب ہی باہر موجود ہوتے ہیں جبکہ مصطفیٰ شہوار کو ناپا کر ایک مرتبہ پھر بدگمانی کا شکار ہونے لگتا ہے ماں جی مصطفیٰ کے کمرے میں شہوار کو بھی لے آتی ہیں جبکہ مصطفیٰ ماں جی کے سامنے خود پر غصہ کے دکھاتا ہے لیکن ماں جی کے باہر جاتے ہی وہ شہوار کو سخت سناٹا ہے۔ اپنے والدین کی خوشی کی خاطر مصطفیٰ اس رشتے کا بھروسہ قائم رکھتا ہے اور شہوار کی خاموشی کو وہ اس کی ناپسندیدگی اور زبردستی کے رشتے کا مفہوم دیتا ہے جبکہ شہوار اس کے بگڑے تصور دیکھ کر بھونچکا رہ جاتی ہے۔ دوسری طرف تابندہ بواغیر موجودگی پر اس کا دل عجیب خدشات میں گھر جاتا ہے۔ مصطفیٰ خرابی طبیعت کو یکسر نظر انداز کیے آفس جوائن کر لیتا ہے۔ گھر والوں کے سمجھانے کے باوجود وہ آفس چھوڑ کر تمام حالات کا نئے سرے سے جائزہ لیتا ہے اور ایاز اور اس کے دوستوں کے متعلق تمام معلومات حاصل کرتا ہے۔ جب ہی اسے شہزاد کے بیرون ملک جانے کا علم ہوتا ہے۔ امجد خان لا لارخ کیس کے متعلق تمام معلومات کی فائل بھی مصطفیٰ کے حوالے کر دیتا ہے۔ ان حالات میں شہوار بھی کالج جانا شروع کر دیتی ہے اگرچہ ماں جی ابھی ایاز والے واقعے کو لے کر خاصی فکر مند ہوتی ہیں۔ کاشفہ کی حالت سنبھلنے پر اسے ڈسچارج کر دیا جاتا ہے۔ ولید سے بات ہونے پر وہ ایک مرتبہ پھر اسے اپنی طرف مائل کرنا چاہتی ہے جبکہ اس کے یہ انداز و اطوار ولید کو بالکل بھی پسند نہیں آتے۔ خود کشی کی اس کوشش پر بھی وہ اسے سخت سناٹا ہے۔ جبکہ دوسری طرف انا یہ تمام باتیں سن لیتی ہے۔ ولید کے منہ سے کاشفہ کی محبت اور پھر خود کشی کا سن کر اس کا دل خون کے آنسو روتا ہے وہ ان حالات میں کاشفہ کے ساتھ ولید کو بھی ذمہ دار ٹھہراتی ہے جبکہ دوسری طرف کاشفہ، انا کو مار ڈالنے کی باتیں کرتے ولید کو طیش میں مبتلا کر دیتی ہے۔

تابندہ خالہ بی کے گھر کا خرچہ خود برداشت کرتی اور پر کے دونوں کمرے جہاں ان کی بہت سی یادیں وابستہ ہوتی ہیں ساجدہ کے حوالے کر دیتی ہیں۔ شاہزیب، تابندہ کے حویلی چھوڑنے کی بات مہر النساء کو بتاتے ہیں جس پر مہر النساء بھی خدشات کا شکار ہونے لگتی ہے۔ اب شہوار کی ذات بھی ان کے لیے مشکوک ہونے لگی ہے کہ نجائے اس کے پیچھے کیا ماضی ہے۔ جبکہ دروازے کے باہر کھڑی شہوار اپنی ذات کی شناخت پر انگلیاں اٹھتے دیکھ کر ہوش و حواس سے بے گانہ ہو جاتی ہے۔ اس کے تمام خوف حقیقت کا روپ دھار لیتے ہیں۔

(اب آگے پڑھیے)

وہ کچن میں کھڑی اپنے لیے چائے بنا رہی تھی جب ولید بازو پر کوٹ ڈالے دروازے پر آکا تھا۔ انا اس کی موجودگی سے ناظم چائے کی طرف متوجہ تھی۔ بال کچر میں جکڑے پشت پر بٹکھرے ہوئے تھے ڈڈ پٹا کندھے پر تھا اور چہرے پر بلانہ سنجیدگی تھی۔

پچھلے کچھ دنوں سے اس کا رویہ مسلسل لا تعلقی والا تھا اور ولید کو اس کا یہ رویہ اندر ہی اندر پریشان کیے ہوئے تھا۔ ولید نے ہلکے سے ٹاک کیا تو وہ بے اختیار پلٹی اور ولید کو دیکھ کر اس کے چہرے پر گزرے دن والے تاثرات پیدا ہوئے تھے۔

”کیا حال ہے؟“ ولید مسکرا کر آگے بڑھا جبکہ وہ خاموشی سے آنچ دھبی کرتے ٹرے میں لگ رکھنے لگی تھی۔ ”میں سمجھ نہیں پا رہا تم ایساری ایکٹ کیوں کر رہی ہو؟ سب کچھ اچھی طرح سمجھنے اور جاننے کے باوجود“ ولید نے جھنجھاکا کر کہا۔

”میں کوئی ری ایکٹ نہیں کر رہی، آپ کو خواہ مخواہ مل ہو رہا ہے۔“ سنجیدہ انداز میں کہہ کر وہ لگ میں چائے اندیشہ لگی۔

”تو پھر مجھ سے بات چیت کیوں بند ہے؟“ ولید نے ٹوکا۔

”غلطی نہیں ہے آپ کی۔“ چائے اٹھیل کر خالی باٹ سنک میں رکھ کر وہ ٹرے اٹھا ہا ہر چیل دی۔

”چائے پینی ہے تو لاؤنچ میں آ جائیں۔“ وہ سنجیدگی سے کہہ کر دروازے کی طرف بڑھی تھی۔

”کو۔“ ولید نے کہا تو وہ رک گئی۔

”میں فریش ہو کر آتا ہوں مصطفیٰ کے پاس جانا ہے تم بھی ریڈی ہو جاؤ چلتے ہیں۔“ ولید نے اپنا پروگرام بنادیا۔

”کیوں خیریت؟“ اس نے پریشان نظروں سے ولید کو دیکھا۔

”ہاں ویسے ہی مصطفیٰ کی عیادت کو جانا ہے گھر شفٹ ہونے کے بعد میں اس سے رابطہ نہیں کر پایا۔“ ولید نے کہا۔

”تو تو وہ آفس بھی گئے تھے شہوار بھی کالج آئی تھی اس نے ذکر کیا۔“ انا نے سرسری کہا۔

”ابو اچھا، یعنی کہ وہ اب کافی کور کر چکا ہے۔“ انا خاموش رہی۔

”میں فریش ہو کر آتا ہوں تم بھی ریڈی ہو جانا۔“ ولید کہہ کر اس کے پاس سے گزر کر چلا گیا تو انا نے خود کو خاصا بے بس محسوس کیا۔

اواس رات ولید کے منہ سے کاشفہ کے متعلق سننے کے باوجود اس سے نہ تو ٹھیک سے خفا ہو پارہی تھی اور نہ ہی بدگمانی۔ اندر ہی اندر وہ نجائے کیا کیا سوچ کر گھائل ہوئی رہی تھی اور اب ولید کے لپکارنے پر وہ ایک دم اپنی ساری انا بھلا

کر اس کو انکار نہ کر پائی تھی۔ وہ روشی اور ماموں کو چائے دے کر اپنا مگ لے کر کمرے میں آگئی تھی چائے پینے کے دوران وہ جلدی جلدی ڈریس اپ بھی ہوئی تھی اور چینیج کر کے وہ دوبارہ لاؤنج میں آئی تو ولید موجود تھا۔ اسے دیکھ کر فوراً کھڑا ہو گیا۔

وہ روشی اور ماموں کو بتا چکا تھا۔ سو وہ خاموشی سے اس کے گاڑی میں آ بیٹھی تھی۔ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی وہ خاموش رہی تھی۔

کچھ دیر تک گاڑی میں خاموشی رہی تھی ولید کو اس کی خاموشی بڑی شدت سے محسوس ہونے لگی تھی۔

”اتنی خاموشی کیوں؟“ گاڑی میں روڈ پر ڈالنے ولید نے کہا تو وہ چونک کر متوجہ ہوئی تھی۔

”آپ کی طرف سے یا میری طرف سے؟“ انا کے الفاظ پر وہ ہلکا سا مسکرایا۔

”شاید میری طرف سے ہی ہے۔“ انا خاموش رہی وہ یونہی باہر دیکھتی رہی مگر جیسے ہی گاڑی کو ٹرن ہوتے دیکھا وہ چونکی۔

”کدھر جا رہے ہیں؟“

”بس یونہی لوگ ڈرائیو کا موڈ ہو رہا ہے۔“ ولید نے مسکرا کر کہا۔

”مگر ہم تو مصطفیٰ بھائی کے ہاں جا رہے تھے نا؟“

”مصطفیٰ سے میں مل چکا ہوں اس وقت تمہارا موڈ دیکھتے میرا موڈ آؤنگ کا بننا تھا تمہیں کہتا تو شاید تم انکار کرتی ہو مجھے مصطفیٰ کا نام لینا پڑا۔“ انا نے لب بھینچ کر گھورا۔

”آپ نے مجھ سے جھوٹ بولا۔“ اسے رہ رہ کر اپنے اوپر تاد آنے لگا۔ ولید نے مسکرا کر کندھے اچکائے۔

”آپ کس قدر جھوٹے ہیں میں آئندہ آپ کی کئی بات پر اعتبار نہیں کر دوں گی۔“ اپنے حلیے کو دیکھتے وہ پچھتائی شہوار کے ہاں جانے کے خیال سے وہ اچھی طرح ڈریس اپ ہوئی تھی اور لب اسٹک بھی لگائی تھی۔

”تمہیں بے وقوف بنانا کوئی مشکل کام تو نہیں۔“ ولید نے ہنس کر کہا تو انا نے لب بھینچ کر گھورا۔

”ویسے لگ تو کافی پیاری رہی ہو، بس اس طرح منہ پھلا کر بیٹھو گی تو ساری خوب صورتی ماند پڑ جائے گی۔“ ولید نے چھیڑ رہا تھا انا غصے سے گھور کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

”کیتھی پاکستان آئی ہوئی ہے کل سے وہ ہوٹل میں ٹھہری ہوئی ہے اس وقت ہم اسی سے ملنے جا رہے ہیں وہ تم سے ملنا چاہتی تھی میں نے تو بہت اصرار کیا تھا کہ وہ ہمارے گھر رک جائے مگر وہ مانی ہی نہیں اس وقت بھی کال کی کہ ڈر اکٹھے کرتے ہیں تمہیں بھی لے آؤں۔“ ولید نے مسکرا کر بتایا تو وہ چونک گئی۔

ابھی تو کاوشہ والا مسئلہ دل قبول نہیں کر رہا تھا اور اب یہ کیتھی نامی نئی مصیبت ٹپک پڑی تھی۔ انا کے اندر ایک دم شدید اضطراب سر ابھارنے لگا تھا۔

”وہ پاکستان کیوں آئی ہے؟“ اسے لگا جیسے اس کی آواز کسی گہرے کنوئیں سے آ رہی ہے۔

”اسے یہاں کوئی کام تھا، اکیلی نہیں ہے وہ ورلڈ ہیلتھ رگنارائیشن میں جاب کرتی ہے ان کی کمپنی کے کچھ لوگ یہاں آئے ہوئے ہیں اپنی ٹیم کے ساتھ وہ بھی آئی ہے اسی لیے اپنی ٹیم کے ساتھ ہوٹل میں ٹیم ہے۔“ ولید نے تفصیل سے بتایا۔ ولید نے ایک فلاور شاپ کے سامنے گاڑی روک دی تھی۔

”جسٹ دن منٹ میں ابھی آیا۔“ وہ کہہ کر چلا گیا ابھی ان کی گاڑی کے ساتھ ایک اور گاڑی بھی آ کر رک گئی تھی۔ انا نے سرسری سادہ دیکھا تو چونکی ساتھ والی گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھی کاوشہ اسے کھا جانے والی نظروں سے گھور رہی تھی۔

آنجل ✽ جنوری ✽ ۲۰۱۵ء 170

کھندہ کے ساتھ ڈرائیوگ سیٹ پر کوئی اور لڑکی بھی تھی۔ چند لمبے وہ اسے گھورتی رہی اور پھر ان کی گاڑی وہاں سے چلی گئی۔ دو تین منٹ بعد ولید ایک خوب صورت ریڈرز کے بکے کے ہمراہ شاپ سے نکل کر گاڑی میں آ کر بیٹھ گیا تھا۔ انا نے خاموشی سے بکے کو دیکھا تھا۔

”کئی ماہ بعد ملاقات ہو رہی ہے اب اس طرح خالی ہاتھ جاتیں تو اچھا نہیں لگتا۔“ ولید نے بھی اس کو پھولوں کو دیکھتے محسوس کیا تو کہا وہ خاموش رہی۔

گاڑی کچھ دیر بعد ایک شاندار سے ہوٹل کی پارکنگ میں جا کر رک گئی تھی۔

”ہاں کیتھی کہاں ہو تم؟“ گاڑی پارک کرنے کے بعد ولید نے کیتھی سے رابطہ کیا۔ انا باہر دیکھنے لگی۔ دونوں ابھی بھی گاڑی میں ہی تھے۔

”اوکے، میں پارکنگ میں ہی ہوں مگر رہا ہوں۔“ اس نے انا کو اترنے کا اشارہ کیا تھا وہ باہر نکل گئی تو وہ بھی ڈیر لاک کرنا باہر نکل آیا اور پھر اس کے ہمراہ عمارت کے اندر آئی تو کیتھی بھی تیزی سے سیڑھیاں اترتے ان کی طرف آئی تھی۔

”ہیلو ولید۔“ وہ ایک دم بے قراری سے ولید کی طرف بڑھی تھی۔

اندازا ایسا تھا کہ جیسے ابھی ولید سے لپٹ جائے گی مگر ولید کے پاس پہنچ کر وہ ایک دم رک گئی تھی گویا خود پر قابو پا لیا تھا اور بے تحاشا بے قراری سے اس نے ولید کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

”ولید اس آگرمٹ سر پر انزفاری یو آ رہیئر آئی ڈونٹ بلیواٹ۔“ وہ بے قراری سے کہہ رہی تھی ولید مسکرایا۔

”ہاؤ آریو؟“ ولید نے پوچھا تھا انداز نارمل تھا۔

”می فائنڈ یو؟“ وہ پوچھ رہی تھی انا عجیب سی کیفیت میں گھری بس دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

انتہائی خوب صورت ڈیزائن لک کی یا لک یہ کیتھی اس قدر اٹریکٹیو اور پیاری بھی ہو سکتی ہے انا سوچ بھی نہیں سکتی تھی کیتھی اپنی تصاویر سے بڑھ کر خوبصورت تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کا حال احوال دریافت کر رہے تھے انا خالی الذہنی کیفیت سے ان کو دیکھ رہی تھی۔

ولید کے چہرے پر مسکراہٹ تھی جبکہ کیتھی تو اس قدر پر جوش و خوش ہو رہی تھی کہ گویا اسے ہفت اقلیم کی دولت مل گئی ہو۔

”کیتھی لیٹس میٹ انا اینڈ انا یہ کیتھی ہے۔“ ولید نے دونوں کا تعارف کرایا تو کیتھی نے پہلی بار ولید سے توجہ ہٹا کر اس سے چند قدیم کے فاصلے پر کھڑی انا کو بغور دیکھا اور اگلے لمبے ہی اس کے چہرے کی رنگت بدلی تھی اور پھر وہ مسکرا کر انا کی طرف بڑھی تھی۔

”ہیلو۔“ انا نے سنجیدگی سے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا مگر کیتھی بہت اپنائیت و محبت سے اس کا ہاتھ تھام کر اس کے گے لگ گئی تھی۔

انا ایک دم ساکت ہوئی تھی۔

”میں نے روشی اور انکل سے تمہارا بڑا ذکر سنا تھا یو آرسو کیوٹ اینڈ پریٹی۔“ وہ ٹوٹی پھوٹی اردو میں کہہ رہی تھی اور انگلیں لہجہ انا حیران ہوئی۔

”آپ کو اردو آتی ہے۔“ وہ حیرت سے پوچھ رہی تھی ولید مسکرایا۔

”بالکل..... ولید، مصطفیٰ اور روشی سے کیتھی میں نے بس بولنا آتی ہے لکھنا نہیں۔“ وہ کہہ رہی تھی انگلیں لہجہ میں اردو بولتی وہ کافی پیاری لگ رہی تھی۔ انا نے ایک گہرا سانس لیا۔

آنجل ✽ جنوری ✽ ۲۰۱۵ء 171

”کیتھی اٹس فار یو۔“ ولید نے ہاتھ میں پکڑا بکسے دیا تو وہ ایک دم پر جوشی ہو گئی۔
 ”جھینکس ولید۔ یونور یڈ روز مانی فیورٹ فلاور۔“ بکسے کو چہرے کے قریب کرتے اس نے کہا۔
 ”آئی نو۔“ ولید نے کہا تو کیتھی کے چہرے پر ایک دم رنگوں کی برسات اتری تھی۔ انا ایک بار پھر الجھنے لگی تھی۔
 وہ کیتھی کے ساتھ میننگ ہال میں آگئے تھے۔ جہاں پہلے سے ہی ٹیبل ریزر تھی کیتھی نے ویٹر کو سر د کرنے کا آرڈر
 کیا اور اس کے بعد وہ اور ولید نجائے کہاں کہاں کی باتیں لے کر بیٹھ گئے تھے۔ یونیورسٹی جاب اور بھی نجائے کیا کیا۔ انا
 ایک دم اکٹاہٹ محسوس کرنے لگی۔ اسے رہ رہ کر ولید پر غصا رہا تھا خواہ وہ اسے اپنے ساتھ تھسٹ لایا تھا۔ وہ ایک دم
 چہرے پر بیزاریت لیے گلاس وال سے باہر دیکھنے لگی تھی۔
 ”تم روٹی کو بھی لگاتے میں تو اپنی ٹیم کے ساتھ ہوں خود سے نکل نہیں سکتی میں اس سے بھی مل لیتی۔“ کیتھی ولید
 سے کہہ رہی تھی انا نے اسے دیکھا اور پھر بغور دیکھنے لگی۔
 وہ بے حد خوب صورت لڑکی تھی ڈریسنگ بھی اس کے کلچر کے مطابق تھی ٹی شرٹ اور ٹراؤزر میں وہ خاصی اٹریکٹو لگ
 رہی تھی۔

”ولید نے بتایا آپ میڈیکل پڑھ رہی ہیں؟“ اس نے پوچھا تو انا نے محض سر ہلایا۔
 ”ولید مصطفیٰ اور روٹی کے ساتھ میرا بہت سارا وقت گزرا ہے اور بہت اچھا بھی پہلے مصطفیٰ پاکستان آ گیا اور پھر یہ
 لوگ بھی میں ان کو بہت مس کرتی رہی ہوں۔“ وہ مسکرا کر بتا رہی تھی انا محض سر ہلا گئی۔
 ”مصطفیٰ کی شادی کا پتا چلا تھا اس کو بھی میں نے پاکستان پہنچتے ہی کابل کی تھی۔ بٹ اس نے پک ہی نہیں کی۔ وہ
 شاید اپنے ہنی مون ٹرپ پر ہے؟“ وہ اس سے بات کرتے کرتے ولید سے پوچھنے لگی تھی۔
 ولید اسے مصطفیٰ کی شادی اور پھر ایکسیڈنٹ کا بتانے لگا تو کیتھی کو سن کر بہت صدمہ پہنچا تھا جس کا اظہار وہ بار بار کر
 رہی تھی۔ پھر ویٹر کھانا لے آیا تو کیتھی ان کو سر د کرنے لگی۔
 کھانا کھاتے ہوئے بھی وہ دونوں مسلسل اپنی باتوں میں لگے رہے تھے۔ ولید تو گویا اسے یہاں لاکر بھول ہی گیا
 تھا۔ انا کے اندر عجیب و غریب ابال سے اٹھنے لگے تھے۔ وہ پہلے ہی کاشفہ کو لے کر از حد بچی ہو رہی تھی اور اب کیتھی
 اسے لگ رہا تھا کہ وہ جو بمشکل اپنے آپ کو سنبھال رہی ہے ایک دم پھٹ پڑے گی۔ اس نے کیتھی کے اصرار کے باوجود
 بہت جلد کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا تھا۔

”کیا ہوا کھانا پسند نہیں آیا؟“ کیتھی نے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلادیا۔
 ”نہیں کھانا تو بہت اچھا ہے بٹ اس وقت مجھے بھوک محسوس نہیں ہو رہی۔“ ولید نے بھی اسے دیکھا تو اس کے
 چہرے کے تاثرات کا بغور جائزہ لیا تھا۔
 ”انا اتنی جلدی ہر کسی سے بھی فرینک نہیں ہوتی، یوڈنٹ دری۔“ وہ اس سے اور بھی سوال کر رہی تھی جب ولید نے
 کہا تھا وہ بھی کھانا ختم کر چکا تھا انا اب فوراً سے بیشتر یہاں سے اٹھنا چاہتی تھی۔
 ”یہ تو کوئی اچھی بات نہیں۔“
 ”وئی چلیں۔“

”ارے اتنی جلدی کچھ دیر اور رکے نا پلیز۔“ وہ ولید سے مخاطب تھی۔ انا ایک دم کھڑی ہو گئی۔
 ”نہیں، کانی دیر ہو گئی ہے۔“ تنے تنے اعصاب لیے اس نے کہا تو ولید کو بھی اٹھنا پڑا تھا۔
 ”اوکے کیتھی، کھانا بہت اچھا تھا پھر پلیس گے انا کو علم نہ تھا کہ میں یہاں آ رہا ہوں میں اسے مصطفیٰ کے گھر کا کہہ کر لایا

آنجل ✽ جنوری ✽ ۲۰۱۵ء 172

اور کیا چاہا ہے؟

گرم دودھ میں زو ح افنا
 پھر کیسی سردی کیسا جھاڑا

زو ح افنا



تھا۔ مسکرا کر کہتے انا کی سنجیدگی کی وجہ بیان کی۔

انہوں نے ولید کو سنجیدگی سے دیکھا۔

”او کے، میں مصطفیٰ سے بھی ملنے جاؤں گی تم بھی وقت نکال کر چکر لگا دو نوں چلیں گے۔“ کیتھی نے مسکرا کر کہا۔

”او کے۔“ اس نے بھی کہا۔

پھر کیتھی نے ولید سے ہاتھ ملایا اور انا سے گلے ملی اور انہیں باہر تک سی آف کرنے آئی تھی۔



اسے ایک دم چکرا آیا تھا انکشاف ہی ایسا تھا کہ جس نے اس کے حواس مختل کر دیے تھے وہ دھڑام سے گری تھی۔ ہاتھ لگنے سے دیوار کے ساتھ رکھا اسٹینڈ گرا تھا شہوار کے گرنے کی آواز سن کر اپنے روم سے مہر النساء فوراً باہر نکلی تھیں۔ شہوار کر دیکھ کر ایک دم گھبرا گئی تھیں۔

”شہوار۔“ وہ فوراً اس کے پاس آئی۔ شاہزیب صاحب بھی ان کی گھبرائی ہوئی آواز سن کر آ گئے تھے۔

”کیا ہوا؟“

”پتا نہیں۔“ انہوں نے شہوار کو سپردھا کیا وہ بے ہوش تھی۔

”کہیں اس نے ہماری باتیں تو نہیں سن لیں۔“ شاہزیب صاحب نے از حد پریشانی سے بیگم کو دیکھا تو وہ بھی پریشان ہو گئی۔

شاہزیب صاحب نے اسے بہت احتیاط سے اٹھایا تو مہر النساء نے بھی ساتھ سہارا دیا تھا وہ اس کو اپنے روم میں لے آئے تھے۔

”شہوار بیٹا..... اٹھو..... ہوش کرو۔“ بستر پر لٹا کر انہوں نے اس کے رخسار پر ہاتھ پڑھائے تھے۔ مہر النساء نے خوفزدہ نظروں سے دیکھا۔

”پانی لائیں۔“ شہوار کی نبض دیکھی جس کی رفتار نارمل تھی انہوں نے بیگم کو کہا تو مہر النساء فوراً باہر چلیں گئیں۔ واپسی پر ان کے ساتھ لائینے بھی تھی۔ پانی کے چھینٹے مارے اور چند اور حربے بآ زمانے کے بعد شہوار کو ہوش آ گیا تھا۔

”آہ.....!“ وہ کرا رہی تھی اور آنکھیں کھول دی تھیں۔ خالی خالی آنکھوں سے اس نے خود پر جھکے چہروں کو دیکھا۔ ”شہوار کیا ہوا طبیعت ٹھیک ہے؟“ مہر النساء نے از حد شفقت سے پوچھا۔

شہوار کچھ مل قبل کی تمام باتیں یاد آئیں تو اس کے اندر اذیت و تکلیف کا طوفان اٹھ پڑا تھا اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔

”مجھے بتائیں میری ای کدھر ہیں؟“ اس کے لبوں سے سوال نکلا تو مہر النساء نے گھبرا کر شوہر کو دیکھا اور شاہزیب صاحب نے ایک گہرا سانس لیا تب لائینے نے بڑی حیرانی سے سب کو دیکھا تھا۔

”شہوار بیٹا گھبراؤ نہیں وہ آ جائیں گی۔“ شاہزیب صاحب نے کہا تو وہ شدت سے رونے لگی تھی۔

اس کے پاس خون کے بہت سارے رشتے نہیں تھے کہ وہ یہ خبر سن کر صبر کر لیتی اسے تو لگ رہا تھا کہ اس خبر نے گویا اس کے وجود کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے ہیں۔

”مجھ سے کوئی جھوٹ نہیں بولیں، میں نے آپ کی تمام باتیں سنی ہیں پلیز مجھے بتائیں میری ای کہاں ہیں؟“ وہ نڈھال سے انداز میں بستر پر اٹھ بیٹھی تھی۔ مہر النساء کے ہاتھ تھام کر اس نے دونوں میاں بیوی سے پوچھا۔

”وہ حویلی سے جا چکی ہیں۔“ شاہزیب صاحب نے آستکی سے کہا تو لائینے نے حیران ہو کر دیکھا۔

”کہاں؟“ شہوار نے پوچھا۔

”ہمیں علم نہیں، تابندہ نے بابا صاحب کے نام جو خط چھوڑا تھا اس میں بھی بس یہی ذکر کیا تھا کہ وہ واپس آ جائیں گی اور آ کر آپ کے تمام سوالوں کے جواب دیں گی۔“ شاہزیب صاحب نے سنجیدگی سے کہا تو شہوار کے اندر جیسے بھانجھنے لگے تھے۔

”ایسے کون سے سوال تھے جن کے لیے انہیں حویلی چھوڑنا پڑی۔“ وہ آنکھوں سے رو رہی تھی۔ مہر النساء نے فوراً اسے ساتھ لگا لیا تھا۔

”صبر کرو، تابندہ نے اگر کہا ہے کہ وہ واپس آئے گی تو ضرور آئے گی۔“

”ایسا کون ہے جس کے پاس وہ گئی ہیں۔ میں نے جب بھی پوچھا ہمیشہ یہی جواب ملا کہ میرا کوئی بھی رشتہ موجود نہیں سوائے ان کے مجھے ہمیشہ وہ نالتی رہیں۔“ وہ آنکھوں سے روتے کہہ رہی تھی۔

”ہم نے کبھی بھی تابندہ یا تمہارے ماخسی کے بارے میں بہت گہرائی سے جاننے کی کوشش نہیں کی تھی بس تابندہ نے جو کہا ہم نے یقین کر لیا تھا۔“ مہر النساء نے کہا تو اس نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

”مگر مجھ سے تو ہمیشہ یہی کہا گیا انکل کساپ دھیاں والوں کے پاس گئے تھے ان سے ملنے، ای کو ان لوگوں سے خطرہ تھا تو انہوں نے وہ جگہ چھوڑ دی تھی اور حویلی میں پناہ لے لی تھی۔“ اس نے مہر النساء اور شاہزیب دونوں کو دیکھا تھا۔

”ہاں گیا تو میں واقعی تھا مگر تب مجھے کچھ خاص سراغ نہ ملا تھا کہ میں ٹنک کرتا۔ سکندر اس شخص کا بھتیجا تھا جس سے میں ملا تھا اور وہ ایک مفلوک الحال شخص تھا اس نے سکندر کی دولت و جائیداد پر قبضہ کیا تھا اور اس کی اولاد ساری دولت و جائیداد سمیٹ کر اس شخص کو ایک ملازم کے آسرے پر چھوڑ کر باہر چلی گئی تھی۔ اس کے بعد پھر میرا دوبارہ کبھی اس جگہ جانا ہی نہ ہوا۔“ شاہزیب صاحب نے سنجیدگی سے کہا تو شہوار کے رونے میں شدت و آئی۔ اس کی ماں اس کے وجود کو ایک سوالیہ نشان بنا کر جا چکی تھیں۔ نجانے لوگ اب اس کی ذات کو کس کس طرح ڈسکس کرنے والے تھے۔

”ٹنک ٹنک نہ لو سب ٹھیک ہو جائے گا، تابندہ واپس آ جائے گی۔“ مہر النساء نے تسلی دینا چاہی تھی مگر شہوار کی کسی بھی طرح تسلی و تسفی نہیں ہو پارہی تھی۔

اسے لگ رہا تھا کہ وہ دنیا کے سامنے ایک تماشہ بننے والی ہے۔

”تابندہ نے ہم سے بھی بھی دل کی بات نہیں کی تھی کہ جس سے اندازہ ہوتا کہ اس کا کوئی رشتہ دار یا جاننے والا موجود ہے۔ نجانے کہاں گئی ہوگی؟“ مہر النساء نے مزید کہا۔ لائینے تمام صورتحال سمجھ چکی تھی اس نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔

”میں نے کچھ لوگوں کو ہدایات دی ہیں کہ وہ پتا کرائیں کہ تابندہ کہاں جا سکتی ہیں ہو سکتا ہے کوئی سراغ مل جائے۔“ شاہزیب صاحب نے بھی کہا مگر شہوار کے دل کو جو زخم لگا تھا وہ اب تسلی کے ان چند بولوں سے نہیں بچنے والا تھا۔

اب کے ساتھ نجانے اب کیا ہونے والا تھا۔ یہ سوال ایسا تھا کہ وہ شدت سے رو رہی۔ وہاں موجود تینوں نفوس ایک دوسرے کو دیکھ کر نظریں چرا رہے تھے۔

وہ عجیب سے ہارے ہوئے انداز میں بیٹھی ہوئی تھی۔ آنکھوں میں آنسو تھے۔

”وہ اس کے ساتھ تھی میں اس کی خاطر سوسائڈ کرتی ہوں اور اسے کوئی فرق ہی نہیں پڑتا، اس نے ایک بار بھی میرا حال تک نہ پوچھا میرا جی چاہ رہا ہے کہ میں ساری دنیا کو آگ لگا دوں۔“ شدت سے روتے ہوئے کہا تو دوست نے ترجم بھری نگاہوں سے اسے دیکھا۔

”تم اسے بھول کیوں نہیں جانتیں کیوں خود کو تکلیف دے رہی ہو۔“

”نہیں بھول سکتی میں اسے..... اسے بھولنے کا سوچتی ہوں تو مجھے لگتا ہے کہ میری سانسیں تھم جائیں گی۔“
”تو پھر کیا کرو گی، وہ تمہیں صاف جواب دے چکا ہے تم نے اس کے لیے سوسائڈ کی کوشش کی تم بچ گئی مگر تمہارا دل جان پر کھیل جانے کے باوجود وہ تمہارے پاس تمہاری خیریت تک پوچھنے نہیں آیا۔“ دوست نے سنجیدگی سے کہا تو اس کے رونے میں شدت آگئی۔

”میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتی۔“ روتے ہوئے اس نے کہا تو اس کی دوست نے بڑی تڑپ آمیز نگاہ اس پر ڈالی تھی۔

”اور وہ تمہیں صاف انکار کر چکا ہے اس کی ایک منگیت رہے اور وہ اسے لائیک بھی کرتا ہے۔“

”بات مت کرو اس لڑکی کی۔“ اس نے ایک دم پھٹ پڑنے والے انداز میں ٹوکا تھا۔

”وہ میرے ساتھ بالکل ٹھیک چل رہا تھا ہمیں بھی اس نے یہ احساس نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ اس کی منگیت رہے اور اب ایک دم جب میں اس کے معاملے میں اس حد تک جا چکی ہوں وہ کہتا ہے وہ اسے پسند کرتا ہے۔“ روتے ہوئے اس نے کہا۔

”میں اس لڑکی کو زندہ نہیں چھوڑوں گی میں زندگی میں پہلی بار خود سے ہاری ہوں اور میں اس لڑکی کی وجہ سے خاموش نہیں بیٹھوں گی۔“ روتے روتے ایک دم آنسو صاف کرتے ہوئے اس نے کہا تو دوست نے چونک کر دیکھا۔
”وہ تمہارے اس رویے کی وجہ سے تم سے اب بدظن ہو چکا ہے میرا نہیں خیال کہ وہ اب تم سے دوبارہ ملنے کی کوشش بھی کرے گا۔“ دوست کا تجزیہ سن کر تھکا کٹھ کے چہرے کے غصلات ایک دم کشید ہو گئے تھے۔

”وہ اگر مجھے نہ ملا تو میں کسی کو بھی اسے پانے نہیں دوں گی، میں نے پہلی نگاہ میں اسے پسند کیا تھا۔ میں نے زندگی میں پہلی بار خود سے کسی کو چاہا ہے اور اسے مجھے قبول کرنا ہی ہو گا ورنہ پھر میں جو کروں گی وہ بھی سب دیکھیں گئیں۔“
رونے کے بعد اس کے انداز میں اب ایک دم سختی سی دو آئی تھی۔

”اور وہ لڑکی میں اسے اس قابل ہی نہیں رہنے دوں گی کہ وہ اسے لائیک کرے میں اسے اس کی نظروں سے گرا دوں گی۔ ایسے کہ وہ خود اس سے دور ہو کر مجھے اپنانے پر مجبور ہو جائے گا۔ میں اسے مجبور کروں گی دیکھنا تم۔“

شدید جذباتیت میں وہ نجانے کیا کیا کہہ رہی تھی۔ اس کی دوست نے اس کی بات پر اسے دیکھتے ایک گہرا سانس لیا تھا۔



کیتھی سے مل کر وہ دونوں گاڑی میں آ بیٹھے تھے۔ دونوں کے درمیان بالکل خاموشی تھی۔ ولید نے کئی بار نگاہ انا کے خاموش وجود پر ڈالی تھی۔

”کیسی لگی تمہیں کیتھی؟“ انا نے گردن گھما کر ولید کو دیکھا۔

”اچھی ہے۔“ لفظی جواب دے کر وہ پھر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

”مصطفیٰ کی طرف چلیں؟“ اس نے پوچھا۔

”نہیں مجھے گھر جانا ہے۔ اگر آپ کا موڈ ہے تو پھر مجھے گھر ڈراپ کر دیں۔“ سنجیدگی سے کہہ کر وہ پھر خاموش

ہو گئی تھی۔

”کس کریم لوگی۔“ انا نے الجھ کر ولید کو دیکھا اسے لگا ولید اسے محض جان بوجھ کر ان باتوں میں انوالو کر رہا ہے۔
”نہیں۔“ اس نے سنجیدگی سے کہا۔

”کیا بات ہے موڈ کیوں خراب ہو رہا ہے۔“ ولید نے مسکرا کر پوچھا۔ انا نے اسے دیکھا۔

”غلط فہمی ہے آپ کی۔“ وہ پہلے ہی کیتھی کو لے کر ابھی ہوئی تھی ایسے میں ولید کا اس طرح چھوٹے موٹے سوالات کرتا اس کے اندر کے اضطراب کو ہوا دے رہا تھا۔

”بعض اوقات غلط فہمی بھی خوش فہمی میں مبتلا کر دیا کرتی ہے مگر جو آپ کے مزاج کے تمام رنگوں کو پڑھ لینے کی صلاحیت رکھتے ہوں ان کو پھر غلط فہمی لاحق نہیں ہوتی۔“ ولید نے ہنس کر کہا۔

انا کے اندر عجیب سی جنگ چھڑ گئی تھی اور وہ لب بلیٹج کر بیٹھی رہی۔

پچھلے دنوں شہواری کی شادی کے دوران وہ ولید کا رویہ دیکھ کر نجانے خود کو کیا کیا سمجھنے لگی تھی مگر اب پھر وہی سرد مہری کیفیت میں خود کو ڈوبا محسوس کر رہی تھی۔

ولید نے اسے بغور دیکھا..... انا کا ہر انداز چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ وہ ان لمحوں میں مارے باندھے بیٹھی ہوئی ہے۔
ولید نے ایک گہرا سانس لیا..... وہ جان سکتا تھا کہ اسے کیا چیز تنگ کر رہی ہوگی۔ وہ دونوں کچھ ہی دیر میں گھر پہنچ گئے تھے۔ انا کو لگا وہ جیسے ایک دم سکون میں آ گئی ہو۔

ولید نے جیسے ہی گاڑی روکی تھی انا تیزی سے نکل کر اندر چلی گئی تھی۔ ولید بھی کی چھین لہراتا اندر چلا آیا تھا۔ اس کا ارادہ لاؤنج کی طرف جانے کا تھا مگر پھر اس کا موبائل بجنے لگا۔ اس نے سیل دیکھا کٹھن کی کال تھی۔ اس نے لب بلیٹج لیے تھے۔

اسے لڑکی اپنی زندگی کی سب سے بھیا تک غلطی لگ رہی تھی۔ اس نے کال کاٹ دی تھی اور اپنے کمرے میں چلا آیا تھا اور چیخ کر کے وہ داش روم سے نکلا تو اپنے بستر پر نیا صاب کو دیکھ کر ٹھنکا۔

”مصطفیٰ کیسا ہے اب؟“ ولید ان کے پاس بیٹھا تو انہوں نے پوچھا وہ مسکرایا۔

”بہتر ہے گھر شفٹ ہو چکا ہے۔“

”اچھی بات ہے، تم مصطفیٰ کو انوائٹ کر لینا دعوت پر اگر گھر میں کرنا ہے تو بھی ٹھیک ہے اگر باہر کسی ہوٹل میں بلوانا ہے تو بھی سوچ لو۔“

”جی میں بھی سوچ رہا تھا وہ آج آفس بھی گیا تھا اس کا مطلب ہے وہ اپنی روٹین لائف میں آ رہا ہے میں بات کروں گا دیکھنے کب مانتا ہے جس دن راضی ہو بلا لیں گے۔“

”اس کے علاوہ مجھے تم سے ایک اور بات بھی کرنا تھی۔“

”جی کہیے۔“

”میں چاہتا ہوں اب تمہاری اور انا کی شادی ہو جائے؟“ بابا نے کہا تو ولید چونکا۔

”اتنی جلدی کیا ہے، منگنی تو ہو چکی ہے انا بھی ابھی پڑھ رہی ہے آرام سے اس کی انجیکشن کمپلیٹ ہو جائے تو دیکھیں گے۔“ ولید نے ٹالنا چاہا۔

”لیکن میں منگنی کے بعد رشتہ لگانے کے حق میں نہیں ہوں۔“ انہوں نے سنجیدگی سے کہا۔

”انا بتا رہی تھی کہ تم دونوں کیتھی سے مل کر آئے ہو، وہ پاکستان آئی ہوئی ہے تم نے بتایا ہی نہیں۔“ انہوں نے مزید کہا

تو ولید ٹھٹکا۔

وہ جانتا تھا کہ ضیاء صاحب کو کبھی بھی کیتھی پسند نہیں رہی تھی۔

”جی، وہ کسی کام سے آئی ہوئی ہے ہونٹ میں ٹھہری ہے مجھے بھی کال کر کے اس نے اطلاع دی تھی تو میں ملنے چلا گیا۔“

”تمہیں انا کو لے کر نہیں جانا چاہیے تھا۔“ ضیاء صاحب نے سنجیدگی سے کہا ”وہ لڑکی ذات ہے نجانے کیا کیا سوچے وہ جس وقت سے گھر آئی ہے اس کا انداز بہت بدلا ہوا ہے میں تو پریشان ہو گیا ہوں۔“

”بابا کیتھی اب وہ والی کیتھی نہیں رہی وہ بہت بدل چکی ہے وہ جانتی ہے انا مجھ سے انکجڑ ہے وہ انا سے ملنا چاہتی تھی اور بس۔“

”پھر بھی مجھے کیتھی کا یہاں آنا اور انا کو ملوانے لے جانا اچھا نہیں لگا مجھے تو یہی پتا تھا کہ تم دونوں مصطفیٰ کی طرف جا رہے ہو۔“ ضیاء صاحب نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا تو وہ خاموش ہی رہا۔

”لڑکیاں بہت حساس ہوتی ہیں وہ بہت جلد چھوٹی چھوٹی باتوں کو فیل کر لیتی ہیں اور انا تو ہے ہی بہت چٹا اور حساس میں نہیں چاہتا کہ تمہاری طرف سے اسے کوئی دکھ ملے۔“

”کیا انا نے آپ سے کچھ کہا ہے؟“ ولید سے سنجیدگی سے پوچھا۔

”نہیں خود ہی یہ احساس ہو رہا ہے تو تمہارے پاس چلا آیا۔“

”ایسا کچھ نہیں بابا کیتھی کو کل بھی میں جسٹ فرینڈ سمجھتا تھا اور آج بھی۔“ ولید نے مسکرا کر کہا۔

”اور انا؟“ انہوں نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

”آپ کو کیا لگتا ہے؟“ مسکرا کر ان کا ہاتھ تھما تو وہ مسکرائے۔

”مجھے تم سے کبھی کوئی شکایت نہیں ملی بس چاہتا ہوں کہ انا ہمیشہ خوش رہے۔“ ولید نے گہرا سانس لیا۔

”آپ بے فکر رہیں میری طرف سے کبھی کوئی کوتاہی نہیں ہوگی۔“ ولید نے رسائی سے کہا۔

”تو پھر میں صبحی سے شادی کی بات کروں؟“ انہوں نے پھر وہی بات پھیر لی۔

”ابھی نہیں دیکھیں میرے لیے اپنی خواہش سے زیادہ اہم انا کی اسٹڈی ہے اسے اسٹڈی کمپلیٹ کرنے دیں پھر جو کہیں گے وہی ہوگا۔“ ولید نے کہا تو انہوں نے ایک گہرا سانس لیا۔

”ٹھیک ہے لیکن اگر درمیان میں صبحی یا وقار نے شادی کی بات کی تو پھر میں انکار نہیں کروں گا۔“ انہوں نے بستر سے اٹھتے ہوئے ولید کو بار کر دیا۔

”او کے جیسا آپ چاہیں گے وہی ہوگا۔ لیکن ابھی ویٹ کر لیں۔“ انہوں نے مسکرا کر بیٹے کو دیکھا۔

”مصطفیٰ سے بات کر کے ٹائم لے لیتا۔“ انہوں نے باہر نکلنے سے پہلے پھر کہا۔

”جی میں کال کروں گا۔“ ولید نے جواب دیا تو وہ مسکرا کر باہر چلے گئے اور ولید نے مسکرا کر ان کو جاتے ہوئے دیکھا۔



وہ گھر آئی تو عجیب بیجانی انداز میں بتلاتی تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ ہر چیز کو تہہ نہس کر دے۔ اس نے اپنا بیگ اپنے بستر پر اچھال دیا تھا۔

ہاتھ میں موبائل لے کر وہ نمبر ملانے لگی تھی کچھ دیر بعد اس کی کال کاٹ دی گئی تھی۔ کاشفہ کو لگا وہ احساس تو ہیں سے

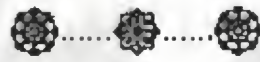
انچل جنوری ۲۰۱۵ء 178

جل اٹھی ہے۔ اس نے موبائل بستر پر پھینکا اور خود زمین پر گر گئی۔ وہ آج ولید کی گاڑی میں انا کو دیکھ کر فٹا ہو رہی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کچھ کر بیٹھے۔

اس کے بعد سے وہ مسلسل ایک ان دیکھی آگ میں جل رہی تھی۔ اس کو وہ لمحے بھول نہیں پار ہے تھے جب انا ولید کی گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کا انداز کتنا استحقاق بھرا تھا۔

کاشفہ اپنے اندر ایک ان دیکھی آگ جلتے محسوس کر رہی تھی۔ وہ اٹھ کر پھر ٹھہرنے لگی۔ اب کی بار ذہن مختلف باتوں کو سوچ رہا تھا۔

ولید اس سے مکمل طور پر بر گشتہ ہو چکا تھا وہ اس کو اپنی زندگی میں پھر کیسے لائے سوچ سوچ کر پاگل ہونے لگی تو بے اختیار بستر پر گر کر سکنے لگی تھی۔



مصطفیٰ کمرے سے باہر آیا تو ملازمہ نے اسے بتایا کہ ڈر پر سب اس کا انتظار کر رہے ہیں تو وہ اسی جانب آ گیا تھا۔

وہاں بھی موجود تھے وہ بھی سجاد بھائی کی برابر والی کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔ اس نے سب کو دیکھا مگر متلاشی نظریں کسی اور کو بھی تلاش کر رہی تھیں۔

وہ آج آفس سے واپسی پر ڈاکٹر سے چیک اپ کروانے کے بعد جلدی آ گیا تھا۔ وہ گھر پہنچ کر مغرب تک سوتا رہا تھا پھر کچھ وقت تک وہ لیپ ٹاپ کھول کر بیٹھ گیا تھا۔ مگر اس سارے عرصے میں لاشعوری طور پر وہ شہوار کا منتظر رہا تھا مگر

وہ کمرے میں نہیں آئی تھی اور اب ڈائنگ ٹیبل پر بھی موجود نہ تھی۔

”شہوار نہیں آئی؟“ مہر النساء کو دیکھ کر ملازمہ سے پوچھا۔

”میں بلانے گئی تھی وہ کہتی ہیں انہیں بھوک نہیں۔“ ڈائنگ ٹیبل پر اس وقت بھی موجود تھے مہر النساء لائے کو دیکھ کر

ایک گہرا سانس لے کر خاموش ہو گئی تھیں۔

شہوار اپنی ماں کے متعلق یہ انکشاف سن کر بہت بکھری ہوئی تھی وہ ان کے کمرے سے نکل کر اپنے کمرے میں چلی گئی تھی اور اس کے بعد وہ کمرے سے باہر نہیں نکلی تھی اور اب کھانے کے لیے بھی نہیں آئی تھی۔

”میں خود دیکھتی ہوں۔“ مہر النساء اٹھنے لگی تھیں۔

”رہنے دیں، وہ ابھی کافی بکھری ہوئی ہے شاید سب کے سامنے نا بہتر فیمل نہ کرے آپ یوں کریں کھانا اس کے کمرے میں ہی بچھوا دیں۔“ شاہزیب صاحب نے آہستگی سے کہا۔

مصطفیٰ جو ان کے بائیں جانب بیٹھا ہوا تھا اس نے چونک کر ان کی نہ صرف بات سنی تھی بلکہ حیران ہو کر دیکھا بھی تھا۔

”ٹھیک ہے میں کھانا وہیں لگوادیتی ہوں۔“ انہوں نے آہستگی سے کہا اور پھر ملازمین کو بلوا کر اسے شہوار کے کمرے میں بھی کھانا لے جانے کا کہا۔

”کیا ہو شہوار کو؟“ عباس بھائی نے پوچھا۔

”بس طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔“ ماں جی سہولت سے کہہ کر کھانا کھانے لگی تھیں ابھی تا بندہ کی غیر موجودگی کی خبر شاہزیب صاحب، مہر النساء، لائے اور شہوار کے علاوہ مردوں میں سے کسی کو بھی نہ تھی۔ مصطفیٰ نے خاموشی سے سب کو دیکھا تھا۔

انچل جنوری ۲۰۱۵ء 179

صبح کالج جاتے وقت اس نے اسے دیکھا تھا اور اس کے بعد سے نظر نہیں آئی تھی اب اس کی طبیعت کا سن کر اسے تجسس سا ابھرا تھا۔ مگر براہ راست کسی سے پوچھنا اچھا نہ لگا تو خاموش ہی رہا۔

کھانا کھا کر سب سے پہلے مہر النساء اٹھی تھیں۔ باقی لوگ بھی اٹھ گئے تھے، مصطفیٰ بھی نیپکن سے ہاتھ صاف کرتا اٹھ گیا تھا۔ وہ اپنے کمرے میں جاتے ہوئے ایک پل کو شہوار کے کمرے کے پاس سے گزرتے رکا تھا اور وازہ نیم وا تھا۔ وہ سارا دن اس کے کمرے میں نہیں آئی تھی۔ یقیناً کالج سے آنے کے بعد وہ اسی کمرے میں ہی تھی کچھ سوچتے وہ دروازے کی طرف بڑھا تھا۔

”میں کیا کروں میرا دل نہیں مان رہا وہ میری ذات کو سب کے سامنے ایک سوالیہ نشان بنا کر چلی گئی ہیں، میں کتنے یقین کر لوں۔“ شہوار کی آواز پر وہ ایک دم رکا تھا۔

شہوار شاید رو رہی تھی اس کی سسکیوں میں ادا کیے گئے الفاظ مصطفیٰ کے کانوں میں اترے تھے وہ چونک اٹھا تھا۔ ”پھر بھی میں یہی کہوں گی کہ خود کو سنبھالو، ابھی ہم کسی کو بھی یہ بات نہیں بتا رہے مگر لوگوں کو بتا تو چلے گا ہی نا۔ اس طرح حوصلہ ہار کر کمرے میں بند ہو کر بیٹھ جاؤ گی تو بیٹا بیمار پڑ جاؤ گی۔“ مہر النساء کی دلا سہ دیتی آواز آئی تھی اور پھر اس کی شدت سے رونے کی آواز آئی تھی۔

”تو میں کیا کروں، کیسے خود کو سنبھالوں، میرے پاس جینے کے لیے صرف یہی ایک رشتہ تھا بہت سارے جواز نہ تھے میں تو ان کی خاطر سب نبھا رہی تھی۔“ ہچکیوں میں کہنے لگے نا قائل فہم جملے تھے۔ مصطفیٰ الجھ گیا تھا نجانے کیا بات تھی وہ کیوں ایسے رو رہی تھی۔

”ایسے نہیں کہو ہم سب ہیں تمہارے ساتھ۔ جہاں تک تابندہ کی بات ہے ہمارا برسوں کا ساتھ رہا ہے۔ میں اندازہ لگا سکتی ہوں بغیر کسی اٹھوس وجہ اور مصلحت کے تابندہ نے اتنا بڑا قدم نہیں اٹھایا ہوگا۔“ تابندہ کے نام پر مصطفیٰ مزید الجھ کر رہ گیا تھا۔

”تھوڑا سا کھانا کھا لو باہر بھی تمہارا پوچھ رہے تھے مصطفیٰ بھی پریشان ہوگا چلو اٹھو منہ ہاتھ دھو خود کو سنبھالو اچھا سا لباس پہنو اور کھانا کھاؤ اور اپنے کمرے میں جاؤ۔“

”میرا بھی دل نہیں کر رہا کھانا کھانے کو۔“ روتی آواز میں شہوار نے کہا تھا۔ ”او کے منہ ہاتھ دھو کر آؤ، میں اب تمہیں روتے نہ دیکھو ورنہ میں سمجھوں گی کہ تمہیں میری پروا نہیں۔“ مہر النساء کے لہجے میں محبت بھری سرزنش تھی۔ مصطفیٰ اندر جانے کے بجائے اپنے کمرے میں آ گیا تھا۔

ذہن بار بار انہی باتوں میں الجھنے لگا تو کچھ سوچتے اس نے حویلی کا نمبر ملایا۔ بارات سے واپسی کے بعد مصطفیٰ کی تابندہ بی سے ایک بار بھی بات نہیں ہوئی تھی ورنہ تو وہ اس کو دن میں ایک بار کال ضرور کرتی تھیں۔ چند دن تو وہ اسپتال میں رہا تھا ان کی غیر حاضری پر غور نہ کر سکا تھا مگر اب شہوار کی باتیں سن کر اسے ایک دم ان کی یاد شدت سے آئی تھی۔

تاج نے کال ریسیو کی تھی مصطفیٰ نے اس کو تابندہ کو بلائے کا کہا تو وہ کہنے لگی۔ ”وہ اس وقت یہاں نہیں ہیں۔“

”کہاں گئی ہیں؟“

”جی معلوم نہیں بابا صاحب کو خبر ہوگی۔“

”ٹھیک ہے بابا صاحب کو بلاؤ۔“ بہت دن ہوئے مصطفیٰ کی ان سے بھی کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔

آنجل ✽ جنوری ✽ ۱۵ اپریل ۱۸۰

کچھ دیر بعد اس کی بابا صاحب سے بات ہو رہی تھی ادھر ادھر کی چند باتوں کے بعد مصطفیٰ نے ڈائریکٹ بات کی تھی۔

”تابندہ بوا کہاں گئی ہیں؟“

”تمہیں کس نے بتایا؟“ بابا صاحب نے چونک کر پوچھا۔

”کیا مطلب اتنے دن سے ان کا کوئی رابطہ ہی نہیں تو سوچا ان سے بات کر لوں مگر تاج کہہ رہی تھی کہ وہ یہاں نہیں ہیں آپ کو بتا کر کہیں گئی ہیں۔“

”اچھا ہاں وہ کہیں باہر گئی ہیں شاید کسی کے گھر۔“ مصطفیٰ کو صاف لگا کہ بابا صاحب کا انداز ٹالنے والا تھا وہ اگر شہوار کی مہر النساء سے ہونے والی بات چیت نہ سن چکا ہوتا تو شاید ٹال جاتا۔

”کب تک آئیں گی؟“

”آ جاتی ہے کچھ دیر میں تم سناؤ شہوار بیٹی کیسی ہے؟ جب سے رخصت ہو کر گئی ہے ایک بار بھی بات نہیں ہوئی۔ کال تو کرتی رہی ہے میں کہیں باہر ہوتا تھا خوش تو ہے نا وہ تمہارے ساتھ۔“ بابا صاحب نے بات پلٹ دی تھی مصطفیٰ الجھا۔

”جی ٹھیک ہے وہ۔“

”گاؤں کب چکر لگا رہے ہو؟“ انہوں نے محبت سے پوچھا۔

”جی ابھی تو فارغ نہیں ہوں، آج سے آفس بھی جوائن کر لیا ہے۔ دیکھیں کب وقت ملتا ہے؟“ اس نے سنجیدگی سے کہا۔

”چلو ٹھیک ہے جب بھی سہولت ہو چکر لگا لینا اور شہوار بیٹی کا بہت خیال رکھنا کبھی بھی اسے احساس نہیں ہونے دینا۔“ آخر میں بابا صاحب کا لہجہ سنجیدہ ہو گیا تھا۔

انہوں نے مصطفیٰ سے چند اور باتیں کی اور پھر ان سے ملنے کوئی آ گیا تو کال بند کر دی تھی۔

مصطفیٰ شہوار کے رونے کی وجہ سوچنے لگا۔ کل وہ غصے میں تھا مگر آج قدرے مزاج کی گرمی کم ہوئی تھی لیکن شہوار کی طرف سے دل میں جو بدگمانی آ چکی تھی وہ ابھی بھی قائم تھی۔ وہ کال بند کر کے اپنا لیپ ٹاپ لے کر بیٹھ گیا تھا۔ اگر اس کے ساتھ یہ حاو نہ ہوتا تو کیا وہ پھر بھی اس طرح کمرے میں اس وقت تنہا ہوتا۔

دماغ میں عجیب و غریب خیالات آنے لگے تو اس نے یونہی کوفت سے سر اٹھایا مگر پھر ٹھٹک گیا شہوار کمرے میں داخل ہوئی تھی دونوں کی پہلی نگاہ بے ساختہ تھی۔

سرخ سو جی ہوئی آنکھیں تھیں شہوار کی وہ فوراً نگاہ جھکا گئی تھی۔ مصطفیٰ کی نگاہوں میں برہمی سی اترنے لگی۔

”شہوار کا وہ رونا ماں جی سے سب کہنا اس کے پس منظر میں کہیں اس رشتے سے متعلق نا پسندیدگی کا معاملہ تو نہیں۔“ مصطفیٰ کے دل و دماغ میں سوالات نے اودھم مچایا تھا۔

شہوار جھپکتے ہوئے آگے بڑھی تھی۔ سر جھکا ہوا تھا اس نے آہستگی سے دروازہ بند کر دیا تھا۔

چہرے پر سرخی تھی یوں جیسے وہ گھٹنوں پر روتی رہی ہے ناک بھی سرخ انار کی طرح دکھ رہی تھی۔ مصطفیٰ نے اسے بغور دیکھا تھا۔

بلکے بلوکر کے فینسی لباس میں ملبوس تھی یقیناً ماں جی نے کمرے میں بھیجا ہوگا۔ مصطفیٰ نے لب بھینچ لیے تھے شہوار آہستگی سے چلتی ہوئی بستر کے قریب آئی تھی۔

آنجل ✽ جنوری ✽ ۲۰ اپریل ۱۸۱

”ماں جی کہہ رہی تھیں آپ کی بینڈ تاج دیکھ لوں اگر آپ۔“ کچھ جھجکتے ہاتھ مسلتے اس نے بھاری ہوتی آواز سے کہا چاہتا تھا۔

”مجھے نہیں ضرورت کسی بھی بینڈ تاج کی۔“ مصطفیٰ کا انداز رکھائی لیے ہوئے تھا لہجہ میں تلخی بھی تھی۔ وہ پھر لیپ ٹاپ سامنے رک کر دیکھنے لگا تھا۔

شہوار جو پہلے ہی شدت سے پریشان تھی مصطفیٰ کے اس رویے پر ایک دم ہرٹ ہوئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ایک دم آنسو جمع ہو گئے تھے۔ وہ اچھی طرح سمجھ رہی تھی کہ مصطفیٰ اسے اس کے گزشتہ رویوں کی سزا دے رہا ہے۔ پہلے ہی وہ تابندہ کولے کر گم صم تھی اوپر سے مصطفیٰ کا رویہ وہ غڈ حال سے انداز میں صوفے پر جا بیٹھی تھی۔ مصطفیٰ نے لیپ ٹاپ سے توجہ ہٹا کر دیکھا تو چونکا وہ صوفے پر بیٹھی ہونٹوں کو دانتوں تلے دبائے آنسو بہا رہی تھی۔

”کیا مسئلہ ہے کیوں آئی ہیں آپ کمرے میں؟“ لیپ ٹاپ سائیڈ پر کرتے مصطفیٰ نے سختی سے ٹوکا تو شہوار کے رونے میں ایک دم تیزی دے آئی۔

وہ کبھی بھی ایسے لہجوں کی عادی نہ تھی اور یہاں کبھی بھی کسی نے اس طرح سختی سے مخاطب نہ کیا تھا اور اب مصطفیٰ کا یہ سلوک۔

”آپ میرے ساتھ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟“ تھیلی سے آنسو صاف کرتے اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو مصطفیٰ نے اثرات لیے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ مصطفیٰ کا یہی رویہ سوچتے ابھی تک کمرے میں نہیں آئی تھی مگر اب۔

”کیا کر رہا ہوں میں؟“ وہی تلخی اور سرد پن لیے پوچھا تو شہوار نے لب بھینچ لیے۔

وہ پچھلے دو تین گھنٹوں سے تابندہ بی کولے کر اس قدر آنسو بہا چکی تھی کہ اب آنکھیں بھی دکھ رہی تھیں۔ وہ خاموش رہی تھی بمشکل اپنے آنسو پینے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کی خاموشی پر مصطفیٰ کے اندر نجائے کیسی آگ جلنے لگی تھی کہ اسے لگا کہ اگر وہ چند پل شہوار کے سامنے رہا تو یقیناً خود پر ضبط نہیں کر پائے گا۔

غصے سے بستر سے اتر کر ایک رخ اور جلدی نکال شہوار پر ڈالی اور کمرے سے نکل گیا تھا۔ شہوار اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھی۔ اس نے بھی کبھی نہیں سوچا تھا کہ مصطفیٰ اس کے ساتھ ایسا رویہ رکھے گا۔ اس کا دل پھوڑے کی طرح دکھنے لگا۔

ماں جی کے کہنے پر وہ منہ ہاتھ دھو کر لباس بدل کر اس کمرے تک آئی تھی۔ مگر مصطفیٰ کے اس رویے نے اس کے دل میں موجود احساس کو بجھا ڈالا تھا۔

وہ تو پہلے ہی بد اعتمادی اور بے نام و نشان والی فضا میں جی رہی تھی اوپر سے مصطفیٰ کے اس رویے نے ادھ موا کر ڈالا تھا۔ وہ ماں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر بے اختیار سسک اٹھی تھی۔

کل شب مصطفیٰ رات بھر کمرے میں نہیں آیا تھا اور وہ ساری رات تکیے سے ٹیک لگائے جا گئی رہی تھی اور اب بھی مصطفیٰ کمرے سے جا چکا تھا۔ وہ کتنی دیر تک صوفے پر بیٹھی رہی اور پھر اٹھ کر وضو کر کے نماز پڑھنے لگی تھی۔

نماز ادا کرنے کے بعد وہ کتنی دیر تک بستر کے کنارے بیٹھ کر مصطفیٰ کا انتظار کرتی رہی تھی مگر بارہ بجے کے بعد اس کے دل میں موجود ہر احساس گویا اپنی موت آپ مرنے لگا تھا۔

وہ گزشتہ ساری رات جاگی تھی صبح کالج اور اس کے بعد وہ تابندہ کے متعلق جاننے کے بعد شدت سے روتی رہی تھی اس وقت اس کے اندر مزید رونے کی بھی طاقت نہ رہی تھی۔ اسے اپنا سر بھاری بھاری لگنے لگا تھا۔ اس نے آنسو سے آنسو کر لائش آف کر دی تھیں بستر پر جانے کو اس کا دل نہیں کر رہا تھا مگر وہ اب اپنی طرف سے کوئی کمی نہیں آنے دینا چاہتی تھی۔

آنجل ✽ جنوری ✽ ۲۰۱۵ء 182

اس کی ماں اس کے تمام سوالوں کا جواب دیے بغیر اسے چھوڑ کر جا چکی تھی۔ اس کی اپنی ذات اس کے اپنے لیے ایک سوالیہ نشان بن چکی تھی۔ اسے لگ رہا تھا کہ وہ اپنی ذات کا تمام تر مان اور غرور کھو چکی ہے وہ بے مایا ہو چکی ہے۔ مصطفیٰ کے بستر پر ایک کنارے پر لیٹ کر وہ پھر سسک اٹھی تھی۔

کتنی دیر تک وہ مصطفیٰ کا انتظار کرتی رہی اور پھر اس کی پہلے سے ہی سوچی بھاری آنکھیں مزید جلن سے بند ہونے لگیں۔ تو وہ خود کو صوفے سے نہ بچا سکی تھی۔

کوئی دو بجے کے قریب مصطفیٰ نے کمرے میں قدم رکھا تو وہاں مکمل اندھیرا تھا اس نے نائٹ بلب جلا یا تو ہلکی روشنی نے اندھیرے کی فضا کو توڑ دیا تھا۔

وہ کتنی دیر تک لی وی کھولے بیٹھا رہا تھا اور پھر ماں جی کے ٹوکے پر وہاں سے اٹھ کر اوپر ٹیرس پر چلا گیا تھا گزشتہ ساری رات وہاں گزری تھی۔ مگر اب تھک ہار کر وہ واپس کمرے میں چلا آیا تھا۔ بستر کے دوسرے کنارے پر شہوار لیٹی ہوئی تھی۔

دو پندرہ نماز کے سے اسٹائل میں لیٹا ہوا تھا وہ سیدھی لیٹی ہوئی تھی بغیر بلنکٹ لیے ایک ہاتھ سینے پر تھا اور دوسرا پہلو میں مصطفیٰ ایک گہرا سانس لیتا بستر پر بیٹھا۔ لاشعوری طور پر وہ شہوار کو دیکھنے لگا تھا۔

اس کا حسن ایسا سحر انگیز تھا کہ رات کی تاریکی میں مصطفیٰ کو مکمل طور پر اپنی طرف مائل کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ وہ سوئی ہوئی تھی مضطرب اور بے چین سی نیند تھی۔ چہرے پر سرخی اور آنسوؤں کے نشان واضح تھے۔ کھڑی ناک اور اس میں چمکتی لوٹک۔

مصطفیٰ کو لگا اس نے بہت دن بعد اسے بغور دیکھا ہوا اور وہ لب بھینچے اسے دیکھے گیا۔ وہ اس کے سلوک سے بہت زیادہ ہرٹ ہوا تھا اور گھبراہٹ کے بعد سے تو دل و دماغ مسلسل ایک جنگ سے دوچار تھا اور اب اس پر نگاہ پڑتے پھر سے اسپتال کے بستر پر لیٹے پل پل شہوار کی آمد کے انتظار سے جھیلی جانے والی اذیت یاد آنے لگی تو وہ لب بھینچ کر کروت بدل کر لیٹ گیا۔

ابھی وہ بمشکل سویا تھا کہ ایک دم عجیب سے احساس سنا کچھ کھل گئی تھی۔

”ای۔۔۔۔۔ ای۔۔۔۔۔ آپ مجھے چھوڑ کر مت جائیں، پلیز مت جائیں۔“ تیز گھبرائی ہوئی آواز کانوں سے ٹکرائی تو مصطفیٰ فوراً اٹھا۔

شہوار شاید نیند میں بڑبڑا رہی تھی اس کی آواز بہت واضح تھی۔

”ای پلیز مت جائیں۔۔۔۔۔ میں مر جاؤں گی، آپ کے بغیر کیسے رہوں گی۔“ وہ شہوار کے قریب جھکا تو وہ نیند میں کمر رہی تھی لہجہ میں تکلیف تھی۔ وہ اذیت سے سر ہانے پر اپنا سر تکی رہی تھی۔

”شہوار۔۔۔۔۔“ مصطفیٰ نے فوراً انکارا۔

”شہوار کیا ہوا؟ اٹھو۔“ مصطفیٰ نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھ کر جھنجھوڑا تو وہ ایک دم آنکھیں کھول کر خود پر جھکے مصطفیٰ کی دیکھنے لگی۔ اس کا حلق بالکل خشک ہو رہا تھا۔

”جیسے حلق میں کانٹے سے آگے ہوں۔“ چہرے پسینے سے تر تھا اور سانس غیر معمولی رفتار سے تیز تھی۔

”تو شاید خواب دیکھ رہی تھی۔“ تابندہ ہوا اسے چھوڑ کر جا رہی تھیں اور وہ دیوانہ وار ان کے پیچھے بھاگی تھی اور ان کی چادر کا پلو تھام لیا تھا مگر اس کے باوجود وہ چلی گئی تھیں۔

خواب یا آ یا تو وہ ایک دم اٹھی بیٹھی۔

آنجل ✽ جنوری ✽ ۲۰۱۵ء 183

”امی..... امی مجھے چھوڑ کر چلی گئی ہیں۔“ مصطفیٰ سیدھا ہوا اور حیرت سے اسے دیکھا۔

وہ شاید ابھی بھی خواب کے زیر اثر تھی۔ آنکھوں سے باقاعدہ آنسو بہہ رہے تھے اس کی حالت اس وقت قابلِ درج ہو رہی تھی۔

”تم نے شاید کوئی خواب دیکھا ہے۔“ مصطفیٰ نے قدرے نرمی سے کہا۔

”میں سچ کہہ رہی ہوں امی چلی گئی ہیں۔ میں ان سے پوچھتی تھی میں کون ہوں اور وہ میرے سوالوں کے جواب دیے بغیر چلی گئیں۔“ وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رونے لگی تو مصطفیٰ چونکا۔

”تم خواب میں ڈر گئی ہو؟“ مصطفیٰ نے پھر کہا تو اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ بس شدت سے دوتی رہی۔

وہ تابندہ ہوا کو یاد کرتے ہوئی تھی اور تابندہ ہوا کے خواب ہی اسے ستانے لگی تھیں اس کا ذہن اس وقت بالکل خالی ہو چکا تھا۔

”میرا خیال ہے تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں، پانی پیو گی؟“ اسے اس طرح شدت سے روتے دیکھ کر مصطفیٰ الجھا تھا۔

پھر خود ہی بستر سے اتر کر لائٹ آن کی اور کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔ شہوار کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیا کرے۔ وہ اپنے آپ کو سنبھالنا چاہ رہی تھی مگر سنبھال نہیں پا رہی تھی۔ اس کے دل کو ایک پل بھی قرار نہ تھا۔

کچھ پل بعد مصطفیٰ واپس کمرے میں آیا تھا ہاتھ میں گلاس اور جگ تھا۔

”یہ پانی پیو۔“ گلاس میں پانی ڈال کر اس کی طرف بڑھایا تو اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔

سرخ متورم چہرہ کپکپاتے لرزرتے ہونٹ، ہلکی پلکیں اور سوچی آنکھیں اور آنسوؤں سے تر رخصا ایک پل کو مصطفیٰ ساکت ہوا تھا۔

شہوار کی حالت بہت عجیب سی تھی۔ اس نے زندگی بھر شہوار کو اس حال میں نہ دیکھا تھا کبھی بھی نہیں۔ شہوار نے پانی کے لیے ہاتھ نہیں بڑھایا تھا اس نے بس نفی میں سر ہلایا تھا۔ درو کو اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔

”پانی پی لو۔“ مصطفیٰ کو اس کی حالت نے پریشان کر دیا تھا خود بخود لہجہ نرم نرم ہو گیا تھا اس نے پھر نفی میں سر ہلایا تو دوبارہ کہے بغیر گلاس اس کے ہونٹوں سے لگا دیا تھا مجبوراً اس نے چند گھونٹ بھرے تھے۔ مصطفیٰ نے ڈرینگ پر کھانٹو

باکس اٹھا کر اس کے سامنے رکھا۔

”چہرہ صاف کرو، بلکہ منہ دھوؤ تو بہتر ہے۔“ پانی پی کر وہ سر جھکا گئی تھی۔

مصطفیٰ کی بات پر بھی اس کے وجود میں کوئی جنبش نہ ہوئی تھی مصطفیٰ نے پانی اور گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا تھا دوبارہ بیڈ پر بیٹھ کر اسے دیکھا۔

وہ اب بھی سر جھکائے رو رہی تھی آنسو اس کے ہاتھوں پر گر رہے تھے۔ مصطفیٰ نے محسوس کیا بے تحاشا رونے سے اس کا وجود لرز رہا تھا۔ وہ ہیبتنا سا کد ہوا تھا۔

”شہوار۔“ اس کے قریب ہوتے اس کا بازو تھا مناجا پاتا احساس ہوا وہ حدت سے چپ رہی تھی۔

”تمہیں بخار ہے؟“ مصطفیٰ نے پوچھا۔

”مجھے امی کے پاس لے چلیں میں اگر ان سے نہ ملی تو میرا دل بند ہو جائے گا۔“ اس نے مصطفیٰ کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں جکڑ لیا تھا۔

تابندہ بی کی طرف سے ملنے والا صدمہ ایسا تھا کہ اسے لگ رہا تھا کہ اس کے سوچنے سمجھنے کی تمام تر صلاحیتیں سلب ہو چکی ہیں اسے خود پر کوئی اختیار نہ رہا تھا۔

آنچل جنوری ۲۰۱۵ء 184

”نیک اسٹ ایزی شہوار کیا پرالیم ہے؟“ مصطفیٰ نے تمام تر غصہ بھلائے اس کے لرزتے وجود کو بازو کے حصار میں لے لیا تھا وہ تو گویا پہلے ہی ٹوٹی ہوئی شاخ تھی اس کا حصار پاتے ہی ایک بار پھر شدت سے سک اٹھی۔ مصطفیٰ کا یہ عمل بنیاد پر تھا۔ اس کا گریہ ایسا تھا کہ مصطفیٰ بے چین ہو گیا تھا۔

”مصطفیٰ امی مجھے چھوڑ کر چلی گئی ہیں میرے تمام اوبام سچ ثابت ہوئے ہیں انہوں نے ہمیشہ مجھ سے سب چھپایا اور پھر وہ چلی گئیں۔“ لرزتے لہجے میں اس کے سینے کو اپنے آنسوؤں سے بھگوستے وہ ایسا انکشاف کر رہی تھی کہ مصطفیٰ کلم

صبر نہ کیا تھا۔ ایک دم اسے احساس ہوا وہ خواب کی بات نہیں حقیقت بیان کر رہی ہے۔

”کہاں گئی ہیں وہ؟“ مصطفیٰ نے چونک کر پوچھا۔

”مجھے نہیں پتا۔“ اس نے نفی میں سر ہلایا۔

”تمہیں کس نے بتایا کہ وہ چلی گئی ہیں اور کیوں گئی ہیں تم سے بات کی تھی انہوں نے۔“ وہ پھر نفی میں سر ہلایا تھی۔ رونے کی شدت سے اس کی ہچکی بندھ گئی تھی اور سانس ناہموار۔

مصطفیٰ چند پل اسے روتے ہوئے دیکھتا رہا تھا اور پھر اسی طرح حصار میں لیے آگے جھک کر پانی والا گلاس اٹھا لیا تھا۔

”یہ پانی پی لو۔“ اس کے ہونٹوں سے گلاس لگایا۔ اب کی بار اس نے گلاس خالی کر دیا تھا۔

”ابرو لوگی؟“ محبت نرمی و توجہ سے پوچھا۔ اس نے نفی میں سر ہلایا تھا۔ مصطفیٰ نے اسے دیکھا۔ اس کا چہرہ مسلسل

گریہ دزاری سے بے انتہا سرخ ہو رہا تھا۔

”تمہیں بخار ہے؟“ اس کا وجود آگ اگل رہا تھا مصطفیٰ کو اس کی حالت سے تشویش ہونے لگی تھی۔ مصطفیٰ نے کہا تو وہ خاموش رہی وہ بے انتہا ہال لگ رہی تھی۔ مصطفیٰ کا دل چاہ رہا تھا کہ ابھی جائے اور مایا جی سے بات کرے۔

اس کے ذہن میں شہوار والے کمرے میں دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو گونج رہی تھی مگر رات کے اس پہر وہ باہر جاتا تو یقیناً کبھی ڈسٹرب ہوتے۔

”لیٹ جاؤ تمہیں بہت بخار ہے۔ اس طرح زروں گی تو طبیعت مزید خراب ہوگی۔“ مصطفیٰ نے کہا تو وہ خاموشی سے لیٹ گئی تھی ویسے بھی بے تحاشا رونے سے اب سر چکر رہا تھا۔ مصطفیٰ نے بلیٹکٹ کھول کر اس پر ڈال دیا تھا۔

”میڈیسن لوگی تمہیں تیز بخار ہے؟“ مصطفیٰ نے کہا تو اس نے مصطفیٰ کو دیکھا۔

دونوں کی نگاہیں ملی تھیں اور پہلی بار اتنی خراب طبیعت کے باوجود اس پہر مصطفیٰ کے ساتھ اپنے اس رشتے نے ایک عجیب سا احساس بخشا تھا۔

”میں سوؤں گی۔“ وہ مصطفیٰ سے نگاہ چراتے کر وٹ بدل گئی تھی۔ مصطفیٰ نے خاموشی سے اسے دیکھا تھا۔

کروٹ کے بل وہ پھر بغیر آواز پیدا کیے رونے لگی تھی آنکھوں سے آنسو خشک ہی نہیں ہو پارہے تھے وہ جتنا صبر کرنے کی کوشش کر رہی تھی آنسو اتنے ہی بے اختیار تھے۔ مصطفیٰ نے اس کے لرزرتے وجود اور ہلکی ہلکی سسکیوں کو سنا تو اندر اشراب برپا ہونے لگا۔

”شہوار۔“ مصطفیٰ نے پکارا تو وہ ایک دم ساکت ہوئی تھی۔

”یا تو ساری بات مجھے بتاؤ یا پھر رونا بند کرو میں پریشان ہو رہا ہوں۔“ مصطفیٰ نے جھنجھلائی آواز میں کہا۔ مصطفیٰ کو

لگا کہ اگر وہ اسی طرح روتی رہی تو قیام تک اس کی طبیعت بہت خراب ہو جائے گی وہ بستر سے اٹھا۔

دراز سے اپنی میڈیسن نکال کر چیک کرنے لگا اور پھر ایک گولی لے کر گلاس میں پانی ڈال کر قریب آ گیا تھا۔

آنچل جنوری ۲۰۱۵ء 185

”یہ میڈیسن لے لو۔“ مصطفیٰ نے کہا تو وہ ہنسی مٹھکی تھی۔

”یہ لے لو تمہارے روز کو کچھ سکون ملے گا۔“ مصطفیٰ نے کہا تو وہ بڑے غڈ حال سے انداز میں اٹھ بیٹھی تھی۔

مصطفیٰ نے دیکھا اس سے گلاس لیتے اس کا ہاتھ لرز رہا تھا۔
مصطفیٰ کی ہتھیلی سے گولی لے کر اس نے منہ میں رکھ دی اور لرزتے ہاتھ سے پانی کا گلاس منہ سے لگا لیا۔ مصطفیٰ نے گلاس واپس لے کر ٹیبل پر رکھا وہ دوبارہ لیٹ گئی تھی۔ اس نے آنکھوں پر بازو رکھ لیا تھا۔ مصطفیٰ نے ٹائٹ بلب کے علاوہ تمام لائٹس گل کر دی تھیں۔

وہ واپس بستر پر آ کر بیٹھا تو چہرے پر سوچ کی گہری پرچھائیاں تھیں۔ ایک نظر منگے سے اندھیرے میں شہوار کو دیکھا اور پھر لب بچھ کر ایک گہرا سانس لیا تھا۔

”تا بندہ ہوا کیوں اور کہاں گئی ہیں؟“ ذہن دول پر بس اسی سوال نے ایک پلچل مچا دی تھی۔
وہ اسی طرح بیٹھا رہا تھا اور نجانے کیا سوچتا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد شہوار کی طرف جھک کر اس کی آنکھوں سے بازو ہٹایا تو وہ سوچکی تھی۔ مصطفیٰ نے اسے نیند کی گولی دی تھی۔

تبھی وہ کچھ بل میں ہی غافل ہو گئی تھی۔ شہوار کا بازو جل رہا تھا۔ تھینا اسے بخار تھا۔ مصطفیٰ ایک گہرا سانس لیتے اس پر بلیکٹ درست کرتے خود بھی اس کے قریب ہی نیم دراز ہو گیا تھا۔ شہوار کا رویہ اور تا بندہ ہوا کی ذات ایسے سوال تھے کہ اب اسے خاک نیندا آتی تھی۔

وہ سو کر اٹھا تو کافی وقت ہو چکا تھا۔ اس نے گھڑی دیکھی تو دن کے نو بج رہی تھی۔ مصطفیٰ کو یاد آیا وہ رات تا بندہ بی کے بارے میں سوچتے سوچتے سو گیا تھا۔ وہ فوراً اٹھا مگر پھر رک گیا۔ اس کے پہلو میں شہوار ابھی بھی موجود تھی اور بے خبر سو رہی تھی۔ مصطفیٰ نے اس کا بازو دھکا تو پریشان ہوا وہ ابھی بھی تیز بخار میں پھنک رہی تھی۔

”شہوار۔“ مصطفیٰ نے اس پر جھکتے ہوئے پکارا تو اس نے کوئی رسپانس نہیں دیا تھا۔ مصطفیٰ نے اس کا رخسار تھپتھپایا اور جھنجھوڑا تو اس نے کراہ کے ساتھ آنکھ کھولی اور پھر بند کر لی تھی۔

”شہوار۔“ شہوار کو پکارا۔
”ہوں۔“ اس نے صرف ہنکارا بھرا تھا۔ مصطفیٰ نے چند بل اسے تشویش بھری نگاہوں سے دیکھا اور پھر بستر سے اتر آیا۔

مصطفیٰ نے پہلے منہ ہاتھ دھویا اور پھر کمرے سے نکل آیا تھا۔ وہ کچن کی طرف آیا تو ماں جی وہاں موجود تھیں اسے دیکھ کر مسکرائیں۔

”بہت لیٹ اٹھے تم آفس جاؤ گے یا نہیں؟“ انہوں نے مسکرا کر پوچھا۔
”جی بس آنکھ دیر سے کھلی، کچھ لیٹ جاؤں گا۔“

”شہوار بھی کمرے سے باہر نہیں آئی۔ رات اس کی طبیعت کچھ ٹھیک نہ تھی تو مجھے تشویش ہو رہی تھی۔“ ماں جی نے مزید پوچھا۔

”ساری رات بخار سے غڈ حال رہی ہے ابھی بھی بخار کی غنودگی میں ہے۔“

”اوہ..... اچھا، اگر ایسی بات تھی تو رات میں ہی بتاتے ڈاکٹر کو کال کر لیتے۔“ ماں جی فوراً پریشان ہوا بھی تھیں۔

”میں نے سوچا کہ کیا رات گئے پریشان کروں آپ چل کر اسے دیکھیں میں ڈاکٹر کو کال کرتا ہوں۔“ مصطفیٰ کے کہنے پر وہ فوراً کمرے میں چلی گئی اور مصطفیٰ نے کال کر کے امجد کو لیٹ آنے کی اطلاع دی اور پھر

آنجل جنوری ۲۰۱۵ء 186

ڈاکٹر کو کال کر کے فوراً پہنچنے کا کہا تھا۔ وہ کمرے میں دوبارہ آیا تو ماں جی شہوار کے ماتھے پر کپڑا گھسیلا کر رکھ رہی تھیں اور شہوار نیم غنودگی میں تھی۔

”یہ کھواتی طبیعت خراب کر لی اس نے، رات میں ہی بتایا ہوتا تو گھر میں بخار کی دوا تو ہوتی ہی ہے وہی دیتے کچھ افادہ تو ہوتا۔“ ماں اسے اس طرح لینے دیکھ کر گھبرا گئی تھیں۔

”میں نے ڈاکٹر کو اطلاع کر دی ہے وہ آ جاتا ہے۔“ وہ شہوار کے دوسری طرف آ بیٹھا تھا۔

”مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے شہوار رات تا بندہ ہوا کے کہیں چلے جانے کا ذکر کر رہی تھی یہ کیا کہانی ہے اور آپ نے مجھ سے ذکر نہیں کیا، کیا معاملہ ہے، کہاں گئی ہیں اور کیوں؟“ شہوار کے ماتھے پر گھسیلا تو لیہ رکھتے ہوئے ان کے ہاتھ رک گئی تھیں۔ انہوں نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔

شاہزیب صاحب نے مصطفیٰ کی طبیعت اور زخموں کے سبب اسے ابھی کچھ بھی بتانے سے گریز کیا تھا مگر اب جبکہ شہوار بتا چکی تھی تو وہ کیونکر چھپا تیں۔ انہوں نے شاہزیب صاحب سے جو بھی سنا تھا سب مصطفیٰ کو بتا دیا۔

”اوہ..... ان بلیو بیل..... کہاں جاسکتی ہیں وہ؟“ مصطفیٰ حیرت زدہ تھا۔

”میں تو خود سوچ سوچ کر پاگل ہو چکی ہوں، کبھی کبھی دل میں عجیب سے خیال آنے لگتے ہیں تا بندہ سے برسوں کا ساتھ رہا۔ مجھے نہیں لگتا وہ کوئی ایسی ویسی عورت ہوں گی خاندانی دقار اور رکھ رکھاؤ کے ہر انداز سے چھلکا تھا اور جس طرح ہر نفع باقتصان سے بے نیاز ہو کر اس نے حویلی کے لیے ساری زندگی وقف کر دی تھی کوئی ایسی ویسی عورت ہوتی تو قطعی نہ کرتی، میں تو خود حیران ہوں کہ نجانے کہاں چلی گئی ہے وہ۔“

”اور بابا صاحب کیا کہتے ہیں؟“ مصطفیٰ نے سنجیدگی سے پوچھا۔

”وہ خود الجھے ہوئے اور پریشان ہیں، دیے کہہ رہے تھے کہ چند لوگوں کے ذریعے پتا کر رہے ہیں مگر ایسی باتوں کا ایک دم کیسے پتا چلتا ہے۔“ مصطفیٰ نے جواباً کچھ کہنا چاہا تو شہوار کا آنکھیں کھولتے دیکھ کر خاموش ہو گیا۔

شہوار کی آنکھیں بخار کی حدت سے سرخ ہو رہی تھیں۔ اس نے آنکھیں کھولی تھیں مصطفیٰ سے پہلی نگاہ ٹکرائی تھی اور اسے مکمل طور پر متوجہ دیکھ کر وہ پھر آنکھیں بند کر گئی تھی۔ مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔

کچھ دیر بعد ڈاکٹر آ گیا تھا چیک اپ کرانے کے بعد اس نے انجیکشن لگایا تھا۔ کچھ میڈیسن لکھ دی تھیں جو ماں جی نے اسی وقت ڈرائیور کو بلوا کر لانے بھی بھیج دی تھیں۔ لاسبہ بھابی بھی آ گئیں تو مصطفیٰ بھی کمرے سے نکل گیا تھا۔

ڈاکٹر چلا گیا تو کچھ دیر بعد مہرا النساء نے اسے توس زبردستی بھلایا تھا رات بھی اس نے کھانا نہیں کھایا تھا اس کے بعد ڈرائیور میڈیسن لے آیا تھا انہوں نے خود میڈیسن کھلائی تھیں۔ بخار اور صدے نے شہوار کو بری طرح غڑبلا کر دیا تھا۔

مصطفیٰ دوبارہ کمرے میں آیا تو ماں جی اور بھابی کمرے سے جا چکی تھیں اور شہوار لیٹی ہوئی تھی آنکھیں بند تھیں۔

چہرے سے نقاہت اور کمزوری صاف عیاں تھی میڈیسن لے کر وہ سو رہی تھی شاید۔ مصطفیٰ نے الماری سے اپنا ڈریسنگ ٹالا اور واش روم میں گھس گیا تھا۔

وہ خاموشی سے تیار ہوا اور اپنا لیپ ٹاپ لینے وہ بیڈ کی سائیڈ ٹیبل کی طرف آیا تو ایک بل کو شہوار کو دیکھ کر رک گیا تھا۔

آہستہ سے اس کے پاس بیٹھا تھا۔

رات وہ جس طرح شدت سے روئی تھی مصطفیٰ کے اندر تمام تر ناراضی ختم ہو چکی تھی مصطفیٰ نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا۔ بلکہ بلکہ سینے کے قطرے تھے بخار میں کی ہو چکی تھی مگر ابھی بھی برقرار تھا۔ تھینا میڈیسن کا اثر تھا۔ مصطفیٰ ایک دم

آنجل جنوری ۲۰۱۵ء 187

مطمئن ہوا تھا۔ وہ کمرے سے نکلا تو ماں جی اسے دیکھ کر کہیں وہ بھی کمرے میں ہی آ رہی تھیں۔

”آفس جا رہے ہو؟“

”جی۔“

”احتیاط سے جانا، ڈرائیور چھوڑ آئے گا اور گاڑی کو ساتھ رکھنا۔“ مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لیا۔

شاہزیب صاحب کی طرف سے یہ سخت ہدایات تھیں کہ وہ خود ڈرائیور نہیں کرے گا اور گاڑی ساتھ ضرور ہوگا۔

”آپ ٹینشن نہ لیں ان شاء اللہ اب کچھ نہیں ہوگا، ایک بار ہماری بے خبری میں ہم پر حملہ ہوا ہے۔ یقیناً دشمن دو تہری بار ایسی حرکت نہیں کرے گا۔“ مسکرا کر کہا۔

”اللہ اپنی امان میں رکھے، اتنا بڑا حادثہ ہوا میں تو ابھی تک اس سے ہی سنبھل نہیں پائی، ادھیان سے رہنا۔“

”جی ضرور۔“ مصطفیٰ مسکرا کر باہر نکل آیا تھا بابا نے گاڑی کو گاڑی نکالنے کا کہا۔

وہ پہلے اسپتال گیا۔ ڈاکٹر سے بازو اور کندھے کا ٹریٹمنٹ کرایا تھا بازو بہتر تھا مگر کندھے کا زخم ٹھیک ہونے میں کچھ دن لگنے تھے۔

وہاں سے فارغ ہو کر وہ آفس آ گیا تھا وہاں بہت سارے امور اس کی توجہ کے طالب تھے۔ وہ ان میں لگ گیا تھا۔

سازشے بارہ بجے کچھ فرصت ملی تو گھر سے ساتھ لائے کچھ اہم کاغذات وہ دیکھنے لگا۔ بھی کسی ضرورت کے تحت اس نے والٹ کھولا تھا اور ایک بل کور کا تھا۔ تابندہ ہوا اس نے ایک آئی ڈی کارڈ لیا تھا جو اس نے اپنے والٹ میں رکھ لیا تھا۔

گولیاں لگنے تک والٹ اس کے پاس تھا۔ پھر اس کی تمام اشیاء شاہزیب صاحب کے پاس چلی گئی تھیں جو گھر واپسی پر مل گئی تھیں۔ مصطفیٰ نے کارڈ دیکھا اور پھر کچھ بل سوچا۔ کارڈ واپس والٹ میں رکھتے اس نے جلدی سے تمام کاغذات سمیٹ کر لا کر میں رکھتے گھنٹی بجائی تھی۔ کانسٹیبل فوراً چلا آیا تھا۔ ڈرائیور کو گاڑی ریڈی کرنے کا کہو۔

”کوئی پوچھے تو کہنا صاحب ضروری کام سے گئے ہیں۔“ کانسٹیبل سلام کر کے چلا گیا تھا۔ مصطفیٰ نے چند جگہوں پر ایک دو ضروری کالز کی اور پھر گاڑی میں بیٹھا تھا۔

ڈرائیور کو ایڈریس سمجھا کر وہ خاموشی سے بیٹھ گیا تھا اگلی سیٹ پر گاڑی بھی موجود تھا۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ کی مسافت کے بعد گاڑی مصطفیٰ کے مطلوبہ ایڈریس پر جا کر تھی مصطفیٰ نے بغور علاقے کو دیکھا۔ علاقہ جدید اور ایڈوانس رہا۔

گھروں پر مشتمل تھا۔ ان کو مطلوبہ مکان پر پہنچنے میں کچھ وقت لگا تھا مگر جیسے ہی آئی ڈی کارڈ پر لکھے ایڈریس کے سامنے گاڑی رکی تو مصطفیٰ گاڑی سے باہر نکل آیا تھا گاڑی کو باہر لٹکنے سے منع کر دیا تھا۔ گھر کے گیٹ پر نیل دی گئی کچھ دیر بعد ایک خوش پوش ضعیف عمر کا شخص برآمد ہوا تھا۔

”جی فرمائیے۔“ بوڑھے نے سر سے پاؤں تک مصطفیٰ اور پھر کچھ فاصلے پر کھڑی گاڑی کو دیکھا تھا۔

”سکندر احمد ولد سبحان احمد کا گھر یہی ہے۔“ اس نے مصافحہ کرنے کے بعد براہ راست پوچھا تھا۔

”نہیں۔“ بزرگ نے سنجیدگی سے بتایا۔

”تو پھر کس کا گھر ہے؟“ مصطفیٰ نے نیم پلیٹ کو دیکھا جہاں فیاض لکھا ہوا تھا۔

”یہ تو ہمارا گھر ہے۔ فیاض میرے بیٹے کا نام ہے۔“

”آپ کب سے یہاں ہیں؟“ مصطفیٰ نے مزید پوچھا۔

”آپ کیوں پوچھ رہے ہیں۔“ مصطفیٰ ہلکا سا مسکرایا۔

”مجھے سکندر احمد ولد سبحان احمد سے ملنا ہے یہاں کا آئی ڈی کارڈ ہے اور یہاں کا ایڈریس ان سے ایک کام تھا سو اس کی

لیے حاضر ہوا تھا۔“ سکندر صاحب تو کب کے وفات پا چکے تھے وہ جانتا تھا مگر یونہی بوڑھے کوٹا لے کر اس نے کہہ دیا اور گاڑی بھی دکھایا۔

”دیکھیں ہم نے دو سال پہلے یہ گھر کرائے پر لیا تھا ہمیں نہیں پتا اس سے پہلے یہاں کون لوگ رہائش پذیر تھے۔“

بزرگ نے کہا تو مصطفیٰ چونکا۔

”ہو سکتا ہے مالک مکان کا نام سکندر وغیرہ ہو۔“

”نہیں ان کا نام تو کچھ اور ہے اصل میں وہ لوگ پاکستان میں نہیں رہتے۔ یہ گھر ان کے کچھ رشتہ داروں کی ذمہ داری میں ہے انہی کے توسط سے ہم یہاں پر رینٹ پر آئے تھے۔“ بزرگ نے تفصیلاً بتایا۔

”جی بہتر ہے۔ کیا مجھے ان رشتہ داروں یا مکان مالکان کا کوئیٹ نمبر مل سکتا ہے۔“

”مجھے زبانی تو یاد نہیں مگر اندر کسی سے پوچھ کر بتانا ہوں۔“ بزرگ کہہ کر واپس اندر چلے گئے تھے مصطفیٰ خاموشی سے

وہاں کھڑا رہا۔ ناں جی سے سکندر صاحب کے بارے میں جان کر اور تمام تفصیل سننے کے بعد اس نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ اب خود اس سارے مسئلے تک پہنچنے کی کوشش کرے گا۔

شہوار ایک عرصے سے اپنی شناخت اور نجائے کیا کیا کتنی رہی تھی مگر ہمیشہ سے اس کے لیے ان باتوں کی کوئی اہمیت

تھی مگر رات جس طرح تابندہ بی کے بارے میں انکشاف سنا تھا اور اس سے بڑھ کر شہوار کی وہ حالت مصطفیٰ نے ایک دم فیصلہ کیا تھا کہ وہ اب خود اس سارے مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کرے گا۔ تابندہ ہوا کے اس طرح منظر سے غائب

ہو جانے پر اب مصطفیٰ کو لگ رہا تھا کہ جیسے یہاں کوئی چیز مس ہے۔ وہ صرف اس گمان میں یہاں تک آیا تھا کہ شاید تابندہ ہوا یہاں آئی ہوں۔ بزرگ اندر سے واپس آ گئے تھے۔

انہوں نے ایک چٹ مصطفیٰ کی طرف بڑھائی تھی۔

”مالکان کا تو ہمیں نہیں پتا۔ لیکن جن کی ذمہ داری پر یہ گھر ہے ان کا یہ ایڈریس ہے ہر ماہ کرایہ لینے آتے ہیں۔“

مصطفیٰ نے چٹ تھام لی تھی۔

”شکریہ بہت بہت۔“

”ایک اور سوال پوچھوں گا؟“ مصطفیٰ نے کہا تو بزرگ نے سوالیہ دیکھا۔

”یہاں چند دن پہلے تابندہ نامی کوئی خاتون آئی تھیں۔“

”تابندہ۔“ بزرگ نے سوچنے کی کوشش کی تھی اور پھر نفی میں ہر بلا دیا تھا۔

”نہیں یہاں اس نام کی کوئی خاتون نہیں آئیں۔“ مصطفیٰ نے سر ہلا دیا اور مسکرا کر ایک بار پھر بزرگ کو اب کا شکریہ ادا

کرتے وہ واپس گاڑی میں آ بیٹھا تھا۔

وہ آفس میں تھی اپنے کیمین میں بیٹھی کوئی فائل دیکھ رہی تھی۔ جب وہاں ماموں کے ساتھ بھابی کاتے دیکھ کر حیران

ہوئی تھی۔

”آپ دونوں ادھر؟“ آفس بوائے ان کو اس تک پہنچا کر پلٹ گیا تھا۔

”ہاں ابو بکر نے ایک فلیٹ پسند کیا ہے وہ دکھانا چاہ رہا تھا ہم نے سوچا رستے میں تمہیں بھی لے لیتے ہیں۔“ بھابی

نے بتایا تو اسے حیرانی ہوئی۔

”آپ دونوں بیٹھیں تو۔“ وہ پہلی بار اس کے آفس میں آئے تھے وہ تو خوش نہور ہی تھی۔ سائیڈ پر رکھی کرسیوں کی

طرف اشارہ کیا تھا۔

”ابو بکر گاڑی ریٹ پر لے کر آیا ہے تم اپنے باس سے چھٹی لے لو تو چلتے ہیں۔“ ماموں نے کہا تو اس نے جلدی جلدی ارد گرد بکھرے کاغذات سمیٹے۔

”وہ باہر گاڑی میں ہی بیٹھ گیا، ان کو بھی اندر لے آئے؟“ اس نے بھابی سے کہا وہ مسکرا دی۔

”میں بس یہ کام سمیٹ لوں، عباس صاحب کو اجنبی چاہیے۔“ وہ جلدی جلدی کمپیوٹر پر انگلیاں چلانے لگی تھی اس دوران آفس بوائے کو کہہ کر ان کے لیے کچھ لانا کو کہا تھا۔ اور کچھ دیر بعد وہ ان کو کولڈ ڈرنک تھما گیا تھا اس نے جلدی جلدی کاغذات کا پرنٹ نکال کر فائل بنائی تھی۔

”میں عباس صاحب سے بات کر کے آتی ہوں آپ ویٹ کریں۔“ وہ فائل لے کر عباس صاحب کے کمرے میں چلی آئی تھی۔

”سر مجھے چھٹی چاہیے۔“ عباس نے جیسے ہی اس کے ہاتھ سے فائل تھامی تھی اس نے فوراً کہا تھا۔

”خیریت؟“ فائل ٹیبل پر رکھتے عباس نے پوچھا۔

”جی ہاں ایک ضروری کام ہے کہیں جانا تھا۔“ اس نے کچھ جھجکتے ہوئے کہا۔

”لیکن یہ فائل تو بہت ضروری تھی آج ہی تمام جگہوں پر اس کی ایک ایک کاپی ارسال کرنی ہیں۔“ عباس نے سنجیدگی سے کہا۔

”بٹ سر مجھے انفارم کیے بغیر ماموں اور بھابی لینے آ گئے ہیں اتنا لمبا چوڑا کام نہیں ہے میں واپسی پر آ کر کر لوں گی۔“ مجھے بس تھوڑی دیر کے لیے جانا ہے۔“ اس نے کہا تو عباس نے فائل سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

اور نبھانے کیوں مصطفیٰ کی بارات والے دن واپسی پر وہ نگاہ کو بہت خاص لگی تھی اور تب سے بالکل اچانک نگاہ ہینکے لگی تھی۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ کوئی نظر باز شخص تھا۔ مگر اس لڑکی میں ہی شاید کچھ خاص بات تھی جو وہ اپنی تمام تر سادگی اور احتیاط کے باوجود اپنی تمام تر توجہ اپنی طرف کھینچنے لگ گئی تھی۔

”اوکے، بس ہادیہ کو بھیج دیں میں ان کو بریف کر دوں گا وہ کور کر لیں گی آپ ریلیکس ہو کر جائیں۔“

”آپ اپنا کام نبھانا آرام و سکون سے گھر جاسکتی ہیں مگر ہادیہ کر لیں گی۔“ عباس نے مسکرا کر کہا تو وہ ایک دم خوش ہو گئی تھی۔

”ویسے آپ نے اپنے ماموں سے ملوایا ہی نہیں آپ ان کو ادھر آفس میں ہی لے آئیں۔“ عباس نے مزید کہا۔

”وہ ذرا جلدی میں ہیں تو.....“ اس نے فوراً کہا۔

”آپ کے ہاں ان سے ملاقات ہوئی تھی بہت ہی نائس انسان ہیں مجھے تو ان کی بات چیت اور رکھ رکھاؤ نے بہت متاثر کیا تھا۔“ سر عباس کے منہ سے ماموں کی تعریف سن کر وہ ایک دم خوش ہوئی تھی۔

”اگر آپ ملنا چاہتے ہیں تو میں ان کو یہیں بلوا سکتی ہوں۔“ اس نے فوراً کہا۔

”نہیں میں بابا کے کمرے میں جا رہا ہوں ان سے بھی ملتا ہوں ویسے بھی وہ ہمارے بزرگ ہیں اور اچھا نہیں لگتا کہ وہ خود چل کر یہاں آ کر مجھ سے ملیں بھلے میں آپ کا باس ہوں۔“ عباس مسکرا کر کہتا اپنی سیٹ سے کھڑا ہو گیا تھا اس نے اس کی فائل بھی اٹھائی تھی۔

”اور وہ ہادیہ سے بات۔“

”وہ میں خود کہہ دوں گا۔“ وہ ایک دیر ریلیکس ہوئی تھی۔ وہ سر عباس کے ہمراہ روم سے نکلتی تھی۔

آنچل جنوری ۲۰۱۵ء 190

عفت سلطان

میرا نام عفت سلطان ہے میری عمر 26 سال ہے راولپنڈی میں رہتی ہوں میرا پسندیدہ لباس شلوار قمیص ہے۔ ہم ذات کے جٹ ہیں ہم تین بہنیں اور ایک بھائی ہے۔ میرا پسندیدہ رنگ گرے ہے مجھے ان لوگوں سے نفرت ہوتی ہے جو اپنے وعدے پر قائم نہیں رہتے اور ان لوگوں سے جو اپنی تعریف خود کرتے ہیں۔ خوبی یہ ہے کہ ہر حال میں خود پر قابو رکھتی ہوں اور خالی یہ ہے کہ ہر مسئلے پر بے تحاشا سوچتی ہوں۔ امید ہے آپ کو میرا تعارف پسند آئے گا شکر یہ۔

”سر آپ کے بھائی اب ٹھیک ہیں؟“ یونہی چلتے چلتے اس نے پوچھا تو عباس نے سر ہلا دیا تھا۔ وہ عباس کے ہمراہ اپنے کیمین کی طرف آئی تھی۔

ماموں اور بھابی سر عباس کو دیکھ کر اترا کر اٹھ کھڑے ہو گئے تھے۔

”السلام علیکم، کیسے ہیں آپ؟“ ماموں سے ہاتھ ملاتے عباس نے گرم جوشی سے پوچھا۔

”وعلیکم السلام، اللہ کا کرم ہے آپ کیسے ہو بیٹا، رابعہ سے آپ کے بھائی کے حادثے کا سنا تھا وہ اب ٹھیک ہیں؟“ جواباً ماموں نے بھی خلوص سے پوچھا۔

”جی الحمد للہ مصطفیٰ بہت بہتر ہے اب تو آفس بھی جا رہا ہے۔ آئیے آپ کو بابا جان سے بھی ملواتا ہوں۔“ بھابی کو سلام کرتے وہ ماموں سے کہہ رہا تھا۔

”نہیں بیٹا! اس وقت کچھ ضروری کام سے جانا ہے ان شاء اللہ پھر ضرور ملاقات کا شرف حاصل کروں گا۔“ ماموں نے کہا۔

”ویسے بھی رابعہ بیٹی شاہزیب صاحب کی بہت تعریفیں کرتی ہے۔“ عباس نے مسکرا کر دیکھا۔

”یعنی صرف بابا کی تعریفیں کی جاتی ہیں ہمارا کہیں کوئی ذکر نہیں ہوتا۔“ انداز پر مزاح تھا ماموں مسکرا دیے۔

”چلیں پھر بیٹا جی پھر ملاقات ہوگی چلتے ہیں۔“ ماموں نے پھر ہاتھ ملایا تو وہ ان دونوں کے ہمراہ چلتی باہر آ گئی تھی۔ ابو بکر موجود تھا۔

ابو بکر نے جو فلیٹ منتخب کیا تھا بہت اچھا تھا سیکنڈ فلور پر تھا۔ تین بیڈ روم ایک کچن اور لاؤنج تھا۔ سبھی کو فلیٹ پسند آیا تھا۔ ماموں کے مشورے پر وہ ماموں کے ایک اسٹوڈنٹ کے ساتھ مل کر اسپورٹس کا کاروبار شروع کر رہا تھا۔ ماموں اور اسی اسارت سے بہت خوش تھے۔ سو وہ بھی مطمئن تھی۔

فلیٹ دیکھ کر وہ بیڑھیوں کی طرف بڑھے تو رابعہ کو ایک دم چونکنا پڑا سیڑھیاں جڑھ کر اوپر آتی عادلہ اسے دیکھ کر تنفر سے کہنے لگی۔ ماموں اور ابو بکر اوپر ہی تھے وہ ایک دم رک گئی تھی۔

عادلہ ایک بار ان کے گھر نہا چکی ہوتی تو وہ بھی تنفر سے دیکھ کر گزر جاتی مگر مشکل یہ تھی کہ بھابی ساتھ تھیں وہ بھی عادلہ کو دیکھ کر فوراً پہچان گئی تھیں۔

”اے رابعہ دیکھو تمہارے سر کی دائف۔“ بھابی نے کہا تو رابعہ نے لب بھینچ لیے۔

”ابس رابعہ کیسی ہیں آپ؟“ عادلہ نے پاس آ کر طنز سے کہا تھا۔ رابعہ نے تنفر سے رخ بدلا۔

”چلیں بھابی۔“ وہ کہہ کر تیزی سے سیڑھیاں اترنے لگی تو بھابی الجھ گئی تھیں۔ رابعہ اپنے باس کی بیوی کو نظر انداز کر کے جا رہی تھی۔

”رکھو۔“ عادلہ رابعہ کے اس انداز پر ایک دم غصے سے پکار رہی تھی۔ رابعہ نے پلٹ کر دیکھا۔ عادلہ سیڑھیاں پھلتا لگتی

آنچل جنوری ۲۰۱۵ء 191

واپس اس تک آئی تھی۔
”تم جھٹکتی ہو عباس جیسے مرد کو سب بتا کر تم میری پہنچ سے دور نکل جاؤ گی یہ مت بھولو وہ کلپس ابھی بھی میرے پاس ہیں اور تم تصور نہیں کر سکتی میں کس حد تک جاسکتی ہوں۔“
”میں تم جیسی عورت کے منہ نہیں لگنا چاہتی، جو کر سکتی ہو کر لو میں تم جیسی دو نمبر عورت سے ڈرتی نہیں ہوں۔“ عادلہ کے آگ اگلے لہجے پر اس نے بہت سرد لہجے میں کہا تھا۔

”اوہ پوشٹ اپ۔“ وہ چیخی تھی۔

تبھی ماموں کے ساتھ ابو بکر بھی وہاں تک چلا آیا تھا۔

”کیا بات ہے بیٹا؟“ ابو بکر تو عادلہ کو دیکھ کر فوراً ٹھٹکا تھا ماموں نے عادلہ کو کہا۔

عادلہ نے ایک قہر بھری نگاہ رابعہ پر ڈالی اور پھر کسی کو بھی دیکھے بغیر وہاں سے چلی گئی تھی۔ رابعہ نے سر جھٹکتے باقی سیڑھیاں بھی تیزی سے طے کر گئی تھیں۔

”کیا بات ہے رابعہ وہ تو تمہارے باس کی وائف تھی نا۔“ بھابی اس کے پاس آ گئی تھیں انہوں نے حیرت سے پوچھا۔

”یس وہ باس کی وائف ضرور تھی مگر دونوں میں علیحدگی ہو گئی ہے۔“

”اوہ۔“ ماموں اور ابو بکر بھی آگئے تھے۔

”تو تم سے کیوں الجھ رہی تھی۔“

”دماغ خراب ہو چکا ہے اس عورت کا باس کے آفس میں کام کرتی ہوں تو اس بات پر دشمنی نکال رہی ہے۔“
بمشکل خود پر ضبط کرتے اس نے کہا۔ ماموں نے خاموشی سے بات سنی تھی۔

”عجیب عورت ہے جا کر اپنے شوہر سے بات کرے تم پر کیوں زور چلا رہی تھی۔“ بھابی نے حیرت کا اظہار کیا۔
”چھوڑیں بھابی ہوں ہیں دنیا میں ایسی عورتیں بھی۔“ ابو بکر نے اسے مشکل میں دیکھ کر بھابی کو ٹالا تو وہ سر ہلا گئی تھی۔

واپسی کے سفر میں رابعہ کے اندر عجیب و غریب سی توڑ پھوڑ شروع ہو گئی تھی۔ یہ عورت اسے اپنی زندگی کا سب سے بڑا عذاب لگ رہی تھی۔ وہ لب بھینچے بانی کا سارا رستہ خاموش بیٹھی رہی تھی۔



شہوار بیمار تھی انا کو کالج جا کر اسے نہ پا کر فون کرنے پر علم ہوا تھا۔ وہ سارا وقت مصروف رہی تھی واپسی پر ڈرائیور لینے آیا تو اس نے سوچا رستے سے شہوار کے ہاں بھی چکر لگائے گی۔ یہی سوچ کر اس نے ڈرائیور کو رستے سے کسی فلاور شاپ سے بکے لینے کا کہا تھا۔ ڈرائیور نے ایک شاپ کے سامنے گاڑی روکی تو گاڑی سے اتر کر اندر چلی گئی تھی۔
”ایا۔“ وہ اپنی پسند کا بکے ہوا رہی تھی جب اپنا نام پکارنے پر چونک کر پلٹی تو حیرت زدہ رہ گئی۔ اس کے سامنے کاؤفہ کھڑی تھی۔

”مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔“ وہ کہہ رہی تھی انا کے زاویے کشیدہ ہوئے۔

اس لڑکی کی وجہ سے اس کے اور ولید کے درمیان تعلقات خراب ہو رہے تھے۔ وہ اچھی بھلی گزشتہ تمام سوچوں کو بھلا کر ولید کو قبول کر چکی تھی۔ مگر اب ایک بار پھر یہ لڑکی ایک طوفان بن کر اس کی زندگی میں آ گئی تھی۔
”جی کہیے۔“

غزل

بہت افسردہ لگتے ہیں مجھے اب یار کے قصے
گل و گلزار کی باتیں لب و رخسار کے قصے
یہاں سب کے مقدر میں فقط رخم جدائی ہے
کبھی جھوٹے فسانے ہیں وصل یار کے قصے
بھلا عشق و محبت سے کسی کا پیٹ بھرتا ہے
سنو تم کو سناتا ہوں میں اخبار کے قصے
میرے احباب کہتے ہیں یہی، ایک عیب ہے مجھ میں
سر دیوار لکھتا ہوں پس دیوار کے قصے
میں اس لیے لوگوں سے جا کر خود نہیں ملتا
وہی بے کار کی باتیں وہی بے کار کے قصے

لیلیٰ شاہ..... چک سادہ گجرات

”ادھر نہیں، سامنے ہوں ہے ہم وہاں کچھ دیر بیٹھ کر بات کر سکتے ہیں۔“ وہ بہت سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔
”ایم سوری۔“ مجھے کہیں جانا ہے آپ نے جو بھی کہنا ہو وہ وہی سے کہہ دیجیے گا وہ مجھے بتا دیں گے۔“ انا نے سنجیدگی سے کہا۔

”میں تم سے بات کرنا چاہتی ہوں تم تھوڑی دیر میری بات سن لو تو کوئی حرج نہیں ہوگا۔“ اب کے کاؤفہ نے قدرے تیزی سے کہا۔

وہ مسلسل انا کے پیچھے رہی تھی مگر انا نے اس کے الفاظ سن کر ناپسندیدگی سے دیکھا۔
”مجھے کہیں جانا ہے ایم سوری میں کہیں نہیں چل سکتی۔ جو بھی کہنا ہوا سے ہی کہہ دینا میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔“ ناگواریت سے گھڑی دیکھتے انا نے کہا تو کاؤفہ نے انا کو دیکھا۔
اس کی آنکھوں میں جلتے شعلوں کی لپک تھی۔
”اوہ کے تم اپنا سیل نمبر دے دو تو میں تم سے کاٹھیکٹ کر لوں گی۔“
”بٹ وائے؟“ انا حقیقتاً الجھ گئی تھی۔

”مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔“

”آپ ابھی کہہ دیں جو کہنا ہے۔“ اس نے اب کے کاٹی ناگواری سے کہا تھا۔

”بات طویل ہے لیکن تمہارے پاس وقت نہیں ہوگا۔“ کاؤفہ نے تھکے انداز میں کہا۔

”اوہ کے وہی کا نمبر آپ کے پاس ہوگا ان سے میرا نمبر لے لیں۔“ اس نے سنجیدگی سے کہا۔

”ایکسیو زمی۔“ وہ پلٹی تھی شاپ کیپر کو پے منٹ کر کے اس نے بکے لے لیا تھا۔

”سنو۔“ وہ شاپ سے باہر نکلی تو کاؤفہ پھر ایک دم اس کے رستے میں آ گئی تھی۔ انا نے بہت تھکے انداز سے اسے دیکھا تھا۔

”تم ولید اور میرے درمیان سے ہٹ جاؤ تو تمہارے حق میں بہتر ہوگا ورنہ تم جانی نہیں ہو کہ میں کیا کر سکتی ہوں۔“

وہ آج بہت دن بعد ایاز سے ملنے آئے تھے۔ ایاز نے وی ویکھ رہا تھا۔ وہ ان کو دیکھ کر ایک دم خفا ہوا۔

آنجل ✽ جنوری ✽ ۲۰۱۵ء 194

آج کل جنوری ۲۰۱۵ء 195

حالت میں تھی عادلہ بھی بالکل ٹھیک ٹھاک تھی۔ میں تو ابھی تک اس اغوا پر الجھا ہوا ہوں آخر کیا مقصد تھا۔ ان لوگوں کوئی ڈیماڈ اور نہ ہی کوئی نقصان ہوا۔

”اوہ..... انٹر سٹنگ سچویشن ہے۔“ ایاز نے گہرا سانس لیے کر کہا۔

”میں آج کل کاشفہ کی وجہ سے پریشان ہوں۔“

”کیوں کیا ہوا؟“ ایاز نے حیران ہو کر پوچھا۔

”ایک لڑکا ہے ولید تم شاید اسے جانتے ہو۔“ ایاز نے سر ہلایا۔

”وہی جس نے کاشی کی جان بچائی تھی۔“

”ہاں وہی، وہ اس میں بہت زیادہ انوالو ہو چکی ہے جبکہ اس کی معافی ہو گئی ہے جس پر کاشی نے اس لڑکے سے بات کی لڑکے نے کاشی کو انکار کر دیا تو اس نے سوسائڈ کر لی لڑکے کو کال کی اس نے مجھے کال کی بمشکل کاشی کو بچا سکے ہیں ہم اب کاشی پر ایک سی دھن ہے کہ وہ ہر حال میں اس لڑکے کو پانا چاہتی ہے۔“

”اوہ آئی سی۔ تو پھر آپ اس لڑکے سے بات کریں اسے سمجھا میں کہ وہ کاشی سے شادی کر لے، اچھا لڑکا ہے۔ سب سے بڑھ کر شاندار رسالہ کا مالک ہے۔“ ایاز نے سہولت سے مشورہ دیا۔

”ہاں بات تو کر لوں مگر مجھے وہ لڑکا اس سارے معاملے میں انوالو نہیں لگ رہا میں اس سے کئی بار مل چکا ہوں اور بار میں نے اندازہ لگایا وہ کاشی میں انوالو نہیں یہ کاشی کی ایک طرف فینیکس ہیں۔ پھر اب وہ لڑکا انکجڈ ہے وہ کسی طور پر نہیں مانے گا۔ ہمارے اور ان کے اسٹیشن میں بھی بہت فرق ہے امپا بل ہے یہ سب۔“ ایاز خاموش ہی رہا۔

”خیر چھوڑو اس بات کو، تمہیں ایک خبر دینی تھی۔“

”کیسی خبر؟“

”مصطفیٰ کو اس کی بارات والے دن واپسی پر کچھ انجان لوگ گولیاں مار کر چلے گئے تھے وہ بمشکل بچا تھا اور ان لوگوں کا شک تم پر ہے پولیس پورے زور و شور سے تمہیں تلاش کر رہی ہے اور تمہارے تمام دوستوں پر کڑی نظر ہے تمہارا دوست شہزاد بھی دوڑی چلا گیا ہے ان لوگوں کا شک اور پختہ ہو گیا ہے۔“ عبدالقیوم صاحب بتا رہے تھے جبکہ ایاز ہلکا سا مسکرایا۔

”تلاش کرنے دیں ہمیں کیا میں کون سا ان لوگوں کے ہاتھ آنے والا ہوں۔“

”جو بھی ہے جس نے بھی گولیاں ماریں اب شک تو تم پر ہے نا، اسی لیے میں نہیں آ رہا تھا۔“ ایاز نے سر ہلادیا۔

مصطفیٰ کو گولیاں مارنے والا قہ تو اس نے اپنے باپ کو بھی نہیں بتایا تھا اور نہ ہی اس کا بتانے کا ارادہ تھا۔

”اب تم کو بہت احتیاط سے رہنا ہوگا۔ جب تک سیٹ کنفرم نہیں ہو جاتی میں تمہیں یہاں سے قطعاً نہیں نکال سکتا جیسے ہی سیٹ اوکے ہوگی میں تمہیں بتا دوں گا۔“

”اوکے لیکن ذرا جلدی کیجیے گا مجھے لگتا ہے کہ جیسے میں کسی قید خانے میں بند ہوں۔“ اس نے نخوت سے کہا تھا عبدالقیوم نے سر ہلادیا تھا۔



مصطفیٰ کی آفیسرز کے ساتھ میٹنگ تھی فارغ ہوتے ہوتے بھی رات کے دس بج گئے تھے امجد ساتھ ہی تھا وہ خود اسے گھر ڈراپ کرنے آیا تھا۔

وہ اپنے کمرے میں آیا تو پہلی نگاہ بستر پر لیٹے وجود پر پڑی تھی وہ شاید سوئی ہوئی تھی اس نے ایک نظر ڈالی اور ہاتھ

آنچل ✽ جنوری ✽ ۲۰۱۵ء 196

شمیم تبسم

آنچل اسٹاف اور تمام قارئین کو میرا پیار بھرا سلام قبول ہو مجھے شمیم تبسم کہتے ہیں میرا تعلق ضلع قصور کے گاؤں عثمان والا سے ہے۔ 5 جولائی کو اس دنیا میں تشریف لائی اسار سلطان ہے جس کی خوبیاں اور خامیاں مجھ میں پائی جاتی ہیں۔ ہم چھ بہن بھائی ہیں سب مجھ سے بڑے ہیں اور شادی شدہ ہیں۔ میرا آخری نمبر ہے یعنی سب سے چھٹی اور گھر والوں کی لاڈلی ہوں۔ میں اپنی ماں کے بہت زیادہ قریب ہوں اللہ ان کو صحت تندرستی دے۔ مجھے اپنے بچوں اور بھانجوں سے بہت پیار ہے خاص طور پر عامرہ سے یہ میری فیورٹ سہیلی ہے۔ میں ایم اے کر رہی ہوں شاعری سے بہت لگاؤ ہے۔ کھانے میں چھلی اور بریانی پسند ہے اور چائے تو میری فیورٹ ہے اس کے بغیر میں نہیں رہ سکتی۔ رنگوں میں سفید اور گلابی پسند ہے آنچل کا ہر سلسلہ بہت پسند ہے اسٹوریز کی کیا بات ہے رائٹرز میں میرا تشریف طور اور نازیہ کنول نازی اور عمیرہ احمد فیورٹ ہیں۔ میری دو دوست ہیں جن میں سعدیہ کی شادی ہو چکی ہے اور دوسری عائشہ ہے جو بہت اچھی ہے۔ اللہ اس کو خوش و خرم رکھے۔ تنہائی پسند ہوں اور بہت زیادہ حساس ہوں کسی کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی۔ غصہ بھی بہت جلد آ جاتا ہے لیکن جلدی ختم ہو جاتا ہے جو لوگ جھوٹ بولتے ہیں ان سے شدید نفرت ہے۔ اجازت چاہتی ہوں اللہ حافظ۔

میں تھامی تمام اشیاء ایک طرف ٹیبل پر رکھ دی اور آستلی سے چلتا ہوا وہ شہوار کی طرف آیا تھا۔ بلیٹکٹ اوڑھ کر وہ کمرے سے سوئی ہوئی تھی۔ چہرے پر بازو تھا وہ اس کا چہرہ نہیں دیکھ پایا تھا۔ مصطفیٰ نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر حرارت چیک کرنا چاہی۔ ٹیبل پر ٹیبل ہی تھا وہ قدرے ریلیکس ہوا تھا۔

اس کے پاس سے ہٹ کر وہ الماری سے اپنا لباس لے کر ہاتھ روم میں گھس گیا تھا۔ ابھی وہ چینیج اور فریش ہو کر باہر نکلا ہی تھا کہ ماں جی دستک دے کر وہاں چلی آئی تھیں۔

”بڑا ایسا بے تم؟“ وہ آستینے کے سامنے کھڑا بال بنار ہاتھ تو مسکرا کر ہلکا۔

”بس امیر جنسی آفیسرز نے میٹنگ تھی۔“

”کھانا نہیں کھاؤ گے یا باہر؟“ باقی کبھی کھانا کھا چکے تھے سوانہوں نے پوچھا تھا۔

”یہیں منگوادیں۔“ ماں جی کو جواب دے کر پھر شہوار کی طرف دیکھا۔

”شہوار کی طبیعت اب کیسی ہے؟“

”بہتر ہے اصل میں صدمے سے غم حال ہے تابندہ سے بہت محبت کرتی ہے اتنا بڑا ذہنی صدمہ ہے اب آہستہ آہستہ ہی سنہلے گی۔“ انہوں نے دکھ سے کہا۔

”ڈاکٹر نے دوبارہ چیک کیا تھا کیا؟“

”ہاں شام میں چیک کر کے گیا تھا کھانا اور میڈیسن کھلائی تھی ابھی کچھ دیر پہلے سوئی ہے۔“ ماں جی کی بات پر مصطفیٰ نے سر ہلادیا تھا۔ ماں جی کھانے کا کہنے باہر نکل گئی تھیں۔

کھانا کھانے کے بعد مصطفیٰ کچھ دیر باہر آ کر بھائیوں کے ساتھ کچھ وقت گزارنے کے بعد وہ واپس اپنے روم میں آباہ۔ شہوار ابھی بھی سو رہی تھی۔ مصطفیٰ اپنے ساتھ لائی ہوئی فائلز میں سے ایک اٹھا کر بستر پر بیٹھ گیا تھا۔ امجد لالہ رخ کے بارے میں بہت کچھ بتا چکا تھا۔ اب وہ خود اس کیس کو تفصیل سے اسٹڈی کرنا چاہتا تھا۔

”میں.....“ مصطفیٰ نے انجی فائل اوپن کی ہی تھی کہ شہوار ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی تھی۔ بالکل کل والی حالت تھی۔ شاید کل کی طرح وہ پھر خواب میں ڈر گئی تھی۔ مصطفیٰ فائل بند کرتے اس کے قریب ہوا تھا۔

آنچل ✽ جنوری ✽ ۲۰۱۵ء 197

”کیا ہوا؟“ وہ جو گہرے گہرے سانس لے رہی تھی مصطفیٰ کی آواز پر فوراً اسے دیکھا تھا۔ اس کے چہرے پر ایک سرخی چھائی تھی اس نے اپنے سر پر دوپٹہ جمایا تھا۔ شہوار نے نشی میں سر ہلادیا تھا۔

”طبیعت کیسی ہے؟“
”بہتر ہے۔“ اس نے آہستگی سے کہا۔ آواز میں ابھی بھی نقامت تھی۔
”بخارا تیرا؟“

”جی۔“

”گڈ۔“ مصطفیٰ خاموش ہو گیا۔

پچھلے دو دنوں کے درمیان جو کھنچاؤ والی کیفیت اور ماحول تھا وہ ایک دفعہ پھر مصطفیٰ کو یاد آنے لگا تو اس نے سر جھٹکا کہ بہر حال یہ سچ تھا کہ رات شہوار کی حالت اور رونادیکھ کر اس کے اندر ناراضگی اور جھگی کی جو بھی کیفیت تھی وہ ایک دم زائل ہو گئی تھی۔

”گاؤں سے بواجی کے متعلق کوئی اطلاع ملی؟“ مصطفیٰ کے سوال پر اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ اس نے نشی میں سر ہلادیا۔

”رونے اور اس طرح سے ہمت ہارنے سے مسائل حل نہیں ہوتے، ہمت کرنا ہوگی ورنہ صدے اور عیشیہ تہارا اپنا ہی نقصان ہوگا۔“ مصطفیٰ کے الفاظ پر وہ ایک دم شدت سے روئی تھی۔ مصطفیٰ نے لب بھینچ لیے۔ وہ اس وقت جس گرداب میں پھنسی ہوئی تھی اس میں سے فی الحال نکالنا بہت مشکل مرحلہ تھا۔

”میرے والوں پر صبر آ جاتا ہے مگر جان بوجھ کر کھوجانے والوں پر دل راضی نہیں ہوتا، میں کیا کروں؟ میرے لیے تو میری اپنی ذات ہی سوالیہ نشان بن چکی ہے۔“ روتے ہوئے اس نے کہا۔ جس طرح وہ اس وقت ذہنی کشیدگی کا شکار تھی ایسے میں اس کے سامنے ہمت کرو، صبر کرو کے الفاظ بے معنی تھے۔

”تو رونے سے بھی تو مسائل حل نہیں ہوتے۔“ مصطفیٰ نے سنجیدگی سے کہا، اس نے مصطفیٰ کو دیکھا، مصطفیٰ کا لہجہ نارمل تھا۔ کل والی بے زاری نہ تھی۔

بلکہ آدھی رات میں جس طرح مصطفیٰ نے اس کا خیال رکھا تھا وہ ابھی تک سوچ سوچ کر اپنی رات والی جذباتیت پر تادم ہو رہی تھی۔

”اگر رونے سے مسائل حل ہو جاتے ہیں تو میں کبھی بھی رونے سے منع نہیں کروں گا۔“ مصطفیٰ کی سنجیدگی پر اس نے بمشکل اپنے آنسو صاف کیے تھے۔

”مجھے گاؤں جانا ہے۔“ کچھ توقف کے بعد اس نے کہا تو مصطفیٰ چونکا۔

”کیوں؟“ شہوار خاموش رہی تھی۔

”فرار ہر مسئلے کا حل نہیں ہوتا تاہم بواجی گئی ہیں چلو مان لیتا ہوں کہ یہ ان کی غلطی ہے کہ وہ کچھ بھی بتا کر نہیں گئیں لیکن جہاں تک میں جانتا ہوں وہ کوئی بھی قدم بلا سوچے سمجھے نہیں اٹھا سکتیں ہو سکتا ہے نہ بتا کر جانے کی کوئی سولڈ ساریزن بھی ہو۔“ مصطفیٰ نے تھل سے کہا۔

”کیا ریزن ہو سکتا ہے؟“ اس کی آواز رندھی ہوئی تھی۔

مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لیا۔ شہوار کو بخوردیکھا۔

چہرہ سرخی لیے ہوئے تھا آنکھوں کے پوٹے سو جے ہوئے اور بھاری ہو رہے تھے ناک علیحدہ سرخ انگارے کی

آنچل جنوری ۲۰۱۵ء 198

طرح دیکھ رہی تھی لباس بھی وہی تھا۔ یعنی آج سارا دن بستر پر رہنے اور رونے کے سوا کوئی کام نہ ہوا تھا۔
”یہ تو اب بواجی ہی بتا سکتی ہیں۔“

”ایسے میں آج ایک جگہ گیا تھا کوشش کرتا ہوں ایک دو دن میں ان تک رسائی حاصل ہو جائے۔“ اس کی پریشانی دیکھتے مصطفیٰ نے کہا تو اس نے ایک دم چونک کر دیکھا۔

”کہاں مطلب کہاں گئے تھے آپ؟“

”سکندر انکل کے آئی ڈی کارڈ پر جوائڈریس تھا اسی کو تلاش کرنے نکلا تھا۔“

”تو پھر کچھ بتا چلا؟“ اس کے لہجے میں ایک دم سبے قراری سمٹ آئی تھی۔

”جس گھر کا ایڈریس لکھا ہوا تھا وہاں کچھ لوگ ریٹ پر رہے ہیں اور گھر کے مالکان ملک سے باہر ہیں۔“ شہوار کو لگا جیسے اس کی ساری امیدیں ایک دم دم توڑ گئی ہیں۔

”مجھے یقین ہے وہ ایسی کسی جگہ پر نہیں گئی ہوں گی جہاں میں شک ہو یا ہم پہنچ سکیں مجھے لگتا ہے وہ اب کبھی بھی واپس نہیں آئیں گی۔“ وہ مایوسی کی انتہا پر تھی۔

”انسان کو کبھی بھی اور کسی بھی عالم میں امید کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے۔ وہ مل جائیں گی میں خود ہر ممکن کوشش کروں گا۔“ مصطفیٰ نے کہا تو وہ پھر سسک اٹھی۔

”اگر انہیں ملنا ہی ہوتا تو کم از کم مجھے تو بتا کر جاتیں وہ مجھ سے سب تعلق توڑ کر گئی ہیں۔“ مصطفیٰ نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

ایک دم اس پر رحم آنے لگا۔ مصطفیٰ نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا ارادہ اس کا ہاتھ تھام کر دلاس دینے کا تھا۔ مگر پھر ہاتھ پیچھے ہٹا لیا تھا۔

شہوار نے بڑی شدت سے مصطفیٰ کی اس حرکت کو نوٹ کیا تھا۔ کل جب وہ کمرے میں آئی تھی تو مصطفیٰ کا انداز از حد برتنہ تھا مگر رات جس طرح وہ پیش آیا تھا اور اب جس طرح نرمی سے مخاطب تھا وہ سمجھ رہی تھی کہ مصطفیٰ پچھلی تمام ناراضگی کو بھول چکا ہے مگر اب جس طرح مصطفیٰ نے ہاتھ پیچھے ہٹایا تھا اس کے اندر تابندہ ہوا سے جٹ کر پہلی بار ایک عجیب سا احساس پیدا ہوا تھا۔

”رونے سے طبیعت مزید خراب ہوگی بہتر ہے پرسکون ہو کر سونے کی کوشش کرو اور ذہن سے فی الحال ہر طرح کی سوچ نکال دو۔“ مصطفیٰ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

شہوار خاموشی سے آنکھیں صاف کرتے پھر نیم دراز ہو گئی تھی۔ مصطفیٰ نے ایک بل اسے دیکھا تھا۔
”آنکھیں بند کر چکی تھی، اس کی پلکیں ہلکا ہلکا لرز رہی تھیں۔“ مصطفیٰ نے دوبارہ فائل کھولی مگر پھر لگا جیسے موڈ بدل گیا۔

”آہستگی سے اٹھ کر فائلز الماری میں رکھیں اور لائٹ آف کرتے بستر پر آ گیا تھا۔“



مصطفیٰ آفس میں تھا جب ولید اس سے ملنے آیا تھا۔ ولید نے مصطفیٰ کو اپنے ہاں انوائٹ کیا تو وہ الجھا۔
”اتنی جلدی بھی کیا ہے؟ ابھی تو آفس کے علاوہ اور کہیں جانے کا وقت ہی نہیں مل پارہا عائشہ کی بھی کالز آئی تھیں پھر رن رک جاؤ پھر انوائٹ کر لینا۔“ مصطفیٰ نے کہا۔

”بابا نے بطور خاص تمہیں انوائٹ کرنے بھیجا ہے بلکہ وہ کہہ رہے تھے کہ رات تم لوگ ڈنر برآ جاؤ، اگر انکار کرتے ہو تو میں بابا سے بات کر دیتا ہوں وہ خود ہی تم کو ہینڈل کر لیں گے۔“ ولید نے کہا کہ کال ملا کر مصطفیٰ کو بل تھما دیا تھا۔

آنچل جنوری ۲۰۱۵ء 199

مصطفیٰ پہلے تو اتار رہا مگر پھر ایک دم مانتے ہی بنی۔
 ”چلو پھر ملے ہوا کہ تم لوگ رات ڈنر پر ہماری طرف آ رہے ہو۔“ مصطفیٰ نے بابا سے بات کر کے سیل اسے تھمایا
 ولید نے مسکرا کر پوچھا۔

”ہاں انکل کو انکار نہیں کر سکتا۔“

”انکل آئی اور باقی سب لوگ بھی انوائسڈ ہیں سبھی کو لے کر آتا ہے ادا کے۔“ ولید جانے کے لیے کھڑا ہو گیا۔

”اوسے کوشش کروں گا بیٹھو جائے پی کر جانا۔“

”نہیں آفس سہا یا ہوں تم لوگ وقت پر پہنچ جانا۔“ وہ کہہ کر وہاں سے نکل آیا تھا۔ وہ جیسے ہی اپنے آفس میں آیا تو
 چونکا کاشفہ اس کے آفس میں بیٹھی ہوئی تھی۔ ولید کی بھنوں میں تن گئی۔

”ہیلو۔“ کاشفہ اسے دیکھ کر مسکرا کر کھڑی ہوئی تھی۔

ولید نے اس پر ایک سردی نگاہ ڈالی تھی۔ یہ لڑکی دن بدن اس کی نظروں میں اپنے مقام سے گرتی جا رہی تھی۔

”کیسے ہو؟“ وہ اپنی سیٹ پر آ کر بیٹھا تو اس نے پوچھا۔

”تم کیوں آئی ہو یہاں؟“ ولید نے سرد لہجہ میں پوچھا۔

”تم مسلسل مجھے اگنور کر رہے ہو، میری کال تک یک نہیں کر رہے، میں تمہارے لیے پاگل ہو رہی ہوں، تم اپنا
 کیوں کر رہے ہو ولید۔“ اس کے سوال پر وہ بھی ایک دم تنفر سے گویا ہوئی تھی۔

”میں نے محض تم سے سلام دعا کا تعلق رکھا تھا رہ گئی دوستی کی بات وہاں بھی میں نے اپنی لمٹس کر اس کرنے کی قطعی
 کوشش نہ کی تھی۔ میں نہیں سمجھتا کہ میرے کسی بھی عمل سے تمہیں شہ ملی ہو۔“ ولید نے سرد انداز میں کہا۔

”ولید میں تمہاری خاطر بالکل بدلنے کو تیار ہوں۔“ وہ عاجزی سے بولی۔

”مگر مجھے تمہارے بدلنے سے کوئی سروکار نہیں۔“ ولید نے کہا تو کاشفہ آنکھوں میں غضب لیے اسے دیکھ گئی۔

”تو تم مجھے انکار کر رہے ہو۔“ وہ ایک دم پھنکاری تھی ولید نے استہزاء سے دیکھا۔

”انکار تو میں بہت پہلے سے کر رہا ہوں تم خود ہی اس حقیقت کو قبول کرنے پر تیار نہیں ہو۔“ ولید کا انداز اب بھی
 تمسخرانہ تھا۔

کاشفہ ایک دم اپنی جگہ سے اٹھی کھڑی ہوئی تھی۔

”ولید یاد رکھنا میں بہت فیئر ہو کر تمہاری طرف بڑھی تھی اس لیے کہ میرے دل نے خود سے پہلی بار کسی مرد کی طلب
 کی تھی اور میں نے اپنی طلب میں پاگل ہو کر تمہاری خاطر خود کشی کی کوشش تک کر لی کہ شاید تم پھل جاؤ، لیکن ولید میں
 اب خود کو ڈی گریڈ نہیں کروں گی۔ اب میں وہ کروں گی جو تمہارے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوگا۔ ایک عورت سب کچھ
 برداشت کر سکتی ہے مگر اپنی تذلیل نہیں یاد رکھنا ولید مجھ سے دوستی تو کی تھی تم نے اور اسی دوستی کو میں معاف نہیں کروں
 گی۔“ وہ نخوت و تنفر سے کہتے وہاں سے نکل گئی تھی۔

ولید نے از حد اضطراب میں گھومتے اسے وہاں سے جاتے دیکھا تھا۔ پھر غم و غصے سے سامنے پڑی فائل اٹھا کر
 ایک طرف پھینک دی تھی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)



آنچل ✽ جنوری ✽ ۲۰۱۵ء 200

میری لائبریری اینڈ فریڈم پرائیویٹ
 سلاؤنڈ اور جگہ
 سکے اور برائے ڈاکٹروں کی
 دوکان نمبر 13 صدر بازار سرگودھا

میں یہ بہت
 تازہ حمال



غم زندگی سے فرار کیا، یہ سکون کیوں یہ قرار کیا
غم زندگی بھی ہے زندگی، جو نہیں خوشی تو نہیں سہی

جو ہو فیصلہ وہ سنائے، اسے حشر پر نہ اٹھائے
جو کریں گے آپ ستم وہاں وہ ابھی سہی وہ یہیں سہی

”تیس ہزار..... صرف بجلی کا بل؟“ عدیل نے ہاتھ میں پکڑے بل کو ایک نظر خیرانی سے دیکھنے کے بعد اسے دیکھا۔

”آپ تو یوں مجھے دیکھ رہے ہیں جیسے یہ بل واپڈا والوں نے نہیں بلکہ میں نے آپ کو بھیجا ہو۔“ وہ عدیل کی چائے میں چینی ملائے ہوئے ذرا سا مسکرائی۔
”پھر بھی؟ اتنا بل پہلے تو کبھی نہیں آیا۔ بجلی گیس اخبار کیبل ان سب بلوں نے تو میرا دل ہی ہلا کے رکھ دیا ہے۔“

”آپ تو خواخوہ پریشان ہو رہے ہیں وہی لگے بندھے اخراجات ہیں جن کی ادائیگی آپ ہر ماہ کرتے ہیں۔ اب ہمارا بچوں اور بوا جی کو ملا کر کل تین بیڈرومز ہیں پھر لائٹ بھی تو استعمال ہوتی ہی ہے ناں۔“ وہ اپنا کپ اٹھا کر عدیل کے پہلو میں آ بیٹھی۔

”پھر بھی تم لائٹ کے غیر ضروری استعمال پر نظر رکھا کرو، فالٹو میں کوئی بقی نہ چلے۔“

”اگر سے بیٹا! اتنی کیا یہاں تو اے سی ٹی وی کمپیوٹر اور نجانے کیا کیا سارا دن بلا وجہ چلتے رہتے ہیں۔“ تہہ شدہ کپڑے اٹھائے بوا خدیجہ لاؤنج میں داخل ہوئیں تو عدیل کی ہدایت سن کر کہنے لگیں ”فریج کی پیشانی پر ناگواری کی سلوٹیں ابھرتی تھیں۔“

”تو بوا آپ خیال رکھا کریں اگر اسی طرح بے دردی سے انرجی ویسٹ ہوئی رہی تو میری جیب کا کباڑ ہو جائے گا۔“ سنجیدگی سے بولتے ہوئے عدیل نے خالی کپ گلاس ٹیبل پر رکھ دیا۔

”آپ یہ بات تو ذہن سے نکال ہی دیں کہ بائیں گھر میں کسی قسم کی کوئی فضول خرچی ہو رہی ہے اور بوا آپ کو خدا موقع دے میرے میاں کے کان بھرنے کا۔“ چپا چپا کر بولتے ہوئے اب کے روئے سخن بوا کی طرف مڑا اور بوا کو گھبرا گئیں۔

”اگر سے نہیں رہن! خدا نخواستہ میں کیوں عدیل کیلئے کے کان بھروں گی میں تو صرف اسے یہ بتا رہی تھی کہ.....“
”یہی کہ میں اور میرے بچے سارا دن فضول خرچیاں کرتے رہتے ہیں۔“ وہ ان کی بات کاٹ کر زور سے بولی بوا کے چہرے کا رنگ ایک دم پھیکا پڑ گیا تھا۔

”بی بیو یور سیلف فریج! تم بوا سے کس طرح بات کر رہی ہو؟“ عدیل نے ناگواری سے اسے ٹوکا۔
”بالکل ٹھیک بات کر رہی ہوں یہ صرف آپ کے سامنے نہیں بلکہ ہر آئے گئے کے سامنے میری فضول خرچیوں کے کھاتے کھول کر بیٹھ جاتی ہیں۔“ وہ غصے سے بولی۔ بوانے کپڑے اٹھائے اور بنا کچھ کہے ڈھیلے قدموں سے اندر کمرے میں چل دیں۔

”دیکھا آپ نے میاں بیوی میں چنگاری بھڑکا کر خود اٹھ کر چل دیں۔“ طنز سے بولتے ہوئے فریج نے اس کمرے کو دیکھا جس میں ابھی بوا اٹھ کر گئی تھیں۔
”آخر تمہیں پراہم کیا ہے کیوں بوا سے اچھتی ہو؟“

عدیل کو بھی بڑا خرغہ آ گیا۔
”پراہم مجھے نہیں انہیں ہے میرے اور بچوں کے کھانے پینے اٹھنے بیٹھنے حتیٰ کمانے جانے پر بھی نظر رکھتی ہیں ہر بات پر اعتراض۔“ وہ منہ بنا کر بولی۔

”پلیز..... وہ بزرگ ہیں اور نہیں تو میری ہی وجہ سے ان کا اب کر لیا کرو۔“ عدیل اب کے کچھ نرم پڑا۔

”بہت ہو گیا ادب آداب..... پورے بارہ سال ہو گئے ہیں مجھے انہیں برداشت کرتے کرتے ہر وقت کفایت شعاری کا لٹکھڑیا ہوتا ہے۔“ اس نے طنز سے ہنسا دیا۔

”وہ صرف بوا نہیں میری محسن بھی ہیں۔“ عدیل نے اسے کچھ باور کرانا چاہا۔

”جی جی مجھے سب علم ہے۔ وہ آپ کی محسن ہی نہیں بلکہ ماں باپ کی جگہ ہیں آخر انہوں نے ہی تو آپ کو پالا ہے جب آپ بچپن میں یتیم ہو گئے تھے تو انہوں نے آپ اپنے سایہ شفقت میں آپ کو پناہ دی تھی پھر مجھے بیاہ کر لیا میں وغیرہ وغیرہ..... مگر اب آپ کے اس ایور گرین ملاپ کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہونے والا سمجھا دیں آپ بوا کو میرے معاملات میں مداخلت سے گریز ہی کیا کریں۔“
”تجربہ سے کہتی وہ اٹھ گئی عدیل نے بے بسی سے سر صاف کی بیک پر ڈال لیا۔“

ایک طرف تو ماں جیسی بوا جنہوں نے اپنی اولاد سے بچہ کر اسے چاہا تھا محض پانچ سال کی عمر ہی میں اماں ابا اسے چھوڑ کر دور دنیا میں جا بے تھے۔ یہ بوا کا وجود ہی تھا جو اس کے لیے ٹھنڈی چھتھار چھتاؤں ثابت ہوا تھا مگر فریج کو وہ بے سمجھا پاتا۔ جس کی بوا سے پر خاش بڑھتی جا رہی تھی۔

کچھلے بارہ سالوں میں اس نے بوا اور فریج کے درمیان ملاصحت کی ہر ممکن کوشش کر ڈالی مگر نتیجہ صفر نہ فریج انہیں دل سے عزت دینے پر تیار تھی نہ بوا کو فریج کی سب پر دانی پر اکتفا ہوئی..... مگر کا حوالہ متاثر نہ ہوتا تو اور کیا ہوتا۔

”ہاں یار کوئی اور نئی تازی۔“ بے حد خوشگوار موڈ میں عدیل پر اپنی فرینڈ عروسہ سے بات کرتے ہوئے اس نے پردے سمیٹ کر اکٹھے کیے تھے ڈھوپ نے پورے بینڈ وہ منور کر دیا تھا۔

ریموٹ سے ٹی وی آن کر کے وہ صوفے پر نیم دراز

ہو گئی نظریں بارنگ شو کی ہینٹر پرسن کے ڈریس کا ناقدانہ جائزہ لے رہی تھیں اور کان عروسہ کے ساتھ مصروف تھے۔

”اچھا تمہیں ایک گڈ نیوز سناؤں، مشال کے پاس زبردست لان کلیمیشن آئی ہے کیوں نہ کسی دن فری ہو کر چکر لگائیں۔“ وہ ایک دم پُر جوش ہو کر بولی بوا میں عروسہ کی بات خاص واضح سنائی نہ دے سکی کیونکہ باہر لاؤنج سے زور زور کی آوازیں آنے لگی تھیں۔ اس نے الجھ کر دروازے کی سمت دیکھا مگر بند دروازے سے بوا اور ماسی کی ہی آواز آرہی تھی۔ اس نے عروسہ سے پھر بات کرنے کا کہہ کر فون بند کیا اور باہر آ گئی۔

”بی بی جی! دیکھیں ناں یہ بوا میرے کالے پر چوری کا الزام لگا رہی ہیں۔“ پروین نے اسے دیکھتے ہی دہائی دی۔
”پروین کتا ٹھہ سالہ بیٹے کا کان بوا کے ہاتھ میں تھا لڑکے کے چہرے پر تکلیف کتا بٹا رہے۔“

”اگر سے کا ہے کا الزام بالکل ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ تیرا بیٹا چور ہے تو خود ہی اسے چوری کی ترغیب دیتی رہتی ہے بول کم بخت بتا اپنی ماں کو کہ ٹو نے چپل چوری کیے یا نہیں؟“ بوانے غصے سے کہتے ہوئے لڑکے کی کمر پر مارا تو وہ بلبلاتا اٹھا۔

”چھوڑیں اسے کیوں پکڑ رکھا ہے۔“ فریج نے آگے بڑھ کر لڑکے کو بوا کی گرفت سے آزاد کر دیا۔

”ہم بے شک غریب مزدور لوگ ہیں پر چوری..... اللہ معاف کرے اتنا گندہ کام تو بے تو بے آپ بی بی جی ہمارا حساب پورا کریں ہم کوئی اور گھر دیکھ لیں گے۔“ پروین مسکینی سے بولتے ہوئے اس سے مخاطب ہوئی۔

”اگر سے جاؤ ایک تو چوری اور پر سے سینہ زوری، ہمیں بھی ماسیوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔“ بوانے ہاتھ نچا کر پروین کو بتایا۔

”تو چلیں ہزاروں میں سے کسی ایک کو رکھ لیں۔“ اور اس سے پہلے کہ فریج اسے روکتی یا حساب پورا کرتی وہ دروازہ پار کر گئی۔

”بوا! آپ کو کیا ملا معصوم بچے پر چوری کا الزام لگا کر؟“

وہ سخت انداز میں گویا ہوئی۔

”ارے دلہن! الزام کیسا..... میں نے خود اس لڑکے کو گھر کی کئی چیزیں اڑاتے دیکھا ہے۔ میں نے اسے فارس کے جوتے اٹھاتے دیکھ لیا تھا۔“ بوا اطمینان سے بولیں گویا اپنی کارکردگی پر بہت خوش ہوں۔

”تو اب کہاں سے ماسی لائیں گی آج کل سوخڑے کرتی ہیں یہ کام والیاں۔ اگر وہ پرانے جوتے اٹھا ہی رہا تھا تو کون سا لاکھوں کا نقصان ہو جاتا۔“

”ارے ایسے کیسے اٹھانے دیتی میرا بچہ روزی کی خاطر بیوی بچوں سے دور ہوٹلوں میں کھانا کھاتا ہے اس کی خون پسینے کی کمائی یوں آسانی سے اڑانے دیتی۔“ بوا چمک کر بولیں وہ محض ان پر پتی نگاہ ڈال کر ہی رہ گئی تھی۔

صفائی اڈھوری پڑی تھی فارس اور وریشہ دونوں اسکول جا چکے تھے۔ بوانے بچے کے لیے گوشت چڑھا لیا تھا دونوں ٹائم کھانا اور ناشتا بنانے کی ذمہ داری بوا کی تھی جو وہ برسوں سے نہایت خوش دلی اور احسن طریقے سے سرانجام دیتی آرہی تھیں۔ بچوں کے لٹچ باکسز بھی وہی تیار کرتی، برتن کپڑوں کی دھلائی اور گھر کی صفائی کے لیے پروین بھی جو آج بوا کی وجہ سے کام چھوڑ گئی تھی۔

کچھ دیر بوا کو ان کی مشکوک طبیعت اور بے جا مداخلت پر اونچا سانے کے بعد را شدہ کا نمبر ملایا تا کہ وہ اپنی ماسی کو کام کے بعد ادھر بھیج دے۔



”سچ فریحہ! تم ندیم کی شادی پر گولڈن ساڑھی میں پوری ایشوریا لگ رہی تھیں گولڈن آنکھیں براؤن بال ڈھن سے زیادہ تو لوگ تمہیں دیکھ رہے تھے۔“ ناظرہ بھابی کے لہجے میں ہمیشہ کی طرح اس کے لیے بے حد توصیف تھی وہ مسکرا کر رہ گئی۔

ناظرہ بھابی کی تعریف کچھ غلط بھی نہ تھی وہ واقعی بے حد خوب صورت تھی۔ اونچا لمبا دبلا پتلا سراپا شفاف گوری رنگت ابھی ستر ہوا سن بمشکل لگا تھا کہ بھائیوں نے عدیل احمد کے سنگ پیادہ وریشہ اور فارس کی آمد نے اس

کی دلکشی اور عنائی دو چند ہی کی۔

”ارے بھابی! آپ نے تو کچھ لیا ہی نہیں، نکلتے کیوں کر رہی ہیں۔“ باتوں کے دوران اس نے لوازمات سے بھری ٹیبل کی طرف اشارہ کیا۔

”ارے نہیں فری! بہت کچھ لے لیا، بس تم کوئی ایک اچھا سا اپنا ڈریس دکھاؤ مجھے ذرا جلدی جاتا ہے۔“

”جی بھابی! آپ خود ہی اپنی مرضی کا سوٹ نکال لیں۔“ وہ ناظرہ بھابی کی بات پر اثبات میں سر ہلا کر اٹھ کھڑی ہوئی اور وارڈ روم کھول دی۔ اس کے سارے ہی بلبوسات بے حد اعلیٰ اسٹائلش اور بے حد مہینے تھے کیونکہ وہ بہت خوش لباس واقع ہوئی تھی۔ ناظرہ کو انتخاب میں دشواری پیش آرہی تھی سمجھ نہیں آرہی تھی کہ اپنی بھانجی کی مہندی کے فنکشن پر وہ فریحہ کا کون سا سوٹ لے کر جائے۔

”فریحہ! میرا خیال ہے میں یہ تین سوٹ لے جاتی ہوں، ٹائم پر جو سوٹ مناسب لگا وہی پہن لوں گی۔“ آخر کافی دیر بعد ناظرہ نے حل پیش کیا تھا۔

”جی ٹھیک ہے جیسے آپ کو مناسب لگے میں آپ کو ان کے میچنگ شوز اور جیولری بھی دے دیتی ہوں۔“ فراخ دلی سے کہتے ہوئے اس نے ساری چیزیں بیگ میں رکھ کر انہیں تھمائیں۔

”تھینک یو میری جان! تم واقعی بہت اچھی ہو۔“ ناظرہ نے بہت نزاکت سے اس کا بوسہ لیا تو وہ جھینپ گئی۔

”پلیز بھابی ڈونٹ بی فارٹ! میرے پاس تو کافی ڈریسز ہوتے ہیں۔ آپ کا جب بھی جو بھی دل چاہے منگا لیا کریں۔“ وہ محبت سے ان کے ہاتھ تھام کر بولی۔

ناظرہ اس کی بھابی ہی نہیں بلکہ ماموں زاد بہن بھی تھی۔ وہ آٹھویں کلاس کی طالبہ تھی جب ناظرہ دلہن بن کر ان کے گھر آئی تھی اماں ابا کے آنکھیں بند کرتے ہی دونوں بھائیوں نے جہاں اسے شفقت پداری سے نوازا تھا وہیں دونوں بھائیوں نے بھی اسے کبھی اماں کی کمی محسوس نہ ہونے دی تھی۔

وہ ناظرہ ہی کی نہیں عالیہ کی بھی دل سے عزت کرتی تھی جو اس کی چھوٹی بھابی کے مرتبے پر فائز تھی۔

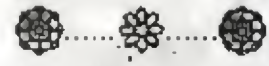
”فریحہ! کیا تمہارے گھر کا کوئی اور دروازہ ہے جہاں سے میں چپکے سے نکل لوں۔“ بیگ شولڈر پر رکھتے ہوئے ناظرہ نے پوچھا تو وہ انہیں حیرانی سے دیکھنے لگی۔

”کیوں بھابی؟“

”میری جان! تمہاری پھوپھی ساس مجھے یوں مشکوک نظر رہے دیکھتی ہیں جیسے میں اس گھر سے کچھ چرا کر لے جا رہی ہوں۔ میں چاہتی ہوں نکلتے ہوئے ان کی نظر مجھ پر نہ پڑے۔“ ناظرہ نے نرم لہجے میں وضاحت کی تو وہ ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئی۔

”چھوڑیں بھابی! ان کی تو عادت ہے ہر آئے گئے پر نظر رکھتی ہیں اسپیشلی میرے میکے والے تو انہیں بری طرح کھنکھتے ہیں۔“ وہ منہ بنا کر بولی۔

”ہاں عالیہ بھی کہہ رہی تھی کہ بوا کو شاید ہمارا آنا ناگوار لگتا ہے بھی تو بیٹھ کر ہمارے ساتھ کبھی بات تک نہیں کی۔“ باتیں کرتے ہوئے وہ دونوں لاؤنج میں آئیں تو سبزی بنائی بوا کی نظر ان پر پڑ گئی۔ ناظرہ کے کندھے پر رکھا بیگ انہیں بتانے کے لیے ہی کافی تھا کہ وہ آج بھی ہمیشہ کی طرح اپنی چکنی چپڑی باتوں سے فریحہ سے کچھ نہ کچھ پوچھ کر لے جا رہی ہے۔ انہوں نے تاسف بھری نظر فریحہ پر ڈالی جو اپنی بھابی کو گیٹ تک رخصت کرنے کے بعد گمنامی واپس آئی تھی۔



”بیٹا! آج کون سا دن ہے؟“ بوانے وریشہ سے پوچھا جو ابھی ابھی اپنے روم سے باہر آئی تھی بے حد ٹائٹ جینز پر اس نے وائٹ سیلیولیس شرٹ پہن رکھی تھی گورے پیروں میں پنک سینڈل تھے۔

”بوا میرے خیال میں آج فرائیڈے ہے۔“ وہ ان کے پاس تخت پر آ بیٹھی وہ اپنے کمرے کا ٹوٹا ہوا مٹن لگا رہی تھیں۔

”نہیں میری شہزادی آج جمعہ کا دن ہے۔“ انہیں

وریشہ کی بات کی سمجھ نہیں آئی تو اپنے حساب سے صبح کر دی وریشہ ہنسنے لگی۔

”بوا..... فرائیڈے جمعہ کو ہی کہتے ہیں؟“

”اچھا تو آپ نے جمعے کی تیاری نہیں کی؟“

”جمعے کی تیاری..... وہ کس طرح کرنی ہوتی ہے یہ کوئی اسپیشل دن ہے؟“ وریشہ سمجھی سے انہیں دیکھنے لگی۔

”بیٹا یہ دن مفتوں کا سردار ہے سید الامام! آپ کو نماز جمعہ کی تیاری ابھی سے شروع کرنی چاہیے لیکن نہ تو آپ نے سر پر دوپٹہ لیا ہے اور نہ ہی وضو کر کے درود پاک کی تسبیح شروع کی ہے۔“ وہ نرمی اور محبت سے اسے سمجھانے لگیں۔

”مجھے دوپٹہ اچھا نہیں لگتا میں ایزی فیل نہیں کرتی پھر مجھ سے سنبھالا نہیں جاتا۔“ وریشہ نے منہ

بوسر کر عذر پیش کیا۔

”مگر بیٹا! دوپٹہ تو عورت کی زیونت ہوتا ہے اس کی عزت اور وقار کا محافظ بھلا یہ کیسے بوجھ ہو سکتا ہے۔“ ان کے بیٹھے لہجے کی تاثیر تھی کہ وریشہ سر جھکا کر ان کا پردے شرم و حیا اور عفت و عصمت پر مبنی لیکچر سننے لگی۔

ان کے خیال میں فریحہ نے بچوں کی تعلیم و تربیت کی طرف سے آنکھیں بند کر رکھی تھیں صرف مہنگے اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں پڑھانا اور صبح آدھے گھنٹے میں حافظ صاحب سے درس قرآن لینا تربیت میں شامل نہیں ہوتا ماں باپ کو خود یہ فریضہ انجام دینا ہوتا ہے۔ عدیل کو تو بسلسلہ روزگار شہر بہ شہر قیام کرنا پڑتا تھا ایسے میں تربیت کی کئی ذمہ داری فریحہ پر عائد ہوتی تھی لیکن وہ خود کون سا عبادت و مذہبی معاملات میں دلچسپی لیتی تھی بازار پارلر بوتیکس اور طبقہ اشرافیہ کی آزاد خیال عورتوں سے دوستی ہی اس کی دلچسپی کا محور و مرکز تھے۔ ایسے میں خدیجہ بوانے بچوں کی اصلاح و تربیت کا فریضہ خود کو تفویض کر دیا مگر بچے ہاتھ ہی نہ آتے التامان سے شکایت جڑ دیتے۔

”ماما! دیکھیں ناں بوا جی صبح اٹھا دیتی ہیں ابھی نیند بھی پوری نہیں ہو پانی۔“ فارس منہ بوسر کر کہتا۔

”تو بیٹا جماعت بھی تو سویرے ہی ہوتی ہے جلدی

مسجد نہ پہنچو گے تو نماز کیسے پڑھ پاؤ گے؟“ وہ نرمی سے اسے سمجھاتیں۔

”مجھے نہیں پڑھنی نماز اتنا اندھیرا اوپر سے ٹھنڈا جب دن نارمل ہوں گے تو پھر پڑھوں گا۔“

”تو اور کیا۔۔۔ اتنی جلدی اٹھا دیتی ہیں رات کو دیر سے سو پھر صبح یہ دروازہ بجائے آ جاتی ہیں۔“ وریشہ بھی اکتاہٹ سے بولی۔

”آپ ساری رات کمپیوٹر پر دوستوں سے گپ شپ لگائیں گی تو پھر صبح وقت پر کیسے جاگیں گی۔ دن چڑھے سونے والے لالٹہ کو سخت ناپسند ہوتے ہیں؟“

”آپ کیوں نہیں ایک ہی دن میں کان سے پکڑ کر مصلے پر لانا چاہ رہی ہیں جب بڑے ہوں گے خود ہی سمجھ جائیں گے۔ ان کی خیند پوری نہیں ہونے دے رہیں آپ! نہیں بیمار نہ پڑ جائیں۔ بہت ٹھنڈ پڑھائی ہے ڈسٹرب نہ کیا کریں انہیں۔“ فریحہ نے دبے لفظوں سے گویا انہیں یہ جتانے کی کوشش کی تھی کہ وہ ان کے بچوں کے لیے ہلکان نہ ہوں مگر وہ ان کی گود پالے عدیل کے بھی بچے تھے ان کے حقیقی بھائی احمد حسن کے پوتا پوتی۔ ان کا اپنا خون پھر وہ کا ہے کو فریحہ کی باتوں کا برا مناتیں۔

فریحہ کے میکے میں دعوت تھی ابھی جانے کو پُر جوش وریشہ نے تنگ چوڑی دار پاجامے کے اوپر گھیر دار فرائی پہن رکھا تھا جس کا آگے پیچھے سے گہرا گلا تھا فرائی کی آستینیں غائب تھیں۔

”وریشہ بچے! کوئی ایسا لباس زیب تن کرتیں جو ستر کا پورا اہتمام تو رکھتا یہ عریاں بازو تو سراسر فحاشی کے زمرے میں آ رہے ہیں۔“ انہوں نے بے حد نرمی سے وریشہ کے لباس پر نکتہ اعتراض اٹھایا۔

”کیا مطلب ہے آپ کا۔۔۔ کیا میں اچھی نہیں لگ رہی؟“ وہ ٹھنک کر بولی۔ خود کو سنوارنے سجانے کا شوق اسے ماں سے ملا تھا شکل و صورت میں بھی فریحہ کا پوتا تھی مگر خدیجہ بوا کو اس کی ڈریسنگ پر کافی اعتراضات تھے۔

گھر میں بھی جینز شرٹ پہنے رکھتی اسی طیلے میں باہر

فرینڈز کے ہاں بھی چلی جاتی۔ شلواری قمیص تو کبھی ہوائی کی نہیں تھی اس لیے دوپٹہ پہننے کا تو سوال ہی نہیں ہوتا تھا۔

”نہیں میری پولی بہت پیاری لگ رہی ہے مگر بہت پیاری اس وقت لگتی جب اس فرائی کے بازو پونز سے ہوتے اور سر پر دوپٹہ ہوتا۔“ بہت مشفق انداز میں انہوں نے اپنے دل کی بات اس کے سامنے رکھی اس سے پہلے وریشہ کوئی جواب دیتی فریحہ تک سبک سے تیار چلی آئی۔ فریحہ کی شرٹ کی بھی آستینیں غائب تھیں دوپٹہ لگے بغیر پڑا گلے کے گہرے کناؤ کو نمایاں کر رہا تھا اس نے بوا کا جملہ سن لیا تھا بھی چہرے پر ناگوازی چھا گئی۔

”خدا کے واسطے اپنا یہ شرم و حیا کا فرسودہ پیکچر گالوں چوٹری میں اپنی نواسیوں کو سنائیں، میری بیٹی کو نہیں۔“ آن سوٹ ہارٹ! تمہارے ماموں انتظار کر رہے ہیں چلو۔“ نخوت سے کہتے ہوئے فریحہ نے بیٹی کا بازو دھاما اور باہر چل وئی۔

بوا خدیجہ ہمیشہ کی طرح فریحہ کی کم عقلی اور کوتاہ اندیشی پر کڑھ کرہ لگیں۔

شادو کام واقعی بہت دل لگا کر کرتی تھی کپڑے لیے دھوتی کہ جگمگا اٹھتے۔ فرش پر یوں پونچھا لگاتی کہ صورت دکھنے لگے برتنوں کی چمک بھی دیکھنے کے لائق ہوتی کیونکہ بوا خدیجہ سارا کام اس کے سر پر کھڑے ہو کر کرداتی تھیں۔

فریحہ کو بھی اپنا صاف ستھرا گھر بہت سکون دینے لگا تھا ہر چیز اچلی بے داغ۔۔۔ مگر یہ سکون بھی چند دنوں کا مہمان ہی ثابت ہوا۔

”بی بی جی! آپ میرا حساب پورا کر کے مجھے فارغ کریں مجھے یہاں کام نہیں کرنا۔“ شادو ایک دن اس کے پاس آ کر قطعیت سے بولی تو وہ حیران رہ گئی۔

”مگر کیوں شادو۔۔۔ کیا کوئی مسئلہ ہو گیا ہے؟“

”بس بی بی! یہ جو بڑی بی بی ہیں ناں مجھ پر چوری کا شک کرتی ہیں میں نے یہاں کام نہیں کرنا۔“

”آف خدا۔۔۔ میں کیا کروں بوا کا؟“ طیش کی ایک لہر اس کے اندر اٹھی تھی۔

”اگر میں تمہیں یوں ہر چیز پر ہاتھ صاف کرنے دوں تو پھر تم خوشی سے کام کرو گی۔“ بوا اسی وقت ادھر آ گئیں اور شادو کو طنز یہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولیں۔

پہلے بھی کتنی ماسیاں بوا کی انہی عادتوں کی وجہ سے بوم چھوڑ کر جا چکی تھیں فریحہ ماسیاں ڈھونڈ ڈھونڈ کر تنگ کی تھی۔

”اے پورا سرف کا پیکٹ دیتی ہوں ذرا سے کپڑے کنگال کر باقی سرف اپنی جیب میں۔ غسل خانے سے کیا شیشو کیا صابن نیل تک بغل میں دبا لے جاتی ہے۔ جیسے یہاں تو سب نے آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔“ بوانے سختی سے شادو کی کلاں لی۔

”شادو تم اپنا کام کرتی رہو بوا شاید بڑھاپے کی وجہ سے سنبھال گئی ہیں ابھی ہر وقت کپڑے نکالنے کا شغل جاری رکھتی ہیں۔“ وہ گہرے طنز سے بولی۔ نہیں چاہتی تھی کہ شادو کام چھوڑ کر جائے چور سہی پر کام چور ہرگز نہیں تھی اس کے خیال میں اگر اتنا دل لگا کر کام کرنے کے بعد وہ کوئی چیز نے بھی جاتی ہے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ بوا کو تو خدا واسطے کا بیٹھا ماسیوں سے۔

”ہاں ضرور اپنا کام جاری رکھے مگر یوں بے دریغ کوئی چیز ضائع نہیں کرنے دوں گی پورا حساب کتاب رکھوں گی۔ ہونہا انیسویں بھتیجی کی کوئی حرام کی آمدنی ہے جو یوں نہ بچی ہے۔ ابھی میں زعمہ ہوں آنکھیں بند نہیں کیں۔“ بوا آواز بلند کرتی رہیں۔

”ہیلو ایوری باؤی۔۔۔ کیا ہو رہا ہے؟“ وریشہ نے گھر میں داخل ہوتے ہی فریحہ کے گلے میں بانہیں جھانک لیں تو اس نے جواب اس کا گال چوم لیا۔

”بیٹا کہاں تھیں آپ کے انتظار میں ابھی تک کھانا نہیں لگایا۔“ ٹیبل پر پلیٹیں رکھتے ہوئے بوانے فکر مندی سے استفسار کیا۔

”بس بوا فرینڈز کے ساتھ تھی پہلے شاپنگ پھر آکس کریم کھانے چلے گئے۔“ وریشہ نے بٹاشٹ سے جواب دیا بلیک جینز پر اس نے لمبر ایڈرڈ کرتی پہن رکھی تھی۔ ریشمی بال کندھوں تک کٹے ہوئے تھے گلے میں نازکی زنجیر جھول رہی تھی۔

”دہن! وریشہ خیر سے بڑی ہو گئی ہے جوان بیٹی کا یوں شام ڈھلے تک گھر سے باہر رہنا ٹھیک نہیں ہے۔“ کھانے کے بعد برتن سیٹھے ہوئے فریحہ کو مخاطب کیا جو چینل سرچنگ میں مصروف تھی۔

”جوان ہو گئی ہے تو کیا برقع پہنا کر گھر میں بیٹھالوں اپنی دوستوں کے ساتھ رہتی ہے۔ خدا خواستہ کسی غلط جگہ پر تو نہیں چلی جاتی۔“ ٹی وی سے نظر اٹھا کر فریحہ نے تیکھے چوتھوں سے جواب دیا۔

”وہ تو ٹھیک ہے پراتنی دیر بچی کا باہر رہنا اگر عدیل میاں ہوتے تو ضرور ناراض ہوتے۔“

”اگر آپ اپنی عادت کے مطابق خوب مریج مسالہ لگا کر عدیل کو میری اور میری بیٹی کی سرگرمیاں بتائیں گی تو وہ ضرور ناراض ہوں گے۔“ وہ گہرے طنز سے بولی۔

”آپ جو بھی کہو بچی عمر بڑی مشکل ہوتی ہے۔ ماں کو ہر دم چوکس رہنا پڑتا ہے بیٹی کے انداز و اطوار پر گہری نظر رکھنی پڑتی ہے۔ اس کا اٹھنا بیٹھنا آنا جانا سب ماں کے علم میں ہونا چاہیے۔“ بوا دھیرے دھیرے بولتی رہیں یہ جانتے ہوئے بھی کہ فریحہ کی ساری توجہ بیٹی کی طرف مرکوز تھی۔ مگر اس کے بھتیجے لب اور تنے ہوئے چہرے کے تاثرات بخوبی پتا دے رہے تھے کہ وہ بوا کی ساری باتیں حرف بہ حرف سن رہی ہے۔

”وہ سولہ برس کی بالغ باشعور لڑکی ہے اپنے اچھے بُرے کی بخوبی پہچان ہے مجھے اپنی بیٹی پر پورا بھروسہ ہے۔“ اب کے وہ ہموار لہجے میں بولی۔

”آپ بھی تو سولہ سال کی تھیں جب بیاہ لائے تھے۔ بیٹیاں جلدی و دواع ہو جائیں اچھا ہوتا ہے۔“ ٹیبل اچھی طرح صاف کرنے کے بعد بوا اس کے

قریب صوفے پر بیٹھیں۔

”میں رات جب دودھ دینے گئی تو دیکھا وریشہ کمپیوٹر پر بیٹھی تھی۔“

”ہاں وہ تو روز کمپیوٹر استعمال کرتی ہے۔“ فریحہ نے بے پروائی سے ٹانگ جھٹائی۔

”کمپیوٹر پر ایک گھبرو جوان لڑکا بیٹھا تھا۔“ بوا دھیسے سے بولیں۔

”تو یہ جو میں نے دی دیکھ رہی ہوں اس پر بھی تو مرد آرہے ہیں۔“ اس نے ان کی دی اسکرین کی طرف توجہ مبذول کروائی۔

”ارے نہیں! لہن! اتنا تو میں بھی جانتی ہوں مگر وریشہ نے فون والی آلہ کانوں پر لگایا ہوا تھا لڑکے کی آواز تو مجھے نہیں آرہی تھی مگر وریشہ تو اس سے ہنس بول رہی تھی۔“ فریحہ کے تنے ہوئے چہرے کو دیکھتے ہوئے بوائے جھجکتے ہوئے بات مکمل کی۔

وہ کئی دنوں سے وریشہ کے بدلے ہوئے رنگ ڈھنگ دیکھ رہی تھیں مگر کچھ کہنے کی اہمیت نہ پڑ رہی تھی۔ وریشہ ساری رات کبھی موبائل تو کبھی اسکاٹپ پر بڑی رہتی۔ اسکول سے واپس آنے کے بعد بھی فریحہ کی گاڑی لے کر نکل جاتی۔ واپسی رات گئے تک ہوتی تھی آنکھیں اور کان کھلے رکھنے کی وجہ سے انہیں وریشہ کی اطوار کھٹک رہے تھے۔ وریشہ کی بد لحاظ و بد تمیز فطرت کو دیکھتے ہوئے بجائے اسے براہ راست سمجھانے کے انہوں نے فریحہ سے بات کرنے کی ٹھانی کما خر نمک حلائی کا بھی تقاضا تھا۔

”آپ میری بچی پر الزام لگا رہی ہیں۔“ فریحہ دبے دبے لہجے میں غرائی تو بوا کا منہ کھل گیا۔ ”آپ کو شرم آتی چاہیے وہ آپ کی پوتی ہے آپ کا اپنا خون آپ کا نہ دل کا پنا نہ زبان لڑکھرائی میری معصوم بچی پر شک کرتے ہوئے؟“

بوا کو فریحہ کا یوں برا فروختہ ہونا سمجھ نہ آیا وہ تو سمجھ رہی تھیں کہ فریحہ عقل کے ناخن لیتے ہوئے بیٹی پر نظر رکھے گی

مگر یہاں تو معاملہ ہی الٹ گیا۔ وہ جھٹکے سے اٹھی اور سرخ چہرے تیز تنفس کے ساتھ وریشہ کے کمرے کا دروازہ زور سے کھولا۔ وریشہ بیڈ پر کتابیں بکھرائے اونڈھی لیٹی کنبی پر چہرہ نکائے کتاب پڑھ رہی تھی۔

”کیا ہوا ماما! کیا سب ٹھیک ہے؟“ ماں کے لال بھسک کا چہرے کو دیکھ کر اس نے حیرانی سے پوچھا۔

”کچھ نہیں تم اپنی پڑھائی جاری رکھو۔“ وہ گہری سانس لے کر بولی۔

”ہونہہ..... میری تربیت کو خراب ثابت کرنے کے لیے میری بچی پر الزام لگا دیا؟“ وہ ایک نفرت بھری نظر بوا کے کمرے کے دروازے پر ڈال کے اپنے بیڈروم میں چلی آئی۔

عالیہ بھابی اپنے تینوں بچوں کے ہمراہ کافی دنوں کے بعد اس سے ملنے آئیں تو اس نے بوا کو زبردست سے لہجے کا آڑ دیا۔

”مگر میرے میکے والوں کے لیے کچھ بنانے کا جی نہیں چاہ رہا تو بتاویں میں باہر سے کھانا منگوا لیتی ہوں۔“

اس نے دھیسے سے طنز بھرے انداز میں بوائے کو پوچھا۔

”ارے نہیں! لہن! تم غلط سمجھتی ہو میں بھلا مہمان داری سے کیوں کتراؤں گی۔ آپ کا میکہ تو میرے عدیل کا

سرال بھی تو ہے۔“ بوا آلو جھیلے ہوئے سادگی سے بولیں تو وہ کندھے اچکا کر اپنے بیڈروم میں چلی آئی جہاں عالیہ بھابی ایک ایک چیز کو ستاتی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

”اللہ..... فریحہ تم کتنی لگی ہو کتنا اچھا گھر ملا ہے تمہیں خوب سجا سنا ہر چیز بہترین اور اعلیٰ۔“ کمرے کے وسط

میں کھڑے ہو کر دھیرے دھیرے گھومتے ہوئے عالیہ نے اس کے قیمتی سامان سے سجے بیڈروم کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھا تھا۔ عالیہ بھابی میں یہ خوبی تھی کہ وہ برملا

اس کی ہر چیز کو سراہتیں حسد کا شائبہ تک چہرے پر نظر نہ آتا تھا بھی تو وہ دل سے ان کی عزت کرتی تھی۔

”جی بھابی! اللہ کا کرم ہے عدیل بہت اچھے ہیں بہت

فراخ دل کبھی انہوں نے مجھے کسی چیز کے لیے نہیں ترسایا۔“ وہ نرمی سے مسکرائی۔

”ہاں بھئی سب قسمت کا کھیل ہے ایک ہم ہیں کہ ایک ضرورت پوری ہوتی ہے تو دوسری سراٹھا کر کھڑی ہو جاتی ہے۔“ عالیہ نے یاسیت بھرے لہجے میں کہا۔

”کیوں بھابی! گھر میں سب خیریت تو ہے ناں؟“ وہ مشکری ان کے پہلو میں بیٹھ گئی۔

”بس فری! کیا بتاؤں تمہارے بھائی کا کاروبار آج کل کافی ڈاؤن جا رہا ہے۔ ہر وقت چڑچڑے سے رہتے ہیں خواہ مخواہ مجھے اور بچوں کو ڈانٹتے رہتے ہیں۔“ عالیہ معصوم لہجے میں بولی تو وہ بھی افسردہ ہو گئی۔

”ماما! مجھے بوائے تھمڑا ہے۔“ اسی لمحے عالیہ کا چھ سالہ بیٹا حماد روتا ہوا اندر آیا۔ ”فری! تمہاری ساس نے

میرے بچوں پر غصہ نکالا ہے گھر میں مجال ہے جو کوئی اسے اونچی آواز سے ڈانٹ دے اور یہاں میرے سچے کو

اس بڑھیا نے اس زور سے مارا ہے۔“ عالیہ نے غصے سے بات پیسے فریحہ کو بے حد شرمندگی ہوئی۔

”بس بھابی! بڑھاپے کی وجہ سے ان کی عقل جواب دیتی جا رہی ہے۔ میں پوچھتی ہوں انہوں نے میرے

شہزادے کو کیوں مارا؟“ اس نے بھتیجے کو پچکارا۔

”دادو جی ہوں تمہارے حوصلے و صبر کو جانتے برسوں سے اس بڑھیا کو بھگت رہی ہوں۔ میں ہونی ناں تو ایک دن

میں گھر سے باہر نکال کرتی کوئی حقیقی ساس تھوڑی ہے جو غلط برتا ہے۔“ عالیہ کا غصہ کم نہیں ہو پا رہا تھا۔

”ارے بھابی! یہ کام تو میں بھی کر لیتی مگر عدیل کے

سر سے ان کی محبت و عقیدت کا بھوت کون اتارے آتے کی بوا کے گھٹنوں سے لگ کر بیٹھ جاتے ہیں کما خر کو ان کے ابا کی بڑی بہن جو ٹھہرس۔“ فریحہ جل کر بولی۔

”ارے عدیل کون سا ہر وقت تمہارے ساتھ موجود ہوتا ہے مہینے میں دو دن تو وہ گھر آتا ہے۔ ایسا جیسا حرام کرو

اس بڑھیا کا کہ خود ہی گاؤں کی راہ لے لے تم پر بھی کوئی الزام نہ آئے۔“ عالیہ نے اسے راہ بھائی تھی۔ اسی دوران بوائے

کھانا لگنے کا اعلان کیا۔

عالیہ کے تینوں بچوں نے یوں لپک جھپک کر کھانا کھایا کہ دھماکے سے زیادہ نیچے گر گیا۔ عالیہ نے بچوں پر تنبیہی نظر تک نہ ڈالی بس ہر چیز سے خوب انصاف کرتے ہوئے بوا پر ان کے جبر و تشدد کو جتانانہ بھونی تھی۔

”بچوں کو پیار سے سمجھایا جاتا ہے ناں کہ بری طرح پیٹ ڈالا جائے۔“ خوب طنز میں بھگوائے جملوں نے بوا کا

چہرہ اہانت سے سرخ کر دیا۔

”ارے بیٹا! بہت سمجھایا حماد سچے کو گیند اتنے زور سے ماری کہ وریشہ کے کمرے کا شیشہ ٹوٹ گیا۔ میری

عینک توڑ کے رکھ دی پودوں کے پتے نوج ڈالنے ایسے آفت کے برکا لے کو گھر چھوڑا تیں تو بہتر تھا۔“ بوا تو کہہ کر

کچن میں چلی گئیں لیکن عالیہ کھول کر رہ گئی۔ فریحہ نے البتہ کچھ کہنے سے گریز ہی کیا کیونکہ حماد نے واقعی بہت

بڑ بولنگ بجائی ہوئی تھی۔

”چلیں آئیں بھابی اندر اے سی میں چل کر بیٹھتے ہیں یہاں بہت گرمی ہے۔“ وہ انہیں لے کر اپنے روم

میں چلی آئی۔

”فریحہ! ناظرہ نے تمہارا گولڈ کا سیٹ واپس کر دیا؟“ عالیہ نے پوچھا تو وہ ذہن پر زور ڈالنے لگی کہ کب ناظرہ

بھابی نے اس سے جیوری مستعار لی تھی کیونکہ وہ اکثر اس سے استعمال کی چیزیں منگواتی رہتی تھیں جیوری کپڑے

کا سیمپلکس کی اشیاء اور جوتے وغیرہ۔

”نہیں بھابی! انہوں نے سیٹ تو واپس نہیں کیا البتہ کنگن واپس کر دیئے تھے۔“

”ارے تو واپس لو ناں..... سونے کی چیز ہے کوئی آرٹیفیشل تو نہیں جو یوں بھولے بیٹھی ہو۔“ انہوں نے پیار سے اسے سڈپٹا۔

”وہ فریحہ تمہارے بھائی کو کچھ پیسے چاہے تھے تمہیں بتایا ناں ان کا کاروبار کافی مندا جا رہا ہے۔“ کافی دیر گپ شب کے بعد عالیہ نے جھجکتے ہوئے کہا تو وہ کچھ سوچ میں پڑ گئی۔

”بھائی کو اندازاً کتنے روپوں کی ضرورت ہے؟“
”بھئی کوئی ستر ہزار اگلے ماہ ہی تمہارا ادھارا تار دیں گے مگر آج کل ہاتھ کافی تنگ ہے۔“ عالیہ لجاجت سے بولی تو وہ ان کا ہاتھ تمام کرمجبت سے کہنے لگی۔

”ارے بھائی! میرا بھائی مشکل میں ہے تو میں کچھ نہ کچھ تو کر سکتی ہوں ایسا ہے کہ ستر تو نہیں پچاس ہزار آپ لے جائیں کیونکہ میرے پاس بی الحال اتنی ہی رقم ہے۔“ وہ دراز میں سے رقم نکال لائی اور عالیہ کے ہاتھوں میں رکھی جو عالیہ نے فوراً پرس میں رکھ لی۔

”اللہ تمہارا بھلا کرے اللہ عدیل کو اتنا دے کہ ہم جیسے ضرورت مندوں کی دعائیں تم ہمیشہ سیمتی رہو۔“ عالیہ ممنونیت سے بولی جبکہ وہ محض عاجزی سے مسکرا دی۔

”اچھا میں چلتی ہوں سارا دن بہت مزے میں گزارا اسے ہی کی ٹھنڈک سے لطف لیا۔ ہمارا یو پی ایس کئی مہینوں سے خراب پڑا ہے مگر تمہارے بھائی کے پاس اس کی مرمت کا خرچہ نہیں ہے۔“ عالیہ بیگ کندھے پر رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

فل ایئر کنڈیشنڈ بیڈروم میں سخت چمٹی گرمی میں بھی ٹھنڈکا مزہ لیتے ہوئے اس نے بے اختیار بھائی سجاد اور ان کے بیوی بچوں کے بارے میں سوچا تھا کہ وہ ہا نہیں کیسے اس سخت گرمی اور طویل لوڈ شیڈنگ میں گزارا کر رہے ہوں گے جبکہ ان کا یو پی ایس خراب پڑا ہے۔

”کیوں نہ پرانا یو پی ایس بھائی کو دے دوں ان کے بچے کم از کم دعائیں تو دیں گے۔“ اس سوچ کے ساتھ ہی وہ پھرتی سے اٹھ کر اسٹور روم میں آئی۔

”بھائی! اگر گھر میں کوئی فارغ ہے تو آپ ہمارا یو پی ایس منگوائیں۔“ اسی وقت موبائل پر اس نے عالیہ کو مژدہ سنایا۔

”بوا! میں ذرا سونے جا رہی ہوں سجاد بھائی کے گھر سے کام والا لڑکا آئے گا اسے یہ یو پی ایس اٹھانے دیجیے گا۔“

”کیوں! نہیں کیا ضرورت آپری؟“ وہ سوالیہ مگویا ہوئیں۔

”کیا مطلب..... آپ زیادہ سوال جواب نہ کیا کریں جو کہا ہے بس اسی پر عمل کریں تو بہتر ہوگا۔“ رکھائی سے کہتی وہ اپنی خواب گاہ میں چلی آئی بھر پور اور پرسکون خیند لینے کے بعد وہ ابھی بیدار ہوئی تھی کہ عالیہ بھائی کی کال آئی۔

”فریج! میں نے منزل کو یو پی ایس لینے تمہارے گھر بھیجا مگر خدیجہ بوانے اسے دروازے سے لوٹا دیا کہ یو پی ایس فالتو نہیں پڑا ہوا۔“

”او میرے خدایا! یہ بوا کا میں کیا کر دوں۔“ وہ بھناٹھی۔

”جب میں نے آپ سے کہا تھا تو پھر لڑکے کو آپ نے کیوں خالی ہاتھ واپس بھیج دیا۔“ وہ ان کے سر پر جا کر چلائی۔

”تو کیوں اٹھانے دیتی ذرا سا خراب ہے بے کار تو نہیں ہوا ناں۔“ تھوڑی سی مرمت سے اپنے گھر کام آجاتا۔“ بوا اس کے غصے سے بے نیاز آرام سے برتن دھو رہی ہیں۔

”اس گھر کی مالکن میں ہوں ناں کہ آپ میرے شوہر کی کمائی ہے میں جیسے چاہوں خرچ کر دوں۔ آپ کیوں خواہو زنج کرنے پر تکی ہیں۔“ وہ جیسے عاجز آ کر بولی تھی۔

”شوہر کی کمائی خرچ کرنے کے کچھ طریقے ہوتے ہیں یہ نہیں کہ بس میکے والے کا منہ بھرتے رہو خواہ اپنے گھر میں کچھ نہ رہے۔“

”تو آپ کو تکلیف میرے میکے والوں سے ہے۔ جب میرے شوہر کو میرے کچھ دینے دلانے پر اعتراض نہیں ہے تو آپ کیوں بے چین ہوتی ہیں؟“

”کیا آپ نے واقعی بھی عدیل سے اجازت لی ہے گھر کی چیزیں اٹھا کر دینے سے پہلے خواہ وہ آپ کا میکے والا ہو یا کوئی اور۔“ بوا پیچھے مڑیں اور براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے نرمی سے پوچھا۔ وہ ایک لمحے کو چپ سی رہ گئی تھی۔

”مجھے عدیل نے ہمیشہ کھلا خرچ دیا ہے کبھی کوئی تنگی نہیں دی وہ بہت فراخ دل ہیں۔ بہت کھلا ہاتھ ہے ان کا۔ وہ کیوں بھلا کسی کی مدد پر کنتہ اعتراض اٹھائیں گے چاہے کوئی ضرورت مند میرے میکے والا ہی کیوں نہ ہو۔“

”واہن! تمہیں کیوں لگتا ہے تمہارے بھائی بھابی ضرورت مندوں میں شمار ہوتے ہیں عالیہ ہو یا ناظرہ۔“ شاء اللہ سونے کے زیورات سے لدی پھندی اعلیٰ پوشاکیں زیب تن کیے جب تم سے کبھی دس ہزار تو کبھی تیس ہزار روپے اپنی مجبوریوں کی داستان سنا کر زور لے جاتی ہیں کوئی کم عقل بھی صاف سمجھ سکتا ہے اور تم ہو کہ نہ جانے نادانی اور نا اہلی کی کس سیڑھی پر کھڑی ہو۔“ بوانے پیار سے سمجھایا۔

”اصل میں آپ کا مسئلہ کیا ہے گھر گرہستی ناں میکہ یہ سارے شادی شدہ زندگی کے لوازمات ہوتے ہیں جن سے آپ بد قسمتی سے محروم ہیں۔ شوہر جوانی میں چل بسے اولاد کے نام پر صرف ایک بیٹی بجائے بیوگی کی زندگی اپنے شوہر کے گھر پر گزارنے کے یہاں عدیل کی پرورش کی ذمہ داری خود اپنے کندھوں پر اٹھالی تو یہ ازدواجی زندگی سودگی آپ کو بلا وجہ کی تکلیف دہنی پر مجبور کیے رکھتی ہیں۔“ اس نے بڑی بے رحمی سے بوا کی زندگی کا تجزیہ کیا تھا بوا کے چہرے پر لچھ بھر کو سایہ لایا پھر معدوم ہو گیا۔

”بھنا! بیوی شوہر کی غیر موجودگی میں اس کی عزت ناموس، گھر، اولاد اور مال کی امین ہوتی ہے اگر اس کے علم میں لائے بغیر وہ کوئی سوئی چٹنی چیز بھی کسی کے حوالے کرے گی تو اللہ کے ہاں سخت مواخذہ ہے اگر عدیل میاں یہاں ہوتے تو آپ بے فکر ہو کر جو چاہے کرتیں پھر میں کون ہوتی ناراض ہونے والی۔“

”آپ نے عدیل کو پانچ سال کی عمر میں سنبھالا پالا پوسا پرورش کی شادی کی اب تو عدیل کے بچے بھی جوان ہو گئے کیا آپ نے بھی اپنے نواسے نواسیوں کے بارے میں بھی سوچا ہے کہ ان کو اپنی خدمت کا بہت کم موقع دیا ہے۔“ سینے پر بازو لیٹے وہ مسخرانہ انداز میں کہنے لگی۔

لگی وہ جانتی تھی بوا کو یہاں کی پٹا سائش زندگی چھوڑ کر دور دیہات کی بنیادی سہولتوں سے محروم زندگی میں اب بچے کچھ دن گزارنا مشکل لگ رہا ہے کبھی تو وہ چوٹ کیے بنارہ نہ پائی۔

”سچ کہتی ہو انہیں بھی تو میری خدمت کر کے دعائیں لینی چاہئیں۔“ بوا پھیکے سے مسکرائی تھیں۔

”فریج! اور ریشہ کہاں ہے میں نے صبح سے اسے نہیں دیکھا۔“ اخبار پڑھتے ہوئے عدیل نے ادھر ادھر لاؤنج میں نظریں گھما کر بیٹی کی بابت پوچھا۔

”اس کی فرینڈ مایا کی برتھ ڈے ہے ناں بس اسی کی شاپنگ کے لیے مارکیٹ گئی ہوئی ہے۔“ اس نے اعتماد سے جواب دیا۔

”کمال ہے دن کا ایک بج گیا ہے اور اس کی شاپنگ ہی مکمل نہیں ہو رہی۔“ عدیل حیرانی سے بولے۔

”اچھا چھوڑیں ناں مجھے آپ شاپنگ کب کرانے جا رہے ہیں؟“ وہ ان کے پہلو میں آ کر بیٹھ گئی اور لاڈ سے بولی تو عدیل مسکرا دیے۔

”یار کتنا کریز ہے تمہیں شاپنگ کا ہر چیز تو تمہارے پاس موجود ہے پھر کیا کرنا ہے بازار جا کر۔“

”ہاں وہ تو میں اپنی فرینڈز کے ساتھ جاتی ہوں آپ کے ساتھ بازار جانے کی تو اور ہی بات ہے۔“ وہ قدرے اٹھلا کر بولی۔

”او کے نصف بہتر تا نام ملتے ہی آپ کو بازار لے جلتے ہیں۔“ عدیل مسکراتے ہوئے شرارت سے بولے تو وہ کھٹی کھٹکھٹا کر ہنس دی تھی۔

”ارے آؤ آؤ..... اندر آ جاؤ اپنا ہی گھر ہے شریا کیوں رہے ہو۔“ بوا اپنی معیت میں کسی کو اندر لار ہی تھیں وہ دونوں چونک کر سیدھے ہو بیٹھے۔

اونچا لمبا پچیس سال کا نوجوان بوا کے ساتھ لاؤنج میں آیا تھا گہری سالونی رنگت بڑی بڑی موچکیں گلے میں چاندی کا تعویذ اور سر پر پگڑی نظریں البتہ جھکی ہوئی تھیں۔

UHU

ALL PURPOSE ADHESIVE



UHU ALL PURPOSE ADHESIVE

The genuine all purpose glue

- The perfect glue for everyday jobs around the house, at school, in the office and for handcraft work.
- Transparent and clean
- Easy to use on practically all types of materials

UHU the leading brand of adhesives

نے دکھائے ہیں اللہ تمہیں آباد رکھے۔" بوا آبدیدہ ہو کر رونے لگیں۔ عدیل اٹھ کر ان کے پاس بیٹھ گئے اور محبت سے ان کے ہاتھ تھام لیے۔

"بھتیجا کیوں..... میں بھی تو آپ کا اپنا بیٹا ہوں اگر آپ نہ ہوتیں تو اماں ابا کے بعد کون مجھے سنبھالتا، کھلاتا، پلاتا اپنے ساتھ سلاتا..... آپ کے احسانوں کا تو میں زندگی بھر بدلہ نہیں چکا سکتا۔ آپ ہی میری جنت ہیں۔" بھیکے لہجے میں بولتے ہوئے عدیل نے اپنے لب ان کے ہاتھوں پر رکھ دیئے تھے۔ بوائے بھی جواب اپنے ہونٹ ان کے جھکے سر پر رکھ کر بوسہ دیا تھا۔

"جیتے رہو اپنے بچوں کے ساتھ آباد رہو۔" بوا ڈھیر ساری دعائیں دیتیں نواسے کے ہمراہ چمک چوتھری روانہ ہو گئیں۔

ان کے جانے کے بعد فریحہ نے یوں اطمینان بھرا گہرا سانس لیا گویا عرصے سے وہ کسی قید خانے میں بند کر دی گئی ہو اور اب تازہ ہوا کے جھونکے نے اسے آزاد فضا میں بسنے کا مژدہ سنایا ہو۔

عروسہ نے گھر تبدیل کر دیا تو نئے گھر کی ہر چیز تقریباً نئی خریدی وہ اس سے کئی دنوں سے مارکیٹ کا کہہ رہی تھی۔ شادو نے کچن میں کئی چیزوں کے ختم ہونے کا بتایا تو وہ لسٹ بنا کر عروسہ کے ہمراہ مارکیٹ آ گئی۔

تنگ چوڑی دار پا جا سے کے اوپر لانگ سیلوئیس بلیک شرٹ پہنے بلاشبہ وہ وریشہ ہی تھی جس کا ہاتھ بہت محبت سے تھامے ایک ہینڈ سم سالڑ کا اسے ارفلور پر لے جا رہا تھا۔ دونوں ایک دوسرے میں مگن ہستے مسکراتے جا رہے تھے فریحہ کی نظر اپنی بیٹی پر پڑی تو ہنسنا ہی بھول گئی وہ سانس روکے ساکت کھڑی اپنی لاڈلی کو دیکھ رہی تھی جس نے اب بے تکلفی سے لڑکے کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

شاہنگ مال لوگوں سے کچھا کچھ بھرا ہوا تھا مگر نہ تو اسے کچھ سنائی دے ہاتھ اندکھائی اسے تو یہ بھی بھول گیا تھا کہ وہ یہاں کس مقصد کے لیے اور کس کے ساتھ آئی ہے۔

"بوا یہ کون ہے؟" لڑکے کا سر تا پا تفصیلی جائزہ لیتے ہوئے عدیل نے پوچھا۔

"ارے پچھانا نہیں اپنا صدیق ہے میری فاطمہ کا پتر۔" بوا ہنس کر بولیں تو پچھان کی چمک عدیل کے چہرے پر لہرائی۔

"ارے یہ صدیق ہے کتنا بڑا ہو گیا ہے۔" خوشگواریت سے کہتے ہوئے عدیل نے صدیق کو اٹھ کر گلے لگایا۔

"ارے اپنی مای سے بھی تو مل عدیل کی دلہن۔" بوائے بہت بنے نواسے کا رخ ہستے ہوئے فریحہ کی طرف موڑا تھا۔

"سلام مای! ہنوز جھکے سر سے سلام کیا گیا جس کا سر ہلا کر فریحہ نے جواب دیا۔

"بڑا ہی شرمیلا ہے ہر دقت گونگے کا گلو کھائے رہتا ہے اب بیوی آرہی ہے ناں شاید وہی کچھ بولنا سکھا دے۔" بوا ہستے ہوئے بتاتے لگیں۔

"کیا مطلب..... صدیق کی شادی ہے؟" عدیل نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں بیٹا! فاطمہ نے اپنی نند کی بیٹی لی ہے۔ اسی لیے مجھے بلارہی ہے کہ کچھ کام کاج میں مدد کروں وہ اکیلی اوپر سے پہلے بچے کی شادی بے چاری باؤلی ہوئی جارہی ہے۔"

"کیا مطلب بوا! آپ جارہی ہیں؟" عدیل نے انہیں حیرت سے دیکھا۔

"ہاں بچے بس اب فاطمہ کی طرف چلتی ہوں۔" "یہ ٹھیک نہیں ہے میرا تو گھر خالی ہو جائے گا اس کا کون خیال رکھے گا۔" عدیل کو ان کے جانے کا فیصلہ پسند نہ آیا تھا البتہ فریحہ کو بوا کے جانے کا سن کر بے حد خوشی ہو رہی تھی۔

"خدا نخواستہ خالی کیوں ہوئے بچے ہیں دلہن ہے پھر بیٹا ساری زندگی یہاں رہ لی اچھا کھایا بہترین پہنا اگر اپنا سا بیٹا بھی ہوتا ناں تو اتنا آرام سکھ نہ دکھاتا جتنا بھتیجا ہو کر تم

نظریں تو بس اتنے مجمع میں ان دونوں پر جمی تھیں۔

”یہ اپنی وریشہ ہے ناں؟ شاید اس کے ساتھ لڑکا اس کا کلاس فیلو ہے۔“ عروسہ دھیمے مگر معنی خیز انداز میں بولی۔ فریجہ نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا اس کے دماغ میں تو جھکڑ چل رہے تھے۔



”چٹاخ.....“ وریشہ کے نرم و نازک گال پر فریجہ کا تھپڑ بڑے زور سے پڑا تھا۔ ”تمہاری جرات کیسے ہوئی میری آنکھوں میں دھول جھونکنے کی؟“ فریجہ نے فریجہ کا بہت غلط فائدہ اٹھایا ہے تم نے۔“ فریجہ دونوں ہاتھوں سے وریشہ کو پیٹتے ہوئے زور زور سے بول رہی تھی۔

”ماما پلیز..... اسٹاپ دس ناں سنیں.....“ وریشہ اپنے بچاؤ کے لیے ہر ممکن کوشش کرتے ہوئے بری طرح چلائی تھی۔

”بتاؤ..... کون ہے وہ لڑکا جس کا ہاتھ تمہارے تم مال میں گھوم رہی تھیں بولو.....؟“ بے ہنگم سانسوں کے درمیان فریجہ نے پوچھا۔

”وہ اشعر ہے سدرہ کے گھر پارٹی میں ملا تھا بہت اچھا لڑکا ہے وہ مجھ سے پیار کرتا ہے۔“ وریشہ نظریں جھکائے دھیرے سے بولی۔

”وریشہ..... میں تمہیں خبردار کر رہی ہوں اس فلرٹی لڑکے سے فریجہ شپ ختم کرو اور اپنی پڑھائی پر توجہ دو۔ عدیل تم دونوں کا براٹ فیوچر دیکھنا چاہتے ہیں۔“

”مگر میرا فیوچر بس اشعر سے شادی ہے اسٹڈیز میں مجھے کوئی انٹرسٹ نہیں ہے۔“ وریشہ اب کے بے باکی سے بولی۔

فریجہ کا تو منہ کھل گیا کل ہی کی تو بات لگ رہی تھی جب وریشہ نام کی ننھی کلی اس کے گلن میں کھلتی تھی اب وہ اتنی بڑی اور خوبنظر ہو گئی تھی کہ زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ اپنی مرضی سے کر لیا، ماں باپ کو ہلکا سا اشارہ دیئے بغیر۔

”میرے خیال میں تمہارے سر سے اس لڑکے کا بھوت آسانی سے نہیں اترے گا تمہارا آج سے کالج جانا

بند میں دیکھتی ہوں تم کیسے باہر نکلتی ہو۔“ وریشہ کی خود مری نے اسے آگ لگا دی تھی بے حد طیش میں اس نے وریشہ کے روم کا دروازہ باہر سے لاک کر دیا تھا۔

”بی بی یو پور سیلف ماما..... میں آپ کو ایسا ہرگز نہیں کرنے دوں گی میں خود کشی کر لوں گی۔“ دروازہ پیٹتے ہوئے وریشہ زور زور سے چلا رہی تھی۔



”میری نصف بہتر بلکہ بہتر کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟“ عدیل نے ذرا سنا مسکراتے ہوئے فریجہ کو بغیر دیکھا تھا وہ جب سے آئے تھے انہیں فریجہ بھیجی سی دکھائی دی تھی نہ چہرے پر نکھار اور تازگی تھی جسے وہ برسوں سے دیکھتے چلے آ رہے تھے نہ ہی ان کا پُر جوش و الہانہ استقبال۔

”کچھ نہیں بس سر میں درد ہے میں نے دوائی لے لی ہے ڈونٹ وری۔“ مضمحل سا مسکراتے ہوئے اس نے ان کو مطمئن کرنا چاہا۔

اب وہ انہیں کیا بتاتی کہ ان کی جواں سال لاڈلی بیٹی کن راہوں پر چل نکلی ہے۔ اس کے باغیانہ تیور بجانے کیا رنگ لانے والے تھے اس کی راتوں کی نیند تک اور بچی تھی واقعی بوجھ کہتی تھیں جب بیٹی جوان ہوتی ہے تو ماں جو کیدار بن جاتی ہے سارے حواس چوکنے ہو جاتے ہیں لیکن اس نے اپنی بیٹی کی ناموس کی حفاظت کے لیے ذرا بھی تو تردد نہیں کیا تھا۔ وریشہ اپنی مرضی سے جہاں چاہتی چلی جاتی، جیسی ڈیرنگ اس کی ہوتی اس پر صنف مخالف کا متوجہ ہونا لازمی امر تھا۔

عروسہ نے بھی تو وریشہ اور اشعر کی حد سے بڑھتی ہوئی بے تکلفی کو دیکھ لیا تھا۔ وہ عروسہ کی ہلکے پیٹ کی عادت سے بخوبی واقف تھی جھوٹ اور مبالغہ آمیزی سے زیب داستان کو بڑھانا اس کا مشغلہ تھا۔ زندگی میں فریجہ نے اپنے آپ کو اتنا بے بس کبھی محسوس نہیں کیا تھا جتنا اب کر رہی تھی۔

وریشہ کے روم سے اس نے کمپیوٹر لکھوالیا، موبائل تو اسی

دن چھین چکی تھی۔ وریشہ اپنے ساتھ اس سلوک کو سراسر ظلم گردانتے ہوئے اسے سنگین نتائج کی دھمکیاں دیتی رہی۔ عمر وہ کان لپیٹے اس کا سارا دواویلا خاموشی سے سنتی رہی۔

”بی بی جی۔“ شادو اس کے پاس آ کر مودب ہو کر بولی تو وہ چونک کر خیالوں سے نکلی تھی۔

”بی بی جی! وہ سرف صابن منگادیں میں نے کپڑے دھوئے ہیں۔“

”تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے شادو! ابھی پچھلے ہفتے تو میں مبینہ بھڑکا سو دلائی ہوں اتنی جلدی کیسے ختم ہو گیا۔“ اس نے تیز نظروں سے شادو کو دیکھا تو وہ خائف ہو کر بولی۔

”بی بی جی! ہر دوسرے دن تو کپڑے دھلتے ہیں پھر ختم تو چیز ہوتی ہے ناں۔“

”ذرا دھیان سے استعمال کیا کرو کوئی مفت نہیں مل رہے جو تم پانی کی طرح ہر چیز بہا دیتی ہو۔“ کینٹ سے سرف صابن نکال کر شادو کے حوالے کرتے ہوئے اس نے سختی سے تاکید کی۔

”اور سنو..... کپڑے دھو کر جو صابن سرف سنبھے وہ کچھ دینا ہے پھر استعمال کی ضرورت ہوئی تو میں خود اٹھا کر دیں گی۔“ شادو نے حیرانی سے فریجہ کو دیکھا تھا۔

”فریجہ کم از کم شیمپو و واش روم میں رکھ دیا کرو امب دیکھو میں صابن سے بال واش کر کے آیا ہوں۔“ تو لیے سے گیلٹ سر رڑتے ہوئے عدیل ادھر چلے آئے اور قدرے خفگی سے بولے فریجہ کا تو منہ کھل گیا تھا۔

”عدیل ابھی دو دن پہلے تو میں نے شیمپو کی کنگ ساڑ بوتل نکال کر واش روم میں رکھی تھی اب اتنی جلدی ختم ہو گئی۔“

”خالی کہاں..... وہاں تو بوتل کا وجود ہی نظر نہیں آیا شاید خالی بوتل ہونے پر ماسی نے ڈسٹ بن میں ڈال دی ہو“ بالوں میں برش چلاتے ہوئے وہ آرام سے بولے تو فریجہ کا سر نفی میں ہل گیا۔

”میں مان ہی نہیں سکتی مہینوں استعمال ہونے والی چیز دنوں میں ختم ہو۔ میں شادو سے پوچھتی ہوں بے وقوف

سمجھ رکھا ہے مجھے۔“ غصے سے دانت پیستے ہوئے شادو کی تلاش میں وہ باہر آئی تو عدیل کو صدیق سے باتیں کرتا پایا تھا وہ ٹھنک کر رک گئی۔ صدیق اپنی شادی کا بلاوا دینے آیا تھا، ایسے ہی سہا سہا، جھنپا جھنپا سا..... اس کی شادی اگلے ماہ کی آخری ہفتے میں ٹھہر گئی تھی۔

”ہاں بھئی کیوں نہیں، ہم سب ضرور آئیں گے۔“ عدیل اس کی شادی میں بھرپور شرکت کا وعدہ کرتے ہوئے اسے گیٹ تک رخصت کرائے تھے۔

”ہاں بھئی تو اگلے ماہ گاؤں چوتری چلنے کی تیاری کرنی ہے اپنے صدیق کی شادی پر۔“ عدیل اس سے مسکراتے ہوئے بولے تو فریجہ نخوت سے بولی۔

”ہونہہ..... میں نہیں جارہی اس دھول مٹی والے ماحول میں جہاں سڑکیں ہیں تو موت کا کنواں، میرا نخر پنجر ہلا کر رکھ دیا تھا۔ آپ نے جانا ہے تو شوق سے جا میں۔“ شادی کے فوراً عدیل اسے بوا کے گاؤں لے گئے تھے نئی نوپلی، نئی سنوری شہری دلہن کو دیکھنے کے لیے پورے پنڈ کی عورتیں اٹھاتی تھیں۔

”جیسے چڑیا گھر میں لایا گیا کوئی نیا جانور ہوں جو یہ لوگ ایسے بڑھ چڑھ کر دیکھ رہے ہیں۔“ فریجہ عورتوں کے اشتیاق پر خوب کھلتی تھی۔

بجلی جیسی بنیادی ضرورت سے محروم گاؤں میں پنکھا نام کی کوئی چیز نہ تھی رات کو چھروں سے بچاؤ کے لیے گوبر کے ڈھیر کو سلگا لیا جاتا تھا۔ فریجہ کا تو کھانسن کھانسن کر برا حال ہو گیا تھا پانی بھی دورندی سے گھڑوں میں بھر کر لایا جاتا تھا جو اتنا کثیف اور گدلا کہ ایک گھونٹے کے بعد دوسرا گھونٹ لینا محال ہوتا۔

پورے ہفتے کی تیاری کر کے گئے تھے مگر فریجہ نے دوسرے ہی دن واپسی کی رٹ لگا دی۔ عدیل کو ناچار واپسی کا قصد کرنا پڑا تھا اتنے برس گزرنے کے بعد بھی گاؤں چوتری کا ذکر آتے ہی فریجہ کی حالت غیر ہو گئی تھی۔

”ارے بھئی تم خواجوا کترار ہی ہو اب وہاں کافی ترقی ہو چکی ہے، پکی سڑکیں، پائپ لائن سب کچھ اتنا بدل چکا

ہے کہ تم دیکھ کر حیران رہ جاؤ گی۔“ عدیل نے ہنس کر اسے آمادہ کرنا چاہا۔

”بھلا کیا بہتری آئی ہوگی صدیق کو دیکھ کر ہی پتا چل رہا تھا وہی پینڈو کا پینڈو۔۔۔۔۔ لائٹ اور پانی آ جانے سے کیا روم و پیرس بن گیا ہے۔“ فریحہ کا فیصلہ اٹل تھا۔

”کہاں چلی گئیں۔۔۔۔۔ کل صبح ہی تو یہی اتاری تھی۔“ وہ کافی دیر سے اپنی بلیک سینڈل ڈھونڈ رہی تھی مگر مل نہیں رہی تھی اسٹور گیلری ہر جگہ دیکھ لیا۔

”شاید وریشہ نے پہن لی ہو۔“ وریشہ نے کئی دنوں کی بھوک بڑھتا ہوا موقوف کر دی تھی۔ بھائی کے ساتھ ہنسنا بولنا شروع کر دیا تھا البتہ فریحہ سے بول چال بند تھی۔ فریحہ کے لیے یہ بھی غنیمت تھا ورنہ تو وریشہ کے تیور ہولائے دے رہے تھے۔

”ماما آپ نے میری وائٹ رسٹ وائچ دیکھی؟“ فارس آ کر پوچھنے لگا وہ اپنی تلاش موقوف کر کے اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

”مائی سن! آپ کے اپنے روم میں ہوگی۔“ نہیں ماما! میرے روم میں نہیں نہیں ہے ڈرسنگ ٹیبل پر اتار کے رکھی تھی پتا نہیں کہاں چلی گئی۔“ فارس متفکر سا بولا یہ وائچ اسے عدیل نے رزلٹ پر گفٹ کی تھی کافی تکی لگاؤ تھا اس گھڑی سے۔

”کوئی پاؤں تھوڑی ہیں جو چل کر کہیں گئی ہوگی ضرور کسی نے اٹھائی ہے۔“ وہ ٹھوس انداز میں بولی۔

”کیا مطلب چوری۔۔۔۔۔ یہاں کون چوری کر سکتا ہے؟“ فارس حیران تھا۔

اگلے دن اس کے جاگنگ کے جوگرز غائب تھے۔ ”یہ کیا ہو رہا ہے۔۔۔۔۔ میرا گولڈ بریسلٹ کسی نے ٹیبل سے اٹھالیا۔“ وریشہ بھی حیران سے چلائی تھی یہ بریسلٹ اسے اشعر نے گفٹ کیا تھا بہت عزیز تھا وہ تو ڈھونڈ ڈھونڈ کر باگل ہو چکی تھی۔

فریحہ کی اپنی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کون سی نادیدہ قوت

ان کے گھر سے چیزیں غائب کرنے پر تلی ہوئی ہے۔ کتنی کے چار افراد اور شادو۔۔۔۔۔

”ہاں شادو۔۔۔۔۔“ وہ ایک دم چونکی تھی، محنتی صاف ستھری ہر کام دل لگا کر کرنے والی کیا تھا جو چھوٹی چھوٹی چیزیں اپنے ساتھ گھر لے جاتی تھی بنا کسی کو بتائے۔

فریحہ نے خود بوا کو شادو کی کھنچائی کرنے پر بڑی طرح جھاڑ دیا تھا۔ انہیں وہی شک کی کہہ کر شادو کی گلو خلاصی کر دیا کرتی تھی تو شادو کو فریحہ بی بی بہت فیاض اور مہربان ہستی لگا کرتی تھی اب اسی مہربان فریحہ کو اپنے اوپر غصے سے گرجتا برساتا دیکھ کر وہ دل ہی دل میں کانپتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ آج فریحہ کے عتاب سے اسے کون بچائے گا بوا سے تو فریحہ پیچھا چھڑوا لیا کرتی تھی۔

”شرم تو نہیں آتی تمہیں ہر سال تمہاری تنخواہ بڑھاتی ہوں پھر کھانا کپڑے الگ۔۔۔۔۔ پھر بھی چوری لازمی کرنی ہوتی ہے۔“ وہ حلق کے نل چلائی تھی وہ ابھی کچھ دن اور محضے میں رہتی اگر جو اس دن اپنی آنکھوں سے شادو کو ڈریسنگ ٹیبل سے لب اسٹک اٹھاتے نہ دیکھ لیا ہوتا وہ شادو پر اندھا اعتماد کرتی تھی اب اسی اعتماد کی ٹوٹی کرچیاں ہی اس کا پارہ ہائی کر رہی تھیں۔

”بی بی جی! معاف کر دیں، غلطی ہو گئی آئندہ ایسا کبھی نہیں ہوگا۔“ شادو ہاتھ جوڑ کر عاجزی سے منمنائی تھی پہلے تو فریحہ کی غفلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ بوا کے سامنے مگر جایا کرتی تھی اب تو خود فریحہ نے رنگے ہاتھوں پکڑا تھا جائے فراہ ممکن نہ تھی۔

”نکل جاؤ میرے گھر سے آئندہ مجھے اپنی شکل نہ دکھانا۔ دفع ہو جاؤ۔“ غصے سے گیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے شادو کو باہر کی راہ دکھائی۔

”اٹ خدا یا۔۔۔۔۔ ہر بندہ اپنی عیاری کا گھر مجھ پر زما رہا ہے جیسے مجھ سے زیادہ بے وقوف تو کوئی اور ہے ہی نہیں۔“ بے تحاشہ درد سے دھکتے سر کو دونوں ہاتھوں سے دبا تے ہوئے وہ آ زردگی میں گھر کر بولی تھی۔



”کیا ہوا جان! آپ ٹھیک طرح سے کھا کیوں نہیں رہے۔“ فریحہ نے پیار سے پوچھا وہ کب سے بیٹے کو بے دلی سے جھجھکاتے دیکھ رہی تھی۔

”مجھے کھانا ٹیسی نہیں لگ رہا۔“ وہ گھونٹ گھونٹ پانی پیتے ہوئے بولا۔

”مجھے بھی یہ چکن ذرا اچھا نہیں لگ رہا۔“ وریشہ نے بھی منہ بنا کر ہاتھ کھینچ لیا۔

”بوا جیسا ٹیسی آپ کے ہاتھوں میں نہیں ہے کتنے مزے کے چادل پکائی تھیں۔“ فارس بوا کے ہاتھ کا ذائقہ بوا کرنے لگا۔

”بس پیٹ بھرا ہوا ہے ناں تبھی ماں کے کھانے میں تلے نکل رہے ہیں اگر بھوک ہو تو سوچی روٹی بھی اچھی لگتی ہے۔“ وہ خفت زدہ سی ٹیبل سے برتن اٹھانے لگی۔

یہ سچ تھا وہ چوہے کے قریب بھی نہیں گئی تھی جس دن سے بیاہ کر آئی بوا کو ہی چولہا سنبھالے دیکھا۔ عدیل کو بوا کے ہاتھ کا کھانا پسند تھا اس لیے اس نے بھی کھانا پکانے میں کوئی خاص دلچسپی ظاہر نہیں کی۔ عدیل کے بعد بچے بھی ان کی کوکنگ کے معترف تھے پھر وہ کیوں خواہ مخواہ کا کھانا پانا ظاہر کرنے کو بچن میں تھیں رہتی۔ شادو کو بھی فارغ کرنے کے بعد غصے اور جوش کی ملی جلی کیفیت میں اس نے کھانا پکا شروع تو کیا مگر اس کے ہاتھ کا پکا کھانا بچوں کو تو کیا خود اسے بھی اچھا نہ لگتا۔ سچ تو یہ تھا کہ وہ خود بھی بوا کے ہاتھ کے ذائقے کی عادی ہو چکی تھی۔

بوا کا وجود اسے گھر میں جارنا گوار کی طرح چھتا تھا ان کی ہوشیار و محتاط طبیعت پر خاصا تاؤ آتا تھا۔ بچوں ماسی اور خوراک کی روٹین پر جب بھی تنقید کرتیں تو وہ بے اختیار ان کے گھر کے لیے دعا مانگتی تھیں۔ وہ بوا کے جانے کے بعد ان کی بہت خوش تھی جیسے بہت بڑا بوجھ سر سے ہٹ گیا ہو۔

مگر یہ خوشی ہر گزرتے دن کے ساتھ معدوم ہوتی جاتی تھی بچوں کی کھانوں پر تنقید نے دل خاصا برا کر دیا تھا۔ طبیعت پر عجیب سی بے کلمی چھائی ہوئی تھی کہ کام میں دل نہیں لگ رہا تھا۔ دل کا جھل پن دور

دسمبر کیسے بتاؤں کہ دسمبر کیا ہے؟
دسمبر نام ہے اذیت کا
رستے ہوئے رشتوں کا
بچھڑے ہوئے لوگوں کا
الچھے ہوئے رشتوں کا
روتی ہوئی آنکھوں کا
درد میں ڈوبی ہوئی سانسوں کا
تڑپتی ہوئی یادوں کا
دل چیرتی تنہائی کا
دیرینی دل کا
اداس شاموں کا
کرو لاتی تمناؤں کا
بین کرنی وفاؤں کا
بے توقیر چاہتوں کا
ٹوٹے ہوئے خوابوں کا
تھکن سے پھر دھڑکنوں کا
دم توڑتی دعاؤں کا
اور۔۔۔۔۔

دسمبر نام ہے
ہرزخم کے ٹانگوں کے ادھر جانے کا
اور۔۔۔۔۔
ہر پل مر مر کر جیسے جانے کا

شگفتہ خان ٹونی۔۔۔۔۔ بھلا دل

کرنے کی خاطر وہ گاڑی نکال کر بھابیوں کی طرف چلی آئی کہ شاید ان سے ہنس بول کر اس کی پڑمردہ طبیعت ہشاش بشاش ہو جائے۔

گھر سے کچھ ہی فاصلے پر تعمیراتی کام ہو رہا تھا اس لیے گاڑی مین روڈ پر چھوڑ کر پیدل ہی چلنے لگی۔ گیٹ عبور کر کے وہ پہلے ناظرہ بھابی کے پورشن کی طرف چلی آئی ڈرائیگ روم میں ہنسنے بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

”اے عالیہ! زبیدہ خالہ کے پوتے کی آئین ہے پھر

کچھ دینا دلانا بھی تو ہوگا۔“ ناظرہ نے پوچھا تھا۔

”میں کو چھوڑیں مجھے تو اپنی بھانجی صبا کی شادی کی فکر کھائے جارہی ہے۔ کوئی بھاری سا گفٹ دینا ہوگا پھر اپنے اور بچوں کے بھی تو کپڑے لینے ہوں گے۔“ عالیہ منتکری بولی۔

”تم خواخوہ پریشان ہو رہی ہو ہمیشہ کی طرح فریحہ سے ایک دو جوڑے مانگ لو ذرا سا بکھن لگا کے۔“ ناظرہ تسخر سے ہنسی تو عالیہ نے بھی قہقہہ لگایا تھا۔

”سچ کہتی ہو فریحہ تو ہمارے لیے ورلڈ بینک ہے جب دل چاہا پیسے نکھولے ذرا سی خوشامد..... اور جس چیز پر ہاتھ رکھو وہ اپنی۔“ باہر کھڑی فریحہ کا تو کاٹو لہو نہیں والا حال تھا۔ بے یقینی کا بگولہ اتنا تیز تھا کہ اس نے لڑکھڑا کر دیوار کا سہارا لیا۔

”میرا خود فریحہ سے وہ جھمکے لینے کو جی چاہ رہا ہے جو اس نے پچھلی عید پر لیے تھے۔“

”جھمکوں سے یاد آیا آپ نے فریحہ کا گولڈ سیٹ واپس کر دیا تھا۔“ عالیہ نے پوچھا۔

”ارے کہاں واپس کیا اس بھلکونے مانگا نہیں تو میں ایسے خواخوہ کیوں دے دیتی۔ ویسے اپنی فری ہے پوری ڈفر اگر میں اس سے کہہ دوں کہ میں نے سیٹ واپس کر دیا تھا تو وہ فوراً کہہ دے گی اچھا شاید میں نے کہیں رکھ دیا ہوگا۔“ ناظرہ نے فریحہ کی نقل اتاری۔

”تو اور کیا عدیل ہی بھلا مانس آدمی ہے جو ایسی بے پرد اور پھو ہڑ کے ساتھ گزارہ کر رہا ہے ورنہ ہوتے ہمارے آدمی ناں تو ایک دن میں گھر سے باہر کر دیتے۔“ وہ لگن سی اور بھی باتیں کر رہی تھی مگر مزید اس سے زیادہ اس میں سننے کا پارا نہ تھا برستی آنکھوں سے ڈرائیو کرتی وہ بمشکل گھر لوٹی تھی۔

”یہ چائے ہے؟“ عدیل نے برا سامنہ بناتے ہوئے پوچھا۔

”تو اور کیا میں نے پائے پکائے ہیں پھر؟“ اس نے

تیز لہجے میں پوچھا تھا وہ آج کل ویسے ہی بہت جڑی ہوئی تھی بگڑنے کا تو بہانہ چاہیے تھا۔

”اتنی کڑوی اور بد مزہ.....“ عدیل نے کپ اس کی طرف بڑھایا انہیں گھورتے ہوئے اس نے گھونٹ بھرا پھر اسے بھی تھوکتا ہی پڑا۔

”شاید میں نے کچھ غلط ڈال دیا۔“

وہ جب سے بھائیوں کے گھر سے آئی تھی اس وقت سے عائب دماغی سے سارے کام نمٹا رہی تھی۔ اپنی محبت، خلوص اور اپنائیت کی اتنی تذلیل نے اسے رلا ڈالا کر بیمار کر ڈالا تھا۔ وہ اپنی بھابیوں کو بڑی بہنوں سا مقام دیتی تھی اور وہ کتنی ہوشیاری سے اس کی محبت کا ناجائز فائدہ اٹھاتی آرہی تھیں۔ ان کی دھوکے باز فطرت کو کوسنے کی بجائے وہ اپنی لالباہی فطرت کو کوستی رہی کہ وہ جوان بچوں کی ماں ہوتے ہوئے بھی اسے خوشامد اور محبت میں فریق نہ کرنا آیا تھا۔

”سچ کہتی تھیں بوؤ دونوں بھابھیاں بہت عیار فطرت اور چالپوس ہیں یہ میری محبت کا ناجائز فائدہ اٹھا رہی ہیں۔“ اس کے دل نے چپکے سے اعتراف کیا تھا۔

”یہ وریشہ کہاں ہے صبح سے نظر نہیں آ رہی؟“ باپ سے پوچھ کر پانی دیتے ہوئے عدیل پوچھ رہے تھے۔

”اس کے ایگزیم کی ڈیٹ آگئی ہے رول نمبر سلیپ لینے کا گئی ہے۔“ لان میں چیمبرز ترتیب دیتے ہوئے وہ بولی اب اس کا گھر کے کاموں میں جی لگنے لگا تھا گھر کو سنوارنا سجانا اسے انوکھا لطف دے رہے تھے۔ پارٹیز شاپنگ اور آؤٹنگ وہ سب قصہ پارینہ بن چکے تھے۔

”تو شام چار بجے تک کون سا کالج کھلا رہتا ہے اسے بارہ بجے تک واپس آ جانا چاہیے تھا۔“ وہ باپ کیاری میں پھینک کر اس کی طرف آگئے لہجے میں تشویش تھی۔

”میں پتا کرتی ہوں وریشہ سے۔“ موبائل اٹھا کر نمبر ملایا مگر نمبر بند جا رہا تھا۔

”تم دوبارہ ٹرائی کر دو آخر اتنی لیٹ کیوں ہے وہ پہلے بھی اتنی دیر باہر رہی ہے؟“ وہ اب اس سے پوچھ رہے

تھے۔ وہ چورسی بن گئی کیا بتاتی وہ تو اکثر رات گئے بھی لوتی تھی۔ یہ تو اس نے اشعر کے ساتھ دیکھنے پر اسے گھر میں بند کر دیا تھا اس بات کو بھی تقریباً ڈیڑھ مہینہ گزر چکا تھا۔ وریشہ اپنی پارل روٹین پر آگئی تھی گھر میں ہی اسٹڈی کرتی رہتی تھیں۔ کیمپیٹر دوبارہ سیٹ کیا نہ باہر جانے کی ضد کی وہ قدرے پرسکون ہو گئی تھی۔

آج صبح ہی اس سے کالج جانے کی اجازت لی تھی اور وہ خود اسے کالج چھوڑنے گئی تھی۔

”میں آپ کو کال کر دوں گی پھر مجھے لینے آ جائے گا۔“ چالپنی سے اترتے ہوئے وریشہ نے کہا تھا۔

وہ اس کی کال کا انتظار کرتی رہی مگر شام ہو گئی کافی بار رات گرنے کے بعد اس نے کلاس انچارج کا نمبر ملایا۔

”جی مسز عدیل! وریشہ آج کالج آئی تھی رول نمبر تو اگلے ہفتے ہی ایڈمٹ ہوگا وہ ہاف ٹائم کے بعد چلی گئی تھی۔“

”چلی گئی مگر کہاں.....؟“ مسز ٹکیل کے جواب نے تو اس کے اوسان ہی خطا کر ڈالے تھے۔

انہرے کی چادر دھیزے دھیزے اترنے لگی تھی مگر وریشہ کا تاحال کچھ پتا نہ تھا۔ فریحہ کا تو رورور کر رہا حال تھا عدیل بھی کم پریشان نہ تھے۔

”عدیل اب کیا ہوگا ہماری وریشہ کہاں چلی گئی؟“ فریحہ نے بھلی آنکھیں پونچھتے ہوئے عدیل سے پوچھا۔

”یہ تم بتاؤ وہ کہاں جا سکتی ہے کتنی فرینڈز ہیں اس کی جن سے وہ ملتی رہتی ہے۔“ وہ اب اس سے پوچھ رہے تھے۔

وہ تو بولنے کے قابل نہ تھی اگر اشعر کا نام لیتی تو وہ یقیناً اسے تھپڑ مرنے سے بھی گریز نہ کرتے کہ اس نے اتنی بڑی بات اب آ کر بتائی ہے جب بیانی سر سے اوپر جا چکا تھا۔ چپ رہنے میں بھی عافیت نہ تھی ایسے تو وریشہ کے لئے کا کوئی کلیجہ ہاتھ نہ لگ رہا تھا وہ دہری مصیبت میں گرفتار تھی۔

رات بھیکتی جا رہی تھی اب تو عدیل کی آنکھیں بھی پھٹنے لگی تھیں۔ بدنامی اور رسوائی کے مہیب سائے انہیں اپنی طرف بڑھتے دکھائی دے رہے تھے۔ آنکھوں کے

ر باب ثالث

اسلام علیکم! میرا نام رباب ثالث ہے اور میں لاہور کے علاقے مرید کے میں 19 دسمبر 1992ء کو اس دنیا میں جلوہ افروز ہوئی اور میں تین بھائیوں کی ایک بہن کی اکلوتی بہن ہوں ایم کام کر رہی ہوں اور ساتھ عالمہ کا کورس جاری ہے جس کی وجہ سے بہت مصروف رہتی ہوں۔ کھانے میں بریانی، قورمہ اور کرلیے بہت پسند ہیں۔ میٹھا پسند نہیں اس لیے اسمارٹ ہوں۔ پر خلوص اور چاہت کرنے والے لوگ بہت پسند ہیں۔ سب سے بڑی خواہش حج کرنے کی ہے ڈائجسٹ پڑھنا میرا مشغلہ ہے۔ میری ماں جو اس دنیا میں نہیں ہیں ان کے لیے دعا گو ہوں کہ اللہ ان کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے آمین۔ میں بہت باریب اور باوقار لڑکی ہوں۔ اپنے ڈیڈی سے بہت محبت کرتی ہوں جنہوں نے بھی ماں کی گئی محسوس نہ ہونے دی مجھے گلاب کا پھول بہت پسند ہے۔ لباس شلوار قمیص اچھا لگتا ہے اور ستاروں پر بالکل یقین نہیں۔ غصے کی بہت تیز ہوں مگر خود کو کنٹرول کرنا مجھے حالات نے سکھا دیا ہے بات کرنے کا انداز رویہ لہجہ سب کچھ میرے استاد نے سکھایا ہے اللہ ان کو کامیاب کرے آمین۔ اللہ حافظ۔

سامنے لی وی پردیکھنے اور اخباروں میں پڑھی ہوئی تمام خبریں گھوم رہی تھیں جس میں کسی دوشیزہ کے اغواء آبرو ریزی اور پھر لڑکے کے واقعات چھپے ہوتے تھے۔

”خدا یا اے مشکل کشا..... ہمیں اس آزمائش سے بچا“ ہماری بچی کو اپنی حفظ و امان میں رکھ۔ اس کے بخوہنا موس کو محفوظ رکھ۔“ دونوں ہی آنسو بہاتے خدائے لم یزل کے حضور دست دعا تھے گر گزار ہے تھے فارس افسردہ ساماں باپ کو پریشانی سے چکراتا دیکھ رہا تھا۔

”میں بھائیوں کو فون کرتی ہوں شاید وہ میری بچی کو کہیں سے ڈھونڈ لائیں۔“ فریحہ موبائل کی طرف لپکی۔

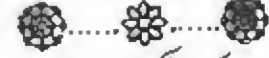
”ہرگز نہیں! انہیں کچھ نہیں بتانا، فیملی کو پتا نہیں چلنا چاہیے۔“ عدیل نے اسے راستے میں روک دیا۔

”میں پولیس اسٹیشن میں رپورٹ کرتا ہوں۔“

ہمدرد انداز۔

”جی جی میں ہی عدیل احمد ہوں۔“ وہ ایک دم لڑکھن ہو کر بولے۔

”آپ کی بیٹی وریشہ میرے پاس ہے۔“



نوعمر نادان وریشہ کی آنکھوں میں اشعر جیسے سبے راہ رو اور فلرٹی لڑکے نے کچھ اس مہارت سے اپنی چاہت کے ویپ جلائے کہ وہ کم عقل محبت کی رنگین تکی کے پیچھے سرپنٹ دوڑ پڑی۔ بے تحاشہ تعریف نوعمری کے لیے خاصی مہلک ثابت ہوتی ہے وریشہ کے کانوں کو اشعر کا خوشبو لٹا لٹا لہجہ مدھوش کیے رکھتا۔ اشعر پہلے بھی نجائے کتنی ہی لڑکیوں کو محبت کے نام پر ان کے دامن عصمت کو تار تار کر چکا تھا ایسے میں وہ اس نوخیز پھول کو مسلے بغیر کیسے رہ سکتا تھا۔

گھر والوں کی نوبت تو جی کا شکار وریشہ اس کے لیے اتنی بھی تر والہ ثابت نہ ہو پا رہی تھی۔ ادھر وریشہ کو بھی اشعر کے طور ٹھیک نہیں لگ رہے تھے اشعر کی گستاخیاں بردہتی جا رہی تھیں۔

فریحہ کے سامنے تو اس نے بے باکی سے اپنی اشعر سے بے تحاشہ محبت کا اعتراف کر لیا تھا مگر شاید اشعر اس سے اس محبت کا خواہاں تھا جسے سیدھے سیدھے ہوس کا نام دیا جاسکتا تھا۔ لاکھ وہ نادان دم عقل سہی پر محبت وہوس میں فرق کو بخوبی سمجھتی تھی فریحہ کے خود پر اعتماد کے بحال ہوتے ہی اس نے اشعر سے رابطہ کیا تھا مگر اس کا وہی مطالبہ تھا۔

”بھار میں جاؤ تم اور تمہاری سوکالہ محبت۔“ اس نے پورے دل سے اشعر پر لعنت بھیجی اور جی جان سے پڑھائی میں لگ گئی۔

کچھ بھی ہوا اپنے شریف معزز اور صاف ستھرے کردار کے حامل باپ کی عزت بہر حال ہر چیز پر مقدم تھی۔

فریحہ اسے خود کالج چھوڑنے آئی کچھ وجوہات کی بناء پر تو اس نے ٹیکسی لے کر گھر جانے کا ارادہ کیا۔ ابھی وہ روڈ پر آئی ہی تھی کہ بہت قریب کسی گاڑی کے ناز چرچرائے

”پتا نہیں میری بچی کہاں ہے کس حال میں ہے؟“ فریحہ کی سسکیاں وقفے وقفے سے لاؤنج میں ابھر رہی تھیں۔

”میرے خدایا! مالک کل کائنات! ہماری بچی کو بخیر وعافیت لوٹا دے۔“ با وضو ہو کے وہ جائے نماز پر آ بیٹھی اور گڑ گڑا کر رب تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنے لگی۔

وریشہ کم عقل نادان تھی مگر اسے اپنے خون پر بھروسہ تھا اسے یقین تھا اس کی بیٹی کوئی ایسا ویرانہ نہیں اٹھا سکتی۔ وہ عدیل احمد کی بیٹی تھی جن کی شرافت و اعلیٰ کردار کا ہر کوئی معترف تھا۔ ہاں اس سے بیٹی کی پردریش میں کوتاہی ہوئی اس کی آنکھ چمکی تھی ہریاں کی طرح اسے بھی اپنی بیٹی بھولی بھالی معصوم اور انجان بھگتی تھی ایسے میں بوا کا ہر وقت وریشہ کو روکنا تو کتنا اسے سخت برا لگتا تھا۔ وہ بوا سے انتہائی اہانتا میز رویہ رکھتی کتنی نادان اور کم عقل تھی۔

”یا خدا! میں بوا کے پاؤں پڑ کر رو کر عاجزی سے معافی مانگ لوں گی ان ساری بد تمیزیوں اور گستاخیوں پر جو میں نے اتنے سالوں میں ان کے ساتھ روا رکھی تھی۔ انہیں عدیل کی بوا تو کیا بزرگ سمجھ کر بھی عزت مان دینے کا تکلف نہیں کیا تھا ایک ان چاہا بوجھ سمجھا تھا۔ اپنی آزادی کی راہ میں حائل رکاوٹ اپنی ازدواجی زندگی کی خوشیوں کی دشمن۔۔۔۔۔۔ کتنی بڑی خیر خواہ تھیں وہ اس گھر کی ہمدرد عزت کے آگینے کی رکھوالی کرنے والی۔۔۔۔۔۔ وہ سخت شرمندہ تھی اپنے رب کے حضور بوا خدیجہ کے سامنے پچھتاؤں کی آگ کو اپنے عرق انفعال سے بجھاتے ہوئے وہ کتنی دیر جائے نماز پر آنکھیں بند کے بیٹھی رہی صبح صادق کے وقت عدیل کے موبائل پر گھنٹی بجی تھی۔

”ہیلو عدیل احمد بات کر رہے ہیں؟“ نرم د

آنچل جنوری ۲۰۱۵ء 220

خندہ آنچل کے پیچھے ہٹی تھی۔ گاڑی کا شیشہ تیزی سے نیچے پڑا اور اندر اشعر کا مسکراتا چہرہ سامنے تھا۔

”جان من! کہاں کے ارادے ہیں؟ آؤ میں چھوڑ دوں۔“

”ہونہہ۔۔۔۔۔۔“ وہ نفرت بھری نظر ڈال کے آگے بڑھنے لگی۔

”وریشہ ڈیراکم آن کس لیے اتنی ناراض ہو ائی کیا خطا ہو گئی ہے مجھ سے؟“ وہ گاڑی سے اتر کر اس کے پیچھے آیا اور بے حد محبت سے پوچھنے لگا۔

”اشعر میں کہہ رہی ہوں مجھے فالو کرنے کا اب کوئی فائدہ نہیں اپنا رستہ ناپو۔“ اس کی طرف دیکھے بنا جی سے بولی۔

”پلیز مجھے معاف کر دو میں واقعی بہت جذباتی اور بے سہرا ہوں لیکن یقین کرو تمہاری چاہت ہی نے مجھے اتنی حیات بخشی ہے کہ۔۔۔۔۔۔“

”سٹ اپ! اشعر حسن! بہتر یہی ہے کہ یہیں سے پلٹ جاؤ میں تمہاری شکل نہیں دیکھنا چاہتی۔“ وہ غصے سے غرائی تھی۔ اس کی فرینڈ رافعہ اپنے پیسٹ فرینڈ کی تعریف میں قلابے ملایا کرتی تھی فطرتاً اسے بھی اشتیاق ہوا کہ دیکھیں تو سہی آخر وہ کون سا پرنس ہے جس پر رافعہ اپنے موبائل پر کھٹا کھٹ کئی ٹیکس گھولتی گئی سامنے کوئی اور نہیں یہی اشعر حسن تھا جواب بھی اس کی محبت کا ڈنڈا دیدار بنا کھڑا تھا۔

”تمہاری ناراضگی بجا مگر مجھے ایک موقع تو دو اپنی منہائی میں کچھ کہنے کا میں حقیقتاً بہت شرمندہ ہوں۔ اپنی بے اختیاری پر خود بھی کافی نادم ہوں پلیز میری ایک درخواست تو سن لو۔“ چلتے چلتے وہ اس کے سامنے آ گیا اور ہتھیلیاں لہجے میں کہنے لگا۔

”چلو آؤ میری گاڑی میں بیٹھ کر بات کرتے ہیں یہاں کھڑے مناسب نہیں لگ رہا۔“ وہ اس کا ہاتھ تھامے اپنی گاڑی تک لے آیا اور وریشہ کی بھرپور مزاحمت کے باوجود فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کر اسے

خوابوں کو باتیں کرنے دو آنکھوں میں جو خواب ہیں ان کو باتیں کرنے دو ہونٹوں سے وہ لفظ کہو جو کا جمل کہتا ہے موسم جو سندیسہ لایا اس کو پڑھ تو لو سن تو لو وہ راز جو پیسا سا سا حل کہتا ہے آئی جانی لہروں سے کیا پوچھ رہی ہے ریت؟ بادل کی دہلیز پر تارے کیوں کر بیٹھے ہیں جھرنوں نے اس گیت کا کھڑا کیسے یاد کیا جس کے ہر اک بول میں ہم تم باتیں کرتے ہیں راہ گزر کا موسم کا نہ بارش کا محتاج وہ دریا جو ہر اک دل کے اندر بہتا ہے کھا جاتا ہر اک شعلہ وقت کا آتش دان آنکھوں میں جو خواب ہیں ان کو باتیں کرنے دو ہونٹوں سے وہ لفظ کہو جو کا جمل کہتا ہے

امجد اسلام امجد

ناہید بشر رانا۔۔۔۔۔۔ رحمان گڑھ

اندر منتقل کیا اور پھر زن سے گاڑی بھگادی۔ دریشا ٹو میٹک لاکڈ دروازہ کھولنے کی کوشش میں بھی اس پر چیختی چلاتی رہی اس کا دل اسے بخوبی باور کر رہا تھا کہ وہ بڑی مصیبت میں پھنس چکی ہے۔ اس کا دادیلا یونہی بے کار گیا اشعر اسے ایک بے حد خوب صورت بنگلے کے ایک بے حد فرشتہ روم میں لے آیا۔

”سویت ہارٹ! تم نے کیا سوچا تھا کہ تمہارا یہ حسن ہم سے دادیائے بنا نظروں سے اوجھل ہو جائے گا۔“ وہ خباثت و کینگی سے مسکراتا ایک ایک قدم اٹھاتا اس کی طرف آ رہا تھا۔ وریشہ کی تو روح فنا ہو چکی تھی اشعر کے ارادے سے بدنامی اور گناہ کی دلدل میں دھکیلنے کے تھے۔

”دیکھو اشعر مجھ سے دور رہو ورنہ بہت برا ہوگا۔“ وہ کانپتی ہوئی انگلی سے وارن کرتے ہوئے قدم قدم پیچھے ہٹ رہی تھی اشعر دل کھول کر ہنسا تھا جیسے اس کے منہ سے کوئی بچکانہ بات سن لی ہو۔

پیچھے ہٹتے ہٹتے وریشہ کی پشت وٹڈو سے جا ٹکرائی تھی

آنچل جنوری ۲۰۱۵ء 221



سراپہ
صدقہ

ملاقاتوں میں وقفہ اس لیے ہونا ضروری ہے
کہ تم ایک دن جدائی کے لیے تیار ہو جاؤ
بہت جلدی سمجھ میں آنے لگتے ہو زمانے کو
بہت آسان ہو تھوڑے بہت دشوار ہو جاؤ

”ٹھیک ہے کل آپ اسے ٹیکر کو دے دیجیے گا، سچ میں
آج کل اس طرح کی ہاتھ سے کی جانے والی کڑھائی کا
کام بہت ”ان“ ہے، ماسٹر صاحب کو کہہ دیجیے گا، نیکسٹ
فرامی ڈے تک سی دیں۔ وہ جو پھپھو کے یہاں گیٹ نو گیدر
ہونے والا ہے میں اس میں پہنوں گی۔“ ہادیہ بیٹی کے
فیصلہ کن انداز پر اس کا منہ دیکھتی رہ گئی۔ وہ نئی نسل کی نمائندہ
تھی ماں کے مقابلے میں اس کا اعتماد اور قوت فیصلہ قابل
دید تھا۔ اوپر سے باپ اور اس کے دو دھیال والے اس نخرے
باز کو سر آنکھوں پر بٹھائے رکھتے، تاہم ارج پر خاصی حد تک
ہادیہ کی تربیت کی بھی چھاپ تھی، یہ ہی وجہ تھی کہ سب اس
کی اچھی عادتوں کو سراہتے تو ہادیہ کا دل خوشی سے بھر جاتا۔
اس کیڑے کو ہاتھ میں لیتے ہی ہادیہ کے دل کو کچھ ہوا،
اس نے یہ بیس بادگار کے طور پر بہت سنبھال کر پرانے
کیڑوں کے سوٹ کیس میں رکھ دیا تھا، جو اسٹور کے کونے
میں پھنسا ہوا تھا، آج پتا نہیں کیسے اس کی سب سے بڑی
بیٹی ارج جس کی عمر صرف سولہ سال تھی چھاپہ مارنے وہاں

”مما! یہ شرٹ پیس کس کا ہے؟ اوہ مائی گاڈ زبردست
کڑھائی ہے۔ میں اس کا کرتا بنوا کر پہن لوں؟“ ارج نے
بیلے کاٹن کے شرٹ پیس کو اپنے ساتھ لگا کر دیکھا اور
اشتیاق سے ہادیہ سے پوچھنے لگی۔ وہ ایک دم چونکی، بیٹی
کے مجبور کرنے پر اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔
”بیٹا! یہ آپ کی نانی نے اپنے ہاتھوں سے کاڑھا تھا۔“
ہادیہ نے کھوٹے کھوٹے لہجے میں کہا۔
”اچھا ناناں کو اتنا اچھا کام آتا ہے۔ کمال ہے بتایا
میں۔ میں جب رحیم یار خان جاؤں گی تو ان سے
فرمائش کر کے بہت سارے کرتوں اور دپٹیوں پر ایسے کام
بنواؤں گی۔“ ارج کا لہجہ پر اشتیاق ہوا، وہ چپک رہی تھی اسی
لیے اسے ہاں کا انکار میں ہلتا ہوا سر دکھائی نہیں دیا۔
”نہیں بیٹا! یہ آپ کی دوسری نانی خالہ زہت نے بنا۔
گر دیا تھا۔“ ہادیہ کا چہرہ جذبات کی یورش سے سرخ پڑ گیا،
ارج بھی لمحہ بھر کو چپ رہ گئی پھر ماں کا دھیان بنانے کے
لیے ایک دم بولنے لگی۔

سے دوسرے دن ہی واپسی کا ارادہ نہ بن جائے تو
مسکراتے ہوئے شریر لہجے میں اسے بہت پرانی بات کا
حوالہ دے رہے تھے وہ انہیں گھور کر رہ گئی۔
”ماما! میرے ریڈ فراک کی میچنگ چوڑیاں نہیں مل
رہیں۔“ دریشہ اندر سے آ کر منہ بسور کر بولی اس کی تیاری
ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی۔ شادی کی مناسبت سے سارے
کیڑے اسٹائلش اور مکمل تھے فل آسٹینوں والے فراک
اور لاٹک شرٹس بڑے بڑے دوپٹے وہ بواخدیجہ کو اس روپ
میں خود کو دکھانا چاہتی تھی جیسا وہ چاہتی تھیں۔ بچوں اور
شادی کے بھرے پرے گھر میں سب کے سامنے بوا سے
اپنی تمام غلطیوں اور ناروا رویے کی معافی مانگنے کی اور انہیں
شادی کے بعد واپس اپنے گھر لے آئے گی تو زندگی کتنی
روشن آسودہ اور مکمل ہو جائے گی۔
”پاپا! ہم اتنے لیٹ کیوں ہو رہے ہیں کافی لمبا سفر
ہے۔“ فارس کا بوا سے نلنے اور خالص دیہات کی روایتی
شادی کی رسموں سے لطف اندوز ہونے کا شدت سے دل
چاہ رہا تھا۔

”ہاں بیٹا! یہی کا پڑا جائے تو پھر چلتے ہیں۔“ عدیل
بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔
”یہی کا پڑ کیوں؟“ سب کے منہ سے حیرانی سے اٹھا۔
”بھئی گاڑی میں کیسے جاسکتے ہیں گاؤں چوٹری کی
سڑکیں اتنی ٹیرھی میڑھی ہیں کہ تمہاری ماما کا تو انجر بنجراں جاتا
ہے۔“ وہ شوخ نگاہوں سے فریحہ کو تکتے ہوئے بولے تھے۔
”جی نہیں اب کافی ترقی ہو چکی ہے نئی سڑکیں بھی بن
چکی ہیں پانی بجلی ساری بنیادی سہولتیں وہاں موجود ہیں۔“
وہ تضحیک کر بولی تو عدیل کا قہقہہ بے ساختہ بلند ہوا تھا۔



اپنی ناموس کی حفاظت کے لیے قدرت نے ایک بل اسے
فراہم کیا تھا۔ وٹڈ کی چٹنی اگر اکروہ باہر کو دی اشعر اس پر چھینا
تھا مگر دریشہ کا دوپٹہ ہی اس کے ہاتھ لگ سکا۔ دوپٹہ کمرے
میں رہ گیا، کوونے سے جوتے کا اسٹریپ ٹوٹ گیا۔ اچھے
بال دھڑکتے دل اور پھولی سانسوں کی ساتھ سر پٹ دوڑتے
دریشہ کے حلق سے نکلنے والی چیخیں اتنی بلند تھیں کہ ساتھ والی
کوٹھی کے چوکیدار اللہ یار نے بخوبی سن لیں۔



”اس گھر کا مالک بیرون ملک میں رہتا ہے اشعر حسن
پہلے بھی کتنی ہی لڑکیوں کو یہاں لا چکا ہے کچھ بد چلن خود
ہی بن سنور کرتا ہے کچھ کو اغوا کر کے اور کچھ کو بھلا پھسلا
کر لاتا ہے۔“ اللہ یار دھیمی آواز میں بول رہا تھا عدیل گہرا
سانس بھر کر بولے۔

”بھائی اللہ یار! جو بھی ہو آپ میری بچی کے لیے تو
رحمت کا فرشتہ بن کر آئے اگر آج آپ اس کی بد کو نہ پہنچتے
تو نجائے کیا ہو جاتا۔“ عدیل کی آواز بھیک گئی تھی۔

”مجھے شرمندہ نہ کریں عزت ذلت تو اللہ کے ہاتھ
میں ہے۔ بندہ صرف وسیلہ بن جاتا ہے اگر میں نہ پہنچتا تو
کوئی اور پہنچ جاتا آپ کی بچی کی عزت اللہ نے محفوظ رکھنی
تھی سو رکھ لی۔“ اللہ یار عاجزی سے بولا اس مہربان شخص
کے سامنے سارے گھر والے احسان مندی سے بچھے
جارہے تھے۔

دریشہ تو جب سے گھر آئی تھی گم تھی اسے یہ یقین
کرنے میں تامل ہو رہا تھا کہ وہ بخیر و عافیت اپنے گھر اپنے
ماں باپ کے پاس پہنچ چکی ہے۔ فریحہ بھی بار بار بیٹی کو جوم
کر اس کے اپنی نظروں کے سامنے موجود ہونے کا خود کو
یقین دلا رہی تھی۔



”عدیل! آپ کے پانچ شلوار سوٹس رکھ دیئے ہیں
کافی رہیں گے ناں؟“ پیکنگ سے فارغ ہو کر وہ عدیل
سے پوچھنے لگی۔

”ہاں کافی ہیں اگر تمہارا گدلے پانی اور دھوئیں کی وجہ

پہنچ گئی اور وہ یہ پیس برآمد کر لائی۔

شکریہ جانا پڑا۔

اس کے شوہر عباد ملک کو آفس سے ایک ساتھ اپنی جھپٹیاں نہیں مل پائیں مگر ہادیہ کا شادی کی تیاری کے سلسلے میں ایک ماہ قبل جانا ضروری تھا۔ اس کامیکہ رستم یار خان میں تھا۔ وہ شادی ہو کر کراچی آئی تھی۔ جب سے بھائی کی ڈیٹ فکس ہوئی وہاں سب اس کی آمد کے بے چینی سے منتظر تھے۔

ہادیہ کی ای اور بہنوں کے سلسلہ فون آرہے تھے کہ جلدی پہنچو تا کہ عرہ دی لباس اور دوسری اشیاء کی خریداری کا کام شروع کیا جائے۔ گھر کے پہلے بیٹے کی شادی تھی۔ دانیال بھائی بہنوں میں سب سے بڑا تھا۔ ان چاروں بہنوں کے ارمان پھوٹے پڑ رہے تھے۔ فون پر تفصیلات سن سن کر ہادیہ بھی جانے کو بے چین ہو گئی۔ ویسے بھی اد پر تلے کا ہونے کی وجہ سے ان دونوں بھائی، بہن میں جتنی بھی خوب تھی مگر شوہر کی چھٹی کا مسئلہ ایسا اٹھا کے وہ چڑ گئی۔ ویسے بھی وہ حد سے زیادہ حساس اور زور و زنج واقع ہوئی تھی۔ اسے کسی کی بات برداشت کرنا خاصہ مشکل کام لگتا، یہ ہی وجہ تھی کہ اس بات پر بھی میاں بیوی میں کافی جھگڑا ہو چکا تھا۔

”آپ کے بھائی کی شادی ہوتی پھر تو چل کر بھی نہیں بلکہ اڑ کر پہنچتے۔ کمال ہے اب میرے جذبات کا کوئی خیال ہی نہیں۔“ ہادیہ میکے کی محبت میں اس قدر دیوانی ہو گئی کہ اسے شوہر کی جائز بات بھی سمجھ نہیں آئی۔

دانیال نے روز روز کے لڑائی جھگڑوں اور سسرال والوں کے تقاضوں سے تنگ آ کر اس کے اکیلے کے ہی ٹکٹ کروا دیے۔ ہادیہ چھوٹی بچی کے ساتھ تنہا سفر کرنے کا سن کر ہی کپکپا اٹھی۔ میکے جانے کا سارا جوش جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ ٹکٹ ہاتھ میں تھا۔ وہ منہ لٹکا کر بیٹھ گئی۔

اس نے کافی سوچ بچار کے بعد جانے سے انکار کر دیا۔ دانیال نے حقیقتاً ماتھا پیٹ لیا۔ وہ بیوی کے ایسے پیچھے پر اکثر چڑ جاتا مگر نئی نئی شادی تھی تو وہ ابھی ہادیہ کو حالات کو سمجھنے کا وقت دینا چاہتا تھا ویسے بھی وہ اتنی پیاری تھی کہ

ہادیہ نے اپنی نازک انگلیاں محبت سے کپڑے پر رکھ جانے والی نفیس کڑھائی پر پھیریں۔ ایک دم یادوں کی گن من بارش اس کے من آگن کو سیراب کرنے لگی۔ کچھ یادیں ایسی ہوتی ہیں جو معصوم پنجھیوں کی طرح انسانی قلب کی وسعتوں تک پرواز کرتی ہیں۔ زہمت خالہ کا وجود بھی ایک ایسی ہی سنہری یاد تھی۔ آج بھی وہ معطر ہل ہادیہ کے دل و دماغ پر چھائے رہتے۔ اس دور میں جب خود غرضی نے سگے رشتوں کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے، اپنوں کی تعریف کچھ بدل سی گئی ہے، اب اپنے صرف وہ ہی نہیں سمجھے جاتے، جن سے خون کا رشتہ ہوتا ہے بلکہ بعض اوقات کسی کا خلوص اور بے ریا محبت اتنی قوت و شدت سے اثر انداز ہوتی ہے کہ ایسا وجود دل میں اپنوں سے بڑھ کر مقام پا جاتا ہے۔ ہادیہ کے دل میں بھی خالہ زہمت کے لیے کچھ ایسے ہی جذبات تھے۔ وہ ایک دم ان لمحوں میں کھو گئی جو اس نے ان کی سنگت میں گزارے تھے، یوں استفادہ حاصل کیا کہ اس کی زندگی گزارنے کا انداز بدل کر رہ گیا۔ آج ہادیہ کی کامیاب زندگی کے پس پردہ ان کی کاوشوں کا بھی ہاتھ تھا۔ وہ خیالوں کے دوش پر سوار سترہ سال قبل گزرنے والی اس ریل گاڑی میں جا بیٹھی جہاں ان دونوں کی پہلی ملاقات ہوئی تھی۔

☆☆☆.....

ٹرین سلسل چھکا چھک کی آواز سے کبھی تیز تو کبھی ہلکے بھاگے جارہی تھی، ویسے ہی جیسے زندگی کی گاڑی اپنی راہ پر گامزن رہتی ہے، یہ ایک ایسا سفر ہے جو آگے کی طرف ہی جاتا ہے، اس میں واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہوتا، بس بڑھتے چلے جاتا ہے۔ یہاں تک کے اپنے آخری پڑاؤ تک پہنچ کر یہ سفر اختتام پزیر ہو جاتا ہے۔

ہادیہ کی شادی کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا، چھوٹی سی ارج اس کی گود میں تھی۔ وہ زندگی میں پہلی بار تنہا دوسرے شہر جارہی تھی، اگر بھائی کی شادی کا معاملہ نہ ہوتا تو وہ کبھی بھی ایسی ہمت نہ کر پاتی مگر اس وقت تو گویا ”مجبوری کا نام

آنجل جنوری ۲۰۱۵ء ۲۲۴

دانیال پہلی نگاہ میں ہی اپنا دل ہار بیٹھا تھا۔ اس میں اور کوئی برائی نہ تھی مگر لحاظ سے بہت اچھی تھی تاہم اس کی ضد کبھی نہیں جانیال کو مشکل میں گرفتار کر دیتی۔ اس وقت بھی ایسا ہی ہوا، سرن تھا اتنی مشکل سے بٹنگ کرائی اور اب وہ انکار کر رہی تھی۔ دانیال نے غصہ کرنے کی جگہ کافی سمجھداری سے کام لیتے ہوئے بیوی کو پیار سے منایا تو وہ بادل خواستہ راضی ہو گئی۔

دانیال نے اسٹیشن پہنچ کر اسے گاڑی میں بٹھایا۔ ارج کو خوب پیار کیا اور شادی سے ایک ہفتہ قبل سسرال پہنچنے کے وعدے کے ساتھ ساتھ کئی امید دلا سے ہادیہ کی چادر کے پلو سے باندھ کر وہ واپس لوٹ گیا۔ ٹرین جیسے ہی چلنا شروع ہوئی، بڑھتی رفتار کے ساتھ ساتھ ہادیہ کا دل بھی بڑی زور سے دھڑ دھڑ کرنے لگا، گود میں ایک سال کی ارج تھی خود کو حوصلہ دینے کے لیے اس نے ہر اسان نگاہیں ادھر ادھر دوڑائیں۔ پوری ٹرین میں مسافروں کی تعداد برتھ اور سیٹوں کی با نسبت کچھ زیادہ تھی۔ جن کو سیٹیں اور برتھ میسر تھیں وہ آرام سے لیٹے بیٹھے ادبگ رہے تھے جبکہ اغنائی افراد ٹرین کے دروازوں اور آنے جانے والے راستوں پر الٹے سیدھے بیٹھے اپنی سفر کو بظلم کرنا چاہ رہے تھے۔ سردیوں کی چھٹیاں شروع ہوئی تھیں۔ سیزن کی وجہ سے انہیں فرسٹ کلاس کا ٹکٹ نہیں مل پایا۔ انب رش دیکھ دیکھ کر اس کا جی الٹ رہا تھا۔ مسافر سامان ہاتھ میں لیے سیٹ کی تلاش میں کبھی ایک ڈبے سے دوسرے ڈبے کی طرف جاتے تو کبھی واپس آتے، آنے جانے کا یہ سلسلہ جاری تھا۔ اس کی نگاہیں سامنے بیٹھی ہوئی ایک بڑی عمر کی خاتون سے ٹکرائیں، ایک نرم سی کیفیت ان کے پورے وجود پر چھائی ہوئی تھی۔

”بیٹی! کیوں پریشان ہو رہی ہو میں یہاں ہوں نا۔“ ہادیہ نے بغور دیکھا تو لگا جیسے انہوں نے اسے نگاہوں ہی میں ایک پیغام دیا ہو۔ اس کو تھوڑا سکون میسر ہوا۔ ارج کو کھڑکی سے باہر دکھاتے ہوئے وہ دوبارہ ان کی طرف متوجہ ہوئی۔ وہ دور سے ہی کسی معزز گھرانے کی فرد

دکھائی دے رہی تھیں، آسانی چکن کے قیمتی لباس پر سفید براق چادر پہنے، ہاتھ میں موتی کے دانے کے جیسی شیش تھامے۔ وہ سامنے والی سیٹ پر سکڑی سمٹی بیٹھی تھیں۔ اتفاق سے ان کی سیٹ ایسے رخ پر واقع تھی کہ اکثر آنے جانے والے وہاں سے گزرتے ہوئے ان کے پاؤں کے پاس رکھے چھوٹے سے بیگ سے نکل جاتے، مگر وہ لڑنے کی بجائے خاموشی سے بیٹھی شیش بڑھنے میں مصروف رہیں۔ ہادیہ نے اس عورت کے صبر کو داد پیش کی، در نہ دوران سفر ایسی باتوں پر لڑائی جھگڑے ہونے میں دیر نہیں لگتی۔

ارج منہ بسورنے لگی تو وہ ایک بار پھر بیٹی کی طرف متوجہ ہوئی۔ بیگ سے فیڈر نکال کر اسے پلانا چاہا۔ اس نے دودھ پینے کے بجائے اچانک زور زور سے رونا شروع کر دیا، ہادیہ نے فوراً کاندھے سے لگا کر بہلانا چاہا مگر وہ حلق پھاڑ پھاڑ کر روئے جارہی تھی۔ ایک دوا دیکھنے والے مسافروں نے فہر بھری نگاہوں سے ان دونوں کو گھورا۔ ہادیہ کے تو ایک دم ہاتھ پیر پھول گئے سمجھ میں نہیں آیا کہ چلتی ٹرین میں کیا کرے کیوں کر اسے چپ کرائے۔

”بیٹی! لاؤ پنکی کو مجھے دے دو، میں چپ کرائی ہوں۔“ سامنے بیٹھی عورت نے ہاتھ بڑھا کر ہادیہ کو بڑی نرمی سے مخاطب کیا۔

”جی..... اچھا یہ لیں۔“ ہادیہ کو کوئی چارہ دکھائی نہ دیا تو مجبوراً ارج کو ان کی گود میں دے دیا۔ انہوں نے چاروں قبل پڑھ کر ارج پر دم کیا اور اسے تھپکنا شروع کر دیا بھوڑی ہی دیر میں اسے جیسے فرار حاصل ہو گیا، اس کے بعد ہادیہ سے دودھ مانگ کر اپنی چادر میں لپیٹ کر ارج کے منہ سے نیل بھی لگادی، ارج نے سکون سے دودھ ختم کیا اور ان کے مسلسل تھپکی دینے سے نیند کی وادیوں میں کھو گئی۔

ارج ایسی بچی تھی کہ ماں کے علاوہ کسی کی گود میں نہیں جاتی، پھوپھیاں، خالا میں لاڈ میں اسے اٹھائیں مگر وہ ماں کی طرف ہاتھ پھیلا پھیلا کر یوں روتی جیسے اس کے ساتھ بڑا ظلم کیا جا رہا ہو مجبوراً ہادیہ کو اسے لیتے ہی ہمتی مگر اس وقت

آنجل جنوری ۲۰۱۵ء ۲۲۵

یہ ان کی ٹوئیں ہیں تو یوں سوتے دیکھنا، ہادیہ کے لیے حیرت انگیز نظارہ تھا، تاہم سکون کا سانس لیا۔ اسے دوران سفر ان خاتون کا ساتھ بہت غنیمت لگا۔ ایک خدشہ بہر حال تھا وہ یہ کہ یوں راہ چلتے کسی اجنبی کا اعتبار کرنا مشکل ہوتا ہے دیئے بھی وہ خاصی محتاط لڑکی تھی مگر جانے کیا ہوا؟ ہادیہ کا دل ایک دم سامنے بیٹھی عورت کی طرف جھکنے لگا۔ وہ صاف رنگت کی حامل پر کشش سی خاتون تھیں، چہرے پر سوچ کی مثبت لکیریں، بات چیت میں ٹہراؤ۔ غرض کے انداز و اطوار شرافت کی گواہی دے رہے تھے۔

ہادیہ کی خالہ زہمت سے یہ پہلی ملاقات تھی، جس میں وہ ان کی ہمیشہ کے لیے گرویدہ ہو گئی، اپنا اسٹیشن آنے پر اترنے سے قبل اس نے انہیں اپنا ایڈریس اور فون نمبر لکھ کر بطور خاص دیا کہ وہ جب واپس آئیں تو اس کے گھر ضرور آئیں۔

شادی ختم ہونے کے بعد ہادیہ واپس گھر لوٹ آئی مگر وہ اس بار اپنے ساتھ خالہ نرہت کے قصے بھی لے آئی۔ کثر بات بہ بات ان کی باتیں یاد آ جاتیں تو اس کا دل خالہ سے ملنے کے لیے بے قرار ہوا تھا۔ اس نے کئی باتیں تو باد سے بھی شیر کی۔ وہ بیوی پر نستا تو کبھی قائل ہو جاتا۔

”بیٹی! ضرور پوچھو۔“ خالہ زہت نے مسکرا کر
سے دیکھا۔

226 ۲۰۱۵ ❀

”خالہ! آپ وہاں اکیلی بیٹھی ہیں۔ ایسا کریں یہاں میری سیٹ پر آ جائیں باتوں میں راستہ اچھا کٹ جائے گا۔“ ہادیہ نے اوج کو برتھ پر لٹا کر انہیں اپنے برابر میں جگہ دی۔ ہادیہ کے آرام کا خیال کرتے ہوئے عباد نے یہ نظر بندی دکھائی کہ اس کی سیٹ کے اوپر کی بھی دونوں تھیں بک کروالی تھیں، اس طرح وہاں کوئی اور اجنبی نہیں بیٹھ سکتا تھا۔

”بیٹی! میں لاہور جا رہی ہوں، وہاں میری بہن رہتی ہے۔ آج کل بہت بیمار ہے، اس کے گھر کو دیکھنے والا کوئی نہیں تو مجھے ایک دو مہینہ تو وہاں رہنا پڑے گا۔ جب تک کی طبیعت بہتر نہیں ہوگی کراچی واپسی مشکل ہو جائے گی۔“

”بات یہ ہے کہ ٹرین کے اتنے مختصر سے سفر پر غور کیا جائے تو بڑی گہرائی دکھائی دے گی۔ ہماری حیات کا سفر بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ اگر ہم اس میں لڑنے جھگڑنے لگ جائیں تو پورا راستہ اسی لڑائی، بھڑائی میں گزرتا ہے اتنے کم وقت کے لیے میں فضول میں کیوں اپنے آپ کو تھکاتی ہوں جو ہو رہا ہے وہ تو ہو کر رہے گا میرے چہنچہ چلانے

”خالہ! انسان اپنی انا کو کیسے مارے۔ وہ کسی کی بات کیوں برداشت کرے۔ اگر ایسا کرتا بھی ہے تو اسے نفس کی لٹکارے چین رکھتی ہے۔“ ہادیہ نے اپنے اندر موجود مہول کو سلجھانا شروع کر دیا۔

”خالہ! یہ تو ٹھیک ہے پر یہ بتائیں کہ ہم کسی کے لیے اتنی قربانیاں دیں، اس کے باوجود وہ ہماری قدر نہ کرے تو کیسے دل نہیں دکھئے گا؟“ ہادیہ نے آخری پھانس بھی نکالنا

”بیٹی! حالات کو بدلنا مشکل ہو جائے تو خود کو بدل لو

ہادیہ جب گھر لوٹی تو زہمت خالہ کی باتوں کے سحر میں گرفتار اپنا محاسبہ کر بیٹھی کئی جگہ اپنا آپ غلط سمجھائی دیا۔ بس خود کو بدلنے کی کوششوں میں مشغول ہو گئی۔ کئی موقع پرانا نے سر اٹھایا۔ بہت سے معاملات میں دل نے اپنی کرنے کی ٹھانی۔ پر نہ جی، اس نے تو جیسے خود کو پانی نگر کے شوہر کی پسند کے سانچے میں ڈھلا لیا ایسا شاہکار باہر نکلا جیسا عباد چاہتا تھا۔ وہ حیران رہ گیا۔ غصہ و چیخ و پکار کرنے والی ہادیہ کی جگہ نرم مزاج دیشیے لہجے میں بات کرنے والی ہادیہ جسے پورے سسرال میں سمجھداری اور ذمہ داری پر نمبر ون بہو کے خطاب سے نوازا گیا۔ ہادیہ نے قمر بانیاں دی تو بدلے میں وہ سب کچھ مل گیا جس کی اسے تلاش تھی سب سے بڑھ کر عمو کا دل۔ وہ پہلے صرف اس کی خوب صورتی کا

اسیر تھا مگر سیرت کی اچھائیوں نے تو جیسے اسے دیوانہ بنا کر رکھ دیا۔ مگر میں سمجھتے ہی ہادیہ کی پکار اس کی مرضی کے بغیر کوئی فیصلہ نہ کرنا بیوی کے لیے اس کی محبت میں دن بہ دن اضافہ ہوتا گیا۔

☆☆☆.....

”خالہ زہمت! آپ..... اندر آئیے نا..... باہر کیوں کھڑی ہیں؟“ ہادیہ کی ملازمہ سکیمنہ نے اسے آکر بتایا کہ گیٹ پر کوئی عورت آئی ہوئی ہے۔ اپنا نام خالہ زہمت بتا رہی ہے یہ سننا تھا کہ وہ جگے پاؤں ان کے استقبال کو دوڑی۔

”کیسی ہو بیٹی؟ میں یہاں قریب ہی اپنی رشتے دار خاتون کے یہاں آئی ہوئی تھی تو پتا ڈھونڈنی ڈھونڈتی تمہارے گھر بھی آگئی۔“ خالہ زہمت نے جھکتے ہوئے بتایا۔ پورے دو سال بعد ہادیہ نے انہیں دیکھا تھا اس کا تو خوشی سے برا حال ہو گیا۔

”اچھا کیا..... اندر تو آئیں کیا یہیں کھڑے رہنے کا ارادہ ہے۔“ ہادیہ کا جوش بڑھتا جا رہا تھا، انتہائی بے تکلفی سے بولتے ہوئے وہ انہیں لے کر اندر کی طرف بڑھی۔

”سکیمنہ جلدی سے شربت بنا کر لاؤ، ساتھ میں فریج میں جو کیک رکھا ہے وہ بھی لانا۔ چکن کا سالن تو پکا ہوا ہے، ساتھ ساتھ گرم پھلکے بھی ڈال دینا۔“ وہ سکیمنہ کو ہدایت دیتی شیشے کی چھوٹی سی ٹرے پر پانی کا گلاس رکھ کر ڈرائنگ روم میں واپس پلٹی جہاں خالہ زہمت اب تھوڑی آرام دہ حالت میں بیٹھی دکھائی دیں۔

”اس علاقے میں آپ کا کوئی قریبی رشتے دار رہتا ہے؟“ ہادیہ نے پانی پیش کرتے ہوئے سوال کیا۔

”نہیں بیٹی! بس جان پہچان والی ہیں، ہمارے گاؤں کی ہیں۔ اس کی بیٹی کی شادی ہے اسی لیے جہیز وغیرہ کے لیے روزانہ آرہی ہوں۔ روز سوچی تھی کہ تم سے ملوں مگر واپسی میں دیر ہو جاتی تھی۔ آج پورا ارادہ کر کے نکلی تو پہلے تمہاری طرف آگئی۔ اب یہاں سے ان کی طرف جاؤں گی۔“ زہمت نے تفصیل سے بتایا تو ہادیہ مسکرا دی۔ خالہ کا

سوشل ورک جاری تھا۔

ہادیہ نے زبردستی ان کو کئی گھنٹے بٹھایا، کھانا کھلا کر پھر آنے کی تاکید اور ڈرائیور کے ساتھ ان کی منزل مقصد تک چھڑوا دیا۔

☆☆☆.....

”بیٹی! تمہارے خالو الطاف علی ایک گورنمنٹ ادارے میں اتنے عہدے پر فائز تھے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد جو بھی پیسہ ملا اس سے گھر بنایا۔ دونوں بیٹوں کی شادیاں کر دیں۔ خاموشی سے رقم کا مخصوص حصہ میرے نام پر بینک میں رکھوا دیا کہ بڑے وقت پر کام آئے گا۔“ خالہ زہمت نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر بولنا شروع کیا۔ شاید انہیں ماضی کی یادیں بے چین کر رہی تھیں۔ وہ آج بہت دنوں بعد ہادیہ کی طرف آئی تھیں۔ اس کے بے پناہ اصرار پر پہلی بار انہوں نے اپنی زندگی کے دکھوں پر زبان کھولی۔

”اچھا..... آپ کے بس دو بیٹے ہیں؟“ ہادیہ نے ان کے ساتھ مل کر عباد کے کپڑوں کی مرمت کرواتے ہوئے پوچھا، وہ ایک بار پھر امید سے تھی۔ طبعیت پر ایسی سستی چھائی ہوئی تھی کہ ہلکے ہلکے کام بھی بھاری محسوس ہوتے۔

”ہاں بڑے دالے کا نام آفتاب اور چھوٹے کا منہتاب ہے، خیر اتنی مصروف اور رعب داب کے ساتھ زندگی گزارنے دالے کے لیے ایک دم فالتو ہو جانے کا احساس بہت جان لیوا تھا۔ یوں فارغ بیٹھا دیکھ کر بڑھاپے نے

اپنے جو ہر دکھانا شروع کر دیے۔ انہیں ایسی زوردار چوٹ پہنچائی۔ وہ کھانسی کے مستقل مریض بن گئے، ان کی کھو..... کھو دن رات جاری رہتی۔ اب بہوؤں نے منہ بنا

نا شروع کر دیا وہ اسے چھوت کا مرض سمجھنے لگیں۔ پوتے پوتیوں کا داخلہ ہمارے کمرے میں کم کر دیا گیا۔ ان حالات نے

الطاف علی پر اور برا اثر ڈالا۔ وہ مجھ کر رہ گئے، ہمارے دونوں بیٹے بیویوں کو سمجھاتے تو وہ ان کے سامنے تو بچوں کو کچھ نہیں کہتے مگر بعد میں اپنے من کی کرتیں۔ مجھے شکوے شکایت کی عادت نہیں تھی، اس کا فائدہ ان دونوں نے بھرپور طریقے سے اٹھانا شروع کر دیا۔ وہ پوتا پوتی جو

دادا سے ناز خورے اٹھواتے تھے، مہنگی مہنگی فرمائشیں پوری کرواتے تھے، اب پکارنے پر ماؤں کے خوف سے نگاہیں چرا کر بھاگ جاتے۔ الطاف علی ان حالات کو برداشت نہ کر پائے۔ ”وہ افسردگی سے گویا ہوئیں۔“

”آپ کے بیٹے بہوؤں کو کچھ نہیں کہتے؟“ ہادیہ نے حیرانی سے پوچھا۔

”اگر وہ کچھ کہتے تو پھر کس بات کا رونا تھا۔ بہوؤں تو رانی ہوتی ہیں مگر جب بیٹے پرائے بن جائیں تو دل پھٹنے لگتا ہے۔ باپ کو لے جا کر اسپتال میں داخل کر دیا۔ بس تمہارے خالو کو دونوں بیٹوں کی ناخوشی اور دور دور رہنے کے بعد یوں محسوس ہوا جیسے ان کی دونوں بیسیا کھیاں چھن گئی ہیں۔ بچوں کے سہارے ہی تو باقی کی عمر گزارنے کی خواہش، جینے کی امنگ پیدا کر سکتی تھی، ورنہ ان سے کسی مالی فائدہ کی امید بالکل نہیں تھی۔ میرے پاس اچھی خاصی رقم بینک میں موجود ہونے کی وجہ سے خرچے کی تنگی نہیں ہوتی تھی۔ والدین کو تو اولاد کی قربت کے چند لمحوں کی حاجت ہوتی ہے، بس وہ ہی منہ نہیں لگتی۔ انہوں نے چپ سا دھلی۔“ خالہ زہمت کے لہجے میں درد تھا، اداسی چھائی ہوئی تھی۔ ہادیہ بھی چپ چاپ ان کا منہ بکتی رہ گئی۔

”اس کے بعد کیا ہوا خالہ.....! میرا مطلب خالو کیسے.....؟“ ہادیہ نے عباد کے کرتے میں ہٹن لگاتے ہوئے دانت سے دھاگا توڑتے ہوئے سوال کیا۔

”وہ ایک عجیب سا دن تھا، دل صبح سے اواس تھا بیٹی! میں تمہارے خالو کے لیے سوپ بنانے گھر آئی ہوئی تھی۔ واپسی میں تھوڑی دیر ہو گئی، آفتاب کو منتیں کر کے اسپتال پہنچا، کے خبر آگئی۔ وہ اب اس دنیا میں نہیں رہے۔ مجھے ہمیری دنیا میں تنہا کر کے وہ پرسکون نیند سونے چلے گئے۔

اسنے سالوں کا ساتھ لگتا تھا ابھی ایک دوسرے سے الگ ہی نہ ہوں گے، پل میں مٹی ہو گیا۔ اس دن مجھے پتا چلا کہ زندگی کتنی بے وفا ہے۔ ان کے گزر جانے کے بعد جب بچوں کو پتا چلا کہ انہوں نے ایک خطیر رقم اور بڑا سا مکان مجھے اپنی زندگی میں ہی گفٹ کر دیا تھا تو ان سب کو

لظم

یہ بستی کاش ہماری ہو

وہاں خون کی ہوئی عام نہ ہو

اس آنگن غم کی شام نہ ہو

جہاں منصف سے انصاف ملے

دل سب کو سب کا صاف ملے

اک آس ہے ایسی بستی ہو

جہاں روٹی نہ ہر سے سستی ہو

عروسہ شہوار رفیع..... کالا گوجراں جہلم

پشیمانی ہوئی۔ اب سب میری آؤ بھگت میں لگ گئے مگر میرا دل ایسا ٹوٹا کہ پھر نہ جڑ سکا۔ اب سب باتیں بے کار ثابت ہوئیں۔ دوران عدت جب تنہائی میں سوچنے کا موقع ملا تو احساس ہوا، اب تک جو گزاری وہ زندگی صرف اپنے لیے تھی۔ جینے کا یہ فلسفہ بے کار ہے۔ بس اسی دقت دل میں پکا عہد کیا آج کے بعد اپنے لیے نہیں دوسروں کے لیے جیوں گی۔ آج تک اسی بات پر قائم ہوں۔ میں نے بچوں کو معاف بھی کر دیا مگر ان پر اعتبار نہ کیا اس لیے اب جس کو بھی میری ضرورت ہوتی ہے بلا جھجک وہاں چلی جانی ہوں۔“ خالہ زہمت کے الفاظ سے درد چھلک رہا تھا، اس درد میں تنہائی کی چھین کے ساتھ ساتھ انسانیت کا درد بھی تھا۔ ایک عزم ان کے چہرے سے چھلک اٹھا۔

”خالہ! معاف کر دیں، میرے اصرار پر آپ کو ان دکھی کر دینے والی باتوں اور یادوں سے گزرنا پڑا۔“ ہادیہ کو ایک دم شرمندگی نے آ گھیرا۔

”بیٹی! کوئی مسئلہ نہیں، تمہیں پتا ہے میں نے اپنے دماغ میں ایک چھلنی لگائی ہوئی ہے جہاں سے چھان کر بری یادوں کو باہر نکال دیتی ہوں، تم بلا وجہ پریشان ہو رہی ہو۔“ زہمت نے ہادیہ کی ٹھوڑی پیار سے تھام کر ہلکے ہلکے انداز میں کہا۔

”خالہ! آپ بہت عظیم ہیں۔“ ہادیہ نے ان کے ہاتھ چوم کر کہا تو انہوں نے اسے سینے سے لگا لیا، شاید برسوں

سے بیٹی کی کا خلاء ہادیہ کے وجود سے بھر گیا تھا۔

☆☆☆.....

حنان کی پیدائش پر کچھ ایسی پیچیدگیاں ہو گئیں کہ ڈاکٹر نے ہادیہ کو بستر سے نیچے قدم رکھنے کو بھی منع کر دیا۔ میکہ دور تھا۔ سسرال میں بھی کوئی ایسا نہ تھا جو مسلسل یہاں آ کر اس کے ساتھ رہ سکے۔ سب گھرنار والے لوگ اپنے مسئلے مسائل میں الجھنے ہوئے، گھنٹہ دو گھنٹہ تو آ سکتے تھے مگر مسلسل رہنا مشکل بات تھی۔ عباد نے ایک ہفتے مسلسل چھٹی کر کے ہادیہ اور فوزانیدہ حنان کی دیکھ بھال کی۔ گھر میں نوکر چاکر تو تھے پر ہادیہ کو فل ٹائم ایک ایسی عورت کی ضرورت تھی جو اس کے پاس ہی رہے۔ دونوں میاں بیوی پریشان سوچ میں گم بیٹھے تھے۔ ایک دم عباد کے ذہن میں خالہ زہمت کا نام چکا۔ اس نے ہادیہ سے ان کا موبائل نمبر لے کر کال ملائی۔ وہ ایک گھنٹے میں ہی وہاں پہنچ گئیں۔ ہادیہ کو خوب ڈانٹ پلائی کے اتنی حالت خراب ہونے پر بھی انہیں خبر کیوں نہ کی۔ ان کے اپنا ہی بھرے انداز پر ہادیہ کا دل بھرنے لگا۔ چھوٹی بچی کی طرح ان سے چٹ گئی۔

دوپہر میں عباد نے انہیں حنان کو دھوپ میں لٹائے، تیل ملتے دیکھا تو مسکرا دیا۔ ہادیہ ان کی بے جا تعریف نہیں کرتی تھی وہ واقعی اس قابل تھیں۔ اب وہ بے فکر کی سے آفس جوائن کر سکتا تھا۔ زہمت خالہ نے پورے مہینے بھر کے لیے یہاں ٹہرنے کا عندیہ دے کر ان کے ذہن سے جیسے ایک بڑا بوجھ اتار دیا۔

☆☆☆.....

”کھالو بیٹا! اور نہ بہت ماروں گی۔“ ہادیہ چپچلے ایک گھنٹے سے ارج کو کھانا کھلا۔ نہ کی کوششوں میں مصروف تھی مگر مجال ہے جو اس لڑکی نے منہ میں ایک نوالہ بھی رکھا ہو۔ آج کل مایہ کی توجہ بٹ جانے کی وجہ سے ارج بہت چڑچڑی ہو رہی تھی۔ اسے اپنا چھوٹا بھائی بالکل پسند نہیں آیا، جس نے ماں پر پورا کا پورا قبضہ جمایا ہوا تھا۔ ارج کے ٹھٹھکنے پر ہادیہ نے اس کی کمر پر ایک زور کا دھموکا لگایا، اس کو تو پہلے ہی رونا آ رہا تھا، ماں سے پٹنے کے بعد ایک دم حلق

بھاڑ کر جو شروع ہوئی تو زہمت جو ہادیہ کے لیے کچن میں کھڑی تھیں پکار ہی تھیں، اٹنے بیروں دوڑیں۔

”کیا ہوا..... میری گڑیا رانی کو کیوں رو رہی ہے؟ آ..... آ جاؤ..... نانی کی گود میں۔“ زہمت نے ارج کو گود میں بٹھایا اور ہلانے لگیں۔

”مما نے بوست جوں سے مالا (بہت زور سے مارا) ہے۔“ ارج نے ماں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان سے شکایت لگائی۔

”ارے میرا بچہ! ممبا..... نانی آپ کی پٹائی کریں گی تم چپ ہو جاؤ۔“ خالہ زہمت نے ارج کو خوش کرنے کے لیے ہادیہ کو دھمکایا۔

”کیا کروں خالہ! کچھ کھانے کو تیار نہیں۔ دیکھیں کیسی بڑی ہڈی ہو رہی ہے۔“ ہادیہ نے سر پکڑ کر زہمت سے بیٹی کی شکایت لگائی تو انہوں نے ہاتھ اٹھا کر تسلی دی۔ ارج کو اس کے پاس بٹھایا اور خود باہر نکل گئیں۔ ہادیہ نے بیٹی کو بھیج کر پیاز کیا۔ ان کی واپسی جلد ہی ہوئی۔ اب وہ شش کی پیالی میں کچھ لے کر تیزی سے چلی آ رہی تھیں۔

”ہادیہ! پتا ہے یہ کھانا پادر نف پکڑ رکھا ہے ہیں جب ہی تو سب کو ہر ادیتی ہیں۔“ زہمت نے پیالے میں چھچھلاتے ہوئے ارج کو بغور دیکھتے ہوئے ہادیہ کو بتایا۔ یہ مشہور کارٹون کی کردار تھی جو ارج کی پسندیدہ تھی۔

”نانی! مجھے تھانا (کھانا) ہے۔“ ارج دوڑ کر ان کی گود میں بیٹھ گئی۔ زہمت نے فلیور ڈی وی میں کیلا، سیب کے چھوٹے ٹکڑے کاٹ کر اور انگور کے دانے ملا کر پھرنی سے مزید اراور صحت بخش کھانا بنالیا، پادر نف کے نام پر ارج نے خوش خوشی سارا پیالا ختم کیا اور منہ پونچھتی باہر کھیلنے نکل گئی۔

”آپ تو کمال ہیں۔ یہ ایک نوالہ بھی منہ میں رکھنے کو تیار نہیں ہو رہی تھی کیسے آرام سے اس لڑکی کو ہینڈل کیا۔ وہ تو بلا وجہ کی ضد باندھے بیٹھی تھی کہ بھائی کینڈا ہے۔ ہر وقت روتا رہتا ہے۔ اسے اسپتال والوں کو واپس کر آئیں۔“ ہادیہ نے مسکرا کر چھوٹے حنان کے

حیلے پکڑے بدلتے ہوئے کہا۔

”بیٹی! ایسے ذہین بچوں کو خاص حکمت عملی سے کنٹرول کرنا پڑتا ہے۔ ان پر غصہ، زبردستی یا دباؤ ڈال کر اپنی بات منوانا مشکل ہے ان کی نفسیات کو مد نظر رکھنا اہم بات ہے۔“ زہمت نے برتن سیٹھے ہوئے ہادیہ کو سمجھایا تو وہ ایک بار پھر سے ان کی دانش مندی کی قائل ہو گئی۔ ان کے وجود نے ہادیہ کے لیے ماں سے دوری کے احساس کو کم کر دیا تھا۔ ہادیہ حنان کو سلاتے سلاتے خود بھی سو گئی۔ زہمت واپس کمرے میں آئیں تو ماں بیٹے کو یوں سوتا دیکھ کر مسکرا دیں۔ ایک چادر ان دونوں پر ڈال کر کھڑکی کے پردے برابر کرنی ہوئی باہر نکل گئیں۔

☆☆☆.....

”مما! بہت دن ہو گئے نانی نہیں آئیں۔“ ہادیہ ارج اور حنان کو پڑھ رہی تھی تو ایک دم بیٹی نے سر اٹھا کر پوچھا۔ ”ہاں کافی دن ہو گئے وہ آئیں نہیں۔ فون کرتی ہیں۔“ ہادیہ کو بھی خیال آیا۔ ان دونوں کے ساتھ کو آٹھ سال ہو گئے تھے۔ وہ ان لوگوں کے خاندان کا حصہ بن گئی تھیں۔ اب تو بچے بھی انہیں یاد کرتے تھے۔

ہادیہ نے ان کو کال کی تو پتا چلا وہ ایک ہفتے سے بخار میں مبتلا ہیں۔ وہ اسی وقت ڈرائیور کے ساتھ ان کے گھر پہنچی۔

”ہائیں..... ہائیں..... بیٹی! طبیعت ٹھیک ہو جائے گی تو میں خود ہی آ جاؤں گی۔“ ہادیہ نے ان کی بات سنی ان سنی کی خود ہی ان کا بیگ تیار کیا اور انہیں زبردستی اپنے ساتھ گھر لے آئی۔ اس نے زہمت خالہ کی اتنی خدمت کی کہ وہ چند دنوں میں ہی بستر سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ عباد بھی اس دوران باقاعدگی سے انہیں ڈاکٹر کے یہاں لے کر جاتا اور دوا کا دھیان رکھتا۔ دونوں بچے بھی نانی کے کمرے میں موجود رہتے۔ ان سے ضد کر کے کہانیاں سنتے۔ اتنی عزت اتنا پیار ملا۔ وہ چند دنوں میں بی بی چنگی ہو گئیں۔

☆☆☆.....

دل کا دروازہ

آرٹسٹ سے دل کا دروازہ کی تصویر بنانے کو کہا گیا۔ اس نے نہایت حسین گھر بنایا۔ اس میں چھوٹا سا خوب صورت دروازہ لگایا لیکن اس کا ہینڈل نہیں تھا۔ کسی نے پوچھا: ہینڈل کیوں نہیں لگایا تو وہ بولا۔ دل کا دروازہ اندر سے کھولا جاتا ہے باہر سے نہیں۔ (ہالہ دعا نشہ سلیم..... اورنگی کراچی)

”بیٹی! میں جا رہی ہوں۔ ہمارے گاؤں میں سیلاب آیا ہوا ہے وہاں لوگوں کو میری مدد کی ضرورت ہے۔“ ہادیہ اپنے میکے جانے کی تیاری کر رہی تھی کہ اچانک فون بج اٹھا۔ دوسری طرف زہمت خالہ تھیں۔

”اچھا..... واہ میں بھی رحیم یار خان جا رہی ہوں، اسی کے گھر۔ بچوں کے امتحان ختم ہو گئے ہیں۔ سوچا چکر لگالوں۔ آپ کب جا رہی ہیں؟ ساتھ چلتے ہیں نا۔“ ہادیہ خوش سے جھوم بھٹی فوراً ہی آفر کی۔

”اچھا! تم کب جا رہی ہو؟“ وہ لحظہ بھر رک کر سوچنے کے بعد بولیں۔

”میں تو کل نکل رہی ہوں۔ ارج کے پاپا نے ٹکٹ بک کروا دیے ہیں۔“ ہادیہ بڑے جوش سے بتانے لگی۔

”بیٹی! کل نہیں مجھے تو یہاں سے نکلنے میں ایک ہفتہ لگے گا۔ ابھی یہاں سیلاب زدگان کے لیے پیسے اور گرم کپڑے وغیرہ جمع کرنے ہیں۔ تمہیں بھی اسی لیے فون کیا تھا۔ کچھ پرانے کپڑے جو ابھی حالت میں ہوں نکال دینا میں لے جاؤں گی۔“ زہمت تذبذب کا شکار ہوئیں پھر اپنی مجبوری بیان کی۔

”آپ کل آ سکتی ہیں؟ کیوں کہ ہماری تین بیبے کی ٹرین ہے۔ ہم گھنٹہ بھر قبل گھر سے نکل جائیں گے۔“ ہادیہ نے کچھ سوچ کر حای بھرتے ہوئے پوچھا۔

”یہ تو مشکل ہوگا۔ مجھے ایک اسکول میں جا کر سیلاب زدگان کے لیے فنڈ جمع کرنا ہے۔ ان سے پہلے ہی وقت طے ہو چکا ہے۔ اچھا رہنے دو اللہ مالک ہے۔“ زہمت

کے لہجہ کی ادائی پر ہادیہ پریشان ہو کر سوچنے لگی۔
 ”خالہ! ٹھیک ہے ہم لوگ تو نہیں ہوں گے مگر میں
 چوکیدار کو سامان دے جاؤں گی۔ آپ لے جائیے گا۔“
 ہادیہ چپک کر بولی۔ اس کو خیال آیا کہ نواز خان تو باہر
 موجود ہوگا۔

”ہاں یہ ٹھیک کام ہو جائے گا۔ اچھا میں پرسوں آکر
 سارا سامان لے جاؤں گی۔“ نہت ایک دم خوش ہو کر
 بولی پھر دونوں ادھر ادھر کے حال احوال میں لگ گئیں۔

☆☆☆.....

”مما! کیا کر رہی ہیں؟“ ہادیہ اسٹور میں کھسی پرانے
 گرم کپڑوں کو چھانٹنے کا کام شروع کرنے والی تھی کہ ارج
 شور مچائی ہوئی پہنچ گئی۔

”بیٹا! کچھ کام کر رہی تھی۔“ اس نے مصروف انداز
 میں جواب دیا۔

”افوہ چھوڑیں سارے کام۔ پایا بلار ہے ہیں وہ کہہ
 رہے ہیں کہ اپنی ماں کو یاد دلانا مجھے انہیں پارلر چھوڑ کر ایک
 چمکے کام سے بھی جانا ہے۔“ ہادیہ چونکی، ارج توجہ دے رہی
 تھی، اس کا پارلر کا اپنا نمٹ تھا جو گھر سے خاصے فاصلے پر تھا
 اگر عباد چھوڑ دیتے تو آسانی ہو جاتی اور نہ بلا دگر کشتے ٹیکسی
 والوں کے پیچھے دوڑنا پڑتا۔ ویسے بھی وہاں کئی گھنٹے لگنے
 تھے۔ ابھی نکل جاتی تو ٹھیک رہتا۔

وہ فوراً سارے کام چھوڑ کر کمرے کی طرف دوڑی پرس
 اٹھایا، چادر پہنی اور ایسے ہی ہاتھوں سے بال سلجھاتی گاڑی
 میں جا بیٹھی۔ اس نے ارادہ کیا کہ واپسی پر سیلاب زدگان
 کے لیے گرم کپڑے نکال دے گی۔ پارلر میں اپنا فیشنل مینی
 کیور پیڈی کیور اور ارج کے بالوں کی کٹنگ کروانے میں
 ہی تین گھنٹے گزر گئے۔ وہ لوگ جب باہر نکلے تو ارج ضد
 کر کے قریبی بازار چلی آئی۔ اسے اپنے ننھیالی کزنز کے
 لیے گفٹ خریدنے تھے۔ گھر میں گھستے ہی سب نے بھوک
 بھوک کا نعرہ لگانا شروع کر دیا۔ وہ چادر ایک طرف رکھ کر
 کھانا پکانے میں لگ گئی۔ رات گئے تک اپنی اور بچوں کی
 پیکنگ میں لگی رہی۔

آنچل ✽ جنوری ✽ ۲۰۱۵ء 232

آج تو گرم کپڑے نہیں نکال سکی صبح پہلا کام یہی
 کروں گی۔ ہادیہ نے نیند کی وادی میں جانے سے پہلے
 دوبارہ عہد کیا اور مطمئن ہو کر سو گئی۔ دوسرے دن کی صبح بڑی
 ہنگامہ در ثابت ہوئی اتنے دنوں بعد میکے جانے کی خوشی
 اور بچوں کی ٹرین میں جانے کی ایکسٹنٹ میں کچھ اور یاد
 ہی نہیں رہا۔ وہ لوگ خوشی خوشی اسٹیشن روانہ ہو گئے۔ ہادیہ
 اس لیے بھی مسرور تھی کہ اس سفر میں عباد بھی ان لوگوں کے
 ساتھ جا رہا تھا۔

☆☆☆.....

باجی! یہ خالہ آپ کے لیے دے کر گیا تھا۔ پتا نہیں کون
 سے گرم کپڑوں کا پوچھ رہا تھا۔ ہم نے بولا۔ ام کو نالوم نہیں
 باجی آئے گا تو آ جانا۔“ ہادیہ کی کراچی واپسی کے دوسرے
 دن نواز خان نے ایک شاپر نکال کر اسے تھما دیا۔ ہادیہ پر
 گھڑوں پائی پڑ گیا۔ ایک دم ساری باتیں یاد آ گئیں۔ وہ تو
 خالہ نہت کا کام بھول ہی گئی، وہ بیجاری کپڑے لینے بھی
 آئیں ہوں گی۔

”اس میں کیا ہے دیکھو تو ذرا؟“ ہادیہ شرمندہ
 شرمندہ سی شاپر کھول کر دیکھنے لگی تو نیلے رنگ کی شرٹ
 پیس اس کے سامنے آ گئی جس پر ہاتھ سے بہت خوب
 صورت کشیدہ کاری کی گئی تھی۔ خالہ نہت کی محبت پر
 اس کا دل بھر آیا۔ فوراً معذرت کے لیے ان کا نمبر ملایا۔ وہ
 مسلسل بند جا رہا تھا۔ شام تک اس نے کئی بار کوشش کی
 مگر فون پر رابطہ نہ ہو سکا۔

یا اللہ! خیر پہلی بار ایسا ہوا ہے کہ خالہ کا نمبر بند ہے
 کہیں بیمار وغیرہ تو نہیں ہو گئیں۔ ہادیہ کا دل اتنا گھبراہٹ
 عباد کے آفس سے لوٹتے ہی وہ ضد کر کے نہت خالہ کے
 گھر چلی آئی۔

☆☆☆.....

”کیا..... کب.....! میرا مطلب یہ کیسے ہوا؟“ خالہ
 نہت کی بڑی بہو نے انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھانے
 کے بعد جب ہادیہ کے پوچھنے پر ان کے انتقال کی خبر دی تو
 وہ اور عباد حیران رہ گئے۔ انہیں اپنے کانوں پر یقین ہی

نزلہ، زکام اور کھانسی سے
 حفاظتی علاج باجی



مکمل نسخہ



ax 041-8847607
 www.ash-flap.com
 info@ash-flap.com





ہیں؟“ ہادیہ نے ایک دن خالہ سے سوال کیا تھا۔

”بیٹی! غور کرو تو زندگی کا سفر بھی کچھ ایسا ہی ہے مگر ہم نے اسے خود تکلیف دہ بنایا ہوا ہے۔ کل کی خبر نہیں مگر خواہشات نفس نے ہمیں اس قدر اندھا کر دیا ہے کہ ہم ان کے پیچھے بھاگ رہے ہیں، اس کے لیے سیدھے راستے کی جگہ اُٹی راہ پر بھی چلنا پڑے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ ہمیں اپنے ہونے اور حقیقت کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ یہ عارضی پناہ گاہ ہے یہاں تھوڑی سی برداشت ہمارے ایمان کو بچا سکتی ہے۔“ خالہ نہ ہمت کے چہرے پر پھیلا ہوا سکون ان کے الفاظ کی عکاسی کر رہا تھا۔ ہادیہ ہمیشہ ان کے الفاظ سے خوب متاثر ہوتی نظر آتی مگر اسے یہ سوچ کر بڑا دکھ ہوتا تھا کہ وہ بھی دوسروں کی طرح صرف اچھے الفاظ کی شیدائی نکلی۔ عملی میدان میں خود کو اتنے کمتر درجے پر دیکھا کہ شرمندگی سے برا حال ہونے لگا۔ کیا ہو جاتا ہے وہ ان کی خواہش پوری کرویتی مگر اسے تو دنیا عزیز بھی اسی میں کھوئی رہی ہادیہ نے ایک بار پھر خود کو بد لے کا سوچا۔

اس نے خود سے پہلا عہد اپنی زندگی میں خوشیاں لانے کے لیے کیا تھا۔ دوسرا عہد اس نے دوسروں کی زندگی میں رنگ بکھیرنے کے لیے کیا۔

”باجی! وہ سارے بچے پڑھنے آ گئے ہیں آپ بھی آجائیں۔“ سیکنہ کی بیٹی چھیمو نے اسے خیالوں میں کھویا دیکھا تو ڈرتے ڈرتے آواز دی۔

وہ اپنے علاقے سے متصل غریب آبادی میں رہائش پزیر ان تمام چھوٹی بچیوں کو مفت پڑھانے لگی تھی جن کے والدین غربت کی وجہ سے انہیں اسکول بھیجنے کے قابل نہیں تھے۔ ہادیہ چونکی نہ ہمت خالہ کی باتیں اس کے لیے مشعل راہ تھیں۔

”آپ لوگ قاعدہ پڑھو میں آ رہی ہوں۔“ ہادیہ نے مسکرا کر چھیمو کو دیکھا اور نہ ہمت خالہ کا دیا وہ نیلا کپڑا اٹھا کر سینے سے لگا لیا۔

نہیں آ رہا تھا۔

”بس جی آپ تو جانتی ہوں گی کہ جنت مکانی اماں جی نے کبھی کسی کی بات نہ مانی۔ خدمت خلق کے کاموں میں لگی رہتیں۔ پھر کینسر جیسی بڑی بیماری کا مقابلہ کرنا کہاں آسان تھا۔“ ثروت نے دبے کوسر پر نکاتے ہوئے بتایا۔

”اومیر نے اللہ! خالہ کو کینسر تھا۔“ ہادیہ ثروت کے منہ سے نکلنے والے انکشافات پر حیران ہو کر اس کا منہ دیکھنے لگی۔

”کمال ہے۔ وہ تو آپ کو اپنی بیٹی کہتی تھیں۔ آپ کو خبر ہی نہیں خیر ان کی طبیعت خرابی کی وجہ سے بیٹوں نے انہیں گاوؤں جانے سے روک دیا۔ وہ ایسی بے چین رہنے لگی جیسے کسی بچے سے اس کا پسندیدہ کھلونا چھین لیا گیا ہو۔ اس خطرناک بیماری کو جھیلنے ہوئے بھی انہوں نے کسی نہ کسی طرح سے جمع کیا گیا سارا سامان سیلاب سے متاثرہ علاقوں میں بھجوا دیا۔ ان کی اسی بھاگ دوڑ میں حالت مزید خراب ہو گئی۔ ایک رات اتنی طبیعت خراب ہوئی کہ اسپتال میں داخل کروانا پڑا۔ بس اس کے بعد زندہ واپس نہ آسکیں۔ ہم نے موت کی اطلاع دینے کے لیے آپ کے گھر فون کیا تو کوئی اٹھا نہیں رہا تھا۔“ ثروت نے ہادیہ کے کاندھے پر نرمی سے ہاتھ رکھ کر کہا۔ اسے لگا جیسے زمین اس کے پیروں تلے سے کھینچ لی گئی ہو۔ دل دو ماغ اس بات کو قبول کرنے سے انکاری ہو گئے۔ عباد نے اس کی بگڑتی حالت دیکھی تو نرمی سے ہاتھ سہلایا۔ وہ ایک دم ثروت سے لپٹ کر یوں رو دی جیسے اس کا کوئی سگا مر گیا ہو۔

”ویسے میری ساس بڑی نفیس خاتون تھی۔ ان کی ساری عمر نیک کاموں میں گزری۔“ ثروت نے اسے دلا سے دیتے ہوئے کہا۔ ہادیہ کا رو رو کر برا حال تھا۔ عباد کا سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔

☆☆☆.....

”خالہ! اس خود غرضی کے دور میں آپ دوسروں کے لیے اتنا احساس دل رکھتی ہیں۔ کیا آپ کو برے رویے دکھی نہیں کرتے۔ خود کو تکلیف دے کر بھی کیسے خوش رہ لیتی

ہیں رنگ کئی ان کے پر پختہ نہیں ہوتے
یہ لوگ بھی کیا شے ہیں شرمندہ نہیں ہوتے

گل کے رخ رنگیں پہ بھی آنسو ہیں صبح دم
یہ کس نے کہا ہنستے ہوئے چہرے نہیں روتے

گزشتہ قسط کا خلاصہ

بدلے کی آگ میں جلا سکندر لاریب کو بھی اپنے طنزیہ جملوں کی بدولت جھلسائے دیتا ہے جبکہ لاریب اس کے ہر قسم کو اپنی غلطیوں کا ازالہ تصور کرتے خاموشی سے برداشت کر جاتی ہے۔ فاطمہ اپنے بھائی ابراہیم احمد کے گھر عباس کو بنا بتائے چلی آتی ہے اس کا مقصد ابراہیم سے دین کی آگاہی حاصل کرنا ہوتا ہے عباس اپنے بچوں اور خود سے برتی گئی یہ بے نیازی قطعاً برداشت نہیں کر پاتا اور وہاں پہنچ کر اسے سخت سناتا ہے جبکہ ابراہیم احمد عباس کا یہ روپ دیکھ کر گھبرا جاتا ہے۔ ایسے عالم میں وہ فاطمہ کو اپنے ہمراہ حویلی لے جانا چاہتا ہے جہاں گھر والوں نے انہیں مدعو کیا ہوتا ہے۔ ایمان کا فاطمہ سے سامنا ہونے پر وہ اپنی بہن لاریب کے لیے مضطرب ہوتی ہے اسے لگتا ہے کہ اس لڑکی کی خاطر عباس نے اس کی بہن کو نظر انداز کیا تھا جبکہ فاطمہ کی خوش اخلاقی ایمان کی رائے بدل دیتی ہے۔ اس کی صحت یابی کی خوشی میں بابا جان حویلی میں چھوٹی سی تقریب کا انعقاد کرتے ہیں۔ جس میں سب لوگ ہی شرکت کرتے ہیں۔ سکندر وہاں عباس کو دیکھ کر مشتعل ہو جاتا ہے وہ لاریب پر عباس اور وقاص دونوں کے سامنے جانے پر پابندی عائد کرتا ہے جبکہ ناچاہتے ہوئے بھی لاریب کا سامنا وقاص سے ہو جاتا ہے وہ اپنے گزشتہ رویوں کی معافی طلب کرتا ہے لیکن سکندر یہ منظر دیکھ کر اشتعال میں آ جاتا ہے دوسری طرف لاریب اس کی بدگمانی

آنچل جنوری 236

آپ طرف رکھتے وہ فاطمہ سے برملا اظہار بھی کرتا ہے جبکہ فاطمہ اس کے والہانہ انداز محبت پر حیران رہ جاتی ہے حویلی سے گھر واپسی پر ان کی گاڑی پر فائرنگ کر دی جاتی ہے جس میں فاطمہ شدید زخمی ہو جاتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

یہ سب کچھ اچانک اور اتنا غیر متوقع تھا کہ عباس کی طرح بھی اپنے حواس قائم نہیں رکھ سکا۔ بلیک کروڈا دھول اڑتی سڑک کا موڑ مڑ چکی تھی۔ ایک دلخراش چیخ کے بعد فاطمہ کے ہونٹوں سے دم توڑتی سی چند کراہیں نکلی تھیں پھر وہ مکمل طور پر حواس کھو گئی تھی۔ عباس سکتہ زدہ کھڑا تھا اسے سکتے میں مبتلا کرنے کو یہی کافی تھا کہ عین موقع پر نشانے کی زد سے اسے دھکیل کر فاطمہ خود کیوں سامنے آ گئی تھی۔ یعنی وہ اس سے قبل اس گاڑی اور اس گاڑی سے فائر کرنے والوں کو دیکھ چکی تھی۔ یعنی وہ جاتے جاتے بھی آخری احسان اس پر کر گئی تھی۔

”سکندر“ دودھ کا گلاس اس کے پاس میز پر رکھتے لاریب نے اسے پکارا۔ سکندر نے لمحہ بھر کو نگاہ اٹھائی۔ اس کا زراکت سے بھرا سراپا اس کا وجود جیسے چاندنی کی کرنوں سے گندھا تھا۔ وہ ہرگز نظر انداز کرنے کے قابل نہیں تھی مگر وہ کر رہا تھا۔

”میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے باجوہتی ہیں چیک اپ کرانا چاہیے۔ صبح ڈاکٹر کے پاس لے جائیں گے؟“ اس کی نظریں یہ سوال کرتے جھکی ہوئی تھیں صرف نظر ہی نہیں وہ تو اپنا دل بھی جھکا چکی تھی مگر سکندر کا دل اب ہر جذبے سے گویا عاری تھا۔

”میرے پاس ان چونچلوں کے لیے وقت نہیں ہے شرمندہ دل چاہے تو اماں کو ساتھ لے جانا، ورنہ مرضی ہے تمہاری۔“ آف موڈ کے ساتھ اس نے زور سے کتاب بند کر کے سائیڈ پر رکھ دی۔ لاریب لمحہ بھر کو شرمندگی کے باعث گڑھی گئی مگر خود کو جلد سنبھال لیا تھا۔

”ٹھیک ہے میں کہہ دوں گی۔“ اس کے مدہم لہجے میں کہنے پر سکندر نے بھونٹیں اچکا کر اسے دیکھا اور زہر خند سے مسکرایا۔

”یہ بھی بتا دینا کہ ان کا بیٹا اب اس قابل ہو چکا ہے کہ تم اسے منہ لگانا پسند کرتی ہو۔“ اس کے سرد لہجے میں چھپی پھنکار لاریب کی پور پور کو زہر یلا کر کے رکھ گئی۔ اس کی آنکھیں تیزی سے جھکی تھیں وہ انہیں چھلکنے سے کس طرح بھی روک نہیں سکی تو انتہائی بے بسی کا شکار ہوتے رخ پھیر لیا اس کے باوجود سکندر بھڑک کر چیخ اٹھا تھا۔

”میرے سامنے یہ مگر مجھ کے آنسو نہ بہایا کرو۔“ وہ جیسے مرنے مارنے پر تڑپ گیا تھا۔ لاریب کے اعصاب شل ہونے لگے۔ منہ پر ہاتھ رکھے سسکیاں دباتی وہ جیسے ہی اٹھنے لگی سکندر نے تیزی سے حرکت میں آتے جھپٹ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس کے اس جارحیت بھرے جھٹکے کے نتیجے میں وہ دوبارہ بستر پر گر گئی تو حواس جھنجھٹا اٹھے تھے۔

”بہت مظلوم بنتی ہو، یاد کرو کبھی اس سے بھی زیادہ برا سلوک تم کر چکی ہو میرے ساتھ۔“ اس کی خوف سے پوری کھلی آنکھوں میں اپنی طنزیہ سفاک نظریں گاڑتا ہوا وہ بے رحم لہجے میں بولا تھا۔ لاریب کے چہرے پر بے بسی اور غم کی شدید کیفیت کا غلبہ چھانے لگا۔

”میں آپ سے شکایت نہیں کر رہی آپ کو حق حاصل ہے ہر طرح کا۔“ وہ بولی تو آواز میں بھراہٹ اتری ہوئی تھی۔ سکندر نے چونک کر اسے دیکھا اور جیسے دیکھا رہ ہی گیا وہ سرتاپا نئے رنگوں میں رنگی ہوئی تھی۔

خاموشی..... لب بستہ..... راضی بارضا..... نہ گلہ نہ شکایت..... وہ ایسی کب تھی؟ وہ ایسی کبھی نہیں تھی پھر.....؟

سکندر کے اندر عجیب سے سوال اٹھے جن کا انتشار و اضطراب چہرے و آنکھوں سے چھلکنے لگا۔ وہ ہونٹ بھیچے اپنے اندر ہونے والی جنگ سے نبرد آزما تھا۔ لاریب اٹھ کر واش روم میں گئی۔ کچھ توقف سے وہ کمزے میں لوٹی تو انداز پھر پہلے کی طرح نارمل تھا۔ سکندر نے اسے صبح کے کام نمٹاتے دیکھا۔ وہ اس کے

آنچل جنوری 237

کپڑے استری کر رہی تھی جو سوتے بھی خود پالش کرتی تھی۔ ناشتا بنا کر پیش کرتی وہ عجیب سی نظروں سے اس کا جائزہ لیتا رہا مگر وہ کس رہا تھا۔ وہ اندر ہی اندر جوار بھالنے کی طرح پکتا تھا اور ایسی کیفیت میں وہ ہمیشہ اپنے ساتھ لاریب کو بھی جھلسا تا فرض سمجھا کرتا۔

”اگر تم بہتر فیصلہ کر لیتی تو اس طرح تختہ مشق نہ بننا پڑتا۔“ اس کا لہجہ مدہم مگر جھجھتا ہوا تھا۔ لاریب نے چونک کر اسے دیکھا اس کی نظروں میں کیسی بے بسی تھی۔

”اب کی بار میں نے خالصتاً اپنی مرضی سے فیصلہ کیا ہے، بغیر کسی جبر کے۔“ اس کا مدلل دو ٹوک لہجہ برقعہ کے شک و بناوٹ سے پاک تھا۔ سکندر کو پھر سے جھنجھٹا ہٹ نے گھیرا۔

”اپنے ان مظالم کا ازالہ کرنا چاہتی ہوگی۔“ وہ اسی تنفر سے بولا۔

”اس کے علاوہ بھی ایک وجہ تھی۔“ لاریب نے کھڑکیاں بند کر کے پردے برابر کیے اور اسی مضبوطی سے بولی۔ سکندر ٹھٹک کر اسے تنکے لگا۔

”اور وجہ؟“ اس کا انداز مستقرانہ تھا۔ مگر لاریب اس کا سوال نظر انداز کر گئی، سکندر کو جیسے یہ نظر اندازی آگ لگانے لگی۔

”بتاؤ کیا وجہ تھی؟“ وہ تلملا اٹھا اور اس کی کلائی پکڑ کر بے رحمی سے مروڑی، لاریب نے ساری تکلیف کو ہنزون کو باہم بھیج کر برداشت کیا البتہ کوئی مزاحمت نہیں کی اس کی نظروں میں ہنوز سوال تھا۔

”اس بات کو چھوڑ دیں۔“

”بکواس بند کرو سمجھیں، جو پوچھا ہے اس کا ہر حال میں جواب چاہیے۔“ وہ تیوری چڑھا کر بے حد رکھائی سے بولا۔ لاریب بے بسی کی نظر آنے لگی۔

”میرے جیسی لڑکی محض ازالے یا سمجھوتے کی بنا پر ایسا قدم نہیں اٹھا سکتی، اس کی وجہ محبت ہی.....!“ اس کی بات سکندر کے اٹھے ہوئے ہاتھ کی بدولت اھوری رہ گئی۔

لاریب محض ایک بل کو بھونچکی ہوئی کھلی گال پر ہاتھ رکھ دے

اگلے لمحے نظریں اور چہرہ جھکا کر کھڑی ہو گئی تھی۔ جبکہ سکندر شعلہ جوالہ ہی نہیں جنوبی بھی نظر آنے لگا تھا۔

”بہت خوب، تو یہ ڈرامہ کردگی اب تم میرے ساتھ اپنا مقصد نکالنے کو۔“ وہ حلق کے بل غریلا۔ لاریب کا پورا وجود آنسو بن کر بہنے لگا۔

”میں اسی باعث تمہیں بتانا نہیں چاہتی تھی سکندر جاننی تھی تم یقین نہیں کرو گے۔ بلا آخر اس جذبے کی تذلیل بھی میں نے خود ہی کر لی۔“ اس نے دل ہی دل میں کہا۔

”کیا مقصد ہے اب تمہارا مجھ سے؟“ لاریب وہاں سے جانے کو جیسے ہی پلٹی سکندر نے بیجان زدہ انداز میں کہتے اسے کاندھوں سے دو بوج کر اپنے مقابل کیا۔ اس کی سرخ آنکھوں میں اس بل کی کتنی وحشت تھی لاریب کو عجیب سے دکھ نے آن لیا اس کا بھی کاشدید رویہ سکندر کے لیے کتنے نقصان کا باعث بن گیا تھا۔ اس کی اچھائیاں اس کی خوبیاں اسی ٹیش وخی کی نذر ہوتی جا رہی تھیں۔ وہ ذہنی اعتبار سے کم از کم اس کے حوالے سے تباہ ضرور ہو چکا تھا۔ نفرت و انتقام کے ساتھ بدگمانی کی آگ اب اسے بری طرح جلا کر خاک کر رہی تھی۔

”کیا مقصد ہو سکتا ہے، آپ بہت جیتے ہیں خود سوچ لیں جو کچھ آج آپ کے پاس ہے وہ الحمد للہ مجھے ہمیشہ میسر رہا البتہ ہدایت نہیں تھی۔ عقل کا استعمال نہیں آتا تھا۔ وہ سیکھا تو اپنی اصلاح کرنے میں بھی دیر نہیں لگائی۔ غلطی کا احساس جاگا تو محبت کا وہ نوخیز پودا بھی سراٹھا کر لہلانے لگا جو ہمیشہ سے تھا مگر میں ہی محسوسات سے بے بہرہ رہی تھی۔ جس سکندر کو میں عزیز رکھتی تھی وہ میرا غم گسار، میرا ہم نوا اور دوست تھا۔ جسے میں بطور شوہر قبول نہیں کر سکی، کیوں؟ وجہ سے آپ لاعلم تو نہیں ہوں گے۔

ان دنوں میں کسی ذہنی پس ماندگی اور اذیت کا شکار تھی یہ اس کیفیت کے برعکس تھا سکندر آپ نے جس طرح مجھے سمجھا مجھے سنبھالا اور مجھے سنبھلنے کا موقع دیا یہ چیزیں ہی میرے دل میں آپ کی محبت اور اس رشتے کی گنجائش پیدا کر

تھیں۔ میں نے آپ کے ساتھ جو خری جھٹلایا اس پر سب سے زیادہ پچھتانی ہوں میں بہت رونی ہوں، آپ کی کامیابی، آپ کی واپسی میرے لیے ایک انعام تھا۔ میں نے آپ کو شوہر کے طور پر قبول کیا تو پوری آمادگی کے ساتھ۔ جی آپ کے تمام حقوق سے بھی آپ کو نوازا لیکن اب مجھے اندازہ ہوا اس روز جو بات میں نے جذباتیت میں کی تھی مگر سچ کی تھی۔ شوہر دوست نہیں ہوتا کبھی نہیں۔ میں نے پہلے اپنا دوست کھو یا تھا۔ جی میں اب اپنا شوہر نہیں کھوتا چاہتی میری خاموشی میں بس یہی مصلحت یہی خوف ہے میں انتظار کر رہی ہوں اس وقت کا جب آپ کو میری باتوں کا یقین آ جائے گا۔“ اپنی بات مکمل کر کے وہ کی نہیں تیزی سے پلٹ کر کمرے سے باہر نکل آئی تو فراز کو دروازے کے باہر سکتہ زدہ کیفیت میں پا کر اسے شدید ترین جھٹکا لگا تھا۔ خفت اور شرمندگی جو کبھی وہ الگ۔ اس سے ہی نہیں وہ اپنے آپ سے بھی نظریں چرائی دہاں سے بھاگی تھی۔ فراز نے متاسفانہ سانس بھر اور کھلے دروازے سے اندر قدم رکھ دیا۔ سکندر بیڈ کی پستی کی جانب دونوں ہاتھوں پر سر گرے بیٹھا نظر آیا۔

”پچھتا رہے ہو؟“ فراز کے کاٹ دار طنز پر چونکتے ہوئے سراٹھا کر اسے دیکھا اور اگلے لمحے خفت و خجالت کے شدید ترین احساس سمیت نظر چرائی پڑ گئی تھی۔

”تم کب آئے؟“ وہ خود کو سنبھالنے کی سعی میں مصروف تھا۔

”تم کب آئے؟“ وہ خود کو سنبھالنے کی سعی میں مصروف تھا۔

”تم کب آئے؟“ وہ خود کو سنبھالنے کی سعی میں مصروف تھا۔

”تم کب آئے؟“ وہ خود کو سنبھالنے کی سعی میں مصروف تھا۔

”تم کب آئے؟“ وہ خود کو سنبھالنے کی سعی میں مصروف تھا۔

”تم کب آئے؟“ وہ خود کو سنبھالنے کی سعی میں مصروف تھا۔

”تم کب آئے؟“ وہ خود کو سنبھالنے کی سعی میں مصروف تھا۔

”تم کب آئے؟“ وہ خود کو سنبھالنے کی سعی میں مصروف تھا۔

”تم کب آئے؟“ وہ خود کو سنبھالنے کی سعی میں مصروف تھا۔

”تم کب آئے؟“ وہ خود کو سنبھالنے کی سعی میں مصروف تھا۔

”تم کب آئے؟“ وہ خود کو سنبھالنے کی سعی میں مصروف تھا۔

”تم کب آئے؟“ وہ خود کو سنبھالنے کی سعی میں مصروف تھا۔

”تم کب آئے؟“ وہ خود کو سنبھالنے کی سعی میں مصروف تھا۔

”تم کب آئے؟“ وہ خود کو سنبھالنے کی سعی میں مصروف تھا۔

”تم کب آئے؟“ وہ خود کو سنبھالنے کی سعی میں مصروف تھا۔

”تم کب آئے؟“ وہ خود کو سنبھالنے کی سعی میں مصروف تھا۔

”تم کب آئے؟“ وہ خود کو سنبھالنے کی سعی میں مصروف تھا۔

”تم کب آئے؟“ وہ خود کو سنبھالنے کی سعی میں مصروف تھا۔

”تم کب آئے؟“ وہ خود کو سنبھالنے کی سعی میں مصروف تھا۔

”تم کب آئے؟“ وہ خود کو سنبھالنے کی سعی میں مصروف تھا۔

”تم کب آئے؟“ وہ خود کو سنبھالنے کی سعی میں مصروف تھا۔

”تم کب آئے؟“ وہ خود کو سنبھالنے کی سعی میں مصروف تھا۔

”تم کب آئے؟“ وہ خود کو سنبھالنے کی سعی میں مصروف تھا۔

”تم کب آئے؟“ وہ خود کو سنبھالنے کی سعی میں مصروف تھا۔

”تم کب آئے؟“ وہ خود کو سنبھالنے کی سعی میں مصروف تھا۔

پولیس نے سعید احمد کے خلاف ایف آئی آر درج کی اور عباس کو انصاف ملنے کی روایتی یقین دہانی کرانے کے بعد وہاں سے رخصت ہو گئی۔ تب ہی محمد شرجیل اور ابراہیم احمد پریشان چہروں کے ساتھ وہاں پہنچے تھے۔ تب وہ کتنا ہراساں اور خود کو سنبھالتا ہوا کتنا ڈھال لگ رہا تھا۔

”فاطمہ کو کچھ نہیں ہونا چاہیے ابراہیم احمد، عریشہ کے بعد اسے بھی کھونے کا مجھ میں ہرگز حوصلہ نہیں ہے۔ میں خود بھی مرجاؤں گا اگر اب کچھ بھی غلط ہوا۔“ وہ تمام حوصلے اور ضبط گنوا تا ابراہیم احمد کے گلے لگ گیا تھا۔ ابراہیم احمد اتنا اپ سیٹ تھا کہ عریشہ کے نام پر اگر الجھا بھی تو کوئی سوال کرنے کا خیال نہ سکا۔

”حوصلہ کریں عباس بھائی، دعا کریں اللہ بہتر کرے گا ان شاء اللہ۔“ ابراہیم نے کاندھا تھپک کر جبکہ شرجیل نے الفاظ سے ڈھارس بندھائی تھی دوسری جانب عباس تھا جس نے بلاخر ہار مان لی تھی۔ خود سے بھاگتے اور نظریں چراتے بھی تھک گیا اس نے تسلیم کر لیا وہ اسے کھونا نہیں چاہتا۔ ہاں وہ اس سے محبت بھی کرنے لگا ہے ہر جیت، ہر انا و زم بے معنی تھا جیسی اس کا ذہن شرجیل کے الفاظ میں اٹکا۔

”دعا.....!“ وہ ٹھٹھک گیا۔

”ہاں مجھے دعا کرنی چاہیے، جب عریشہ مجھ سے چھنی میں اس قابل کہاں تھا کہ خدا سے اسے مانگ سکتا مگر تمہیں میں دور نہیں جانے دوں گا فاطمہ، اب کی بار میں اللہ کو منالوں گا۔“ وہ نرم آنکھیں ہاتھ سے رگڑتے وہ ایک نئے عزم کے ساتھ وضو کر کے رب کے دربار میں حاضر ہوا۔

تو دعا کو ہاتھ پھیلاتے ہی دل کی کیفیت میں عاجزی و خشوع و خضوع اتر آیا۔

”اے سب فریادیوں کی فریاد سننے والے، میری فریاد سن لے۔“ وہ گڑگڑاتا ہوا سسکتا ہوا دعا مانگ رہا تھا۔ فاطمہ کو ہوش آیا تو سب سے پہلے اس کے پاس وہ بھاگا بھاگا گیا، گولیاں فاطمہ کے کاندھے اور بازو پر لگی تھیں۔ زیادہ خون بہہ جانے کے باعث وہ بالکل زرو ہو رہی تھی۔ عباس اس کے بستر پر نک گیا اور اس کا ہاتھ اپنے مضبوط

الوداع دسمبر

الوداع.....

الوداع..... اے دسمبر

ایک بار پھر

لوٹ گیا

وہی تنہائیاں

وہی وحشتیں

وہی دکھ

وہی آس کے لمحے

پھر سے سونپ گیا

دسمبر.....!

یاد رکھنا تم

بہت وحشت ہے

تیرے نام سے اب

بس اُتایا درکھنا

کہ جب لوٹو دوبارہ

اپنے دامن میں

تنہائیاں

وحشتیں

دکھ

آس

اور.....

انتظار کے لمحے

مت لانا

اے دسمبر الوداع.....!

تحریم اشرف..... خانیوال

ہاتھ میں لے لیا مگر فاطمہ کو منہ پھیرتے دیکھ کر وہ کیسے دھک سے رہ گیا تھا فاطمہ نے آنکھوں کی نمی کو ہنسنے دیا۔

”میں آپ کو دیکھنا نہیں چاہتی، میں کمزور ہونا نہیں چاہتی۔“ عباس کا بھجا ہوا چہرہ اس کا شکن آلود لباس، از خود اس کی پریشانی واضطراب کا گواہ تھا۔ وہ اب ان احساسات کو ہی تو نہیں محسوس کرنا چاہتی تھی اسے سب سے بڑا خطرہ

اپنے ہار جانے کا ہی تو تھا۔

”بھائی۔“ وہ سسکی۔

”مجھے بھائی سے ملنا ہے۔“ وہ یونہی رخ پھیرے ہوئی تھی آواز میں کتنی بے چینی اور بھراہٹ تھی اس نے اپنا ہاتھ بھی عباس کے ہاتھ سے نکال لیا تھا اور عباس کے اندر زور کا چھٹکا ہوا تھا اور سب کچھ ٹوٹا چلا گیا وہ بہت کچھ کھو چکا تھا اب مزید کچھ کھونے کا تصور ہی اسے وحشت میں مبتلا کرنا تھا۔

”تم ٹھیک ہو اب فاطمہ آئی ایم سوری میری وجہ سے۔“

”بھائی نہیں آئے کیا؟“ وہ نقاہت سے چور آواز میں پوچھ رہی تھی عباس کے حوصلے پھر مسمار ہوئے جنہیں وہ دفتوں سے سنبھالے ہوئے تھا۔ وہ چپ سا ہو گیا اور اسے دیکھتا رہ گیا جو شاید اسے دیکھنا بھی چاہتی تھی۔ ہاں، اس نے اس لڑکی کی تذلیل کی انتہا بھی تو کر دی تھی لیکن وہ تو بہت با حوصلہ تھی۔ بہت اعلیٰ ظرف بھی اور..... اور اس سے محبت بھی تو کرتی تھی۔ پھر کیا ہوا کیا وقت اتنی تیزی سے گزر گیا کہ وہ اس کی جانب سے مایوس ہو گئی۔ یا اتنی خفا کے اب از خود کوئی گنجائش نہیں رکھنا چاہتی تھی۔ جبکہ وہ خود گواہ تھا کہ وہ اس شعر کی عملی تفسیر تھی۔

جانے کس کس پر پڑی ہوں گی نگاہیں تیری میں نے جن جن کے تیرے شہر کے پتھر چوے ایسی ہی دیوانگی کا شکار تھی وہ اس کے معاملے میں مگر یہ بھی توجہ ہے ناں کہ ہر جذبہ ہر احساس جواباً دے ہی پذیرائی چاہتا ہے یہاں پذیرائی کیا ہونا تھی۔ یہاں تو ذلت کے لاتعداد قصے تھے۔ اسے سمجھ نہیں آ سکی فاطمہ کے اس رویے کی یہ بے دینی تھی، مایوسی تھی یا پھر واپسی کے راستوں پر قدموں کا مڑنا۔ جو بھی تھا عباس کے اندر زریاں کے احساس کو گہرا کرنے لگا۔

دوسری جانب فاطمہ نے محض ایک نظر میں اس کے چہرے کے کرب و اذیت کو پالیا تھا اور بے حد یاسیت میں گھرتے آنکھیں سختی سے بند کر لیں۔ اس کا دل

کراہنے لگا تھا عباس کو اٹھ کر باہر جاتے دیکھ کر مگر وہ اسے روک نہیں سکی۔

”مجھے معاف کر دیں عباس، میں آپ سے ہرگز انتقام نہیں لے رہی، لے ہی نہیں سکتی مگر یہ زندگی کا ایسا مقام ہے کہ میں آپ کو چن کر اپنے اللہ کی نظروں سے نہیں گر سکتی۔“ اس نے دل میں کہا۔ وہ ایسا ہی کر رہی تھی۔ اس نے سوچا تھا وہ اب کبھی عباس کو اللہ کے مقابلے پر جیتنے نہیں دے گی۔ وہ اس کوشش میں سردھڑکی کی بازی لگا رہی تھی۔ وہ خوش نہیں تھی مگر وہ خوش نظر آنے کی کوشش کر رہی تھی۔

”تم ٹھیک ہو گڑیا! کہیں درد تو نہیں ہو رہا؟“ ابراہیم احمد کی آواز پر اس نے اپنی سرخ آنکھیں کھولیں تو تب سے جمع شدہ آنسو کناروں سے پھسل کر بالوں اور ٹیکے میں جذب ہونے لگے۔

”مجھے گھر لے چلیں بھائی۔“ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کتنی بے قراری سے رو پڑی تھی۔ ابراہیم احمد حیران ہونے لگا۔

”ابھی.....؟ ڈاکٹر اجازت نہیں دیں گے۔“

”ان سے نہ پوچھیں لیکن مجھے لے جائیں، وہ سب غیر محرم ہیں میرے لیے۔ جب مجھے ہاتھ لگاتے ہیں تو بالکل اچھا نہیں لگتا۔ آپ کو تو پتا ہے کہ کتنا بڑا گناہ ہے۔ زینب نے بتایا تھا کہ غیر محرم سے ایسے بچنا چاہیے جیسے غلاظت ہے، جیسے آگ سے۔“ اس کے انداز میں جھنی بھی شدت تھی مگر اس کی ضد بے جا نہیں تھی۔ ابراہیم احمد کو ہتھیار ڈالنے پڑے۔

”آپ زینب کو مطلع کر دیں بھائی۔ وہ میری ڈریسنگ کر دیا کریں گی۔“ گھر آنے کے بعد اس نے مزید کہا تھا ابراہیم احمد اسے دیکھ کر رہ گیا۔

”زینب یہ کام کہاں کرنی ہیں اپنی دیز میں کسی فی میل ڈاکٹر کا انتظام کر دوں گا عباس بھائی سے کہہ کر۔“

”آپ گھر کا چکر لگائیں بھائی بہت تھکن ہو گئی ہے آپ کو میری وجہ سے۔“ اس کی تمام تر توجہ کامرکز ہوئی تھی۔ عباس کو عجیب سا احساس گھیرنے لگا۔ وہ واقعی بدل گئی تھی۔

اس نے اس کے ساتھ ساتھ اس کے بچوں پر بھی توجہ نہیں دی تھی جو اس کے دائیں بائیں آ کر لیٹ گئے تھے اور ماں کی حالت دیکھ کر خاصے ہراساں تھے۔

”سیمان بچوں کو ان کے کمرے میں سپلے جاؤ۔“ اس سے برداشت نہ ہو سکا تو بول پڑا۔ ملازمہ کی تعمیل پر بچے اینٹھ گئے تھے اور فاطمہ سے چپکے جانے لگے۔ تب فاطمہ نے اشارے سے سیمان کو منع کیا اور بچوں کو مزید خود سے قریب کر لیا تھا۔

”مجھے ان سے کوئی مسئلہ نہیں ہے سیمان، نو مینشن۔“ سیمان ہلاتی پلیٹ گئی تھی۔

”میں شام میں آؤں گا فاطمہ سمعیہ کو لے کر اپنا خیال رکھنا فی امان اللہ۔“ ابراہیم احمد عباس سے مصافحہ کر کے رخصت ہو گیا۔

”سیمان کے لیے سوپ لے آؤ۔“ عباس کے کہنے پر ملازمہ جیسے ہی باہر جانے کو مڑی فاطمہ نے ٹوک دیا۔

”نہیں فی الحال تم مجھے وضو کراؤ، مجھے ابھی نماز پڑھنی ہے۔“ اس کی بات نے عباس کو بے حد حیران کیا اور جھمی وہ بے اختیار بول پڑا۔

”نماز؟“ سوالیہ انداز میں فاطمہ نے پہلی بار اسے براہ راست دیکھا۔

”کیوں، کوئی اعتراض ہے آپ کو؟“ اس کا لہجہ اس کا انداز کس قدر زور دھاتا تھا۔ عباس گڑبڑا سا گیا۔

”میرا مطلب ہے کہ ابھی تمہاری طبیعت بہتر نہیں ہے تو بعد میں قضا نمازوں کی ادا کیگی۔“

”میں ہرگز اتنی بیمار نہیں کہ نماز چھوڑ دوں، نماز کسی بھی حال میں محاف نہیں ہے۔ یہ تو آپ کو بھی پتا ہوگا۔“ اس کا لہجہ گو کہ طنز یہ نہیں تھا اس کے باوجود عباس شرمندہ نظر آنے لگا۔ وضو کرنے سے لے کر نماز ادا کرنے کا مرحلہ بہت گہرے ضبط اور تکلیف کا مرحلہ تھا مگر فاطمہ نے ہمت نہیں ہاری۔ عباس اسے دیکھتا اور داد دیتا رہ گیا تھا۔

”آؤ، یہاں لیٹ جاؤ اور کچھ کھاؤ۔“ وہ جائے نماز سے اٹھی تو عباس نے تیزی سے بڑھ کر اسے اپنی نرم

آنجیل جنوری ۲۰۱۵ء 242

گرفت میں لے کر اپنی پرحدت پناہوں میں لے لیا۔ یونہی نری اور احتیاط سے تھا اسے اسے بند تک لایا تھا۔ فاطمہ سن ہو کر رہ گئی۔ کس حد تک اور کہاں تک وہ خود کو سنبھالے رکھتی اور بچاتی جبکہ عباس نے تو جیسے طے کر لیا تھا اس کی ہمتیں توڑنے کا شکست سے دوچار کر کے اسے بے بس کرنے کا عباس جو اس کی سمت متوجہ تھا اس کی اسی حیرانی اور بے یقینی کے ساتھ جزبہ ہونے والے انداز کو سمجھ کر مسکراتے لگا۔

”میں چاہتا ہوں تم بہت جلد ٹھیک ہو جاؤ، اس کے لیے مجھے تمہاری کیئر تو کرنا پڑے گی نا؟“ عباس کے مدہم گنبد لہجے کا حصار اس کے گرد نہ لٹنے والا دائرہ بن رہا تھا۔

وہ اس کی آنچ دیتی نظروں سے بہت سرعت سے پھٹنے لگی۔ جی بھی بہت زیادہ گھبراہٹ محسوس کرنے لگی اور اس کا حصار توڑنے کی کوشش کی۔

”میں خود چل سکتی ہوں، آپ چھوڑیں مجھے۔“ وہ جتنی وحشت اور بے چارگی میں مبتلا ہو کر بولی عباس اسی قدر ہرٹ ہوا۔

”کیا ہو گیا ہے تمہیں فاطمہ، بڑی ہوش میری۔“ فاطمہ نے دیکھا اس کے خوب رو بہ حد پر کشش چہرے پر برہنہ چھانے لگی تھی۔ پتا نہیں وہ اسے سمجھا رہا تھا یا احتجاج کر رہا تھا۔ وہ سمجھنے سے قطعی قاصر رہی۔

”میں نے انکار نہیں کیا مگر میں آپ کے اس رویے کی عادی نہیں ہوں۔ مجھے یہ توجہ نہیں چاہیے۔“ وہ پھٹ پڑی تھی۔ وہ کسی بھی طریقے سے اسے ہرٹ کر کے ہی سہی مگر اس کشمکش سے لکھنا چاہتی تھی۔ عباس گنگ ہونے لگا۔

حیرت ہی حیرت تھی۔ یہ تو یوں دیکھی کی انتہا تھی اس کے خیال میں وہ اسے جھٹلا رہی تھی اسے ٹھکرارہی تھی جس کی خاطر اس نے خود در در کی خاک چھانی تھی اور ہر زبیاں بہت حوصلے اور ہمت سے بڑھ کر اپنی جھولی میں ڈال لیا تھا۔

”میں جانتا ہوں تم مجھ سے خفا ہو، میں نے سلوک بھی ایسا کیا مگر فاطمہ مجھے ازالہ تو کرنے دو اس رویے کا۔“ عباس حیدر کے مخصوص دبنگ لہجے میں التجا اور عاجزی اتر

آئی تھی۔ فاطمہ گھائل ہوتی چلی گئی اور دل جیسے بے اختیار سک پڑا تھا سجدے میں گرنا ہوا۔

”اللہ، تجھ سے بڑھ کر بھی اپنے وعدوں میں کوئی سچا ہو سکتا ہے۔ ابھی میں پوری طرح تیری ہوئی نہیں اور دنیا کو تو نے میرے قدموں میں بھی بچھانا شروع کر دیا۔۔۔۔۔۔ یہ شخص۔۔۔۔۔۔ بھلا سوچا تھا کبھی میں نے ایسا لیکن یہ ہو رہا تھا بلکہ ہو گیا تھا معجزہ ہی تو تھا اور کرنے والا کون تھا اللہ کے سوا، کس غفلت میں ہے دنیا۔ اللہ کو چھوڑ کر ذلت کے کس خرابوں میں پڑی ہوئی ہے۔“ اس نے دل میں سوچا اور پھر اس کے آنسو بہنے لگے اس کی ہچکیاں بندھنے لگیں۔ عباس اسی قدر بے چین اور بے قرار ہوا۔

”آپ پریشان نہ ہوں، اللہ گواہ ہے، مجھے آپ سے کوئی شکوہ کوئی ناراضگی نہیں ہے۔“ وہ جھٹکے سر کے ساتھ بے حد عاجزی سے کہہ رہی تھی عباس پہلے حیران نظر آیا پھر کسی قدر مطمئن۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کا چہرہ اوپر اٹھایا۔

”اگر ایسی ہی بات ہے تو بہت اچھی بات ہے۔“ وہ رکا اور ایک سو دگی سے بھر پور طویل سانس کھینچا۔

”بس اب جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ، پھر مجھے بھی تمہیں ایک بہت اہم بات بتانی ہے۔“ اس نے جھک کر فاطمہ کے ہاتھ پر ایک مہکتا بوسہ ثبت کیا اور اٹھ گیا فاطمہ تو بہت ہی شرمیلی رہ گئی۔

”لاریب۔۔۔۔۔۔!“ سکندر نے کمرے کا دروازہ کھولتے ہوئے سرگوشی سے ذرا بلند آواز میں اسے پکارا۔ کمرانیم تارک تھا اور ایئر فریڈر کی خوشبوؤں سے مہکتا ہوا، سکندر کے پرسکون اعصاب پر خوشگوار بیت غالباً نے لگی۔

”شاید فراز گھامڑ پہلے ہی آگاہ کر چکا ہے اسے کہ میں سنانے آیا ہوں اسے۔“ وہ اپنی سوچ پر مسکرایا اور پھر لاریب کو آواز دی تھی اور آگے بڑھ کر سوچ بورڈ سے کئی بیٹن دبائے۔ نیم تارک کمر ایک کھنٹ روشنیوں سے جگمگا اٹھا۔ وہ اپنے دھیان میں پلٹا مگر اپنے روبرو صالک کو پا کر اسے دھچکا سا لگا۔ وہ بھلا اس کے بیڈروم میں کیا کر رہی تھی وہ بھی

لاریب کی غیر موجودگی میں۔

”وہ نہیں ہے یہاں، مجھے حکم کریں، کیا خدمت کروں آپ کی؟“ صالک کے انداز مخصوص بے باکی لیے تھے گفتگو سے لے کر انداز و اطوار تک، خصوصی تیاری کے ساتھ ٹوک پلک سنوارے، سکندر نے ٹھٹھک کر اسے دیکھا۔

”آپ یہاں کیا کر رہی ہیں؟“ اس کے چہرے پر ناگواری کا تاثر ابھرا۔

”لاریب۔۔۔۔۔۔ کہاں ہیں لاریب!“ وہ زور سے پکارا مگر اس کی آواز مارے صدے وغیرہ یقینی سے حلق میں گھٹ گئی۔ صالک نے لپک کر صرف اس کا راستہ نہیں روکا بلکہ سارے فاصلے مٹا کر اس کے گلے لگ گئی تھی۔ سکندر کے اعصاب کھینچنے لگے۔ اس نے ایک جھٹکے سے پلٹتے ہوئے قہر بار نظروں سے اسے دیکھا اور خود سے الگ کرنا چاہا مگر یہ اتنا آسان نہیں تھا کہ وہ یہ سب یقیناً کسی منصوبے کے تحت ہی کر رہی تھی۔

جی بھی نہ صرف اس نے دیکھتے ہی دیکھتے اپنا حلیہ بگاڑا بلکہ پلیٹ کر دروازہ بھی بند کر دیا۔ اس کے بعد وہ سکندر کو نوچتے کھسکوتے اس سے لپٹ کر ہسٹریائی انداز میں چپچپنے اور شور مچانے لگی تھی۔ سکندر کے لیے چونکہ یہ سب کچھ بہت غیر متوقع تھا جی بھی اسے صورت حال کو سمجھنے اور حواس بحال کرنے میں کچھ وقت لگا اور پھر اس کے بعد وہ طیش میں آ کر ایسے پھرا کہ صالک کی نسوانیت کی پروا کیے بغیر اسے دھنک کر رکھ ڈالا کچھ دیر بعد وہ اس کی اصل جینس سن رہا تھا جن سے درود یوار لرزے جاتے تھے مگر سکندر کے ہاتھ دروازے کے بار ہونے والی دستک اور سر اسیمہ شور کو سن کر بھی نہیں رک سکے۔

”جان سے مار دوں گا تمہیں فاحشہ گھٹیا عورت، مجھ پر الزام لگاؤ گی، مجھ پر جوتھو کتنا بھی پسند نہیں کرتا تم پر۔“ اس کی غراہٹوں میں وحشت درندگی، غم و تاسف کے علاوہ ایسا غضب ناک تاثر تھا کہ اس ڈرامے کا حصہ تائی ماں جو اپنے دیوبیکل وجود کے دوچار دھکوں سے لاک توڑ کر دیگر اہل خانہ کے ساتھ اندر گھس آئی تھیں اور واویلا کرتے

آنجیل جنوری ۲۰۱۵ء 243

WWW.PAKSOCIETY.COM

ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN

PAKSOCIETY1

f PAKSOCIETY

ہوئے باقاعدہ سکندر کو کوٹے لگیں۔

”ارے کوئی تو رو کے اس کو مار ڈالے گا میری بچی کو۔“ ان کے شور مچانے پر فراز اور نبیل جو سرخ چہرے لیے کھڑے تھے تا چاہتے ہوئے بھی آگے بڑھ آئے اور بامشکل بے قابو سکندر کو قابو کیا۔

”بس کرو سکندر، اتنا سبق کافی ہے۔“ فراز کی سرگوشی پر سکندر نے لہو چھلکانی نظروں سے اسے دیکھا۔

”ایک تو چوری اور پر سے سینہ زوری، میں ابھی بلواتی ہوں تیرے بابا کو، ارے ہم تو ملنے کے واسطے آئے تھے کیا پتا تھا گھر کے محافظ ہی نقیب لگیں گے۔“ ثانی ماں کی فریاد جاری تھی۔ صرف وہی تھیں جو صالطہ کے زخم سہلا کر چیخ چلا بھی رہی تھیں۔ باقی تو ہر سوسنا تھا۔ سکندر نے لاریب کی جانب دیکھا جس کی پتھرائی ہوئی آنکھوں میں آنسو لرز رہے تھے۔ وہ سخت مضطرب ہوتا اس کی جانب لپکا۔

”لاریب میں.....!“ لاریب نے سہم کر اس کی جانب نگاہ کی تھی پھر اگلے لمحے سسکیاں دباتی پلٹ کر بھاگی اور کمرے سے نکل گئی۔ سکندر نے اضطراب بھری نظروں کا رخ فراز کی جانب پھیرا جو تسلی آمیز انداز میں اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ چکا تھا۔

”ٹھیک اٹ ایزی، میں دلاؤں گا بھابی کو تمہاری بے گناہی کا یقین۔“ اس کی تسلی کے باوجود سکندر کو گھیرتی وحشت میں اضافہ ہونے لگا۔ لہو رنگ آنکھوں کے ساتھ ہونٹ بیچنے۔ وہ پلٹ کر تیزی سے کمرے سے ہی نہیں گھر سے بھی نکل گیا تھا زندگی کو شاید ابھی اس کی اور آزمائش درکار تھی۔



وہ بتدریج ٹھیک ہو رہی تھی۔ گاؤں سے اماں جان بابا جان کے علاوہ زمینی مہر و اور نامہ بھی اس کی خیریت دریافت کرنے آ چکی تھی۔ چھوٹی حویلی سے بھی ایمان بابا سامیں کے ہمراہ کل ہو کر گئی تھی۔ عباس ان دنوں بہت کم دکھائی دیتا البتہ اس نے فاطمہ کو کسی سے بھی کچھ کہنے سے منع کر دیا تھا۔ کراچی میں اس قسم کے واقعات عجیب لگتے

بھی کہاں تھے۔ عباس اس کیس کے سلسلے میں بھاگ دوڑ میں مصروف تھا۔

”آپ کو اتنا انوالونہیں ہونا چاہیے اس معاملے میں، ان لوگوں کا مقصد آپ کو ہی تو نقصان پہنچانا تھا۔“ فاطمہ چپ رہ نہیں سکی تھی یہ کہنے سے اس کی جانب سے آج کل ہر دم دل ہولنا ہی رہتا جب تک وہ گھر سے باہر ہوتا۔ فاطمہ کا دھیان اس کی جانب لگا رہتا۔ وہ گھر آ جاتا نظر کے سامنے ہوتا تو جیسے پوری دنیا کا سکون و امن آ جاتا تھا اس کے دل میں اس وقت بھی وہ وارڈ روم کے سامنے کھڑا اپنے کپڑے نکال رہا تھا۔ فاطمہ کی اس بات پر کام ادا چھوڑ کر گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ پھر وارڈ روم کا دروازہ کھلا چھوڑ کر اس کے پاس آ گیا۔

”تمہیں کیا ضرورت تھی فاطمہ مجھے سامنے سے ہٹا کر خود کو ان پلٹس کا نشانہ بنانے کی اگر تمہیں اس دن کچھ ہو جاتا۔“ عباس نے بات روک کر اس کا ہاتھ پکڑا اور اپنے ہونٹوں سے چومنے کے بعد غم آنکھوں سے لگا لیا۔

”تم نے یہ کیوں نہ سوچا فاطمہ کہ میرا کیا ہے گا، عریضہ کو کھوکھو میں دیوانگی کی حدود کو چھونے لگا تھا۔ مگر تمہیں کھو کر واقعی ہی.....!“ اس کی بات ادا چھوڑی رہ جانے کا باعث فاطمہ کا بے اختیاری کی کیفیت میں اس کے ہونٹوں پر رکھا ہاتھ تھا۔ کیسی تڑپ اور بے قراری تھی اس انداز میں آنکھوں میں جو وحشت ابھری تھی اس کا کیا شمار عباس نے اس کی آنکھوں میں لرزتے آنسوؤں کو دیکھا۔ کپکپاتے ہونٹوں کو پھر کچھ کہے بغیر تھوڑا سا اس کی جانب سرکا اور اسے گلے سے لگا لیا۔ یہ ایسی پیش رفت تھی جس نے فاطمہ کو سکتہ زدہ کر ڈالا۔

بھلا کبھی سوچا تھا اس نے..... یہ بے مہر شخص جس کی آنکھوں میں اس کے لیے صرف بیگانگی نفرت یا پھر نفی ہوتی تھی۔ کبھی اس طرح اس کا قد روان بھی بن جائے گا۔ اس کا دل رو پڑا۔ رواں رواں فریاد کنایا ہونے لگا۔ وہ جتنا اس آزمائش سے بچنے کو ہاتھ پیر مارتی تھی اس قدر اس دلدل میں دھنس رہی تھی۔ اس کا دل پانی بن کر پھٹنے لگا

تھا..... اب اس مقام پر وہ اس شخص کو جھٹلا سکتی تھی اسے ہرٹ کر سکتی تھی؟

اس کے پورے وجود میں نہیں..... نہیں کی پکار مچنے لگی۔ شاید وہ اس قائل نہیں تھی کہ اللہ کے لیے کچھ کر سکتی۔ عباس جانے اسے کیا کچھ کہہ رہا تھا مگر وہ سنتی تو سمجھتی تا، اس کا دل تو رنج و غم ادا آزمائش کے احساس سے دوچار تھا۔ اس سے بھی بڑا احساس خوف کا احساس تھا۔ معا اس کے ذہن میں بے جاں ہوتے جسم میں توانائی آ گئی۔ اس کے وجود میں تحریک پیدا ہوئی۔ وہ ایک جھٹکے سے تڑپ اٹھنے کے انداز میں عباس کے بازو جھٹک کر تیزی سے پیچھے ہٹتی اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا مگر وہ بولنا چاہتی تھی اس کے باوجود کہ شدت غم کے باعث آواز بہت بھاری تھی۔

”میں آپ کی غلطی بھی دور کرنا چاہوں گی۔ اس دن یہ سب باقی چائس ہوا، میں ہوش و حواس میں ایسا کیوں کرنے لگی؟“ اس نے دانستہ عباس کو دکھ سے دوچار کیا۔ یہ یاد آ کہ جو نسبتاً بڑے غم سے معمولی تھا۔ وہ بس اب اس کے سینہ اتنا ہی کر سکتی تھی۔ بات ایسی تھی کہ جس نے عباس نے چہرے کی رنگت ہی تبدیل نہیں کی ہونٹوں پر بھی چپ کی مہر لگا دی تھی۔ اس نے عباس کی صدمہ زدہ کیفیت کو دیکھا پھر اس بدگمانی کے سلسلے کو کچھ اور دراز کرنے لگی۔

”میری بات سنیں عباس، آپ کسی شدید غلط فہمی کا شکار ہیں، مجھے بھی بھی آپ سے ایسی جنونی محبت نہیں رہی کہ جس کی بنیاد پر میں کوئی ایسا جنونی قدم اٹھاتی۔“ اس نے عباس سے نگاہ چار کیے بنا کہا۔ عباس اسے دیکھتا رہا۔ کئی جلس تھی اس پل اس کی سحر طراز آنکھوں میں۔ وہی بے خبری، وہی اجنبیت، وہی بے نیازی و لاعلمی جو کبھی عباس نے اس کے لیے روا رکھی تھی۔

آج وقت نے پلٹا کر اس پر مسلط کر دی تھی۔ اس کی پیش رفت، پیش قدمی پھر بے کار گئی۔ اس کی قربت اس کی نگاہ عنایت نے بھی فاطمہ کو اسیر نہیں کیا کوئی فرق نہیں پڑا تھا اسے جیسے۔ عباس کچھ کہے بغیر ہونٹ بیچنے اٹھ گیا۔ باہر بالکونی میں آ کر سگریٹ سلگاتے ہوئے اس کے ذہن پہ

فاطمہ کی آواز خنجر بن کر ضرب کاری لگانے لگی۔ وہ ایک ایک لمحہ اس کی یادداشت کے پردے پر ڈولنے لگا۔ جب جب اس کی دیوانگی اس کی آنکھوں اس کے چہرے اور ہر ہر حرکت سے چھلکتی نظر آتی تھی..... مگر اب وہی فاطمہ تھی جو کچھ اور رویے کچھ اور انداز میں اس کے سامنے تھی کل صبح جب وہ کمرے میں آیا دیا اس کے پاس جانے کو رو رو کر بلکان تھی۔

”اسے لے جاؤ یہاں سے سیماء، میں تلاوت کے دوران ڈسٹرب نہیں ہونا چاہتی۔“ وہ ٹی وی آن کیے اسلامک چینل دیکھ رہی تھی۔ جہاں قرأت سکھائی جا رہی تھی فاطمہ باقاعدگی سے اس وقت قرأت سیکھتی تھی۔ اس کے علاوہ بھی عباس اور بچوں سے بے رغبتی کے کئی مظاہرے تھے جو وہ اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ چکا ہوتا تو کبھی یقین نہ کرتا وہ بچوں سے بے زار نظر آ یا کرتی زیادہ وقت جائے نماز پر گزارنی یا پھر قرآن پاک کھولے اپنا سبق دہرایا کرتی۔ جو ٹائم بچتا اس میں اسلامی کتب کا مطالعہ کرتی رہتی۔

عباس کے لیے سب سے تکلیف دہ امر بچوں کا نظر انداز ہونا تھا۔ جو ماں کی اس بے پروائی کے نتیجے میں ہر گزرتے دن کے ساتھ ڈسٹرب ہوتے اور بجھتے جا رہے تھے۔

”کیا میں نے تمہاری طرف رجوع کرنے میں اتنی دیر لگا دی فاطمہ کہ باقی کچھ نہیں بچا۔“ اس کے مضطرب ذہن نے تکلیف دہ سوچ کو جگہ دے کر اضطراب کو اور بڑھا دیا تھا۔ وہ وہیں ٹھہرتا ہوا سگریٹ کے کش لیتا رہا۔

مغرب و عشا ادا کر کے وہ واپس گھر لوٹا تو فاطمہ صوفے پر نیم ورا تھی۔ سر کے نیچے کشن اور گود میں دیا، اسامہ بیڈ پر سو رہا تھا۔ عباس کو سکون محسوس ہوا۔ کچھ کہے بغیر وہ آہستگی سے بڑھ کر اس کے سامنے آ گیا۔ فاطمہ زیر لب کچھ پڑھ رہی تھی۔ اسے محض ایک نظر دیکھا تھا۔

”کپنے کمرے میں چلو فاطمہ“ اس نے بے حد نرمی سے اسے مخاطب کیا تھا۔ فاطمہ نے اجنبیہ میں گھور کر اسے

دیکھا پھر سرکونٹی میں ہلانے لگی۔

”میرا کمر ایسی ہے۔“

”یہ ہمارے بچوں کا کمر ہے۔“ عباس کی مسکراہٹ بھی نرم تھی جو اس کے چہرے کو مزید نکھار رہی تھی۔ مزید حسین بنا کر دکھا رہی تھی مگر اب فاطمہ اسے دیکھا ہی کہاں کرتی تھی۔

”یہ بچے بھی آپ کے ہی ہیں، میں تو انہیں.....!“

”فاطمہ پلیز..... پلیز لیو دس حالانکہ مجھے یہ نہیں کہنا چاہیے دیکھو میری بات سنو۔“ وہ رکا اور پھر اس کے قریب جا بیٹھا۔ پھر سرک کر اس کے لیے بھی اپنے قریب گنجائش نکالی۔

”یہاں میرے پاس آؤ۔“ فاطمہ ابھی مگر اس کے پاس جانے کے بجائے واش روم میں بند ہو گئی۔ عباس اس کی ہر دم تیز ہوتی سسکیاں سنتا اپنے آپ کو الٹا دیکھتا محسوس کرتا ہوا تھا۔



اس کی آنکھیں سرخ تھیں اور ہونٹوں میں دبکتا ہوا سگریٹ، وہ کسی کام سے باہر جا رہا تھا مگر پورج میں آ کر بے خیال سا کھڑا رہ گیا۔ یاد کرنے کے باوجود اسے سمجھ نہیں آ سکی اسے کہاں جانا تھا۔ گاڑی کی چابی اس کے ہاتھ میں تھی اور چہرے پر بے بسی کا تاثر چھلکتا تھا۔ فاطمہ کا رویہ اسے اتنا ہی ڈسٹرب کر چکا تھا وہ یہ سوچ کر وحشت زدہ تھا وہ کیوں بدل گئی۔ وہ یہ سوچ کر خائف ہوتا اگر وہ بھی اسے چھوڑ گئی؟ اس کی مثال اس بے سمجھ بچے کی تھی جو توجہ کا طالب بن کر ماں کے آچل میں پناہ ڈھونڈتا ہے ایسے میں اگر اسے مہربان گوئی میسر نہ آئے تو بے ایمانی کی کیفیت وارد ہوتی ہوگی اس پر۔

وہ اتنا ہی غائب دماغ تھا جب آہنی گیٹ کے پار کسی گاڑی کا ہارن سنائی دینے لگا۔ عباس نے گردن موڑی سلور گرے ہنڈ اسوک کھلے گیٹ سے اندر آتی اس سے کچھ فاصلے پر رک گئی تھی۔ عباس کی نظریں لاریب پر تھمنے لگیں۔ فیروزی لباس میں اس کی نگاہی رنگت کا نکھار

نگاہ کو چکا چوند کرتا تھا۔ عباس نے نظر کا زاویہ بدل ڈالا۔ اس کے باوجود کہ اسے یہاں پا کر وہ حیران ہونے لگا بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔

”السلام علیکم! ہم لوگ فاطمہ کی عیادت کے سلسلے میں آئے ہیں۔ یہ سکندر کی والدہ ہیں میری ساس۔“ نزدیک آنے پر اس نے ہی سلسلہ کلام جوڑا تھا۔

”اندر تشریف لائیے، آپ کیسی ہیں آنٹی؟“ سلام کا جواب دینے کے بعد اس نے مشفق و بزرگ خاتون کو ہاتھ کا سہارا دینے کی غرض سے تھام لیا۔

”جیتے رہو بیٹے، بچی کی طبیعت تو ٹھیک ہے اب؟“ اماں اس غیر معمولی حسن و جمال کے حامل امیر کبیر اور ہارعب شخصیت کے مالک شاندار نوجوان کے اخلاق سے متاثر نظر آئیں بے حد محبت بھرے انداز میں گفتگو شروع کر رہی تھیں۔

”الحمد للہ بہت بہتر ہے پہلے سے، آپ ٹھیک ہیں لاریب۔“ عباس نے نرم روی سے جواب دیتے اچانک لاریب کو مخاطب کیا۔ جو خاموشی اور لیے دینے نظر آتی تھی۔ اس سوال پر چونک کر متوجہ ہوئی اور اسے دیکھتے ہوئے گہرا سانس بھر کر نگاہ کا زاویہ پھر بدل لیا۔ اب وہ اس شخص کے سامنے سے اسے دیکھنے سے اس لیے گریزاں رہا کرتی تھی کہ وہ سکندر کے حق میں بددیانتی نہیں چاہتی تھی۔

”الحمد للہ ہر لحاظ سے کرم ہے اللہ کا مجھ پر۔“ اس کا انداز کچھ جھٹاتا ہوا محسوس کر کے عباس اندر ہی اندر وحشت کا شکار ہوا۔ جتنا بھی خود سے بھاگتا یہ احساس دامن چھوڑنے پر آمادہ ہی نہ تھا کہ بہر حال وہ اس لڑکی کا دین دار تھا مگر اس بل وہ اس کی اعلیٰ ظرفی کا بھی قائل ہوا تھا جبھی اظہار میں ممانعت نہیں تھی۔

”مجھے اچھا لگا ہے لاریب کہ آپ نے مجھے معاف کر کے کشادہ دلی کا ثبوت پیش کیا، جزاک اللہ۔“ اس کا اشارہ یہاں اس کے گھر آنے اور سابقہ باتوں کو فراموش کرنے کی جانب ہی تھا۔ وہ اتنا دہم بولا تھا کہ لاریب با مشکل ہی سن سکی۔ اس نے بے اختیاری کی کیفیت میں

عباس کو دیکھا۔ اس کی نظروں میں ممنونیت تھی تشکر تھا لاریب نے ہونٹ باہم سختی سے دبائے اور جل اٹھنے والی نظروں کو جھکا لیا۔ زخموں سے ٹیسیں اٹھنے لگی تھیں مگر وہ ضبط اور حوصلے میں اب ماہر ہو چکی تھی۔

”بس اب واپس پیچھے پلٹ کر نہیں دیکھنا چاہتی، عباس حیدر اور نائلہ گواہ ہے تم تو آج بھی وہی ہو کہ قافلے راہ بھول جائیں میں نے جانا میں نے مانا کہ جو ہونا تھا ہو چکا یہ بھی تسلیم کر لیا کہ تم میری بہت کڑی آزمائش تھے۔ جس نے میری ہستی تاراج کر کے رکھ دی۔ دوبارہ تعمیر کا عمل جاری ہے۔ ایسے میں بس نہیں چلتا تھا تمہارا سامنا نہ ہو۔ میں خوفزدہ ہوں کہ پھر سے ہار نہ جاؤں، یہ صبر اور برداشت بڑی وقت کے کام ہیں۔ ان وقتوں سے میں کیسے گزری کہ روح پر پڑے آبلوں سے ابھی تلک ٹیسیں اٹھتی ہیں۔“ عباس لاریب کی سوچوں سے بے خبر انہیں فاطمہ کے پاس اپنے بیدروم میں لے آیا تھا۔ تعارف کراتے ہوئے اس کے ہونٹوں پر مطمئن قسم کی مسکان تھی جبکہ لاریب ہنوز گم صدم اور غائب دماغ لگتی تھی۔ جس روز ساتھ والا ہنگامہ ہوا اس روز سے ہی وہ حد سے زیادہ ذہنی توازن میں تھی جسمی ایمان کی ایسی کیفیت میں ہی کال ریسیو کر کے وہ خود پر مزید خول نہیں چڑھا سکی۔

اور اسے کہہ دیا ڈرائیور بھیج دے وہ ملنے آ جا رہی ہے۔ سکندر کو بتائے بغیر وہاں جانے کے بعد اسے اس جذباتی حرکت کا احساس ہوا تھا۔ بگڑا ہوا معاملہ مزید بگڑ سکتا تھا اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ سوچتی فراز کا فون اس کے لیے آ گیا تھا۔

”آپ کیوں اس طرح چلی گئی بھابی، آپ کو اندازہ ہے سکندر کن کراسس سے گزر رہا ہے کتنا آپ سیٹ ہے وہ۔“

”مجھے ان سے اور ان کے معاملات سے ہرگز کوئی غرض نہیں ہے۔“ وہ پھٹ پڑی تھی وہ سب کچھ برداشت کر سکتی تھی سوائے اس ایک بات کے۔

”دس ازناٹ فیئر بھابی، کن لوگوں کی باتوں میں آ رہی

ہیں آپ، جن کا مقصد ہی یہی ہے۔“ فراز کتنا عاجز ہو چکا تھا۔ پھر صالحہ کے حوالے سے ایک بات کھول کر اس کے سامنے رکھتے ہوئے آخر میں وہ بے حد عاجز ہو گیا تھا جواب میں لاریب خاموش تھی۔ فراز کو یہی خاموشی ٹینشن میں مبتلا کر رہی تھی۔

”آپ کو اگر میری باتوں کا بھی یقین نہیں تو ایکی بھابی سے پوچھ لیں، بڑی اماں اور صالحہ کے ہر کارنامے سے وہ بھی آگاہ ہیں صالحہ کی یہ کوششیں نئی نہیں ہیں نہ ہی حرکتیں۔ بھلا کون محفوظ رہا اس کے شر سے میں یا پھر شرجیل بھائی اسکندر کی جان تک کو خطرہ ہے ان لوگوں سے بھابی، یہ تو بہت معمولی واقعہ ہے جو کچھ میں ان سے ایکسپٹ کر رہا تھا۔“ اور پہلے سے مضطرب لاریب یہ سنتی مزید بے چینیوں بے قراریاں سیٹ لائی، اب واقعی اس کے سوا کوئی اور چارہ نہیں تھا کہ وہ ایمان سے اپنی سب حماقتیں کہہ ڈالتی اور جواب میں ایمان سر پکڑ کر بیٹھ گئی تھی۔

”فراز بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے لاریب، مجھے حیرانی ہے تم میں اتنی سی بھی عقل نہیں ہے۔“ سکندر کو ایسے حالات میں مورل سپورٹ دینے کے بجائے تم نے اسے اور بھی تنہا کر ڈالا۔“ وہ اسے ڈانٹنے پر مجبور ہوئی اور لاریب بجائے ہمدردی کے ڈانٹ سن کر روہا سی ہو گئی۔

”مجھے الہام تھوڑی ہوتے ہیں۔“ اس کے نزدیک پن سے کہنے پر ایمان نے اسے بددلیغ گھورا۔

”نہیں الہام ہوتے تو گھر سے اس طرح منہ اٹھا کر آنے کی کیا ضرورت تھی۔ اب تم شادی شدہ ہو لاریب، کچھ خیال رکھا کرو، فوراً واپس جاؤ، پتا نہیں کتنا ٹینس ہوگا سکندر۔“ اور لاریب گڑ بڑا کر رہ گئی یعنی سارا کیس ہی اس پر الٹ گیا تھا۔ ایمان نے اسے واپس بھجوا کے دم لیا تھا۔ جس وقت وہ گھر پہنچی اماں اور اربہ ہی گھر پر تھیں۔ دونوں ہی اسے دیکھ کر بے حد خوش ہوئی تھیں اور انھہ کر اس کا پر جوش انداز میں ماتھا چوما۔

”میری بچی، شکر ہے آ گئی تو۔“

”سکندر ٹھیک ہیں؟“ اس کے سوال پر اماں نے سرد

آہ بھری۔

”بہت پریشان لگتا ہے عجیب عورتیں ہیں اللہ محاف کرے ایسی بے حیائی ہم نے تو دیکھی نہ سنی۔“ اماں کانوں کو ہاتھ لگا رہی تھیں۔ لاریب انہیں دیکھے گئی۔

”آپ کو سکندر پر اتنا یقین ہے اب اس کے سوال پر اماں کتنی غمانیت سے مسکرائی تھیں۔“

”میری بچی اس کا لمحہ میرے سامنے گزرا ہے اس کے کردار کی تو میں قسم بھی اٹھا سکتی ہوں۔ تمہارے علاوہ اس نے تو کبھی ثانیہ کو بھی اس نظر سے نہ دیکھا تھا۔ حالانکہ ہماری خواہش یہی تھی۔“ اور لاریب ہونٹ بھینچ کر نگاہ کا زاویہ بدل گئی تھی۔

”اماں دھی کے دیور کی گھر والی کو سنا ہے گولیاں لگ گئی ہیں۔ تمہارے سب رشتہ دار ہتھ لگائے مجھے گھر ہی معلوم نہ تھا۔ سکندر سے جتنی بار کہا ناں گیا تم لے چلو بیٹی مجھے وہاں جانا تو تمہارا بھی بنتا ہے۔“ لاریب ہاتھ لے لے کھانا کھا چکی تھی جب اماں نے آ کر اپنا مدعا بیان کیا لاریب سوچ میں پڑ گئی۔ سکندر کی اجازت کے بغیر وہ اتنا بڑا قدم کیسے اٹھا سکتی تھی۔

”آپ سکندر سے پوچھ لیں پہلے میں تب تک نماز پڑھ لوں۔“

”وہ منع تھوڑی کرے گا، خیر فون ملا کر بات کرادو میری۔“ لاریب نے ناچاہتے ہوئے بھی نمبر ملایا جو بند جا رہا تھا دو تین بار زرائی کرنے پر بھی وہی صورت حال لاریب نے آفس رابطہ قائم کیا مگر وہ آفس میں نہیں تھا۔

”آئے گا تو بتا دیں گے پتر، تو چل اس نے کیا کہنا ہے بھلا۔“ وہ نماز پڑھ چکی تو اماں کا اصرار پھر سے شروع ہوا بلکہ اتنا بڑھا کہ اسے نانا مشکل بلکہ ناممکن ہو گیا۔

”لاریب چائے لیں ناپلیز۔“ فاطمہ کی آواز پر وہ جو سکندر کے متوقع رومل کو سوچ کر خائف ہو رہی تھی بری طرح چونکی۔ فاطمہ اس کی جانب ہی متوجہ تھی۔ نگاہ چار ہونے پر مسکرائی۔ اس کے چہرے و آنکھوں میں سابقہ ملاقات کی کسی نئی کاشائے نہیں تھا لاریب البتہ اپنے اس

شدید رد عمل کو یاد کر کے خفت سے دوچار ہوئی۔

”شکریہ آپ کا۔“ اس نے ہاتھ بڑھا کر مگ سے لے لیا۔ ”فاطمہ بہت اچھی کافی بناتی ہیں اگلی بار آپ سے نہیں ملے گی تو فاطمہ خود کافی بنا کر آپ کو پلائیں گی ہے فاطمہ۔“ عباس کے گیمیر لہجے میں مستقبل کے حوالے سے خوش آئند احساس تھا۔ لاریب نے دیکھا وہ فاطمہ کو دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ چائے لاریب کے حلق سے پھنس کر گزری، لاریب نے بے اختیار نگاہ کا زاویہ بدل لیا۔

”یہ دوسری بار شادی کر کے بھی کتنا مطمئن اور مگن لگتا ہے اور میں..... مجھ سے اپنا ایک معاملہ بھی نہیں سنبھالا گیا۔ کوئی ہوگا مجھ سے بڑھ کر بھی کچھ فہم۔“ زبیاں اس کے اندر بارش برسنے لگا۔

عباس کی نظریں فاطمہ پر تھیں اور فاطمہ تب سے چہرے کا رخ دانستہ پھیرے ہوئے تھی۔ عباس کے دل کی عجیب کیفیات ہونے لگیں۔ یہ سچ تھا اب کہ اسے فاطمہ کی یہ بے رخی ہرٹ اور دکھی کرنے لگی تھی ذہن میں کبھی کی پڑھی نظم تلاطم برپا کرنے لگی۔ الٹ ہی کھیل ہوا تھا اس کے ساتھ بھی، انوکھا، غیر یقین اور عجیب تر اس کی نظریں عجیب سی یاسیت اور بے بسی لیے فاطمہ کے خدو خال میں الجھنے لگیں۔

عجیب نوجوگ ہے جاناں

یہ کیسا روگ ہے جاناں

بڑے بوڑھے بتاتے تھے

کئی قصے سناتے تھے

مگر ہم مانتے کب تھے

یہ سب کچھ جانتے کب تھے

کہ بہت بچتہ ارادے کس طرح سے

ٹوٹ جاتے ہیں

ہمیں ادراک ہی کب تھا

ہمیں کامل بھروسہ تھا

ہمارے ساتھ کسی صورت بھی ایسا ہو نہیں سکتا

یہ دل قابو سے باہر ہو نہیں سکتا

آنجل * جنوری * ۲۰۱۵ء 248

مگر پھر یوں ہوا جاناں

نہ جانے کیوں ہوا جاناں

جگر کا خوں ہوا ایسا

تیرے بارو کی جنبش پر

تیرے قدموں کی آہٹ پر

گلابی مسکراہٹ پر

تیرے سر کے اشارے پر

عدائے دلربانہ پر

چہرے معصومانہ پر

نگاہ قاتلانہ پر

جھائے مجرمانہ پر

ادائے کافرانہ پر

گھائل ہو گئے ہم بھی

بڑے بے باک پھرتے تھے

مائل ہو گئے ہم بھی

سختاوت کرنے آئے تھے

سائل ہو گئے ہم بھی

بڑے بوڑھے کی ان باتوں کے

کائل ہو گئے ہم بھی

اس کی نظریں بے خود تھیں وارفتہ تھیں اور جذبات کے

شدید احساس سے دھکتی ہوئی تھیں۔ فاطمہ بنا دیکھے بھی ان

کی تپش کا احساس رکھتی تھی۔ جیسی حد سے زیادہ کنفیوژ نظر

آئے گی۔ اس کی بدلتی متغیر ہوتی رنگت لاریب سے ہوتی

گنگوڑوں میں بوکھلاہٹ اترنے لگی۔ عباس نے محسوس

کیا اور بے ساختہ مسکرا دیا۔ یہ مسکراہٹ دل کی گہرائیوں

سے سودگی کے بھرپور احساس سمیت اٹھی تھی جیسی اس کی

پیش کشی کا سرچرچہ کر لیتا تھا۔ فاطمہ کے بجائے لاریب کی

نقرہ پڑی تھی اور دل جیسے دھک سے رہ گیا اس نے لمحے

کے جزا روں حصے میں نگاہ کا زاویہ بدلا۔

”سکر..... سکندر صاحب تشریف لائے ہیں۔“ ملازمہ

بقیام لے کر آئی تھی عباس کے ساتھ ساتھ فاطمہ اور اماں

کی خوش گوار حیرت میں گھر گئیں جبکہ لاریب کا دل جیسے

دھک سے رہ گیا۔

”میرے خدا..... سکندر یہاں کیوں آ گئے کیا انہیں پتا تھا کہ ہم یہاں ہیں اور اب.....؟“

”یہ تو بہت اچھی بات ہے میں خود لے کر آتا ہوں انہیں۔“ عباس کے انداز میں خوشی تھی وہ مسکرا کر کہتا اٹھ کر باہر چلا گیا۔

”مجھے لگتا ہے سکندر بھائی کو پتا چل گیا تھا یہیں ہیں آپ بہت اچھی بات ہے اس بہانے میں بھی مل لوں گی ان سے آپ کی شادی پر بھی نہیں آ سکے تھے ہم۔“ دوپٹہ اچھی طرح پھیلا کر اوڑھتی ہوئی فاطمہ اپنے مخصوص معصومیت بھرے دھیسے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ لاریب کو زبردستی کی مسکراہٹ دانستہ، ہونٹوں تک لانی پڑی، ورنہ حقیقت یہ بھی کہ وہ اندر تک خائف ہو چکی تھی۔

”یہ نیچے اپنی آنکھوں سے دیکھ کر یقین کر لیجیے کہ آپ کی مسز یہیں ہیں مگر ان کے انداز دیکھ کر ضرور یہ لگتا ہے کہ آنٹی انہیں گن پوائنٹ پر یہاں لے کر آئی ہیں۔“ عباس کا لہجہ اپنا سیت آمیز بے نیکی لیے ہوئے تھا۔ وہ دونوں ایک ساتھ کمرے میں داخل ہوئے تھے سکندر نے ایک نظر لاریب کے جھکی پلکوں والے گلابی چہرے پر ڈالی اور فاطمہ سے خیریت دریافت کرنے لگا۔

”پتر تجھے بھی آنا تھا تو بتا دیتے ہم اکیلے نہ آتے۔“ اماں کو اختلاف قلب ہونے لگا تھا۔ سکندر ہمہ ساسکرایا۔

”کیا فرق پڑتا ہے اماں جی پریشانی تو نہیں ہونے دی نا آپ کی بہو کو ڈرائیونگ آتی ہو تو خود بخود بہت سے مسائل حل ہو جایا کرتے ہیں۔“ اس نے سرد انداز میں لاریب کو دیکھا، چہرے پر پتھر پلا جمود اور لہجہ برف میں ڈھلا ہوا تھا۔ لاریب کا رنگ واضح طور پر پھیکا پڑا۔ اس میں اس لمحے اتنی تاب بھی نہ رہی کہ سر اٹھا کر اسے ایک نگاہ دیکھ لے کچھ دیر مزید بیٹھنے کے بعد سکندر چائے کا خالی مگ رکھتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ عباس اور فاطمہ کے روکنے کے باوجود وہ جانے کو تیار تھے۔

”بات سنیں سکندر۔“ عباس کے مخاطب کرنے پر

آنجل * جنوری * ۲۰۱۵ء 249

حق نے کی ہیں وہری وہری خد متیں تیرے سپرو
خود تو پناہی نہیں اوروں کو تڑپانا بھی ہے
خود سراپا نور بن جانے سے بھلا چلتا ہے کام
تم کو اس غلط کدے میں نور پھیلا نا بھی ہے
”سکندر اللہ نے ہمیں اپنا ناسب بنا کر بھیجا ہے اور ہم
بھول بیٹھے ہیں وہ مقصد اس دنیا کی رنگینی میں کھو کر مقصد

”وہ ہم باعثِ رحمت ہے جس کے عوض ہدایت نصیب
 ہوا اگر تمہیں کھو کر مجھے اللہ ملا ہے عریضہ تو آج مجھے یہ بدل ملنی
 ختم ہوا۔ میں نے جان لیا کہ اللہ کے ہر کام میں مصلحت اور
 ہماری بھلائی پوشیدہ ہوتی ہے۔ میں سمجھ ہی نہ سکا تھا
 تمہارے جانے سے کتنے اہم کام منسوب تھے مجھے ہدایت
 ملنی تھی اور فاطمہ کو نور ایمان کی روشنی۔ میں نے خود کو اللہ کی
 رضا میں راضی کرنے کی کوشش کی ہے اللہ بھی ضرور مجھے
 میری خوشی سے نوازے گا۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں تو وہ
 تمہیں مجھ سے الگ نہیں رکھے گا اس دنیا میں ہمارا ساتھ
 اتنا ہی تھا مگر اگلی زندگی میں تمہارا مجھ سے ساتھ ان شاء اللہ
 دائمی ہوگا اور اللہ سے زیادہ کوئی ایسے وعدوں میں سچا نہیں۔“

آنیل * جنوری * ۲۰۱۵ء 250

”بارون.....؟“ جبکہ وہ گلا کھکھاکر کرخو کھام ہوا تھا۔
 ”شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔ رحمان وہ ذات جس نے تمہیں مٹی سے انسان بنایا..... وہ ذات جو تمہارے گناہوں کے باوجود تمہیں رزق دیتا ہے اور تم پر اپنی عنایتیں برساتا ہے۔ پھر

اسے دھیان وا بھجن کے ساتھ سنتی فاطمہ کے اور اک
نے بلا خروہ ابھجن سلجھائی۔ ذہن میں بنتے بنتے دائروں
نے آخر کار اس شبیہ کو شکل کا روپ دے دیا۔ اس نے جان
لیا، اسکرین پر نظر آتا بارعب نورانی چہرہ دیو کا تھا وہ دیو جو مٹی

کا سوتلا بیٹا تھا وہ دیو جو ہندو تھا۔ وہی دیو جو اس سے شادی کا خواہاں تھا۔ وہ دیو جو اس کی جنبش ابرو پر اپنی جان بھی لٹانے کو کمر بستہ نظر آیا کرتا تھا۔ ایک نئے انداز، ایک نئے رنگ روپ میں اس کے روبرو تھا مگر یہ کیسے ممکن تھا بھلا؟ اسے لگا اس کی بصارتوں نے اس کی سماعتوں نے دھوکہ کھایا ہے۔ وہ یونہی ہو سکتا تھا۔ مگر ایسا نہیں تھا اس کے سامنے ایک یکسر تبدیل حالت میں موجود وہ دیو کے علاوہ بھی کوئی اور نہ تھا۔ اسے ماننا پڑا اسے تسلیم کرنا پڑا مگر وہ گنگ ہو گئی تھی وہ سکتہ زدہ تھی۔ اس کی پھرئی ہوئی نظروں کا مرکز اسکرین پر نظر آتا دیکھتا تھا۔ وہ ایک ٹک اسے گھورتی رہی اس کی نظروں میں انڈین آری یونیفارم میں سینہ اور گردن تانے ہوئے دیو کی شبیہ ابھی بھی تازہ تھی۔

”سب کی کارسائی اور اپنی رہنمائی میں سب کو زندگی کی منزل مقصود تک پہنچا آئی۔“ فاطمہ کی آنکھوں میں اترتی دھند نے سامنے کا ہر منظر دھندلا دیا۔ وہ جانے کس جذبے کے تحت گھٹنوں میں منہ چھپا کر سسکنے لگی۔ دیو یعنی ہارون احمد کی بھرپور آواز ابھی بھی اس کی سماعتوں میں اتر رہی تھی وہ کتنے یقین کیسی بھرپور طمانیت سے گویا تھا۔

”وہ میرا ہی ہے جسے میں نے حالت مرض میں پکارا تو شفاء دے دی ذلت میں پکارا تو عزت سے نواز دیا۔ جہالت میں پکارا تو نور ہدایت سے منور کر کے رکھ دیا۔ راہ میں جب بھی بھٹکا صحیح راستہ دکھایا۔ غربت میں پکارا تو سخی کر دیا۔“ فاطمہ گھٹ گھٹ کر رونے لگی۔ کیسا احساس ندامت احساس ملال جاگ اٹھا تھا ابھی کے ابھی جو اسے اندر ہی اندر کاٹے جاتا تھا اس نے پشیمانی میں گھر کر سوچا۔ ”دیو کتنے بڑے اور اعلیٰ مقام تک جا پہنچا کیا اس نے محبت نہیں کی تھی۔ یا اس نے ہجر نہیں کا تھا مسلمان تو وہ بھی ہوا اور منزل پائی۔ مسلمان میں بھی ہوئی اور محض چند بے دھیان سجدوں اور اٹک اٹک کر پڑھے قرآن پاک کے چند لفظوں کے سوا دامن میں کچھ بھی قابل فخر نہیں ہے۔ کیسا ایمان ہے میرا کیسی تلاش سب بے کار گیا۔ مجھ میں اخلاص تھا ہی نہیں، میں آگے بڑھتی بھی تو کیسے۔“

آنجل

وہ پہلی بار اس شدت سے اس بے قراری سے اللہ کے سامنے نہیں روئی بلکہ اپنی نااہلی اور نااہلی پر روروی تھی۔ اور رب کی بارگاہ میں تو ایک آنسو بھی خوف خدا سے بہہ جائے تو وقعت سے خالی نہیں ہوتا۔ سب سے جلدی رانجی ہو جانے والی ہستی اللہ کی ہی پاک ذات ہے۔ ہماری ندامت کا ایک آنسو بھی اسے ہمارا بہت قریبی دوست بنا سکتا ہے اور جس کا سب سے قریبی دوست اللہ ہو اس کا کوئی کام کیسے رک یا بگڑ سکتا ہے۔



”چیک اپ کے لیے گئی تھیں تم ڈاکٹر کے پاس؟“ لاریب نے جس وقت دودھ کا گلاس لا کر اس کے پاس رکھا سکندر کے سوال نے اسے چونکا ڈالا۔ اس نے گردن موڑ کر سکندر کی جانب دیکھا۔ لیپ ٹاپ کے آگے بیٹھا ہونٹوں میں سلگتا سگریٹ لیے کسی مہنگے بوتیک کا شلووار سوٹ پہنے جس کی آستین کہیوں تک فولڈ تھی۔ لاریب کے لیے سکندر کا یہ روپ غیر شناسا مگر سحر انگیز تھا اتنا سحر انگیز کہ وہ کسی کے بھی سر پر ہر بول سکتا تھا۔ خاص طور پر صالحہ کے جیسی تو.....!“ اس نے ہونٹ بھیج کر سر جھٹکا بلکہ سوچ جھٹکی۔

”خاموش کیوں ہو، کچھ پوچھا ہے تم سے میں نے۔“ اس کی خاموشی کے جواب میں سکندر جھنجھلائے لگا۔ جیسی سگریٹ الٹش ٹرے میں مسل کر اس نے قہر بھری نظروں کو اس پر جمایا۔ لاریب نے نگاہ کا زاویہ بدلنے میں لمحہ بھر کی تاخیر نہ کی۔

”گئی تھی۔“ وہ جیسے ناچار بولی اور پلٹ کر صوفے پر جا بیٹھی۔ جانتی تھی سکندر کا اٹھا سوال کیا ہوگا۔ اس کی سوالیہ نظروں سے نظریں کتراتے وہ مضطرب بیٹھی رہی۔

”کیا کہا ڈاکٹر نے؟“ سکندر کا ضبط جواب دینے لگا تھا جیسے وہ دانت کچکا کر ہی بولا تھا۔

”پازٹیو ہے رپورٹ۔“ وہ اسی مشینی انداز میں بولی سکندر اس کے اس سپاٹ انداز پر ہونٹ بھیجنے پر مجبور ہوا تھا کچھ دیر اس کی جانب یونہی جھلکشی نظروں سے تکتا رہا پھر

اپنی جڈ چھوڑ کر اس سے کچھ فاصلے پر آن ٹھہرا اور دونوں بازو سینے پر پلٹ لیے۔

”یقیناً تمہارے لیے یہ خوشی کی خبر نہیں ہوگی؟“ اس کا لہجہ ادا کا سرد اور طنزیہ تھا۔

لاریب نے اپنی جگہ پہ پہلو بدلا مگر کچھ بولی نہیں تھی سکندر کا پیش اور دکھ بڑھنے لگا۔

”مگر تم خوش نہیں ہو، تمہیں مجھ پر بھروسہ بھی نہیں ہے تو نہیں پلٹ کر یہاں نہیں آنا چاہیے تھا میں نے نہیں بلوایا تھا اپنی مرضی سے اگر جا سکتی ہو تو واپس.....!“

”میں اس وجہ سے نہیں گئی تھی جو آپ سمجھ رہے ہیں۔“ سکندر کو اشتعال آمیز انداز میں بولتے پا کر لاریب نے اس کے الفاظ دہرائے تھے یہی سمجھا تھا اس نے اسے بتلایا اس کے اس طرح بات زیادہ نہیں بگڑتی۔ مصلحت کا تقاضہ یہی تھا مگر اس وقت سکندر پر اس کے نرم الفاظ و کاری کا اثر دکھائی نہیں دیا تھا۔ جیسی ہونٹوں پر بھیجی زہر آلود مسکان گہری ہوئی۔ اس نے آگے بڑھ کر تملاتے ہوئے انداز میں لاریب کو بازوؤں سے پکڑ کر جارحانہ انداز میں جھنجھوڑا۔

”پھر کیوں گئی تھیں تم بولو؟“ وہ چیخا تھا اس کی آنکھیں اس کی کتنی سرخ ہو رہی تھی۔ لاریب کو بہانہ بنانا مشکل ثابت ہوا۔

”بابا جان سے ملنے کو.....!“

”جو اس نہیں کرو، جھوٹ مت بولو مجھ سے حقیقت تو یہ ہے کہ تمہیں بھروسہ ہی نہیں ہے مجھ پر کبھی بھی نہیں تھا تم پہنچے جی بے بنیاد مجھ پر شک کر چکی ہو اور اب تو.....!“

”ہاں..... کیا ہے میں نے شک یہی سچ ہے اس لیے مجھے دکھ ہوا تھا، بہت کرب سے گزری ہوں میں بھی بات کو بے کر.....!“ وہ چیخ پڑی۔ آنسو بے اختیار بہہ نکلے تھے۔ اس نے سسکی بھری اور منہ پر ہاتھ رکھ کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔ اس نے دانستہ سکندر کے چہرے سے نگاہ ڈالی جو اس کی بے تحاشہ سرخ ہو رہا تھا۔

”میں کم از کم یہ بات ہضم نہیں کر سکتی، نہ برداشت اس

سے قبل یاد کریں میں نے آپ کی ہر نا انصافی ہر زیادتی پر خاموشی اختیار کی ہے اس لیے کہ میں واقعی ازالہ کرنا چاہتی تھی اس زیادتی کے لیے جو کبھی آپ کے لیے تکلیف کا باعث بن چکی تھی۔“ اس کی بات کاٹ کر وہ گھٹے ہوئے انداز میں کہہ کر پھر رونے لگی۔ وہ خود پر جسے تمام ضبط گنوا چکی تھی۔

”کیوں برداشت نہیں کر سکتیں، جب تمہیں مجھ سے کوئی سروکار نہیں تو اس بات سے کیا غرض کہ میں کتنا بار کردار ہوں۔“ سکندر لہو رنگ اسے گھور رہا تھا وہ دکھ شگستگی اور اذیت سے چور ہو رہا تھا۔ لاریب نے تڑپ کر سے دیکھا۔

”کیوں غرض نہیں ہونی چاہیے محبت کبھی بھی اپنے نقصان سے بے غرض نہیں ہوا کرتی۔“ وہ شاید جذباتیت کی کسی رو میں کہہ گئی مگر سکندر سنائے کی زد پر آ گیا تھا وہ کچھ دیر یونہی اسے دیکھتا رہا۔

”کون سی محبت؟“ اس کے سرسراتے لہجے میں کتنی تلخی کتنی رکھائی تھی۔ جیسی لاریب بے تحاشہ اذیت کا شکار ہوئی۔ اس نے غضب ناک نظروں کو سکندر کے تلخ چہرے پر لگا کر اسے دل گداز نظروں سے دیکھا۔

”آپ کو اتنی سی بات سمجھ نہیں آتی سکندر کہ اگر مجھے آپ سے محبت نہ ہوتی تو مجھے اس سمجھوتے پر کبھی کوئی مجبور نا کر پاتا جو میں نے آپ کے ساتھ کو قبول کر کے کیا۔ طبیعت پر جبر بھی میرے مزاج کا حصہ نہیں رہا اور اس بات کے آپ بھی گواہ ہیں۔“ سکندر لب بستہ رہ گیا۔ جو کچھ وہ کہہ رہی تھی۔ وہ اتنا انوکھا اور دل گداز تھا کہ اس کا دھوکہ سمجھ کر بھی سہی مگر ایمان لانے کو دل کرنے لگا تھا۔ لیکن ایسا ممکن ہی کہاں تھا۔ وہ اب خود فریبی کا ہی تو شکار نہیں ہونا چاہتا تھا۔ لاریب نے اسے تذبذب کا شکار پایا اور اس کے کاندھے پر اپنا ہاتھ بے حد ملامتھ بھرے انداز میں رکھ دیا۔

”میں جانتی ہوں آپ کو میری بات کا یقین نہیں آ رہا سکندر، میں ابھی اسی لیے اس اظہار کی قائل نہیں تھی۔ ویسے بھی میں زبانی کی بجائے عملی ثبوت دینے کو پسند کرتی ہوں مگر حالات کی تیزی سے تبدیل ہوتی صورت نے مجھے ایسا کرنے پر مجبور کیا ہے۔“ وہ انتہائی عاجزی سے کہہ

رہی تھی۔ سکندر نے اس کی جانب دیکھے بغیر اس کا ہاتھ اپنے کاندھے سے جھٹک دیا۔ صاف ظاہر تھا وہ اس کی بات کا یقین نہیں کر پا رہا تھا لاریب کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔ وہ ہونٹ کچلنے لگی۔

”اب بھی تمہاری کوئی مجبوری ہرگز نہیں ہے کہ تم یہ غلط بیانی کرو۔“ اس کے نزدیک انداز پر لاریب کی آنکھیں پھر سے پانیوں سے چھلک گئیں بے بسی کا کتنا گہرا احساس تھا اس وقت اس کے چہرے پر۔

”آپ بتائیں آپ کو یقین دلانے کے لیے مجھے کیا کرنا چاہیے سکندر، وجہ یہی ہے کہ میں اپنی زندگی کو بدگیاہی اور شک کی نذر نہیں کرنا چاہتی۔“ وہ کس درجہ مضطرب تھی سکندر نے ناچاہتے ہوئے بھی ایک نظر اس پر ڈالی، آخر کیا مجبوری تھی کہ وہ اسے ہر صورت منالینا چاہ رہی تھی۔ سکندر زچ ہونے لگا۔

”میری اجازت کے بغیر کیوں گئی تھیں تم عباس کی طرف؟ اصل غصہ بلا آخر سامنے گیا تھا۔ لاریب چونکی۔

”تم جانتی ہوں میں تمہارا اس سے.....!“

”آپ نہیں چاہتے تو میں آئندہ کبھی بھی اس کے سامنے نہیں جاؤں گی، ویسے آپ کی تسلی کے لیے عرض کر دوں کہ میں ماضی کی ہر بات کو فراموش کر چکی ہوں۔

عباس حیدر اس سے وابستہ ہر بات کو بھی اور مزید کہ یہ اماں نے مجھے بے حد اصرار سے چلنے کا کہا تھا۔ یہ بھی واضح رہے کہ اماں ان تمام باتوں سے لاعلم ہیں سکندر میں انہیں منع نہیں کر سکتی تو اس کے پیش نذر صرف ان کا احترام تھا اس کے باوجود میں آپ کی اجازت کے بغیر جانا نہیں چاہتی تھی۔ آپ کا سیل آف تھا آفس میں آپ تھے نہیں۔“ ایک

کے بعد دوسری صفائی دیتی وہ اپنی بے گناہی اور سچائی ثابت کرنے کی کوشش میں مصروف تھی۔ سکندر نے اسے پہلی بار قدرے دھیان سے دیکھا نیوی بلیو جدید تراش خراش کا لباس جس کا دوپٹہ کاندھے سے اس پل ڈھلک رہا تھا۔

گلابی مائل بے حد گوری رنگت، سحر طاری کرتے ہوئے دلکش نقوش سے سجا چہرہ ریشمی لائنی پلکیں، نازک سرپا اور

یہ سال جو رخصت ہوا ہے
کون جانے.....
ملن ہوا ہے کس کا کس سے
کون کس سے جدا ہوا ہے
گئے دنوں میں.....
ٹوٹا ہے دل کس کا
کس سے حق محبت ادا ہوا ہے
یہ تمنا تھی ہماری کہ.....
کسی حسین لمحے میں
کسی انمول گھڑی میں
تم ہمیں ہم تمہیں اپنا لیتے
حجر.....

اسی حسرت میں
دوبہر بھی بیٹھی آنکھوں کے ساتھ الوداع ہوا ہے
عائشہ پرویز..... کراچی

نملیں بال حسن و کشش کے جیسے جھمر نے پھوٹے تھے اس کے وجود سے وہ آج بھی نظر انداز نہیں کی جا سکتی تھی۔

بلکہ سکندر نے جانا وہ آج بھی اس کے لیے اتنی ہی اہم اسی قدر خاص تھی بلکہ خود کو اس کے لیے مخلص ظاہر کرتی۔ اس کی محبت کا دم بھرتی وہ اسے پہلے سے ہمیشہ سے کہیں بڑھ کر کشش اور چارمنگ لگی۔

”شک بھی وہیں ہوتا ہے سکندر جہاں محبت ہوتی ہے۔ کم ظہنی اور تنگ دلی کا جذبہ بھی وہیں جنم لیتا ہے جہاں محبت قائم ہو اور یہ کہاں لکھا ہے کہ اگر کوئی پہلے کسی کو کسی حوالے سے ناپسند کرے تو ساری عمر پسند نہیں کر سکتا۔ اسے آپ میری نادانی بھی تو سمجھ سکتے ہیں نا سکندر، یاد تو کریں اب نہ سہی کبھی تو آپ کو مجھ سے محبت تھی۔ اس کے صدمے تھوڑی سی گنجائش نکال لیں میرے لیے؟“ لاریب وضاحتوں اور صفائیوں میں اس حد تک مگن ہوئی کہ سکندر کی بدلتی نظروں کو محسوس نہ کر سکی۔

جن کا شاکی پن اور تلخی دم توڑ کر خوشگوار حیرت کے بعد شوخ رنگ اتر رہے تھے۔ اسے قولاً و فعلاً بدل جانے والی لاریب پہلا خریقین کرنا پڑا تھا۔

”تم ٹھیک کہتی ہو یہ ہرگز ضروری نہیں کہ کوئی ہمیشہ ایک جیسے جذبے رکھے ایک جیسی سوچیں سوچ حالات و واقعات کی تبدیلی فطری طور پر انسان پر اثر انداز ہوتی ہے مجھ پر ہوئی تم پر بھی ہو سکتی ہے تم میری ساری بدتمیزی اور زیادہی اس لیے برداشت کرتی رہیں میں سمجھتا رہا تم خود کو سزا دے رہی ہو۔“ سکندر نے دھیمے لہجے میں کہتے اس کا رخسار سہلایا۔ لاریب جو اتنی جلدی شاید اس کے مان جانے ہموار ہونے کی توقع نہیں رکھتی تھی بری طرح چونکی وریوں اسے تنگنے لگی جیسے تاثرات سے اندازہ کرنا چاہتی ہو وہ کس موڈ میں بات کر رہا ہے۔

”تم بہت ہرٹ کر چکی تھیں لاریب، بہت زیادہ میں کہاں تک کس حد تک ضبط سنبھالنے رکھتا یہ پیمانہ لبریز ہوا تو فطری طور پر سہی گمروہ محبت اس غم و غصے اور انتقامی کیفیت کی نذر ہو گئی۔ جو میں تم سے کرتا تھا۔“ وہ جیسے کسی عظیم نقصان سے دوچار کہہ رہا تھا۔ لاریب نے اس کے دونوں ہاتھ تمام لیے انداز میں تسلی بھی تھی عقیدت و محبت بھی۔

”میں سمجھتی ہوں مجھے ہرگز بھی آپ سے کوئی شکایت نہیں ہے۔“ اس کے انداز میں رساں تھانوی تھی چاؤ تھا۔ سکندر اسے تکتا رہا پھر سرکونی میں جنش دی۔

”مگر مجھے تم سے شکایت ضرور ہے لاریب تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں تم نے جب چاپ میرے ستم کیوں ہے، میں محبت کی بلندی سے پسپائی کی جانب عازم سفر ہوا تو خود کو بھی بھولے ہوئے تھا۔ اب تو جیسے خود سے نظریں چار نہیں کر پاتا ہوں محبت یہ تھوڑی ہوئی ہے لاریب۔“ وہ ہنوز بچیدہ دہلپول تھا لاریب روا داری سے مسکرائی۔

”وہ سب وقت و حالات کے عین مطابق بالکل درست تھا کبھی میں بھی بہت ستا چکی تھی نا آپ کو۔“

”ہاں جیسی بہت غصہ تھا تم پر مجھے۔“

”مجھے معاف کر دیں۔“ لاریب کی آنکھیں جانے کیا

کچھ یاد کر کے بھڑائییں سکندر پر قدرتی سا اثر ہوا تھا۔ ”اس کا بہتر حل یہی ہے کہ ہم پلٹ کر نہ دیکھیں میں خود بھی ماضی میں ہونے والی سب دکھ دینے والی باتیں بھولنا چاہتی ہوں۔“ اس نے سیدھی لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔ اس کے ملکوتی چہرے پر ایسا ہی سکون اتر آیا تھا جیسے صدیوں کی مسافت طے کرنے والے مسافر کو منزل پر پہنچ کر نصیب ہوا کرتا ہے۔ سکندر کی اسے تنگی آنکھیں لو دینے لگیں۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کے جوڑے سے کھل کر نکھر جانے والے بال سیٹے۔

”خیر ماضی میں ہونے والی ساری باتیں ہی تو دکھی نہیں تھی تھوڑے بہت خوشگوار لمحات بھی تھے جب مختلف کیفیات کے زیر اثر تم نے اپنے دھمیلیں وجود سے میری ویران و بے رونق زندگی میں رنگ بھرے تھے، بتاؤں کب کب؟“ اس کا انداز شوخ و شنگ تھا تو لہجہ بھرپور مردانگی کے تاثر سے بھرا ہوا۔ لاریب پہلے تو سمجھی نہیں جب سمجھی تو کانوں کی لوؤں تک سرخ پڑ گئی۔

”جب وقاص ہمارا پچھپا کر رہا تھا اور ہم کنویں میں گر گئے تھے اس کے علاوہ جب بھی تم مجھے غصہ دلائی تھیں ایک بار سانپ کا بھی وہم ستانے لگا تھا تمہیں اور اس وقت تو کمال ہو گیا تھا جب ثانیہ کو جیلنس کرنے کی خاطر تم.....!“ وہ پٹری سے اترتا لاریب نے شرماتے ہوئے بے اختیار اس کے ہونٹوں پر اپنا نازک ہاتھ رکھ کر گویا اس کی بے باکی کو لگام ڈالنی چاہی۔

”مجھے ہرگز اندازہ نہیں تھا آپ اتنے بدتمیز بھی ہیں اس وقت تو بڑے غصیلے موڈ میں ہوا کرتے تھے جناب۔“ حیا آمیز لہجہ سے کہتی وہ جھنجھلا سی گئی کہ اس کی نظریں ہی ایسی تھیں کہ وہ ڈھنگ سے اسے گھور بھی نہ سکتی تھی۔ سکندر نے پہلے سراہ بھری پھر شاکی نظروں سے اسے دیکھا۔

”یعنی غصے کی وجہ بھی محترمہ کو سمجھ نہیں آ سکتی تھی۔ وہ بھی اب میں بتاؤں۔“ لاریب نے سر کھجایا اور شرارتی مسکان سمیت اسے دیکھا۔

”بتائیں نا پلیز، ریشمی مجھے اب تک سمجھ نہیں آ سکی۔“



ایکے میں
حالت داری

نصیب عشق دل بے قرار بھی تو نہیں
بہت دنوں سے تیرا انتظار بھی تو نہیں
تیری نگاہ تغافل کو کون سمجھائے
کہ اپنے دل پہ مجھے اختیار بھی تو نہیں

کھو دیا تھا ابھی تو اسے اور بھی اندازے لگانے تھے۔
گھر والے اس کی خوراک کا خاص خیال رکھتے سب
کچھ اسے تیار ملتا۔ مطلب اس نے اپنی اہمیت حاصل
کر لی تھی مگر بے تکلفی کھودی تھی رشتوں میں دوستی کا مان
کھو دیا تھا۔ ابھی گھر والے اس کی پسند کے مطابق لباس
پہنتے، کن لوگوں سے رابطہ رکھنا ہے کن سے ملاقات بھی
نہیں کرنی اس کے فیصلے پر چلنے لگے تھے مطلب اس نے
خلوص اور مروت کھودی تھی۔ اور ابھی کل ہی تو امی نے
اسے بتایا تھا کہ رومیہ کے لیے بہت اچھا رشتہ آیا تھا اور
اس کی طرف سے مسلسل ٹالتے رہنے کی وجہ سے چاچی
سنجیدگی سے اس بارے میں سوچ رہی تھیں۔

تو کیا وہ اپنی محبت بھی کھونے لگا تھا؟
احمر آفندی کا پ گیا۔ روی، اس کی کزن، اس کے
بچپن کی ساتھی ان دنوں کا ہر پل ایک دوسرے کا خیال
رکھتے گزرا۔۔۔۔۔ ہر پل۔۔۔۔۔ مگر تب تک جب تک وہ
دولت کی دوز کا حصہ دار نہ بنا۔ اپنی زندگی کو دولت سے

سارے گھر میں ایک ہنگامہ سا بچا تھا۔ ہر طرف شور
مچا رہا، گھر کے بھی افراد مل جل کر خوب ہلہ گلہ کر رہے تھے
۔۔۔۔۔ جیسے ان سب میں ہو کر بھی ان میں موجود نہیں تھا۔
زندگی میں خوب ترقی کرنے اور حد سے زیادہ دولت
کمانے کا خواب دیکھنے والا احمر آفندی سیڑھیوں پر کھڑا اپنی
بالت پر حیران تھا۔ دولت اور عیش و عشرت کا پیچھا کرتے
کرتے وہ اپنی اصل ہی کھو بیٹھا تھا اور جب سب گھر
والے بچوں کی طرح آنے والے سال کا استقبال کرنے
کی تیاریاں کر رہے تھے تو وہ احمر آفندی جس نے بزنس کی
دنیا میں ایک نام کمایا تھا چاہے کبھی چند سال پہلے کے احمر
آفندی کی طرح ان کی شرائط میں شامل نہ ہو سکا تھا۔

منظر بے حد گہرا اور محبتوں سے لبریز تھا۔ مگر ان محبتوں
میں بے تکلفی تھی دوستی تھی جو وہ اہم اور سب سے زیادہ
نامیاب بن کر خود اپنے ہاتھوں سے کھو چکا تھا اور یہ تو ابھی
انراک کی پہلی سیڑھی تھی یہ تو اس کا پہلا اندازہ تھا کہ اس
نے اپنے گھر والوں سے پہلے والا لابی اور دوستی کا رشتہ

سکندر انتہائی سوچ کی حامل ایسی لڑکی جسے کسی بھی غلط ترین
انجام کی پروا نہیں تھی۔ ایسے میں یقیناً خود کو کوئی شہید
نقصان پہنچاتی ابھی کہا نا آپ نے وہی میرا خالص پن
تھا۔ تب پاگل تھی میں۔
”یہ پاگل پن بھی میرے لیے بھی دکھاؤ گی؟“ سکندر
نے مصنوعی آہ بھری۔ لاریب کی مسکراہٹ لیکھت غائب
ہوئی تھی۔

”آپ کے لیے ہی مخصوص ہے اب یاد کریں کتنے
توہین آمیز انداز میں بارہا مجھے بہت کچھ باور کرایا ہے
آپ مگر میں حرف شکایت زبان پر نہیں لاتی۔ سکندر
میرے نزدیک یہی محبت ہے۔ محبوب کو اس کی سب
خوبیوں خامیوں سمیت قبول کرنا۔ وہ کوئی الگ تھوڑی ہوتا
ہے۔ اپنی خای بھلا کون عیاں کرنا پسند کرتا ہے۔ اپنے
عیب تو ہر کوئی ڈھکتا ہے۔“ اس کی آنکھیں آن کی آن
میں بھر کر چمک گئیں۔

”اس لیے تو سوری کر رہا ہوں اگلے میں جنونی ہوتے
میں بہت توہین کر گیا تمہاری۔“ اس کا لہجہ پر ملال تھا۔
لاریب نے ہونٹ بھیج کر خود کو سنبھالا اور مسکراتے لگی۔
”آپ صحیح کہتے ہیں ہمیں پرانی باتوں کو یاد نہیں کرنا
چاہیے۔ دیانت داری سے دیکھا جائے تو زیادہ غلطی میری
ہی تھی۔“

”لیکن پھر بھی مجھے۔۔۔۔۔!“
”جانے دیں سکندر بس آج سے ہمارے درمیان ان
شاء اللہ اچھی باتیں ہی ہوں گی۔“ اس نے وہ شبنم میں
نہائے گلاب کے پھول کی مانند خلقت اور کھلی کھلی لگ رہی
تھی۔ سکندر اسے دیکھتا رہا پھر مسکرا دیا۔ زندگی کا یہ رنگ
خوب صورت تھا انمول تھا آسودہ تھا ماحول میں محبت رقص
کرتی تھی۔ فتح کا احساس غالب تھا۔

(باقی ان شاء اللہ سندھ ماہ)



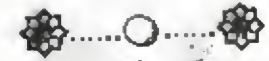
عجب بے چارگی تھی اس کے انداز میں سکندر نے ٹھنڈا اور
طویل سانس بھرا۔
”محبت کرتا تھا تم سے ترستا تھا تمہارے لیے ظالم لڑکی
تم میری کیفیات کو سمجھ جانے بنا میرے جذبات سے
کھیلتی رہیں۔ خود ہی حد بندیاں لگاتی تھیں خود ہی بغاوت
پر اکساتی تھیں۔ یعنی خدیجی نا بے نیازی کی بھی اور بے رحمی
کی بھی اظہار عرض کر دوں محترمہ مجھے مکمل لاریب چاہیے
تھی۔ وہ جو مجھ سے محبت کرتی ہو وہ جو مجھے قبول کرتی ہو۔“
”تو پھر مبارک ہو اللہ نے آپ کے صبر کا بہترین
پھل دیا۔ آپ کو حسب خواہش ملا ہے۔“ لاریب مسکراتی
ہوئی کتنی پیاری لگ رہی تھی۔ یہ سکندر نے اب جانا تھا۔
”آپ مجھ سے اب کبھی بدگمان نہ ہوئے گا سکندر،
مجھے واقعی آپ سے محبت ہے۔“ لاریب کی آنکھیں نم
ہونے لگیں۔ سکندر کی مسکان کچھ اور گہری ہو گئی تھی۔
لاریب کے چہرے پر قوس و قزح بکھرنے لگی۔
”مجھے تسلیم ہے آپ کے ساتھ میرا سابقہ رویہ میری
زیادتی ہے اور بدتمیزی کی انتہا بھی۔“

”نہیں لاریب، وہ تمہارا خالص پن تھا مجھے اس سے
بھی محبت تھی۔ جسبھی تو کبھی تمہارے ساتھ زبردستی کر کے
تمہیں توڑا نہیں بکھیرا نہیں تم اتنی ہی عزیز تھیں مجھے۔“
سکندر کا لہجہ گہر تر ہونے لگا اس پل وہ کتنا سنجیدہ تھا۔
”مجھے تو سمجھ نہیں آتی آپ کی اس وریشہ محبت کی۔“
اس نے ناز سے ناک چڑھائی۔

”پھر سمجھ آ گئی جب رنگ ڈھنگ بدلا؟“ سکندر کا
انداز معنی خیز ہوا اور لاریب کا چہرہ حیا آلود ہو گیا۔
”مجھے پتا چل گیا تھا اگر مقصد اب سیدھی طرح
حاصل نہ ہوا تو خود کو تھوڑا خراب کر لوں۔“ وہ چھیڑنے کے
انداز میں کہہ رہا تھا۔ لاریب اسی طرح سنجیدہ اسے دیکھے
گئی تو سکندر کو مزید شرارت سوچھی۔

”ویسے اب سوچتا ہوں خواہ مخواہ نا تم برباد کیا۔ یہ دیدہ
دلیری مجھے پہلے دکھانا چاہیے تھی کیا کر لیتی تم بھلا؟“
”یہی غلطی ہوتی پھر آپ کی۔ میں تب شدت پسند تھی

بھرتے بھرتے وہ کہیں خالی ہاتھ تو ہونے نہیں جا رہا تھا
محبوبوں سے تہی دامن ہونے۔
گھر کے سب افراد نیوٹائٹ پلان کر رہے تھے
اور احمر آفندی اپنے پچھلے سالوں کا احتساب کرنے میں
مگن تھا۔



آٹھ مرلے کے کچے کچے مکان کے چھوٹے سے
محکم میں پانچ چھ بچے بال سے کھیل رہے تھے۔ ان میں
سب سے بڑا بچہ باری باری خود سے چھوٹے تمام بچوں یہ
رعب بھی ڈال دیتا ذرا سے فاصلے پر جھولے میں دو
چوٹیاں پاندھی گلابی فراک میں ملبوس بہت ہی پیاری سی
بچی بیٹھی تھی۔ اس وقت سائڈ کے ایک کمرے سے عورت
نگلی اور کچن میں چلی گئی۔ اچانک ہی وہ بڑا بچہ تیزی سے
اس کمرے میں گیا۔ تھوڑی دیر بعد ہی وہ باہر نکلا تو اس
کے ہاتھ میں ایک خوبصورت شیشے کا نازک سا گلاس تھا۔
اس نے کمرے سے اس گلاس میں پانی لیا اور پینے لگا کہ گلاس
اس کے ہاتھ سے چھوٹا اور نیچے برآمدے کے کچے فرش پر
گرتے ہی چمکنا چور ہو گیا۔ آٹھ سال کی وہ چھوٹی سی بچی
فوراً اس کے پاس پہنچی تھی۔

”یہ کیا کر دیا، نئے سیٹ کا گلاس توڑ دیا۔“ سلمیٰ جو
کانچ ٹوٹنے کی آواز پر دوڑتی وہاں پہنچی تھیں۔ ٹوٹا گلاس
دیکھ کر ای بدک انھیں۔

”وہ..... وہ..... چاچی۔“ بارہ سال کا احمر آفندی
خوفزدہ کھڑا تھا۔

”ای..... مجھے پیاس لگی تھی۔“ وہ منہ بسورتے اس
کے سامنے آکھڑی ہوئی تھی سلمیٰ نے تیز نظروں سے
اسے گھورا۔

”تو کیا پرانے سب گلاس ختم ہو گئے تھے، دو ہی سیٹ
رہ گئے ہیں جو مہمانوں کے سامنے عزت رکھ لیتے ہیں تم
ان کو بھی خراب کر کے دم لوگی۔“ ان کا بس نہیں چل رہا تھا
کہ رو میسہ کو ایک دو لگا دیں۔

”کیا ہو گیا ہے سلمیٰ، اب ایک گلاس کی خاطر کیا بچی

کی جان لوگی۔“ بڑی ای (تائی جنہیں سب بچے بڑی
امی ہی کہتے تھے) نے رو میسہ کو بانہوں میں بھرتے
ہوئے جھڑکا۔

سلمیٰ ان کی آمد پر خاموش ہو کر کانچ اٹھانے لگیں۔

”گھر کے حالات بھی تو دیکھیں بھابی، اب ایسے میں
ایک سوئی کا نقصان بھی جان و ہلا کر رکھ دیتا ہے۔“ سلمیٰ
نے اٹھتے ہوئے اداس لہجے میں کہا اور ریو آئی بیچ تھا۔

احمر کے والد اکبر صاحب کی صدر میں دکان تھی۔ جس
میں انہیں بے حد منافع ہوتا تھا مگر اب کئی ماہ سے گھائے
میں جا رہی تھی۔ چھوٹے بھائی رو میسہ کے ابواصر کی جانب
بھی اچانک ختم ہو گئی تھی گھر کی حالت دیگر گون تھی۔

”تم نے ایسا کیوں کیا، رومی؟ اب اگر چاچی تمہیں
تھپڑ مار دیتی تو۔“ احمر نے ان کے جاتے ہی دوبارہ
جھولے پر بٹھتی رو میسہ کو پکارا۔

”ارے واہ، مجھے کیسے پھنسا رہی تھی، پاپا سے بہت
ڈرتی ہیں ہاں مگر تمہارا چال چلتا تو تمہیں ضرور مار لگتی۔“
رو میسہ نے مسکراتے ہوئے مسئلہ حل کیا تو وہ اثبات میں
سر ہلا گیا۔

اس دن بارہ سالہ احمر آفندی نے خود سے وعدہ کیا تھا
کہ بے تحاشہ دولت جمع کرے گا تا کہ اس کے گھر والے
کبھی ان چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لیے نہ ترسیں۔

رو میسہ اس دن کے بعد اس کی سب سے بہترین
دوست بن گئی تھی، وہ اس کی ہر بات کا خیال رکھتا، پڑھائی
میں اس کی مدد کرتا، جو بھی اس کو چاہیے ہوتا احمر آفندی
اسے لا کر دیتا۔ اس کا ہوم ورک کر دیتا اور وہ مزے سے
بیٹھی کارٹون دیکھتی۔

بچپن کب ختم ہوا کب جوانی کی دہلیز پر قدم دھرے
کب بچپن کی دوستی محبت میں تبدیل ہوئی ان دونوں کو خبر
تک نہ ہوئی۔ سارے فیصلے، سارے رشتے وقت نے
طے کر دیے تھے۔ ان کے رشتے میں دوری تب پیدا ہوئی
جب احمر آفندی نے تعلیم کو خیر باد کہہ کر عملی زندگی میں قدم
رکھا۔ اس نے آرام خود پر حرام کر لیا۔ ہر وقت کام اور سخت

محنت اس کا دھیرہ بن گیا۔ وہ دن کو ایک انٹرنیشنل فرم میں
منیجر کے طور پر کام سرانجام دیتا اور رات گئے چھوٹی موٹی
جائے کرتا۔ اس کی دن رات کی محنت کی وجہ سے بہت جلد
وہ انجینی خاسی رقم جمع کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

اس کی لگن کو دیکھتے ہوئے اکبر علی نے اس کی خاطر
اپنی دکان بیچ دی اور اس سرمائے سے احمر آفندی نے ایک
چھوٹا سا بزنس اسٹارٹ کر دیا۔ اس نے شہر کے چند
پسماندہ علاقوں کے دورے کیے اور مختلف جگہوں سے
غریب ہنرمند لوگ تلاش کر لیے وہ ان سے اپنی پسند کے
پیرائے اور گھریلو آرائش کی چیزیں بنوا لیتا اور پھر سوشل
میڈ کے ذریعے اندرون اور بیرون ملک بیچ دیتا اسے
محکم ٹھاک منافع ملنے لگا بہت جلد اس کے کام کا دائرہ
پھیلنے لگا۔ کیونکہ ان تمام مصنوعات میں پسند اور معیار وہ
خود چیک کرتا۔

صرف چند ماہ کے عرصے میں ہی ملک کے بڑے
بڑے شہروں کے بڑے تاجروں نے اس سے رابطے
شروع کر دیے تھے بلکہ بیرون ملک وہ سوشل پیجز پر جنہیں
بھی تصویریں تمام کوائف کے ساتھ اپ لوڈ کرتا سب کی
سب دو تین دن میں ہی فروخت ہو جاتی اور اسے اپنی
مرضی کے مطابق آرڈر ملنا شروع ہو گئے بیرون ملک سے
بھی۔ دن جیسے پر لگا کر اڑنا شروع ہوئے تو سب کچھ
پیچھے رہ گیا۔ کئی کئی دن گھر والے اس کی صورت دیکھنے کو
تس نہایتے اور ان سب میں سب سے زیادہ ٹرپ
رو میسہ کی تھی۔ وہ یونیورسٹی میں پڑھتی تھی۔ اسے اب زیادہ
احمر کی ضرورت پڑتی تھی۔ مگر احمر اسے بس ایک ہی جنون
تھا آج کل دولت، دولت، بے انتہا دولت اور وہ بھی جائز،
تب ہی اس کا کوئی بل فارغ نہ رہتا۔

انہی دنوں اسے لندن سے ایک پاکستانی تاجر نے
بارٹرشپ کی آفر کی تھی۔ اس نے کافی سوچ سمجھ کر یہ آفر
قبول کر لی تھی بابا نے اس کا سارا کام سنبھالنے کی ذمہ
داری اٹھائی تھی۔ سواب وہ مطمئن تھا۔ اس نے بلا تامل
باہر جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اسے اپنا خواب پورا ہوتا دکھائی

دسمبر بہت ستاتا ہے

سنو.....

تم لوٹ آؤنا

اب آ بھی جاؤنا.....

میں جب بھی دامن زندگی تھا سنے لگتی ہوں

ہنسی کی جلتی رنگ میں

زندگی کے ہر رنگ میں

کھونے لگتی ہوں

خوشی کے ساز و رنگ کا

پیر، سن اور جسے لگتی ہوں

تو دھیرے سے تیری یاد کا جگنو

میری ذات کے گرد گنگنا تا ہے

مجھ کو رلاتا ہے.....

بار بار یہ کہتا ہے

سنو تم اس کو پکارو نا

رمز عشق سنو ارون

اسے کہو ”تم لوٹ آؤنا“

یہ سردشائیں اداسی گزری جاتی ہیں

یہ اداس دسمبر بہت رلاتا ہے

سنو.....

تم لوٹ آؤنا

دسمبر بہت ستاتا ہے

سامعہ ملک پرویز..... بھیرہ خانپور

دے رہا تھا۔ وہ ان دنوں ہواؤں میں اڑنے لگا تھا۔ سب
گھر والے اس کی ترقی پر خوش تھے۔

مگر ایک وجود تھا جو ٹوٹ رہا تھا بلکہ رہا تھا مگر بد قسمتی

یہ تھی کہ جو کبھی ٹکس آئینہ ہوا کرتا تھا اب وہ پس منظر میں چلا

گیا تھا۔ احمر آفندی کو ایک مرتبہ بھی اس کا خیال نہ آیا تھا۔

اس نے ایک مرتبہ بھی اس سے تنہائی میں نہیں پوچھا تھا

کہ وہ اس کے بغیر کیسے رہے گی۔ اپنی ضرورت کے

بتائے گی اپنی شرائط کس سے شیئر کرے گی۔ وہ تو بس

سنے سجاتا مسکرا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں رو میسہ کی جگہ



onlinemagazinepk.com/recipes

aanchal.com.pk

انچل آن لائن میگزین

سے شائق

نارہ شمارہ شائع

ہو گیا ہے

جنوری 2015ء کے شمارے کی ایک جھلک

تلفندہ ردا است: یہ کہانی ایک ایسے مرد آئین کی ہے جو ذات کا قلندر تھا۔ اس نے ان لوگوں کو اپنی انگلیوں پر نچایا جو اپنے میں دنیا تعمیر کرنے کی دھن میں انسانیت کے دشمن بن گئے تھے۔

جنت سنگھ: تاریخ کے صفحات میں محفوظ سرزمین پنجاب کی ایسی دلگداز داستان جو کلاسک داستانوں میں شمار ہوتی ہے۔ یہ کہانی ان لوگوں کے لیے بھی فسانہ محبت ہے جو آئے والی نسلیں کو انتقام اور دشمنی کے جذبات سے متسلل کرتے رہتے ہیں اور سیدھے سادے نوجوان "جنت سنگھ" بن جاتے ہیں۔ "جنت سنگھ" کہاں سے چلا اور کہاں پہنچا؟ اپنے کارناموں پر جاننے کے لیے ہم بھی زیر نظر کہانی میں "جنت سنگھ" کے ساتھ ساتھ کھڑے ہوں گے کہ اس کے سرسبز کھیلوں اور نیچے نیچے ٹیلوں اور پر خطر کھنڈرات کے نقیب و فراز میں سفر کرتے ہیں۔

یار سب: عدم اور اک سے اور ک تک کی داستان۔ ایک مجرم کی روایت ہے اس کے احساس ندامت نے مجرم نہ رہنے دیا۔ کسی برگزیدہ ہستی کی فکر کا کرشمہ۔ ایک بے وفا کی بے وفائی کا فساد۔ کسی کی بے لوث چاہت کی کہانی۔ ایک غفیم ذی روح کی محنت کا احوال جو موت کی اذیت بھلا کر اخبار کے گروہ لوگوں سے پر معاف نکلتا رہا۔ ایک بلند جہلہ باپ کی چہا جو اپنے بیٹے کی وصیت پر پابند رہا۔ سلاخوں کے پیچھے متقلد قیدیوں کے لیے امید کی ایک کرن۔ آشدر دلوں کے لیے بطور خاص آنسوؤں کی روشنائی سے دکھایا جانے والا ناول۔

مسز دچمپ: انجم فاروق ساحلی کشن کے جانے مانے معترف ہیں انہوں نے زیادہ تر جرم و سزا کے موضوع پر لکھا ہے لیکن اس بار انہوں نے نئے افق کے دلچسپ نمبر کے لیے ہلکی پھلکی کہانی تحریر کی ہے۔ لیکن ان کی ایک کہانی میں تین کہانیاں ہیں جنہیں پڑھ کر آپ محفوظ بھی ہوں گے اور اس بھی۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت کچھ

نہیں کرتے تھے جیسے وہ پہلے کیا کرتے تھے ہمیں سارا دن اپنے کمروں میں بند کالوں میں ایئر فون دے بیٹھی رہتیں۔ بھائی اپنے دوستوں کے ساتھ مصروف رہتے اور رات گئے واپس لوٹتے۔ ماں بابا عمر کے اس حصے میں تھے جہاں رشتوں سے زیادہ وقت اللہ کی عبادت میں کٹنے لگا ہے اب رعبی تو رومیہ مگر وہ امر سے کترانے لگی تھی اس کی آنکھیں اس کی خاموشی، حتیٰ کہ اس کی ہر ایک اداسے خفگی نکلتی تھی۔ وہ جتنی نہیں کھڑا اور خوش مزاج بھی اتنی ہی خاموش ہی ہو گئی تھی۔

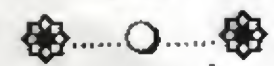
وہ جہاں اسے مخاطب کرنے کی کوشش کرتا وہ جیکے سے وہاں سے کھسک لیتی، وہ بھی نجانے کیوں اسے اس طرح بے تکلفی سے نہ پکار پاتا نہ اس استحقاق سے اس کا ہاتھ تھام کر اسے روک پاتا۔ واقعی وقت اسے بہت بڑا دھوکہ دے گیا تھا وہ جو سوچ رہا تھا کہ دن رات دھڑا دھڑ پیسہ جمع کر کے وہ سب سے آگے نکل گیا ہے سب سے پیچھے رہ گیا تھا۔ امر آفندی نے میٹر جیوں پر کھڑے کھڑے نیچے کھڑے سب بہن بھائیوں کو مل کر نیو لیرنٹ کا پلان بناتے دیکھا اور مسکرا دیا تھا۔ ایک پلان تو اسے بھی بنانا تھا جو کچھ وہ پچھلے برسوں میں اپنے ہاتھ سے کھو چکا تھا وہ اب کے برس اسے دوبارہ سب حاصل کرنا تھا اپنیوں کا پیارا، ان کی توجہ اور سب سے بڑھ کر اپنی محبت۔

سارا گھر رنگ برنگی روشنیوں سے جگمگا رہا تھا گھر کی دیواروں، ٹیرس اور کھڑکیوں سے لے کر ہر درخت ہر پودے کو قہقہوں سے سجا دیا گیا تھا۔ ہرے، پیلے، لال، نارنجی رنگ برنگے قمقمے جب جلتے سمجھتے تو سارے ماحول پر عجیب سا فسوں طاری کر دیتے۔ گھر کے بڑے سے لان میں جمع سارے افراد آتش بازی کا سامان لیے نئے سال کا آغاز کے لیے بالکل تیار کھڑے تھے۔

رومیہ سب سے دور کھڑی اداسی سے ان سب کو یوں ناچتا گاتا دیکھ رہی تھی کسی بھی چیز میں اس کا دل نہیں لگ رہا تھا۔

سہانے خواب چمک رہے تھے اور پھر ایک دن وہ لندن کے لیے نکل گیا۔ اس دن وہ آسمان پر بس جہاز ہی تلاشتی رہی کہ کون سے جہاز میں نہ جانے اس کا ہم سفر اسے بھول بھال کر نئی منزل کا راہی بنا تھا۔

محنت ہمیشہ پھل لاتی ہے یہ بات حقیقت میں امر آفندی نے ثابت کر دی تھی جلد ہی ان کے دن پھر گئے تھے اس دو کمروں والے کچے کچے مکان کی جگہ انہوں نے ایک بہت اچھی کالونی میں بڑا سا بنگلہ لے لیا تھا۔ گھر کے وسیع گیراج میں دو گاڑیاں ہر وقت موجود رہیں۔ گھر کے کبھی افراد خوش تھے۔ سب اپنے آپ میں مگن ہو کر رہ گئے۔ امر کو اگر کوئی یاد بھی کرتا تو تب جب اس کی کال آتی اور اسے یہ بھی چوڑی فہرستیں تھمائی جاتیں یا پھر اپنے آرام کو دیکھ کر بھی کبھی غائبانہ تشکر۔ اپنی میں صرف رومیہ تھی جو اسے یاد کرتی اس کے لیے رعبی اور اس کی خیر و عافیت سے واپسی آنے کی دعا کرتی تھی۔



اور پھر پورے پانچ برس بعد وہ لوٹا تھا۔ اپنی چھوٹی سی دکان کو بڑی اور شاندار فیکٹری میں تبدیل کرنے میں اسے مزید دو سال لگے تھے۔

درکرن کی تعداد سیکڑوں تک بڑھ گئی تھی۔ اس کے اسٹینٹ ہار ہوئے تو اس کی مزید مدد ہوئی اور کام گھٹ کر آدھا رہ گیا۔ محنت کے دن ختم ہوئے اور اس کا خواب پورا ہو گیا تھا۔ اب اسے کبھی نہ بھی فراغت مل ہی جاتی تھی۔ زندگی میں ذرا سادہ لی اطمینان ملا تو جیسے اب خیال آیا کہ صرف محنت ہی سب کچھ نہیں ہوتی زندگی گزارنے کے لیے رشتوں کو بھی مکمل وقت دینا پڑتا ہے۔ زندگی کا یہ طویل سفر صرف پیسے سے نہیں کتنا، بلکہ دوستوں اور رشتہ داروں کا ساتھ بے حد ضروری ہوتا ہے۔

مگر یہاں آ کر امر آفندی حقیقتاً پریشان ہو گیا تھا کیونکہ گھر کے کبھی افراد ایک خول میں بند رہ گئے تھے۔ چھوٹے بہن بھائی اسے کوئی بڑی چیز سمجھنے لگے تھے اور اس کی خفگی کے ڈر سے اس سے اس طرح بے تکلف بات



آزادی یا انصاف
جسمانہ

جیسے کہ بے یقینی تعبیر ہو چکی ہو
ہم اہل خواب آنکھیں مل مل کے تھک گئے ہیں
کیا جانے کتنی گہری ظلمت میں ہے مقدر
کیا جانے کتنے سورج ڈھل ڈھل کے تھک گئے ہیں

”دھت تیرے کی.....“ سڑک کا موڑ مڑتے ہی عمیر کی نظر جیسے ہی سامنے کھڑے ٹریفک سارجنٹ پر پڑی اسے اپنی جیب کے خالی ہونے کا دکھ ستانے لگا۔ (ہمیشہ کی طرح وہ غفلت میں بائیک کے کاغذات لانا بھول گیا تھا) وہ انجان بن کر گزر جانا چاہتا تھا مگر وہاں کسی وی آئی موومنٹ کی وجہ سے فل پروف چیکنگ ہو رہی تھی۔ ”سر پلیز پیپر چیک کرو ایسے“ عمیر کو اپنی سماعت کے خراب ہونے کا شدید احساس ہوا کان اس قدر مہذب اور شائستہ لہجہ سننے کے عادی کہاں تھے یہاں تو وہ زبان بولی جاتی تھی کہ اگر لکھی جائے تو قلم کو بھی شرم آجائے۔ اس نے حیران ہو کر سارجنٹ کو دیکھا جو صاف ستھری اجلی ڈریس میں صبر اور شکر کا مجسمہ بنا آرام سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”ہمیشہ کی طرح وہ نہیں ہے جی مگر.....“ عمیر نے جیب سے لال رنگ کا نوٹ نکالتے ہوئے دانت بھی نکالے۔ ”سر میں نے کاغذ مانگے ہیں پیسے نہیں۔“ عمیر نے مگر یونہی دل کو گمان تھا کہ شاید کوئی انقلاب آجائے۔

ایک بار پھر حیران نظروں سے سارجنٹ کے سر پر سینک تلاش کرنے کی ناکام کوششیں کی۔

”اچھا یا ر سمجھ گیا مہنگائی بڑھ گئی ہے چلو تم یہ دوسرا نوٹ بھی رکھ لو اور جانے دو ویسے بھی دیر ہو رہی ہے۔“

”سر رول کے مطابق آپ کا چالان ہوگا اور آپ آفس جا کر بھروا آئے گا۔“ اس نے پرچی کاٹ کر عمیر کے ہاتھ میں تھمائی اور اگلی بائیک والے کی طرف چل دیا۔

عمیر نے نوٹ واپس جیب میں ڈالتے ہوئے خود کو ایک چٹکی بھری تاکہ یقین ہو جائے کہ وہ کہیں نیند کی حالت میں تو بائیک نہیں چلا رہا۔

قریبی سبزی کے اسٹال پر عمیر نے دوبارہ بائیک کو بریک لگائے اور دل ہی دل میں دو لال نوٹوں کے بیچ جانے کا مصرف سوچتے ہوئے وہ سبزی والے کے پاس چلا آیا۔

”بھائی یہ لو کیا کلو دے رہے ہو؟“ قیمت اسے پتا تھی مگر یونہی دل کو گمان تھا کہ شاید کوئی انقلاب آجائے۔

آنچل جنوری ۲۰۱۵ء 263

ای نے اسے بتایا تھا کہ اس کے لیے کسی بہت ہی امیر گھرانے سے رشتہ آیا ہے اور اسی کو وہ لوگ بے حد پسند تھے ای نے اسے یہ بھی بتایا تھا کہ اس کی امی (بڑی امی) خاموش ہیں سو وہ اس رشتے سے خواہ مخواہ ہاتھ دھونا پسند نہیں کریں گی اور انہوں نے اسے سوچنے کا وقت دیا تھا اور ساتھ میں وارن بھی کیا کہ اگر وہ جواب دینے میں دیر کرے گی تو وہ خود اس رشتے کے لیے حای بھر لیں گی۔

اسی دن سے رومیہ کے لیے راتوں کی نیند اور دن کا چین حرام ہو گیا تھا۔ اوپر سے احمر آفندی واقعی وہ نہیں رہا تھا۔ وہ بدل گیا تھا۔ عمر بڑھنے سے اس کی شخصیت جس قدر پروتار ہوئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں اتنے ہی عجیب اور اجنبی رنگ واضح ہوئے تھے اور اس کا نسوانی وقار اسے یہ اجازت ہر گز نہیں دیتا تھا کہ وہ اس سے کوئی سوال کرتی تب ہی خود میں سمٹ کر رہ گئی تھی۔ البتہ دل تھا کہ کب سے آسو بہائے جا رہا تھا۔

”رومی.....“ بے حد مدھم پکارا پر اس کا دل دھڑک اٹھا۔ نہ جانے وہ وہاں کب آیا تھا۔ وہ سراٹھا کر اسے نہیں دیکھ پائی تھی کہ آنکھیں پہلے ہی رونے پر آمادہ تھیں۔ اس دشمن جاں کی آوازن کر مزید بہکیں۔

”میں جانتا ہوں رومی کہ اپنے خواب مکمل کرنے کے لیے میں نے سب کچھ واؤ پر لگا دیا۔ رشتے، ناٹے اور محبت..... سب میرے ہاتھ سے کب چھوٹ گئے مجھے وقت کی تیزی اور پیسے کی دوڑ میں اندازہ بھی نہ ہو سکا۔“ وہ اس کے بے حد قریب کھڑا تھا۔ وہ اس کی خوشبو محسوس کر سکتی تھی۔

”لیکن پھر بھی میرا دل کہتا ہے کہ ابھی دیر نہیں ہوئی وہ کہتے ہیں نہ کہ صبح کا بھولا اگر شام کو گھر آجائے تو اسے بھولا نہیں کہتے۔ میں بھی پلٹنا چاہتا ہوں رومی۔ تمہاری محبت اور تمہاری دوستی کی طرف سب رشتوں کی طرف، گئے گزرے سال چاہے جو بھی کھودیا میں نے اب کے برس میں وہ سب پانا چاہتا ہوں بولو رومی، میری مدد کرو گی۔“ اس نے اپنا مضبوط ہاتھ اس کے آگے پھیلا دیا تو

رومیہ نے نظرس اٹھائیں اور احمر آفندی کی خوب صورت آنکھوں میں چمکتے محبت اور وفا کے پرانے رنگ دیکھتے ہی دل میں جیسے اطمینان سا دوڑ گیا۔ رومیہ کی آنکھیں بھی مسکرانے لگیں۔ اس نے دھیرے سے اپنا نرم و ملائم ہاتھ احمر کے مضبوط ہاتھ پر دھر دیا۔ جو اس نے مضبوطی سے تھام لیا۔

اسی وقت رات کے بارہ بج گئے شور شرابے سے ماحول گونج اٹھا تھا۔ آتش بازی نے جیسے ان دونوں کو پھر سے ایک ہونے پر مبارک باد دی تھی۔

دونوں نے چمکتے آسمان پر نگاہ کی تھی۔

گئے برس کی کہانی چھوڑ دو

نئے برس کی اس ابتدا پر

میں تم کو تحفہ محبتوں کا..... اور ایک وعدہ بھی دے رہا ہوں

کہ میرے ہر دم..... بس ایک تیرے ہی سنگ چلیں گے

بہ زندگانی کی راہ ساری

تمہیں محبت ہی ڈان کریں گی



آنچل جنوری ۲۰۱۵ء 262



PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

اپنی جان و مال کی قربانیاں دے کر جو اسلامی جمہوریہ پاکستان بنایا آج وہ سب کے لیے سنے اور پرانے کا تماشا بن کر رہ گیا۔ یہ ہمارا ملک ہے کوئی سامان نہیں جو پسند آئے تو نیا لے لو دھوکہ دہی اور دھرنوں اور جلسوں کی سیاست نے ہمارے ملک کا ہی نہیں محسوم ذہنوں کا بھی بیڑا غرق کر دیا تھا۔

”جائے.....“

”ہاں آپ رکھو میں منہ دھو کر آتا ہوں۔“ عمیر افسوس کرتا ہاتھ روم کی طرف چل دیا۔ جیسے ہی عمیر ہاتھ روم میں گھسا مہد ایک بار پھر انعامات کی بارش میں ڈوب گیا۔



”اے اجالا..... شش..... شش.....“ اس نے سر جھکائے کتابیں تھامے کالج جاتی ایک لڑکی کو متوجہ کیا۔ ”ارے عمیر تم.....“ وہ ایک لمحے کو رک کر ادھر ادھر دیکھا۔ ”میں نے تمہارے نمبر پرائزی لوڈ کر دیا ہے رات کو بات کریں گے۔“ اس نے دھیمی آواز میں اطلاع دی۔ ”مجھے بھی تم سے ضروری بات کرنی ہے ابائے دوست کے بیٹے کا رشتہ آیا ہے۔“ اجالا کی روٹی اور سرخ آنکھیں رت جگے کی کہانی سن رہی تھیں۔

”اجالا یار! فیک اسٹ ایزی تم فکر مت کرو میں اب اماں سے ضرور بات کر لوں گا اچھا اب رات کو بات کرتے ہیں تمہیں دیر ہو رہی ہے تم جاؤ۔“ یہ کہہ کر وہ اپنی بائیک بھگا کر لے گیا۔

اجالا کا گھر گلی کے کنارے ہی تھا بچپن میں ساتھ کھیلتے وہ ایسے اچھے لگنے لگی پھر شکل صورت بھی اللہ نے اچھی دی تھی۔ اچھی تعلیم خاندان اخلاق کی وجہ سے اجالا نے بھی عمیر کے لیے گرین سٹنل دے دیا۔ کالج آتے جاتے دید ہو جانی اور وائڈ اور سیل فون کمپنیوں کی وجہ سے یہ لوسٹوری آگے بڑھنے لگی اور اب عمیر نے اجالا سے شادی کر کے اسے منطقی انجام تک پہنچانا تھا مگر.....

”اماں میں نے صاف صاف کہہ دیا ہے میں خالہ رجو کی بتائی کسی رضیہ یا جیلہ سے شادی نہیں کروں گا۔“ شام کو

سارے برآمدے میں بیٹھے چائے پی رہے تھے تو اماں نے رجو خالہ کے بتائے رشتے کی بات چھیڑ دی۔ اچھے خاندانی لوگ تھے اور پھر سونے پر سہاگہ کے اغلیا کے زمانے کے اماں کی اماں کے پر دوسری تھی تھے۔

زیر بھائی نے خود کو چائے پینے میں مصروف کر لیا اور سویرا بھائی زرش کو بہلانے لگیں وہ دونوں خود کو اس معاملے سے دور رکھنا چاہتے تھے انہیں پتا تھا کہ یہ دو بڑی طاقتوں کی جنگ ہے اور وہ تیسرے فریق کے طور پر اپنی شامت لانا نہیں چاہتے تھے۔

شروع سے ہی اماں کے ہوتے ہوئے بھی اور بعد میں بھی گھر پر جہاں آراء بیگم کی حکمرانی رہی اذ ہی بیٹے تھے زیر اور عمیر..... زیر تو باپ پر تھا صابر شا کر مگر مسئلہ وہاں ہوا کہ عمیر ماں پر ہی چلا گیا تھا۔

جہاں آراء بیگم کو اپنے خاندانی ہونے پر بڑا ناز تھا اس لیے وہ بڑے بیٹے کے لیے اپنے اکلوتے بھائی کی اکلوتی بیٹی بیباہ لائی تھیں مگر اب مسئلہ چھوٹے کا تھا انھیال میں تو کوئی اور لڑکی تھی نہیں اور وہ بھیال والے تھے تو خاندانی مگر بقول اماں کے کوئی کوئی خاندانی لوگ بھی اپنے اظہار اور انداز سے چھار ہی لگتے ہیں۔

”اماں میں شادی کر دوں گا تو صرف اور صرف اجالا سے۔“ عمیر نے بھائی اور بھابی کی امدادی پالیسی سے مایوس ہو کر خود ہی ہمت جمع کی اور ایک ہی سانس میں بول دیا۔

”اللہ کی شان دیکھو ماں باپ نے ایسا نام رکھ دیا جس سے اس کا دور دور تک کوئی تعلق ہی نہیں بنتا۔“ اماں نے اجالا کے سانولے رنگ روپ پر چوٹ کی۔

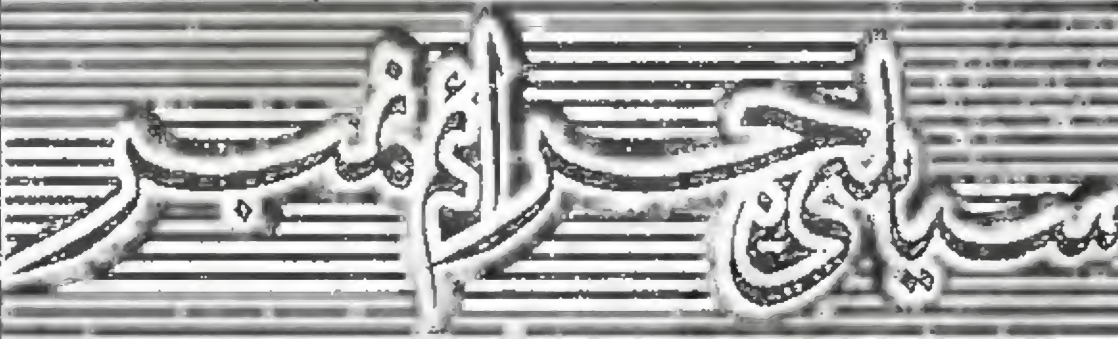
”میری بات ہے اماں اللہ کی بنائی کسی بھی چیز کو بد کہنا یا اس میں عیب نکالنا سخت گناہ ہے۔“ عمیر کے دل پر لگی اسے تو اپنی سانولی سلونی محبوبہ بڑی عزیز تھی۔

”اور کل جو خود رجو بے چاری کی ترچھی آنکھوں اور سوکھی ناگوں کے قصیدے پڑھ رہا تھا وہ کیا مشین سے بن کر نکلی ہے اسے اللہ تعالیٰ نے نہیں بنایا کیا؟“ اماں بھی نیوز

سیاست عمارت ہے خدمت ہے سیاست ایک انداز ہے عبادت کا

سیاست نام ہے تیسر و ترقی کا، سیاست طریقہ ہے دشمنوں کو دوست بنانے کا

سیاست نام ہے تیسر و ترقی کا، سیاست طریقہ ہے دشمنوں کو دوست بنانے کا



سیاست نام ہے تیسر و ترقی کا، سیاست طریقہ ہے دشمنوں کو دوست بنانے کا

سیاست نام ہے تیسر و ترقی کا، سیاست طریقہ ہے دشمنوں کو دوست بنانے کا

aanchalpk.com
aanchalnovel.com

چینل والوں کی طرح ہر چیز کا حساب رکھتی تھیں اور وقت آنے پر منہ پر دے مارتی تھیں۔

”اماں بس میں نے کہہ دیا تم کل ہی بھابی کے ساتھ اجالا کے گھر رشتہ لے کر چلی جاؤ ورنہ.....“

”میرے گھر میں آگے ہی روشن سویرا موجود ہے مجھے کسی کم و بیش والے اجالے کی کوئی ضرورت نہیں۔“ اماں نے دھیمے سے مسکرا کر بھابی کی طرف دیکھا۔

”ہاں یہی تو سمجھا رہا ہوں کہ سویرا اور اجالا مل کر اتنی روشنی کر دے گی کہ ہمیں روز روز مہنگی ہوتی بجلی کے خرچے نہیں اٹھانا پڑیں گے۔“

”ہائے میرا نصیب..... والد مرحوم بلند پانیہ عالم دین اور دادا کو انگریز حکومت نے خان صاحب کا خطاب دیا تھا اور وہ جسے تم مجھے اپنے گھر کی بہو بنانے کا کہہ رہے ہو موچی کی اولاد.....“

”پہلے تو اماں اس وقت انگریزوں کو اردو کہاں آتی تھی خان کا کچھ اور ہی مطلب سمجھ کر نانا مرحوم کو کہہ دیا ہوگا اور دوسری بات اجالا کے ابا اور بھائیوں کا جوتے بنانے کا کارخانہ ہے۔“ عمیر نے جبر بھوک کر کہا۔

”ہاں تو موچی ہی ہوئے تان جو جوتیاں بنانے والے۔“ اماں نے جوتے پر زور دیا۔

”اس حساب سے تو اماں تم جہاز اڑانے والے کو بھی ڈرائیور ہی کہو گی۔“

”ہاں تو اور کیا۔“ اماں نے پان کی گھوری منہ میں دبا کر مزے سے کہا۔

”مگر اماں.....“

”مگر کچھ نہیں میں نے کہہ دیا اس اجالا کا خیال دل سے نکال دے ورنہ میں تجھے گھر سے نکال دوں گی۔ کم بخت ضدی ہٹ دھرم اور باتوں کا بنا ہوا۔“ اماں نے صلواتوں کے ساتھ ساتھ فیصلہ سنایا۔

”اماں تم پر ہی گیا ہوں۔“ کہہ کر عمیر جلدی سے دروازے کی طرف لپکا کیونکہ اسے پتا تھا کہ اب اماں کا ہاتھ سیدھا اپنی کولا پوری چپل کی طرف جائے گا۔



انقلاب یا آزادی..... وہ ریڈزون میں بیٹھا نعرے لگا رہا تھا کہ بھابی بھاگی آئیں۔

”ارے عمیر یہ کیا کر رہے ہو اماں سو رہی ہیں۔ اس وقت تو زرش بھی یہاں نہیں آئی تمہیں پتا ہے اماں دوپہر میں کچھ دیر آرام نہ کریں تو ان کا سر درد کرنے لگتا ہے۔“

”ہاں ہماری راتوں کی نیندیں اڑ گئی ہیں وہ مزے سے قیلولہ فرما رہی ہیں۔ بھابی اب میں یہاں سے تب ہی اٹھوں گا جب میرے مطالبے پورے ہو جائیں گے..... گواہاں گواہاں کے گھر گواہاں.....“ وہ پھر سے نعرے لگانے لگا آوازوں کے شور سے اماں کے کمرے کا دروازہ کھلا تو سویرا جلدی سے وہاں سے کھسک لی کہ دھرم نابرادران کے ساتھ اس کا بھی نام نہ آ جائے۔

”کیا مسئلہ ہے کیوں بھری دوپہر میں حلق پھاڑ رہے ہو بخار دماغ کو تو نہیں چڑھ گیا۔“ اماں اپنا سفید غرارہ سنبھالتی ہوئی غصے میں بھری عمیر کے سر پر آن کھڑی ہوئیں۔

”اماں میں نے آپ سے نافرمانی کی تحریک شروع کر دی ہے اور اب مجھ پر اس گھر کا کوئی قانون لاگو نہیں ہوتا۔“ رات اس کی اجالا سے بات ہوئی تھی وہ بہت پریشان تھی اور اس کے گھر والے آنے والے رشتے کے لیے راضی تھے۔

انہیں عمیر کا رشتہ پسند تھا دیکھا بھالا گھر ہاتھوں کا پالا شریف بچہ ایم بی اے کر رکھا تھا نوکری بھی مل ہی جاتی تھی مگر وہ کب تک انتظار کرتے کہ اجالا کے بعد دو اور بیٹیاں بھی تھیں اور پھر ایک ہی محلے میں رہتے ہوئے انہیں سن گن مل گئی تھی کہ عمیر کی اماں اس رشتے پر راضی نہیں ہیں تب عمیر نے مجبور ہو کر یہ رستہ سوچا تھا اسے امید تھی کہ اس طرح جہاں اراء کی حکومت دباؤ میں ضرور آ جائے گی۔

”انقلاب یا آزادی..... انقلاب آزادی.....“ اسے دھرنے پر بیٹھے تیسرا دن تھا گھر اور باہر کے سارے کام چو پٹ ہو کر رہ گئے تھے جنہیں عمیر ہی انجام دیا کرتا تھا

اور اماں کے گھر کے سامنے والی راہداری جو اس گھر کی شاہراہ دستور تھی وہاں جا بجا کچرا میلی چادر تکیہ اور کھانے پینے کی چیزوں کے ریپر گھرے ہوئے تھے۔

وہ رات کو اپنے موبائل پر گانے لگاتا اور آزادی کا جشن مناتا زبیر بھابی نے اعتراض کیا تو اس نے کہا۔

”بھیا آزادی اور انقلاب کے لیے جسم و روح دونوں کو غذا کی ضرورت ہوتی ہے ایسے ہی آزادی نہیں ملتی بھیا..... گواہاں گواہاں کے گھر گواہاں.....“ وہ تریوز کھا کر چھلکے دی پھینک رہا تھا اس نے تین دن سے کام والی مای کو اس جگہ کی صفائی بھی نہیں کرنے دی تھی..... شکر ہے وہاں کوئی کیاری نہیں تھی دو تین چھوٹے چھوٹے گملے تھے۔

”عمیر میں کہہ رہی ہوں باز آ جا ورنہ تیرا وہ حشر کروں گی کہ..... میں کئی دن سے چپ چاپ یہ تماشا دیکھ رہی ہوں تو میری خاموشی کو میری کمزوری مت سمجھنا جہاں آراء نام ہے میرا.....“ اماں نے تخت پر بیٹھتے ہوئے چنگھاڑ کر کہا۔

”اماں اب میں رکنے والا یا پیچھے ہٹنے والا نہیں ہوں میں نے سر پر کفن باندھ لیا ہے۔“ اس نے پاس پڑی زرش کی سفید فراک سر پر باندھتے ہوئے کہا۔ ”اب یا تو تمہیں میرا مطالبہ ماننا ہوگا یا پھر یہاں خون کی ندیاں بہیں گی۔“ ”کم بخت میں چھٹانک بھر خون ہے نہیں آیا بڑا ندیاں بہانے والا۔“ اماں بڑبڑائیں۔

ہزاروں مکھیوں اور چھروں کے مجمع میں (جو کچرے کی پیداوار تھی) کبھی کبھار اک 3 سالہ درکر کا اضافہ ہو جاتا تو عمیر اس کے ہاتھ میں پلے کارڈ پکڑا دیتا جس پر ’وی ڈانٹ اجالا چاچی‘ لکھا ہوتا جسے وہ مزے سے ایک ہاتھ میں پکڑے دوسرے ہاتھ سے عمیر کی دی ہو چاکلیٹ کھاتی رہتی اس بات سے بے خبر کہ اس دھرنے کے کیا مقاصد ہیں آزادی کی کیا قیمت ہے۔

آج ساتواں دن تھا..... عمیر دھرنے پر جوں کا توں ڈٹا ہوا تھا خلاف توقع اماں خاموش تھیں اور نہایت صبر کا مظاہرہ کر رہی تھیں..... یہ طوفان سے پہلے کی خاموشی تھی۔

زویہ شاہین

اسلام علیکم! کیسے ہیں آپ سب؟ اللہ آپ سب کو خوش رکھے آمین۔ میں زویہ شاہین بیٹ محمد وحید ہوں میں 14 اگست کو اس دنیا میں آئی میرا اشار لیو ہے۔ اس اشار کی تمام تر خامیاں و خوبیائیں مجھ میں موجود ہیں۔ میرے گھر کے پیپر دیے ہیں کھانے میں سوائے چند ایک کے باقی سب پسند ہے۔ فارغ وقت میں آجکل پڑھتی ہوں۔ پھول گلاب کا پسند ہے لباس میں ٹراؤزر اور لانگ ٹیٹس پسند ہے صاف ستھرا گھر پسند کرتی ہوں بلاوجہ تنگ کرنے والے تخت نا پسند ہیں۔ کچھ لوگ بہت بڑے لگتے ہیں جو خود غرض اور ہر وقت اپنا مطلب نکالنے کے لیے کوشش کرتے ہیں۔ مجھے میری سہیلیاں زکیہ بتول عاصمہ تبسم سنیہ خاتون اسما خضر عالیہ بی بی بہت اچھی لگتی ہیں اور بہت یاد آتی ہیں میرا شریف بھٹنا کوثر اور نازی جی آپ سب بہت اچھا ہتھی ہیں اس دعا کے ساتھ اجازت چاہوں گی کہ آپ ہمیشہ خوش رہیں اور دوسروں کو بھی خوش رکھیں آمین۔

زبیر بھیا نے دو تین بار مذاکرات کی کوشش کی جو میری طرح ناکام رہی کیونکہ جہاں آراء یکجہاں اور عمیر دونوں میں سے کوئی بھی اسے موقف سے ایک انچ بھی ہٹنے کو تیار نہیں تھا۔ عمیر مکمل آزادی چاہتا تھا فیصلوں کی اجازت کی حکمرانی کی اور اماں اسے یہ اختیارات دینے پر بالکل راضی نہیں تھیں۔ گھر میدان جنگ بنا ہوا تھا وقتاً فوقتاً دونوں جانب سے زبانی گولہ باری ہوتی رہتی تھی..... کام والی نے اہل محلہ میں یہ بات پھیلا دی تھی اس لیے کافی جگ ہنسائی بھی ہو رہی تھی مگر عمیر جب سے دھرنے پر بیٹھا تھا اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ختم ہو گئی تھی دھرنے پر بیٹھنے سے پہلے عمیر نے اجالا سے فون کر کے کہہ دیا تھا کہ اب فون کا انتظار مت کرنا لوڈ کا خرچہ تو گھر کے سامان کے کمیشن میں سے ہی لگتا تھا اب یا تو میں گولڈن اور میرڈن شیر والی پہن کر تمہارے گھر آؤں گا یا تم کالا یا سفید جوڑا پہن کر میرے گھر آ جانا.....

آج صبح سے ہی بہت گرمی تھی جس بھی تھا بادل کبھی آتے کبھی چلے جاتے مگر برستے نہیں تھے عمیر برآمد سے والی رہداری میں ہی ڈرہ جمائے اٹھ رہا تھا۔ ساری رات تو اس نے موہاں پر گانے اور فلمیں دیکھ کر آزادی کا جشن منایا تھا۔

”چاچو آپ میرے کمرے میں تھوڑی دیر کے لیے آ جاؤ باہر بہت گرمی ہے“ ننھے مہد کے دل میں اپنے اکلوتے چاچو کے لیے درد جاگا۔

”نہیں یار میرا دل گوارا نہیں کرتا کہ میں اپنے ان پیارے چھروں، مکھیوں اور اپنی جگہ کو چھوڑ کر اے سی کی کولنگ میں چلا جاؤں۔ میری جنگ سچی ہے جس سے میں محبت کرتا ہوں اس کے لیے یہ جنگ لڑ رہا ہوں کوئی منافد یا عہدہ میرے پیش نظر نہیں ہے۔“

”اچھا چاچو یہ فریج فرائز کھالو“ اس نے کر کرے فریج فرائز اور کچپ سے بھری پیالی آگے کر دی۔ رات سے اماں نے کھانے پینے کی رسد بند کر دی تھی ورنہ جب اس کا دل کرتا وہ پکن اور فریج سے جا کر کچھ کھا لیتا تھا۔

”نہیں مولو نہیں مجھے کچھ نہیں کھانا دیکھتا ہوں اماں کا ظلم و ستم کہاں جا کر ٹھہرتا ہے۔ کیا تھا اگر اماں مان جائیں حسب نسب کیا ہوتا ہے ہم سب مسلمان ہیں پاکستانی ہیں لڑکی کا گھرانہ سب اچھا ہے“ وہ اماں کی بے جا ضد کی وجہ سے اپنی اور اجالا کی آنکھوں میں سب سے سہرے سے نوج کر نہیں پھینک سکتا تھا۔

”گو اماں گو..... اجالا کے گھر گو..... انقلاب یا آزادی..... منصفوں جواب دو ظلم کا حساب دو“ وہ اور زور زور سے نعرے لگاتا اور شور سن کر واوی نہا جائیں مہد اس ڈر سے جلدی سے اندر کی طرف بھاگا جاتا۔

کمرے کے اندر جہاں آراء بے چین ادھر سے ادھر پھر رہی تھیں چین پڑتا بھی کیسے ان کے اصولوں کے سامنے جو ڈٹ گیا تھا وہ ان کا اپنا بیٹا تھا اور بیٹا بھی لاڈلہ..... زبیر بے چارے نے تو کبھی کچھ کہا ہی نہیں عمیر نے تو یہاں بھی حق سمجھ کر لیا مگر اب وہ کیا کرتیں اولاد بھی انہیں پیاری تھی مگر

آنجل جنوری ۲۰۱۵ء 270

وہ اپنی خاندانی روایات اور فطرت کیسے بدلتیں آگے نسلوں کا معاملہ تھا کسی بھی ایری غیریتی خیری کو لا کر انہیں پشتوں سے چلتی نوابی لڑی خراب نہیں کرتی تھی۔

باہر شور بڑھتا جا رہا تھا جہاں آراء بیگم نے آخری اور حتمی فیصلہ کیا اور کمرے سے باہر قدم نکالا باہر جھلسا دینے والی گرمی تھی انہیں ایک لمحے کے لیے عمیر کا خیال ہوا مگر دوسرے ہی لمحے رواج ضد اور فیصلہ ان کے سامنے آن کھڑے ہوئے۔

”عمیر.....“ اماں نے گرج کر زکاڑا۔

”جی اماں“ آٹھ دن کے مینے کپڑے بڑھی ہوئی شیوہ سرخ آنکھیں پسینے میں تر تریاں کا شہزادہ تھا۔ دل یکدم کسی نے مٹی میں چھینچ لیا اماں نے متاسفہ مجبور ہو کر دو قدم آگے بڑھائے اور پھر وہ ہو گیا جس کی کسی کو توقع نہیں تھی۔

”عمیر.....“ ایک دل خراش چیخ عمیر کے کانوں سے ٹکرائی اس نے بھاگ کر اماں کو اپنی بانہوں میں بھر لیا۔

دھاڑ سے کمرے کا دروازہ کھلا اور زبیر بھائی برآمدے کی طرف لپکے سویرا بھائی اماں کے منہ پر پانی کے چھینٹے مار رہی تھیں اور ننھی زرش پریشان ہو کر رونے لگی تھی جسے مہد بھلانے کی کوششیں کر رہا تھا۔

اور عمیر..... وہ دونوں کی طرح اماں کو بکا رہا تھا جو اب بے ہوش ہو چکی تھیں۔ دراصل وہاں گند پھرے میں کیلے کے چھلکے بھی پڑے تھے اماں جیسے ہی عمیر کی طرف بڑھیں ان کا پاؤں کیلے کے چھلکے پر پڑا اور ماربل کے فرش پر وہ منہ کے بل آن گریں۔ وہاں پان بی تو تھیں خون تو نہیں نکل رہا تھا مگر وہ بے ہوش ہو چکی تھیں۔ زبیر نے اسپتال فون کر دیا تھا ایسبویٹنس کے سائرن کی آواز عمیر کو ہوش کی دنیا میں واپس لائی اس نے اماں کو اپنے بازوؤں پر اٹھایا اور باہر کی طرف دوڑ لگا دی۔

عمیر نے ایسا تو نہیں سوچا تھا کیا اپنی پسند کی لڑکی جو شریف اور خاندان بھی ہو اس سے شادی کرنا جرم ہے۔ عمیر کا ایک ایک پور ماں کے لیے دعا کر رہا تھا بس ایک بار اماں ٹھیک ہو جائیں وہ ان سے معافی مانگ لے گا مگر اجالا

کا کیا..... جس کی آنکھوں کو اس نے خواب دکھائے جس کے دل میں خود اس نے جگہ بنائی۔ اب کیا وہ اپنی ماں کے لیے پیچھے ہٹ جائے کیا یہ مردانگی ہے؟

وہ سوال نہیں کرے گی کہ محبت بھی ماں سے پوچھ کر کرتی تھی۔ اماں کا تو وہ ساری عمر اچھا اور لاڈلا بیٹا رہا اماں نے تو کبھی اس کی کوئی بات نہیں مانی تھی۔ یہی سوچ کر اس نے یہ قدم اٹھایا تھا کہ دو چار دن میں اماں خود ہی مان جائیں گی۔ مگر ایسا کچھ ہو جائے گا اس نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ دل و دماغ میں جنگ جاری تھی جب سوچتے سوچتے تھک گیا تو زبیر کے کندھے سے سر ٹکا کر بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

”زبیر بھائی اماں ٹھیک ہو جائے گی ناں!“ اماں ابھی تک ایمر جنسی میں تھیں ڈاکٹر ابھی تک باہر نہیں آیا تھا وہ دونوں رہداری میں ہی کھڑے تھے۔ بھائی کو گھر پر بچوں کے پاس چھوڑ دیا تھا کہ وہ بہت پریشان ہو گئے تھے ڈر گئے تھے۔ اچانک ایمر جنسی کا دروازہ کھلا اور ڈاکٹر باہر آیا دونوں دوڑ کر اس کی طرف لپکے۔

”ڈاکٹر صاحب میری اماں ٹھیک ہے ناں؟“ چھ فٹ کے قد کا ٹھکانو جوان بچوں کی طرح روتے ہوئے ڈاکٹر سے پوچھ رہا تھا۔

”ارے آپ اتنے پریشان کیوں ہو رہے ہیں خدا کا جتنا شکر ادا کریں کم ہے۔ ان کو کوئی گہری چوٹ نہیں لگی اور ناں کسی قسم کا فز پیچر ہو اور نہ عموماں اس عمر میں بڑا نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ بس وہ عمر اور کمزوری کے باعث بے ہوش ہو گئی تھیں چند معمولی خرابیاں آئی ہیں وہ بالکل فٹ ہیں۔ یک مین لگتا ہے تم اپنی ماں سے بہت پیار کرتے ہو اور جس ماں کے اس قدر پیار کرنے والے پریشان ہونے والے بیٹے ہوں اسے بھلا کیسے کچھ ہو سکتا ہے۔“ ڈاکٹر نے مسکرا کر عمیر کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور آگے بڑھ گیا۔

اس نے شرمندہ ہو کر زبیر بھائی کی طرف دیکھا اب وہ کیا بتاتا کہ اس کی وجہ سے ہی اس کی ماں اس حالت کو پہنچی ہے۔ زبیر جلدی سے کمرے کے اندر چلا گیا اماں کو کمرے

میں شفٹ کر دیا گیا تھا اور عمیر باہر کھڑا سوچ رہا تھا کہ اندر جائے یا نہیں پتا نہیں اماں اب اس کی شکل دیکھیں گی یا نہیں۔ پتا نہیں آج کے بعد وہ دوبارہ اجالا کو دیکھ سکے گا یا نہیں اس سارے معاملے میں اسے سب سے مظلوم وہی معصوم سی لڑکی لگتی تھی۔

اماں دواٹیوں کے زیر اثر سو رہی تھیں ڈاکٹر نے شام تک ڈسپانر ج کرنے کو کہا تھا زبیر سویرا اور بچوں کو لینے گھر چلا گیا تو وہ چپ چاپ اماں کے سر ہانے جا کر بیٹھ گیا۔ چاہتے ہوئے بھی اس نے ان کا ہاتھ نہیں پکڑا تھا کہ کہیں ان کی آنکھ کھلے اور وہ اسے کمرے سے باہر نکال دیں۔ سامنے اماں لیٹی ہوئی تھیں عمیر چپ چاپ ان کو دیکھنے جا رہا تھا ان کے نرم و نازک سفید ہاتھ میں سونے کی ایک چوڑی تھی اور دوسرے ہاتھ میں فیروزے کی انگلی جو شاید اب مرحوم نے دی تھی سڈرپ کی ٹنگی اسی انگلی کے پاس سے ہو کر گزر رہی تھی عمیر کے دل کو کچھ ہونے لگا۔

سفید بے داغ غراہ جس کے کناروں پر سفید کرشمے کی تیل لگی تھی پردا پڑے ہوئے تھے سلیقے سے بنے بال ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے عمیر کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ اس نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی کمرے کے ایک طرف قبلہ رخ کا نشان بنا ہوا تھا ایک جائے نماز رکھی ہوئی تھی وہ وضو کرنے چل دیا کہ اس پاک ذات کا شکر ادا کر سکے اور آئندہ کے لیے اس سے سیدھے راستے کی توفیق اور اماں کے دل میں نرمی کی دعا کر سکے۔

”جہاں آراء..... بیٹی جہاں آراء.....“

”ابا حضور آپ.....“ اس نے حیرت زدہ ہو کر آنکھیں کھول دیں سامنے اس کے والد محترم فیض ہاشمی کھڑے تھے۔ وہی سفید گرتا پاجامہ سر پر سفید کرشمے کی جالی دار ٹوپی سفید لمبی داڑھی اور ہاتھ میں تسبیح..... ابا سول سروں میں بڑے عہدے پر تھے مگر نہایت نیک دین دار اور کھرے انسان تھے۔

”جہاں آراء میں نے تو کبھی تمہیں یہ سبق نہیں سکھایا کہ حسب نسب علیٰ اذنی خاندانی غیر خاندانی..... بیٹی یہ تم

آنجل جنوری ۲۰۱۵ء 271



وسعتوں میں لوگ کھو دیتے ہیں خود اپنا شعور
اپنی حد میں آئیے اور آگہی بن جائیے
اک پتنگ نے یہ اپنے رقصِ آخر میں کہا
روشنی کے ساتھ رہیے، روشنی بن جائیے

تھا۔ شادی کے شروع کے دن تو شائستہ کی مرضی کے عین مطابق گزریے شائستہ نہ صرف اپنے شوہر سے بہت محبت کرتی تھی بلکہ احمد کے والد کو بھی اس نے عزت اور اعلیٰ مقام دیا۔ دقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اسے لگا کہ احمد کے والد خشک مزاج اور روک ٹوک کرنے والے انسان ہیں۔ ٹی وی کی آواز آتا ہوتا ہے کہ شائستہ کو سارا دن ناگوار کر جاؤ اور ایسی بہت سی باتیں شائستہ کو سارا دن ناگوار گزرتی ہیں۔

”ہاں یار کیا بتاؤں آج تک ساس کے قصے سنے تھے مگر یہاں تو معاملہ ہی الٹ ہے۔ سر صاحب ان سے بھی دو ہاتھ آگے ہیں مجھے تو اپنی مرحومہ ساس پر ترس آتا ہے ان کی ہی وجہ سے بے چاری کی جلد جان خلاص ہوئی ہوگی اور تو اور اب میرے بیٹے کو بھی اپنے جیسا کر رہے ہیں۔ اچھا چھوڑو تم سناؤ کیسے دن گزر رہے ہیں؟ اتنے دنوں بعد فون کیا کہاں مصروف ہوئی ہو؟“ شائستہ نے

”احمد آخراً آپ میری بات کیوں نہیں سمجھتے میں اس کی ماں ہوں مجھ سے زیادہ اس کا خیال کون رکھ سکتا ہے۔ جب جی چاہا اسے کھیل میں لگا لیا اور جنب جی چاہا اپنی اس پچھلی سائیکل پر بٹھایا اور لے گئے۔ ان کی تھوڑی کلاس سائیکل دیکھی ہے میری تمام فرینڈز کیا سوچتی ہوں گی؟ آپ اچھی خاصی بایک انورڈ کر سکتے ہیں تو انہیں بے کیوں نہیں دیتے۔“

”ارے بھئی اگر انہیں اپنی سائیکل کی ہی سواری عزیز ہے تو اس میں تمہارا یا تمہاری فرینڈز کا کیا جاتا ہے اور یہی واجد کی بات تو وہ میرے والد ہیں میں انہیں کیسے روک سکتا ہوں۔ اس عمر میں اگر واجد ان کی تنہائی میں رونے ہے تو اس میں حرج ہی کیا ہے۔ اچھا ہے دونوں کا دل لگا رہتا ہے اصل میں اباجی واجد سے بہت پیار کرتے ہیں اور اس کے بغیر نہیں رہ سکتے ویسے بھی ہمارے علاوہ ان کا دنیا میں ہے ہی کون؟“

اباجی کی وجہ سے بحث کرنا شائستہ کا معمول بن گیا

کمرے میں داخل ہوئے کمرے کا منظر خلاف توقع تھا دونوں ماں بیٹے ہنس ہنس کر باتیں کر رہے تھے۔ مہند نے ہرے کا نعرہ لگایا اور پھولوں کے بو کے سمیت دادی اور چاچو کو چٹ گیا۔ سویرا نے مسکراتے ہوئے عمیر اور اماں کے سامنے کھانا لگا دیا کیونکہ کل رات سے اماں نے بھی عمیر کے کھانا بند کرنے کے بعد دوائی اور کھانا نہیں کھایا تھا۔ کھانا کھاتے ہوئے عمیر اور اماں دونوں کی آنکھوں میں اجالا کا سانولا سلونا چہرہ جگمگا رہا تھا۔

”عمیر..... عمیر اٹھ جا ابھی تک سو رہا ہے دھوپ کمرے تک آن پہنچی ہے آج چھٹی کا دن ہے سو بٹنے کا دن نہیں ہے۔“ اماں کی سریلی آواز عمیر کے کانوں کے رستے دماغ اور پھر حواسوں تک پہنچی اور وہ کسمسایا۔

”کیا ہے ماں! ایک دن تو سونے دو۔“

”عمیر بیٹا جلدی سے گاڑی باہر نکال لے اجالا کو دروازہ ہوا ہے لگتا ہے خیر کی گھڑی قریب آنے والی ہے۔“

”کیا کہا اماں.....؟“ وہ ایک جست میں بستر سے باہر تھا اس نے یا ہو کا نعرہ لگایا اور چپل پیروں میں پھنسا کر باہر کی طرف بھاگا۔

”باپ بننے والا ہے مگر ابھی تک عقل نہیں آئی۔“ اماں نے سچ پڑھتی ہوئے مسکرا کر کہا۔ اجالا کچھ پریشان کچھ خوش تخت پر بیٹھی تھی..... اس نے وکٹری کا نشان بنایا۔

بچے بڑے ایکساٹڈ تھے وہ سب گاڑی میں بیٹھ چکے تھے۔

”ویسے اماں اگر لڑکی ہوئی تو میں اس کا نام آزادی رکھوں گا اور اگر لڑکا ہو تو اس کا نام انقلاب رکھوں گا۔“

گاڑی اشارت کرنے سے پہلے عمیر شرارت سے بولا تو سب کا ہنسنے لگا۔

”ویسے آپ بتائیں آزادی آئے گی یا انقلاب.....؟“

کن جھمیلوں میں پڑ گئی ہو۔ بیٹی ہمارے پیارے نبی آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”کسی گنجی کو کسی عربی پڑ کسی عربی کو کسی گنجی اور کسی گورے کو کالے پر کوئی فوقیت حاصل نہیں ہے اور سب مسلمان آپس میں بھائی ہیں۔“

”ابا حضور مگر وہ.....“ اس نے کچھ بولنے کے لیے لب کھولے۔

”نہ بیٹی نہ.....“ انہوں نے دست شفقت اس کے سر پر رکھ دیا۔ ”اب اور نہیں اولاد کی جائز خوشی کو پورا کرنا ماں باپ کا فرض ہے اور ہمارے دین میں تو اس معاملے میں بڑی نرمی ہے۔ یہ عمیر کی خوشی کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ کی نظر میں کون برتر اور کون کم تر ہے یہ ہم نہیں جان سکتے۔ یہ تکبر ہے جہاں آراء اور تکبر ابلسی صفت ہے۔ کیا تم شیطان کی راہ پر چلنا چاہتی ہو خدا سے توبہ کرو اور ایک ماں کی حیثیت سے جو تمہارا فرض ہے اسے بخوبی پورا کرو۔“

”ابا حضور..... ابا.....“ عمیر سلام پھیر کر اٹھا تھا کہ اماں کے چلانے پر ان کی طرف بھاگا۔

”اماں..... کیا ہوا اماں.....“

”وہ..... ابا حضور..... عمیر..... زیر.....“ وہ نیم غنودگی میں سب کے نام لے رہی تھیں۔

”اماں میں عمیر ہوں اماں مجھے معاف کر دو آپ جیسا کہوگی میں ویسا ہی کروں گا۔“ اس نے بے تاب ہو کر ماں کا ہاتھ تھام لیا۔ جہاں آراء بیگم نے دھیرے دھیرے آنکھیں کھولیں اسپتال کے مخصوص ماحول اور مہک نے انہیں یاد دلایا کہ وہ کہاں ہیں۔

”اماں مجھے معاف کر دو.....“ اب وہ بلک بلک کر رہا تھا۔

”ناں میرے بیٹے تو مجھے معاف کر دے میں نے اپنی بے جا ضد کے پیچھے اتنے دن تجھے پریشان کیا بس میں یہاں اسپتال سے فارغ ہو جاؤں تو ہم سیدھا اجالا کے گھر جا میں گے۔“

”سچ اماں.....“ عمیر نے بے یقینی سے اماں کے مسکراتے چہرے کو دیکھا۔

”بالکل سچ.....“ اتنے میں زبیر بھائی بھابی اور بچے

شک میوه جات کی پلیٹ اپنی گود میں رکھتے دوسرے ہاتھ سے موبائل پکڑے ماریہ سے گفتگو کرتے ہوئے پوچھا۔
 ”ہاں شائستہ! تم تو جانتی ہو میرا بھی تمہاری طرح ایک ہی بیٹا ہے اور آگے کی بھی امید نہیں سوچا تھا اکلوتا ہونے کی وجہ سے تربیت بھی اچھی ہوگی مگر اس نے تو پریشان کر رکھا ہے۔ دن بہ دن ڈھیٹ اور بدتمیز ہوتا جا رہا ہے میں گھر پر ایکی ہونی ہوں اب گھر کے کام نمٹاؤں یا اس کے ساتھ دماغ کھپائی کروں۔ اس کے پاپا تو صبح کے گئے شام کو دیر سے گھر لوٹتے ہیں ان کے پاس بھی ٹائم نہیں ہے اب تو اسکول سے بھی اس کی شکایات آنے لگی ہیں۔ اچھا خیر مجھے ابھی شام کا کھانا تیار کرنا ہے میں پھر کال کروں گی اور کے بائے۔“ ماریہ نے کال ڈسکنکٹ کی۔

شائستہ فون بند کرتے ہی سوچنے لگی آخر ایک بچے کی تربیت اتنی بھی کیا مشکل ہے جو ماریہ اتنا پریشان ہوئے جارہی ہے۔ پتا نہیں اباجی واجد کو کدھر لے گئے ہیں جواب تک نہیں لوئے۔

”السلام علیکم؟“ گھر میں داخل ہوتے ہی اباجی کی آواز بلند ہوئی۔

”ارے بیٹا! آپ کہاں چلے گئے تھے ہوم ورک نہیں کرنا کیا؟“ وہ اپنے سات سالہ بیٹے واجد سے مخاطب تھی۔

”مما جانی میں دادا ابو کے ساتھ نماز پڑھنے گیا تھا اب میرا ہوم ورک بھی جلدی ہو جائے گا۔“

”شائستہ بیٹا! مجھے چائے کمرے میں ہی دے دینا“ مجھے کچھ کتابوں کا مطالعہ کرنا ہے۔“ انہوں نے نرمی سے کہا۔

شائستہ روز کے معمول کے مطابق شام کی چائے اباجی کو دے کر ہوم ورک کروانے کی غرض سے واجد کی پاس آگئی۔

”مما جانی! آپ بھی نماز پڑھا کرونا میں مرنے کے بعد آپ کو بھی جنت میں لے کر جاؤں گا۔“ واجد نے اپنی ماں سے کہا تو مرنے کی بات سن کر شائستہ چونک گئی۔

”واجد.....! یہ کیسی بات کر رہے ہو تمہیں کچھ نہیں ہوگا میرے بچے۔“ وہ اسے پکارتے ہوئے بولی۔
 ”نہیں ممما! ہم سب ایک دن مر جائیں گے مجھے سب پتا ہے۔“

”واجد! ایسا نہیں کہتے چپ کر۔ چلو ہوم ورک کریں۔“ وہ اس کا دھیان بنانے لگی یقیناً اباجی نے ہی میرے بچے کے ذہن میں موت کا خوف بھر دیا ہے۔ کیا کروں کیسے اپنے بچے کا پیچھا چھڑاؤں اس بوڑھے سے! حیرت کہ کچھ سمجھنے کے لیے تیار ہی نہیں ہیں۔

دروازے پر ہونے والی دستک نے شائستہ کوئی وی پر چلتے مارنگ شوکو چھوڑ کر اٹھنے پر مجبور کیا۔

”کیا مصیبت ہے واجد تو اسکول گیا ہے اباجی بھی ابھی سبزی لینے گئے ہیں تو یہ کون ہے؟“

”بھابی! جی وہ سامنے سڑک پر واجد کے دادا جان کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے کچھ لوگ انہیں گاڑی میں بٹھا کر اسپتال لے گئے ہیں۔“ محلے کے ایک نو عمر لڑکے نے اطلاع دی۔ شائستہ کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی۔

”جی! حیر..... آپ جلدی اسپتال پہنچے میں بھی جا رہی ہوں۔“ شائستہ نے فون پر حیرت کو تمام صورت حال بتاتے ہوئے کہا۔

”شکر کریں ایکسیڈنٹ اتنا شدید نہیں تھا لیکن ان کے دائیں پاؤں میں فریکچر ہے اس عمر میں ہڈیاں کمزور ہونے کی وجہ سے جلدی بہتر نہیں ہوتیں اس لیے انہیں کچھ دن اسپتال میں رہنا پڑے گا۔“ ڈاکٹر نے ایکسرے دیکھتے ہوئے بتایا۔

”ہاں ہاں جیسے آپ کہیں ڈاکٹر صاحب ہمیں کوئی جلدی نہیں ہے۔“ شائستہ نے جواب دیا تو حیرت نے چونک کر شائستہ کو دیکھا اور دونوں ڈاکٹر صاحب کے روم سے باہر آگئے۔

”ہیلو ماریہ! کیسی ہو؟ ہاں میں نے یہ کہنے کے لیے

فون کیا ہے کہ بیوا سیر کی خوشی میں میں نے کل شام اپنے گھر پارٹی آرینج کی ہے تم ضرور آنا۔ اچھا رکھتی ہوں کیونکہ مجھے ابھی شائنگ کے لیے بھی جانا ہے۔“ اس نے ریسور رکھا اور واجد کو ساتھ لے جانے کے لیے آواز دینے لگی سارے گھر میں دیکھنے کے بعد وہ اباجی کے کمرے میں آئی واجد اباجی کی جائے نماز بچھائے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے رو رہا تھا۔

”پیارے اللہ جی! میرے دادا ابو کو جلدی سے ٹھیک کر دو۔“ وہ ہنسی تھی۔

”ارے واجد بیٹے! دادا ابو بالکل ٹھیک ہیں وہ چند روز میں گھر آ جائیں گے آپ بھلا کیوں پریشان ہو رہے ہو؟ آؤ ہم شائنگ پر چلتے ہیں تم اپنی چوائس کا سوٹ خرید لیتا۔“

”مگر ممما ہم کیوں شائنگ پر جا رہے ہیں؟“

”ارے بیٹا بیوا سیر کی خوشی میں میں نے پارٹی آرینج کی ہے میری تمام فرینڈز آئیں گی آپ کے پاپا نے بھی اجازت دے دی ہے۔ آپ چاہو تو آپ بھی اپنے فرینڈز کو انوائسٹ کر لیتا ہم خوب مزہ کریں گے۔“

”مگر دادا ابو.....؟“ واجد نے معصومیت سے کہا۔

”ارے بیٹا! نہیں کیا پتا چلے گا۔“

”نہیں ممما! میرا کہنے کا یہ مطلب نہیں ہے میں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ دادا ابو کہتے ہیں کہ یہ ہمارا سال نہیں ہے یہ تو انگریزوں کا سال ہے ہمارا سال تو محرم الحرام سے شروع ہوتا ہے۔ ہم انگریزوں کی غلامی کیوں کریں۔“ شائستہ اپنے چھوٹے سے بیٹے کے منہ سے اتنی بڑی بات سن کر حیرت کے نچلے ذہن پر جب تک جا پہنچی۔

”ہاں بیٹا وہ تو میں سمجھتی ہوں.....“ وہ اٹکتے ہوئے بولی۔ ”مگر یہ نیا دور ہے نیا زمانہ ہے ہمیں اس کے ساتھ چلنا ہے۔ سو سائٹی میں اپنا مقام بنانے کے لیے یہ چھوٹی موٹی پارٹیز کرنا پڑتی ہیں بیٹا!“

”لیکن ممما ہمیں تو پیارے اللہ جی کے ہاں اپنا مقام بنانا ہے نا۔“ حیرت کا ایک اور دھچکا جس نے شائستہ کو

بہت عرصہ ہوا کہ دن بتایا تھا مجھے اس نے بنانا کچھ نہیں آتا اگر میں کچھ بناتی ہوں تو بس ”چائے“ بناتی ہوں پیو گے نا؟

اور میں اس بات پر مسکراتا ہی رہا تھا کہ بنانا کچھ نہیں آتا بناتی ہو تو بس ”چائے“ مجھے چائے سے سمجھن ہے نہیں پیتا..... نہیں پیتا اور اس بات کو گزرے زمانے ہو گئے کتنے نہیں معلوم وہ کیسی ہے کہاں پر ہے.....

”گمراہ“ چائے پیتا ہوں بڑی کثرت سے پیتا ہوں بڑی حسرت سے پیتا ہوں شفیق الرحمن..... چکالہ کینٹ راولپنڈی

پاتال میں جا گرایا۔

”دادا ابو کہتے ہیں کہ پیارے اللہ جی نے ہمیں ایگزام کے لیے بھیجا ہے جو اس میں فرسٹ آئے گا اس کو سب سے بڑا مقام ملے گا ممما! اب میں اپنے دادا جی کے لیے دعا کر رہا ہوں نا آپ دیکھنا وہ جلدی سے ٹھیک ہو جائیں گے اور ہم پھر سے ٹھیلیں گے۔ اتنے دنوں سے میرے ساتھ کوئی بھی نہیں کھیلا میں بور ہو جاتا ہوں۔“ شائستہ اٹھ کھڑی ہوئی اور مردہ قدموں سے کمرے سے باہر چلی آئی۔

”میں کون ہوں..... میرا مقام کیا ہے اور میں اپنے بچوں کو کون سی سوچ کون سا کچھ دینا چاہ رہی ہوں۔“

وقت بہت ظالم ہے انسان کی زندگی میں کبھی ایسا وقت بھی آتا ہے جب ایک ہی ٹھوکر میں اس کے سارے سنہرے خواب بکھر جاتے ہیں اور وقت ایسا زخم چھوڑ جاتا ہے جس کا کوئی علاج نہیں کر سکتا پھر ہم سوچتے ہیں کاش ہم کوئی بے جان مورتی ہوتے جذبات و احساسات سے عاری ہماری نہ کوئی خواہش ہوتی اور نہ کوئی آرزو۔
(طلعت نظامی..... کراچی)

بہت سے سوال اس کے ارد گرد گردش کرنے لگے۔

”اب مجھے کیا کرنا ہے۔“ اچانک بجنے والی فون کی گھنٹی کی وجہ سے اس کی سوچوں کا حصار ٹوٹا۔

”ہیلو.....“ شائستہ نے فون اٹھاتے ہوئے کہا۔

”ہاں شائستہ! میں ماریہ بات کر رہی ہوں یا تم سے ایکسکوز کرنے کے لیے فون کیا ہے دراصل میں نے کل شام ڈانک کے لیے اپنے بیٹے سے وعدہ کر رکھا ہے میں اسے کل ضرور لے کر جاؤں گی۔ میں پارٹی اینڈ ڈینس کر سکتی۔ دانی پہلے سے بہت تیز ہو چکا ہے میں خود اس کے ساتھ کھیلتی ہوں اس کے لیے ٹائم نکالتی ہوں۔ میں سمجھتی ہوں اس کا اکیلا پن ہی اس کے چڑچڑے ہونے کی وجہ تھا تم تو جانتی ہو میں گھر میں اکیلی ہوتی ہوں گھر کے بھی اتنے کام ہیں مگر مجھے اپنے بیٹے سے زیادہ کچھ عزیز نہیں ہے۔ تم تو بہت خوش قسمت ہو تمہارے بیٹے کی آدھی ڈیوٹی تو تمہارے سر نے سنبھال رکھی ہے۔ اچھا خیر اینڈ سوری اکیس اوکے بائے۔“ فون بند ہو چکا تھا لیکن شائستہ کے ضمیر کی آنکھ کھل چکی تھی۔

صبح اور غلط کا فیصلہ باآسانی ہو چکا تھا وہ وضو کر کے جائے نماز بچھائے اللہ کے حضور اپنے گناہوں کی معافی اور نیک نیت پر استقامت کی دعا مانگنے لگی۔

☆.....☆.....☆

یکم جنوری 2015ء صبح دس بجے کے قریب شائستہ نے واجد کا وازلنگی جو کتا آج چھٹی پر تھا۔

”دیکھو بیٹا اکون آیا ہے؟“

”دادا ابو.....“ واجد بھاگتا ہوا ان کے سینے سے جا لپٹا

دونوں کی آنکھیں اشک بار تھیں انہیں دیکھ کر احمر اور

وقت بہت ظالم ہے انسان کی زندگی میں کبھی ایسا وقت بھی آتا ہے جب ایک ہی ٹھوکر میں اس کے سارے سنہرے خواب بکھر جاتے ہیں اور وقت ایسا زخم چھوڑ جاتا ہے جس کا کوئی علاج نہیں کر سکتا پھر ہم سوچتے ہیں کاش ہم کوئی بے جان مورتی ہوتے جذبات و احساسات سے عاری ہماری نہ کوئی خواہش ہوتی اور نہ کوئی آرزو۔
(طلعت نظامی..... کراچی)

شائستہ کی آنکھیں بھی نم ہو گئیں۔

”اگر کیا ڈاکٹرز نے آسانی سے چھٹی دے دی؟“

شائستہ نے پوچھا۔

”ہاں تمہارے کہنے پر ہی میں نے ڈاکٹر سے کہا کہ گھر میں اچھا ٹریٹمنٹ ہو سکتا ہے تو اس لیے اتنا مسئلہ نہیں ہے لیکن اس تبدیلی کی وجہ پوچھ سکتا ہوں۔“ احمر نے جواب دیا۔

”احمر میں غلط تھی آپ مجھے معاف کر دیجیے میں اباجی کی خدمت خود کروں گی۔ آپ دیکھئے گا وہ کتنی جلدی پھر سے چلنے پھرنے لگیں گے اور ویسے بھی مجھے احساس ہو چکا ہے کہ مجھے سوسائٹی میں نہیں بلکہ اپنے پروردگار کے ہاں اپنا مقام بنانا ہے۔“ وہ عزم جمی۔

”اور تمہاری آج کی پارٹی کا کیا ہوا؟“ حیرت سے احمر نے اس کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

”اس نئے دن پارٹی تو ضرور ہوگی جو میں نے اباجی کے آنے کی خوشی میں رکھی ہے جس میں میں نے آپ کو اباجی جی اور واجد کو الوائٹ کیا ہے کیونکہ آج کا خوشگوار دن تو میری زندگی کا نیا دن ہے جسے میں دھوم دھام سے مناؤں گی۔“ شائستہ بولتی چلی گئی اور احمر نے اس کی اس تبدیلی پر دل سے اللہ کا شکر ادا کیا۔

”اور ہاں سنو.....“ شائستہ نے احمر کو پکارا۔

”آپ پارٹی میں آؤ گے نا؟“ پہلے تو احمر نے شائستہ کو نا سنجی کے عالم میں دیکھا پھر بات سمجھ آنے پر دونوں کھل کر مسکرا دیئے۔



حوالی مسائل حل

حافظ شبیر احمد

سیدہ بی بی..... پاکستان

جواب:- بعد نماز فجر سورۃ فرقان آیت نمبر 74، 70 مرتبہ اول و آخر 11، 11 مرتبہ درود شریف جلد اور اچھے رشتے کے لیے دعا کریں۔ روزانہ کم از کم 313 مرتبہ استغفار کیا کریں اور دعا کیا کریں۔ وظیفہ یقین کے ساتھ پڑھا کریں۔

عاطف..... بنوں

جواب:- بعد نماز فجر 3 مرتبہ سورۃ یسین پڑھ کر اپنے بیٹے کے لیے دعا کریں روزانہ، ان شاء اللہ مسئلہ جلد ہو جائے گا۔

مسرت شاہین..... ضلع سدھنوتی

جواب:- سورۃ آل عمران آیت نمبر 38 روزانہ ایک سچ۔

نادیہ نوشین..... جکوال

جواب:- سورۃ فریش ہر نماز کے بعد 21 مرتبہ اول و آخر 3، 3 مرتبہ درود شریف، دعا بھی کریں۔

خدیجہ جمیل..... گوجرانوالہ

جواب:- دعا کاٹ ہے۔

بعد نماز فجر سورۃ فرقان آیت نمبر 74، 70 مرتبہ اول و آخر 11، 11 مرتبہ درود شریف۔ جلد اور اچھے رشتے کے لیے دعا کریں۔

سورۃ اخلاص، فجر، مغرب عشا 21، 21 مرتبہ (وظیفہ والدہ یا لڑکی خود کرے) رکاوٹ ختم کرنے کے لیے۔ اول و آخر 3، 3 مرتبہ درود شریف۔

محمد اویس..... جہلم

جواب:- بعد نماز فجر سورۃ فاتحہ، 41 مرتبہ پڑھ کر دم کیا کریں اور پانی پر دم کر کے پلائیں تیل پر دم کر کے ماش کریں ٹانگوں کی۔ صدقہ بھی دیں۔

حمیرا..... حیدر آباد

جواب:- اللھم انا لعلک فی لحدودہم و نعوذ بک من ضرورہم۔ روزانہ ایک سچ اس لڑکے کا تصور رکھ کر پڑھا کریں کہ بچھا چھوڑ دے۔

سکینہ بی بی..... فیصل آباد

جواب:- سورۃ آل عمران آیت نمبر 38 ایک سچ روزانہ۔

نصر اللہ..... وہاڑی

جواب:- مکمل روحانی علاج کرا میں آپ اپنا، جادو ہے۔ (2) کرزق کے لیے سورۃ فریش، ہر نماز کے بعد 21 مرتبہ درود شریف اول و آخر 3، 3 مرتبہ۔ (3) رشتہ کے لیے بعد نماز فجر سورۃ فرقان آیت نمبر 74، 70 مرتبہ اول و آخر 11، 11 مرتبہ درود شریف۔ جلد اور اچھے رشتے کے لیے دعا کریں۔

بلوشہ گل..... کوٹ ادو

جواب:- روزانہ ایک مرتبہ سورۃ یاسین پڑھا کریں فجر کے بعد۔ (2) امتحانوں کے دوران جب ایسی کیفیت ہو تو روزانہ 3 مرتبہ سورۃ عبس پڑھ کر دم کر لیا کریں۔ مغرب کے بعد۔

عائشہ زاہد..... لاہور

جواب:- بظاہر بندش نظر نہیں آرہی سورۃ آل عمران آیت نمبر 38 روزانہ ایک سچ پڑھ کر دم کیا کریں۔ (2) والدہ روزانہ 3 مرتبہ سورۃ یاسین بعد نماز فجر پڑھ کر اپنے مسئلوں کے لیے دعا کریں ان شاء اللہ جلد حل ہو جائیں گے۔ (3) عشاء کی نماز کے بعد ”یا عزیز“ 313 مرتبہ روزانہ پڑھ کر خاوند پر دم کیا کریں۔ اول و آخر 11، 11 مرتبہ درود شریف۔

ایچ آر..... حافظ آباد

جواب:- بعد نماز عشا سورۃ فریش اول و آخر 11، 11 مرتبہ درود شریف۔ روزانہ (پلاٹ کی فروخت اور روزگار کیلئے) دعا بھی کریں۔

نسرتین اختر.....

جواب:- نسرتین اختر جی کریں۔

صائمہ..... ٹنڈو آدم

جواب:- روزگار کے لیے سورۃ فریش 111 مرتبہ اول و آخر 11، 11 مرتبہ درود



شریف۔ بعد نماز عشا (گھر کا ایک فرد یا تمام افراد بھی پڑھ سکتے ہیں) رشتہ کے لیے
بعد نماز فجر سورۃ فرقان آیت نمبر 74، 70 مرتبہ اول و آخر 11، 11 مرتبہ درود شریف۔ جلد اور اچھے رشتے کے لیے دعا کریں۔

سورۃ یسین بھی ایک مرتبہ پڑھا کریں (رکاوٹیں ختم کرنے کے لیے)

نویلہ سعدیہ..... گجرات
جواب:- بعد نماز فجر سورۃ فرقان آیت نمبر 74، 70 مرتبہ اول و آخر 11، 11 مرتبہ درود شریف۔ دعا کریں۔ (جہاں بہتر ہو وہاں رشتہ ہو)

دعا..... کھارپا
جواب:- رشتہ کے لیے بعد نماز فجر سورۃ فرقان آیت نمبر 74، 70 اول و آخر 11، 11 مرتبہ شریف۔ دعا بھی کریں۔

3 مرتبہ سورۃ یسین بعد نماز فجر (تمام مسائل کے لیے) دعا بھی کریں۔

ناہید اختر..... حیدر آباد
جواب:- بعد نماز فجر سورۃ فرقان آیت نمبر 74، 70 مرتبہ اول و آخر 11، 11 مرتبہ درود شریف۔ جلد اور اچھے رشتے کے لیے دعا کریں۔

(2) لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم (ایک سوچ)
استغفر اللہ ربی من کل ذنب و اتوب الیہ (ایک سوچ)

درود شریف (جو یاد ہو، ایک سوچ)
صبح دس تا دوپہر 1، 1 مرتبہ یہ وظیفہ کیا کریں۔
روزی گھر پر مسائل کے لیے (باقی وظائف نہ کریں)

ہارون الرشید..... بھائو الدین
جواب:- صدقہ دیا کریں ہارون کا سورۃ قمر پش 111 مرتبہ اول و آخر 11، 11 مرتبہ درود شریف۔ تمام مسائل کے لیے دعا کیا کریں۔ اس وقت بیرون ملک جانا مناسب نہیں۔

م..... آزاد کشمیر
جواب:- سورۃ الفاتحہ 41 مرتبہ اول و آخر 11، 11 مرتبہ درود شریف۔ فجر کی سنت اور فرض کے درمیان اپنے اوپر دم کیا کریں پانی پر بھی چھوٹی، بہن کو یہ پلائیں اور خود بھی پلائیں۔ بعد نماز عشا سورۃ قمر پش 111 مرتبہ اول و آخر 11، 11 مرتبہ درود شریف پڑھیں۔ (والد اور بھائی کے لیے) نیت رکھ کر پڑھیں کہ مسائل کے حل کے لیے۔

http://facebook.com/elajbilquran
www.elajbilquran.com

نوٹ
جن مسائل کے جوابات دیئے گئے ہیں وہ صرف انہی لوگوں کے لیے ہیں جنہوں نے سوالات کیے ہیں۔ عام انسان بغیر اجازت ان پر عمل نہ کریں۔ عمل کرنے کی صورت میں ادارہ کسی صورت ذمہ دار نہیں ہوگا۔
موبائل فون پر کال کرنے کی زحمت نہ کریں۔ نمبر بند کر دیا گیا ہے۔
اس ماہ جن لوگوں کے جواب شائع نہیں ہوئے وہ اگلے ماہ شائع ہوں گے۔
ای میل صرف بیرون ملک مقیم افراد کے لیے ہے۔
rohanimasail@gmail.com

روحانی مسائل کا حل کوپن برائے فروری ۲۰۱۵ء
نام..... والدہ کا نام..... گھر کا مکمل پتا.....
گھر کے کون سے حصے میں رہائش پزیر ہیں.....

سیدنا

میسونہ رمضان

انجم چوہدری..... جتوئی

میں کیسے سرد ہاتھوں سے تمہارے گال چھوتا تھا
دسمبر میں تمہیں میری شرارت یاد آئے گی
ارم کمال..... فیصل آباد

شرم، جھجک، دہشت، پریشانی
ماز سے کام کیوں نہیں لیتیں؟
آپ، وہ، جی یہ سب کیا ہے
تم میرا نام کیوں نہیں لیتیں؟
عائشہ پرویز..... کراچی

ٹھٹھرتی ہوئی شب سیاہ اور وہ بھی طویل تر
محسن یہ ہجر کے ماروں پہ قیامت ہے دسمبر
خراقریشی..... بلال کالونی ملتان

اس نے تمام لیا چوم کے میرا ہاتھ
اس کی یاد میں گم نہیں، خوشبو اور رات
سامعہ ملک پردیز..... بھیرہ خانپور

ذکر تیرا ہجر میں بھی وصل میں بھی
حیات میری نصاب تو ہے
میری زیست کے اگلے باب کا
سوال تو ہے جواب تو ہے
عابد محمود..... ملکہ ہاس

کس کو دیکھیں تو ماتھے پہ ماہ دس سال ملیں
کہیں بکھرتی ہوئی دھول میں سوال ملیں
ذرا سی دیر دسمبر کی دھوپ میں بیٹھیں
یہ فرحتیں پھر شاید نہ اگلے سال ملیں
نادیہ کامران..... راولپنڈی کہوٹہ

آج ایک اور برس بیت گیا اس کے بغیر
جس کے ہوتے ہوئے ہوتے تھے زمانے میرے
ناہید شمیر رانا..... رحمان گڑھ

میں اکثر آنکھ کے سامنے بچپن رہتی ہوں
کسی نے خط میں لکھا ہے، ادا میں یاد کرتی ہیں
اسے کہنا خزانیں آگئی ہیں اب تو لوٹ آئے
اسے کہنا دسمبر کی ہوا میں یاد کرتی ہیں
شازیہ ہاشم..... قصور

داستان میرے لاڈ پیار کی
بس ایک ہستی کے گرد گھومتی ہے
پیار جنت سے اس لیے ہے مجھے
کہ یہ میری ماں کے قدم چومتی ہے
نورین لطیف..... ٹوبہ ٹیک سنگھ

وقت رخصت اس نے عجب لفظ کہے تھے مجھے
خیال رکھا کرو اپنا اچھے لگتے ہو مجھے
طیبہ سعدیہ عطاریہ..... سیالکوٹ

یہ کیسے ممکن ہے کہ میں ہاتھ اٹھاؤں تیرا نام نہ لوں
تو تو شامل ہے میری دعاؤں میں آمین کی طرح
شمس فیاض..... بستی بزدار

میں نے ہیرے کی طرح اس کو تراشا تو بہت
وہ ذات کا پتھر تھا پتھر ہی رہا
محمد آصف شہزاد الہ آباد..... قصور

انسان کی پرکھ میں ہے بھول کا اندیشہ
اپنوں کو بھی غلٹ میں اپنا نہ کہا جائے
دھوکہ دیتی ہے معصوم چہروں کی چمک اکثر
پھر کالج کے کٹڑے کو ہیرا نہ کہا جائے
شرین کنول..... کراچی

مخفی پناہ چادر زہرہ نہ چھوڑنا
تعلیم نو سنا ہے کہ دشمن حیا کی ہے
گلفستہ خان..... بھٹوال

کیا خوب ہی ہوتا کہ دکھ ریت کے ہوتے
منہ سے گرا دیتے، پاؤں سے اڑا دیتے
عائشہ نور عشا..... شادیوال، گجرات

تمہاری مثل نا ممکن ہے صاحب
تمہارا عکس بھی تم سا نہیں ہے

کوثر خالد..... جز انوالہ

ممکن ہے ایسا وقت ہو ترتیب وقت میں
دستک کو تیرا ہاتھ بڑھے میرا در نہ ہو
کول زینب..... 18 ہزاری، جھنگ

مدت سے جن کی آس تھی
وہ ملے بھی کچھ ان طرح
ہم نظر اٹھا کے تڑپ اٹھے
وہ نظر جھکا کر گزر گئے
دعا ہاشمی..... فیصل آباد

پرائے پن کی وسیع و عریض دنیا میں
یہ اک خوشی ہی بہت ہے کہ درد اپنا ہے
رابعہ عمران چوہدری..... رحیم یار خان
پچھڑا تو دوستی کے اٹاٹے بھی بٹ گئے
شہرت وہ لے گیا مجھے رسوائی دے گیا
نیلیم شرافت..... چٹوٹی

خواب اور حقیقت میں فرق صرف اتنا ہے
خواب ٹوٹ جاتے ہیں حقیقت توڑ دیتی ہے
تحریم اکرم..... ملتان

زندگی بھر کے امتحان کے بعد
وہ نتیجہ میں کسی اور کا نکلا
فریحہ شبیر..... شاہ نکلڈر

میں تمہاری وہ یاد ہوں
جسے تم اکثر بھول جاتے ہو
عافیہ ظفر، فائزہ علی..... جہلم

میں نے تڑپ کر کہا بہت یاد آتے ہو تم
وہ مسکرا کر بولا تمہیں اور آتا ہی کیا ہے
حمیرا قریشی..... لاہور

وہ مانگتا ہے مجھ سے میری وفاؤں کا ثبوت
میری جوانی سلگتی ہے اس کی نادانی پر
آنسا سیہ حیات..... کسوال

محبت ایک ایسا دریا ہے یارو
کہ بارش روٹھ بھی جائے تو پانی کم نہیں ہوتا

شگفتہ نورین..... بستی خواجہ
میری جان آج کا غم کر
کہ نجانے کاتب وقت نے
کسی اپنے کل میں بھی شوق سے
کئی لکھ رکھی ہوں مسرتیں
امشاح جنت..... فیصل آباد

نہ ساحلوں کی ہے طلب نہ ڈوبنے کا مجھے ہے ڈر
میرا آگ سے نہیں واسطہ پھر بھی جلا ہے میرا گھر
آمنہ غلامی..... کے ٹی ایس، ہری پور
کبھی ہم سے بھی غیروں سے شناسائی ہے
بات کہنے کی نہیں تو بھی تو ہر جانی ہے

سعدیہ رمضان سعدی..... 186 پی
توڑ گیا وہ ہم سے ہر تعلق فقط اتنا کہہ کر
کہ اجڑے ہوئے لوگوں میں ہم بسا نہیں کرتے

حافظہ راشدہ..... وہاڑی ماچھیوال

محبت اور چاہت کی شناسائی دے گیا
بڑی درد ناک ہم کو تنہائی دے گیا
اس شخص کے نام بھی کبھی رونقیں
جو ہم سے پچھڑ کر داغ جدائی دے گیا
بنت پاکستان آبشار..... بھکر

ڈھونڈتی پھرتی ہے دشت و بیابان میں ہمیں
زندگی ہم سے پچھڑ کر خود بھی پچھتائی بہت
مونا شاہ قریشی..... کبیر والا

تیری صورت کو جب سے دیکھا ہے
لوگ میری آنکھوں پر مرتے ہیں
شیریں گل..... ٹمن

بے نور ہوئی میری چشم انتظار
تخیل ہو سکی نہ تیرے انتظار کی



biazdill@aanchal.com.pk

دش مقالبہ

طلعت آغاز

گاجر کا زردہ

اجزاء:-

چاول

گاجر

چینی

دودھ

کھویا

پستے

ناریل

تھی

ترکیب:-

آدھا کلو (اٹلے ہوئے)

تین عدد (کس کی ہوئی)

آدھا کلو

آدھی پیالی

ایک پیالی

آدھی پیالی

حسب پسند (کس کیا ہوا)

آدھی پیالی

گاجر کو فرانگ پین میں پھیلا کر رکھیں اور درمیانی آٹے
پر پکاتے ہوئے اس کا پانی خشک کر لیں۔ چاول، گاجر اور
چینی کو دو حصوں میں تقسیم کریں۔ پھر ایک پین میں دو سے
تین کھانے کے چمچ مٹی کے ڈالیں اب اس میں ایک تہہ
چاول ایک گاجر اور چینی کے اوپر دو کھانے کے چمچ دودھ
ڈالیں اور پھر اسی عمل کو دوبارہ دہرائیں۔ پین کو تھوڑے پر رکھ
کر شروع میں تین سے چار منٹ آٹے درمیانی رکھیں اور پھر
ہلکی آگ پر دس سے بارہ منٹ دم پر رکھ دیں۔ چوبیس سے
انہار کر اس میں حسب ضرورت مٹی ڈال کر پانچ منٹ
ڈھک کر رکھیں۔ اچھی طرح ملا کر ڈش کو نکالیں اور ناریل
پستے اور کھویا چھڑک دیں۔ گرما گرم گاجر کا زردہ تیار ہے۔

منیب ملک..... کراچی
فش شاشلک دو کارلن رائس

اجزاء:-

مچھلی

نمک

پیاز

سیاز

آدھا کلو (بغیر کانٹے کی چکڑ بوٹیاں)

حسب ذائقہ

ایک عدد

ایک عدد

شملہ مرچ

ٹماٹر

کٹی لال مرچ

سرکہ

اجوائن

چاول

کالی مرچ

آئل

ترکیب:-

ایک عدد
عدد ۲
ایک کھانے کے چمچ
۲ کھانے کے چمچ
آدھا چائے کا چمچ
دو پیالی (اٹلے ہوئے)
ایک چائے کا چمچ (مکدری پس ہوئی)
چار کھانے کے چمچ

پیاز، ٹماٹر اور شملہ مرچ کے چکڑ ٹکڑے کاٹ لیں اور
مچھلی کے ٹکڑوں کے ساتھ ایک بڑے پیالے میں ڈال
دیں۔ شاشلک کی چھوٹی سینوں کو لے کر اس میں احتیاط
سے مچھلی اور سبزیوں کو پر دیں فرانگ پین میں ۲ کھانے
کے چمچ آئل ڈال کر درمیانی آٹے پر ایک سے دو منٹ گرم
کریں۔ سینوں کو فرانگ پین میں پھیلا کر رکھیں تاکہ
اچھی طرح فرائی ہو سکیں۔ آٹے تیز کر کے فرانگ پین کو
اس طرح گھماتے جائیں کہ مچھلی ہر طرف سے پک
جائے۔ سینوں کو نکال کر اسی فرانگ پین میں دو کھانے
کے چمچ آئل ڈال کر ایک سے ۲ منٹ گرم کریں اس میں
مکئی کے دانے اور کالی مرچ ڈال کر تیز آٹے پر دو منٹ فرائی
کریں۔ پھر اس میں چاول ڈال کر ۲ سے ۳ منٹ فرائی
کریں اچھی طرح گرم ہونے پر چوبیس سے انار لیں۔
پر زینشیں خوب صورت پلیٹس میں کارن رائس کو نکال کر
اس پر ہری پیاز کی پٹیاں یا باریک کنا ہوا پارسلے چھڑک
دیں اور ایک طرف شاشلک اسٹک رکھ دیں۔ یہ ڈش
دیکھنے میں بھی خوبصورت لگے گی اور کھانے میں بھی
غذائیت سے بھرپور ہے۔

صبا چوہدری..... لاہور

پانی والے کباب

اجزاء:-

گائے کا قہیمہ

پنسا ہوا لہسن اور ک

آدھا کلو

۲ کھانے کے چمچ

آجیل جنوری ۲۰۱۵ء 280

کٹی ہوئی لال مرغ
پسا ہوا گرم مصالحہ
کچری پاؤڈر
کٹا ہوا سفید زیرہ
انڈہ
پیاز
پیاز لکھے کئے ہوئے
ہری مرچیں
ہر ادھیا
سوکھی لمبی لال مرچیں
نمک
تیل

ایک چائے کا چمچ
ایک چائے کا چمچ
۲ چائے کے چمچ
ایک چائے کا چمچ
ایک عدد
۲ عدد (باریک کٹی ہوئی)
ایک عدد
باریک کٹی ہوئی ۶ عدد
چھڑکنے کے لیے
۶ عدد (چمچ سے کٹی ہوئی)
حسب ذائقہ
کھانے کے چمچ

کالی مرچ
سویا سوس
سرکہ
کونگ ٹیل
ترکیب:-
انڈر کٹ گوشت لے کر اس کو باریک سلائسز میں کا
ٹ لیں اور اسے اورک لہسن، نمک، کالی مرچ، سرکہ اور سویا
سوس سے میرینٹ کر کے رکھ دیں۔ لال لوبیا کو دھو کر اس
میں تین پیالی گرم پانی ڈالیں، ایک گھنٹے کے لیے بھگو کر
رکھنے کے بعد اسے درمیانی آگ پر ہالنے رکھ دیں ابال
آنے پر آگ ہلکی کر کے ڈھک دیں اور اتنی دیر پکا لیں کہ
پانی خشک ہو جائے اور لوبیا اچھی طرح گل جائے۔ چاولوں
کو تین منٹ بھگو کر رکھیں پھر نمک ملے پانی میں دس سے
بارہ منٹ ابال کر پھینک دیں۔ بڑے فراٹنگ پین میں
کونگ آئل ڈال کر اس میں پہلے باریک کٹی ہوئی پیاز کو
ہلکی سنہری فرائی کریں پھر اس میں میرینٹ کئے ہوئے
گوشت کو فرائی کریں جب سنہرا ہوئے لگے تو اس میں لوبیا
ڈال کر دوسرے تین منٹ فرائی کریں۔ اب بے ہوئے چاول
اور باریک کٹی ہوئی شملہ مرچ ڈال کر ایک سے دو منٹ
فرائی کریں۔ ہلکی آگ پر پانچ سے سات منٹ کے لیے دم
پر رکھ دیں۔ خوب صورتی سے سجا کر ڈش میں نکالیں اور اس
مزیدار ڈش کا لطف اٹھائیں۔

پسی ہوئی آدھا چائے کا چمچ
دو کھانے کے چمچ
۲ سے ۳ کھانے کے چمچ
چار کھانے کے چمچ

چوپر میں قیمہ، لہسن اورک، لال مرچ، گرم مصالحہ،
کچری، زیرہ، انڈہ، باریک کٹی ہوئی پیاز، ہری مرچیں، ہر
ادھیا اور نمک ملا کر کھان کر لیں۔ اس آمیزے کے
لمبو ترے یا گول کباب بنالیں۔ دہی میں ایک پیالی پانی
ڈالیں اس میں کباب رکھیں اور ہلکی آگ پر دھکٹن ڈھانک
کر پکائیں۔ ساس پین میں تیل گرم کریں اس میں پچھے
دار پیاز اور لال مرچیں ہلکی تلیں۔ اس پر کباب رکھیں اور
دھکٹن ڈھانک کر دم پر رکھ دیں۔ مزیدار کبابوں پر ہر ادھیا
چھڑکیں اور گرم گرم پیش کریں۔

جویریہ ضیاء..... کراچی
ریڈ میئر اینڈ بیف دس

ایک چائے کا چمچ
ایک چائے کا چمچ
۲ چائے کے چمچ
ایک چائے کا چمچ
ایک عدد
۲ عدد (باریک کٹی ہوئی)
ایک عدد
باریک کٹی ہوئی ۶ عدد
چھڑکنے کے لیے
۶ عدد (چمچ سے کٹی ہوئی)
حسب ذائقہ
کھانے کے چمچ

تیل
کالی مرچ
نمک
سویا سوس
کارن فلور
ترکیب:-
ایک برتن میں ۲۰۰ گرام گائے کے گوشت کے باریک
کٹے ۲ گلاس پانی کے ساتھ گھٹنے تک پکائیں۔ دوسرے
برتن میں ایک کھانے کا چمچ تیل گرم کر کے ۲ عدد لہسن کے
جوسے فرائی کریں اور اس میں ایک کپ مشروم، ایک عدد
شملہ مرچ اور ایک عدد گاجر شامل کر کے فرائی کریں۔ اب
اس میں گوشت اور پنجنی چھان کر ڈال دیں۔ جب ابال
جائے تو اس میں ایک کپ ابلّا ہوا لہسن، آدھا چائے کا
چمچ کالی مرچ، نمک اور ۲ کھانے کے چمچ کارن فلور پانی
میں گھول کر شامل کر دیں۔ آخر میں ایک اٹھ پھینٹ کر
ڈالیں اور چھلکا بند کر کے کھانے کے چمچ سویا سوس
شامل کر کے سرو کریں۔

ایک کھانے کا چمچ
آدھا چائے کا چمچ
حسب ذائقہ
۳ کھانے کے چمچ
۲ کھانے کے چمچ

سفید سرکہ
رانی دانہ
خشخاش
کشمیری مرچیں
دار چینی
سفید تیل
ثابت کالی مرچیں
چمچ پتے، لونگس

۲ کھانے کے چمچ
آدھا چائے کا چمچ
آدھا چائے کا چمچ
۵ عدد
ایک ٹکڑا
ایک کھانے کا چمچ
آدھا کھانے کا چمچ
۳۳ عدد

توے پر علاوہ سرکہ مصالحے کے تمام اجزاء بھونیں،
پھر بلینڈر میں سرکہ ڈال کر پیس لیں۔ اس مصالحے کو
گوشت پر لگا کر ۵ گھنٹوں کے لیے رکھ دیں۔ لہسن کو نمک
کے ساتھ کوٹ لیں۔ دہی میں تیل گرم کر کے پیاز سنہری
کریں، پھر اورک اور لہسن ملا کر گوشت سمیت باقی تمام
اجزاء شامل کریں اسے بھون کر تھوڑا سا پانی ڈالیں اور
گوشت گھٹنے تک پکائیں۔ تیل علیحدہ ہونے لگے تو ڈش
میں نکالیں۔ مزیدار درباری گوشت ہر ادھیا اور چار مغز
چھڑک کر پیش کریں۔

تنزیلہ عثمان..... رحیم یار خان
نمائندہ

اجزاء:-
ران کے گوشت کی بوٹیاں
پیاز
بڑی الائچی کے دانے
لہسن

آدھا کلو
ایک عدد (باریک کٹی ہوئی)
ایک چائے کا چمچ
۵ جوسے

سیلا چاول
انڈے
کھن
پینگ
رانی
کری پتہ

۶۰۰ گرام
۴ عدد
ایک چوتھائی کپ
ایک دانہ
۲ چائے کے چمچ
۱۰ سے ۱۲ عدد
۶ سے ۸ عدد

ایک چوتھائی کپ
ایک دانہ
۲ چائے کے چمچ
۱۰ سے ۱۲ عدد
۶ سے ۸ عدد
ایک چائے کا چمچ
۲ سے ۳ کھانے کے چمچ
ایک چوتھائی کپ
حسب ذائقہ

پسی ہوئی اورک
ٹماٹر کا پیسٹ
ہری مرچیں
ہر ادھیا
نمک
تیل
چار مغز، ہر ادھیا
مصالحے کے اجزاء

ایک کھانے کا چمچ
۳ کھانے کے چمچ
۴ عدد (باریک کٹی ہوئی)
آدھی گھٹی (باریک کٹا ہوا)
حسب ذائقہ
۴ کھانے کے چمچ
چھڑکنے کے لیے

سیلا چاول
انڈے
کھن
پینگ
رانی
کری پتہ
ثابت لال مرچ
سفید زیرہ
ٹماٹو پیوری
چکن اسٹاک
نمک

۶۰۰ گرام
۴ عدد
ایک چوتھائی کپ
ایک دانہ
۲ چائے کے چمچ
۱۰ سے ۱۲ عدد
۶ سے ۸ عدد
ایک چائے کا چمچ
۲ سے ۳ کھانے کے چمچ
ایک چوتھائی کپ
حسب ذائقہ

نمائندہ کیوریٹ
ہری مرچیں

۲ کپ
۵ سے ۱۰ عدد

نمک سیاہ مرچ پاؤڈر
مایوگارلک سوس کے لیے

حسب ضرورت

ترکیب:-
نکھن گرم کر کے اس میں ثابت لال مرچ، ہنگ، رائی اور زیرہ ڈال کر مکس کر لیں۔ ساتھ ہی کرپی پتہ بھی شامل کر دیں۔ پھر اس میں نمائو پیوری، نمک اور چکن اشاک ڈال دیں۔ اب اس میں چاول شامل کریں۔ اچھی طرح مکس ہو جائے تو اس میں باریک کٹے نمائو اور ہری مرچیں ڈال کر دم پر رکھیں۔ فریج میں ۱۲ گھنٹے کے لیے باندھ کر رکھیں۔

اقرا آفتاب..... کراچی

مچھلی کے چپٹے روٹز

اجزاء:-
فیش فلیٹس (برے)

- 6 عدد
- 3 کھانے کے چمچ
- 1 کھانے کا چمچ
- 2 کھانے کے چمچ
- 2 کھانے کے چمچ
- 4 کھانے کے چمچ
- 1 کھانے کا چمچ
- چوپ کیے ہوئے
- 4 کلو گرام
- 1 چائے کا چمچ
- 1 چائے کا چمچ
- 1 چائے کا چمچ
- 1 چائے کا چمچ
- 1 چائے کا چمچ
- آدھا چائے کا چمچ

- زیتون کا تیل
- لیموں کا رس
- نکھن
- لہسن پیسٹ
- سرکہ
- ہلدی پاؤڈر
- بٹن مشروم (2 کپ)
- چھوٹی مچھلی (چوپ کی ہوئی)
- تھام
- لال مرچ کٹی ہوئی
- چلی گارلک سوس
- چلی سوس
- سویا ساس
- ہیریکا
- انڈے پھینٹے ہوئے
- بریڈ کرمر
- تیل

2 عدد
2 کپ
حسب ضرورت

فیش فلیٹس کو دھو کر خشک کر لیں۔ اب اس پر نمک، سرکہ، ہلدی پاؤڈر اور لہسن پیسٹ لگا کر چھلنی میں ڈال کر ۲۵-۳۰ منٹ تک رکھیں تاکہ پانی نکل جائے اور بختم ہو جائے۔ اب دوبارہ دھو کر فلیٹس کو خشک کر لیں۔ زیتون کا تیل اور لیموں کا رس آپس میں ملا کر فلیٹس پر چھڑک دیں۔ ایک گھنٹے کے لیے ریفریجریٹر میں رکھ دیں۔ سوس پین میں نکھن پکھلا لیں۔ مشروم ڈال کر فرائی کریں مشروم نرم ہو جائیں تو چوپ کی ہوئی مچھلی، تھام، نمک، کٹی لال مرچ، چلی گارلک سوس، چلی سوس، سویا سوس، ہیریکا اور سیاہ مرچ پاؤڈر شامل کر کے فرائی کریں تیار شدہ آمیزے کو مچھلی کے سلائس کے اوپر یکساں مقدار میں رکھیں۔ سلائس کو رول کر کے ٹوتھ پک سے بند کر دیں۔ فیش رول کو پھینٹے ہوئے انڈے میں ڈپ کر کے بریڈ کرمر میں اچھی طرح کوٹ کریں۔ کڑا ہی میں تیل گرم کر کے اس میں روٹز ڈال کر ڈیپ فرائی کریں۔ گولڈن براؤن ہو جائیں تو نکال لیں۔ مگن پیپر کی مدد سے زائد چکنائی جذب کر لیں۔ ایک پیالے میں مایونیز، دی، نمک، لہسن پیسٹ اور سفید مرچ پاؤڈر ملا کر خوب اچھی طرح پھینٹ لیں۔ مایوگارلک سوس تیار ہے۔ فرائی کیے ہوئے روٹز کو سویا سے گارنش کر کے مایوگارلک سوس کے ساتھ سرو کریں۔

مسز طلعت نظامی..... کراچی



بیوی کا گیسٹ

روبین احمد

جلد کی صفائی قدرتی طریقوں سے

آرائش جمال خواتین کا بنیادی حق ہے اچھے کپڑے پہننا، اچھا یورا اچھے میک اپ کی خواہش و تمنا خواتین میں فطری ہوتی ہے۔ خواتین اپنی خوب صورتی بڑھانے اور آرائش جمال کے لیے خوب جتن کرتی ہیں۔ ہم آپ کو حسن کی حفاظت کے کچھ ایسے طریقے بتاتے ہیں جو قلو پٹھرہ کے زمانے سے موجود ہیں اور جنہیں اس دور کی عورتوں نے بطور آرائش حسن استعمال بھی کیا ہے اور تحقیقات نے ثابت کیا ہے کہ یہ طریقے نہ صرف مستند ہیں بلکہ آپ کی جلد کے لیے بے حد مفید بھی ہیں۔

جلد کی صفائی

جلد کی عموماً تین اقسام ہوتی ہیں چکنی و حساس جلد خشک جلد اور نارمل جلد۔ آپ کی جلد کسی بھی قسم کی ہوسب سے پہلے جلد کی صفائی کا مرحلہ آتا ہے آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ جلد کی صفائی کے بغیر آپ کی جلد صحت مند نہیں رہ سکتی۔ جلد کی صفائی یا کلیننگ کرنے سے جلد دانوں کیل مہاسوں، جھانسیوں اور جھریوں سے محفوظ رہتی ہے۔ جلد کی حفاظت اور صفائی کا بہترین طریقہ بھاپ لینا ہے۔

بھاپ لینے سے مسام اندر تک صاف ہو جاتے ہیں دوران خون تیز ہوتا ہے پسینہ ہے جو فاسد مادوں اور دانوں سے نجات دلاتا ہے۔ بھاپ لینے کا صدیوں پرانا آزمودہ نسخہ حاضر ہے جو ہزاروں سال سے خواتین کے حسن کو نئی تروتازگی بخشنے رہا ہے اس مقصد کے لیے آپ کو چند اثر انگیز جڑی بوٹیوں سے بھاپ لینا ہوگی۔

بھاپ لینے کے لیے بابونہ اور زمرگس کے پھول لیں ان دونوں جڑی بوٹیوں کو کھولتے ہوئے پانی میں ڈالیں

اور سر کے اوپر تولیہ لپیٹ لیں پھر دس منٹ تک جڑی بوٹیوں والے پانی کی بھاپ چہرے کو لگائیں ان جڑی بوٹیوں کے علاوہ سونف، نیم کے پتے اور کھٹے کے پھول کی بھاپ لینے سے چہرے کی گندگی صاف کرنے کے لیے اور جلد کو دلکش بنانے کے لیے تینوں جڑی بوٹیوں کو پانی میں کھولا کر بھاپ لیں۔ جھریوں سے نجات کے لیے اور کسی بھی قسم کی جلدی الرجی سے بچاؤ کے لیے بودینہ اور گندنا (کرات عربی) کو کھولتے پانی میں ڈال لیں فوری فائدہ ہوگا بھاپ لینے سے جلد صاف ہو جاتی ہے۔

قدرتی اجزاء سے کریم تیار کریں

ہزاروں سال پہلے کے حکیم اور اطباء کی نادر و نایاب کریموں کے نسخے جانتے تھے جو شاید آج کل ناپید ہیں۔ سالہا سال سے چلے آئے ایسے ہی چند نسخوں سے کریم بنائیے اور پھر دیکھیں کیا آپ کی جلد پر کیسا جادو جگاتی ہے۔ یہ کریمیں سادہ اور کم قیمت ہونے کے ساتھ ساتھ اثر انگیزی میں جدید کریموں سے ہزار گنا بہتر ہیں۔

موم اور عرق گلاب کی کلیننگ

اجزاء:-

- سفید موم
- لینولین کا تیل
- بادام کا تیل
- عرق گلاب
- آدھا دانس
- ایک دانس
- تین دانس
- ایک دانس

بنانے کا طریقہ:-

سفید موم کو لینولین میں پکھلائیں پھر آہستہ آہستہ بادام کا تیل شامل کرتی جائیں اور مستقل اسے ہلاتی رہیں۔ جب تمام اجزاء اچھی طرح حل ہو جائیں تو عرق گلاب ملا لیں اور ٹھنڈا ہونے پر ایسی بوتل میں ڈالیں جس سے روشنی نہ گزر سکے دن میں دو دفعہ اسے استعمال کریں نہایت اثر انگیز ثابت ہوگی۔

شہد اور سوسن کی کریم

اجزاء:-

پانی
شہد
عرق کلاب
تیل

سوسن کی جڑ کا سفوف
بنانے کا طریقہ:-

ایک کپ
ایک چمچ
آدھا چمچ
ایک اونس
دو چمچے

سوسن کی جڑ کا سفوف ایک کپ پانی میں ملا لیں اب ڈھک کر آدھا گھنٹہ گرم کریں جب پانی ابل جائے تو اسے چھان کر اس میں شہد لیبولین تیل اور عرق کلاب ملا لیں اب بوتل میں ڈال کر فریج میں رکھ لیں اور جلد کی خوب صورتی کے لیے استعمال کریں۔

اجزاء:-

ایک پاؤ
دو چمچے
پانچ عدد

بالائی والا دودھ
شہد

گل داؤدی یا اس کی کلیاں
بنانے کا طریقہ:-

دودھ ہلکا سا گرم کر کے اس میں گل داؤدی کو بھگو دیں پھر آدھے گھنٹے تک اس آمیزے کو پکائیں آگ سے ہٹا کر تین گھنٹے تک رکھا رہنے دیں پھر اس آمیزے کو دوبارہ گرم کر کے چھان لیں اب اس میں شہد شامل کریں اور فریج میں رکھ دیں چہرے کے حسن کے لیے گل داؤدی کریم تیار ہے۔

ناشپاتی کی کریم
اجزاء:-

ایک عدد
ایک چمچ
آدھا چمچ
ایک چمکی
تین عدد
دو چمچے

انڈے
گلیسرین
لیموں کا عرق
ناشپاتی کا عرق
سمندری نمک
انڈے کی زردی
پانی

اتاکا آمیزہ گاڑھا ہو جائے

بنانے کا طریقہ:-
گلیسرین اور لیموں کے عرق کو اچھی طرح ملا لیں اب ناشپاتی کا رس بھی ڈالیں حتیٰ کہ آمیزہ گاڑھا ہو جائے۔ اب اس آمیزے میں سمندری نمک بھی ڈال دیں مستقل چھینتی رہیں جب یہ کریم کی شکل اختیار کر لے تو انڈے کی زردی اور پانی بھی اس میں شامل کر لیں اب اس آمیزے کو اچھی طرح بلینڈر میں ڈال کر بلینڈ کر لیں یا اگر بیٹر سے پھیٹنا چاہیں تو اچھی طرح پھیٹ لیں تاکہ تمام آمیزہ کریم کی طرح یک جان ہو جائے اس کریم کو فریج میں رکھیں جب لگانا ہو تو چہرے کو دھو کر اس کریم میں تھوڑی سی انڈے کی پھیٹتی ہوئی سفیدی ملا کر بیس منٹ تک چہرے پر لگائیں بعد ازاں نیم گرم پانی سے دھو لیں پھر ٹھنڈے پانی کے چھیننے ماریں آپ کی جلد جوان ٹھنڈے اور تروتازہ ہو جائے گی۔

موٹسچرا اثرنگ کریم

موٹسچرا اثرنگ اور کولڈ کریم کی بہت ساری اقسام ہیں یہ دونوں بہترین آئی میک اپ ریسمور ثابت ہو سکتی ہیں۔ ان کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ یہ مطلوبہ حصے کی جلد کو کنڈیشن میں بھی لے آتی ہیں۔

ہدایات:- آئی میک اپ ایریا پر انگلیوں کی مدد سے اسے لگائیں بعد میں ٹشو سے صاف کر لیں۔

تولید:- بازار میں ایسے تو لیے دستیاب ہیں جن کو آئی میک اپ ریسمور ٹاول کہا جاتا ہے اور جن کو استعمال کرنے کے بعد پھینک دیا جاتا ہے۔ یہ بہت کام آمد ہیں اور ان سے فنانٹ کام ہو جاتا ہے کیوں کہ ان کے ساتھ کسی اور چیز کی ضرورت نہیں رہتی ہے۔

ہدایات:- یہ تو لیے پہلے سے موٹسچرا اثرنگ ہوتے ہیں بس ان کے ذریعے میک اپ کو پونچھ لیں اور کام ہو گیا۔

ام عاتشہ..... ملتان



نیرنگ خیال

ایمن وقار

نیاسال

زندگی کا ایک سال بیت گیا

اور تم خوشیاں مناتے ہو

ارے نادانوں.....

احساب کرو اس سال کا.....

جو بیت گیا

نیکیاں تلاش کرو گزرے سال کی

بدی سے توبہ کر دینے والے سال کے لیے

یاد کرو اس رب کو

جس نے پھر ایک بار

نیاسال عطا کیا

ہماری تمام کوتاہیوں کو معاف کیا

پھر ایک موقع دیا

اب اس سنہری وقت کے پنچھی کو

تھام لو اپنی منگھلی میں

اور کرڈالو ڈھیر ساری نیکیاں

پھر گزرے سال کی خوشیاں

اس عزم سے مناؤ

کہ اب کی بار نیکی کے پلڑے کو بھاری رکھو گے

تو سمجھ لو کہ تمہاری دین و دنیا سنور گئی

مسز نگہت غفار..... کراچی

غزل

نئے آنکھن کے پھول پیار نے تمہیں مبارک

تمہاری آنکھوں کے خواب سارے تمہیں مبارک

ہمازے ہاں تو موسم خزاں ہے کب سے

بہار رت کے سبھی نظارے تمہیں مبارک

گہری رات کے سائے لے کر کیا کرو گے؟

پریم نگر کے دھوپ کنارے تمہیں مبارک

سبھی تلخیاں کڑوائیں ہمارے سر ہیں
اچھے اچھے کلام تمہارے تمہیں مبارک
دل مضطرب چوکھٹ عشق سے جا رہا ہے
اس حزار کے سبھی چڑھاوے تمہیں مبارک
بھلا اب کیوں وقتوں کو تاویں تولیں؟
گئے یوں کہ ملال سارے تمہیں مبارک
ہے کون جو سمجھے گا تمہاری باتیں چندا
اس فن کے خن تاب ستارے تمہیں مبارک
چند اچوہدری..... جویلیاں

دسمبر

دسمبر اب کتنا یا تو.....

میرے سینے میں دن

یادوں کا ابار اٹھا یا

تھکھرتی سردراتوں میں

سلگتی تنہائی کے ہمراہ

تمام رات

میں اپنے کمرے میں

یادوں کی طلسم خیز موجوں سے

لڑتے لڑتے ہار جاتی ہوں

ہر اک پل

شدت تنہائی سے یوں سلگتا ہے

کہ.....

اگر کچھ اور وقت یہ کیفیت رہی

تو جانے کیا غضب ہو جاناں

تمام سال تیری یادوں کو دفن کرتے

جتن کرتے گزر گیا

مگر اب کے دسمبر آیا تو

بندھن ضبط توڑ کے

تیری یادوں کا سونامی

یوں پہا ہوا کہ

میری آنا.....

خود داری سب ہار گئی

.....

آنجل جنوری ۲۰۱۵ء ۲۵

آنجل جنوری ۲۰۱۵ء ۲۵

تیری یاد کئے گئے.....
تیری یاد کا موسم اور دسمبر مقدر ٹھہرا.....
سیر اغزل صدیقی..... کراچی

غزل
آسمان تسخیر کر کے دیکھنا ہے
آپ کو تقدیر کر کے دیکھنا ہے
چاند تارے سب ہمارے ہی ہیں لیکن
ان کو اب زنجیر کر کے دیکھنا ہے
رائیگاں ہوں کیوں مرے جذبات آخر
عشق پر تاثیر کر کے دیکھنا ہے
مجھ کو اب اپنی خیالوں کی چمک سے
چارہ گر تصویر کر کے دیکھنا ہے
سحر کرنا ہے نگہ سے اس طرح اب
زہر کو انگیسر کر کے دیکھنا ہے
جس قدر بھی خواب دیکھے میں نے خام
سب کو اب تعبیر کر کے دیکھنا ہے

فریدہ خانم..... لاہور

سال نو

اے خدا
دکھ کی زنجیریں کاٹ دے
ہو طلوع خوشیوں کا سورج
آتشیں غم کے لمحوں کو
جو ڈھانپ دے
یوں مسکراتا ہوا پورا سال ملے
نہ کوئی چہرہ اداس ہو
نہ کسی کورن و ملال ملے
خدا کرے مسکراتا ہوا
ہر کسی کو نیا سال ملے آمین

فیض آصف خان..... ملتان

غزل

شہد محبت میں وفا کا دام مت پوچھو
ہر شخص ہرجائی ہے کسی کا نام مت پوچھو

دھل گئی جیسے بھی دھلی خمیرا
اس کے شہر میں گزری وہ آخری شام مت پوچھو
وہ بدل گیا ایسے کہ مجھے جانتا نہیں
کیا ہوا محبت کا میری انعام مت پوچھو
جفا کر کے بھی شہر محبت میں وہ ٹھہرا معبر
سرکس کے آیا بے وفا کا الزام مت پوچھو
خمیرا تریشی..... لاہور

انجام

دھل کی قبر پر
چاہتوں کے مرقد پر
آنسوؤں تلے گیلی مٹی پر
بس اک لفظ محبت دفن کیا ہے
دفن کر کے.....
کبھی نہ اس لحد پر آنے کی قسم کھائی ہے
یوں اپنی ذات کی.....
کی میں نے پذیرائی ہے.....

حراق تریشی..... ملتان

غزل

موسم گل کا سفر آپ کی سند آ نکھیں
بس یہی مانگتی ہیں میری گداگر آ نکھیں
میری حسرت کے سفینے کو ڈبویا تھا کبھی
بھول پائیں گی بھلا کیسے سند آ نکھیں
خون کی ہوئی کہیں ہم کے دھماکے یارو
دیکھتی رہتی ہیں چپ چاپ یہ منظر آ نکھیں
رقص کرتی ہے مرے گھر میں وہی تاریکی
یاد آتی ہیں مجھے تیری منور آ نکھیں
ڈال دیتی ہیں مری جھولی میں اشکوں کے گلاب
جانے ہر بار کیوں یہ تیری سند آ نکھیں
بس یہی مجھ میں بڑی خای نظر آتی ہے
فیصلہ کرتی نہیں سوچ سمجھ کر آ نکھیں
پیار کی دے گیا سوغات مجھے وہ رانا
ڈھونڈتی پھرتی ہیں جس شخص کو درد آ نکھیں

قدیر رانا..... راولپنڈی

نظم

تیری کوشش پیہم فضول ہے
نہ کھلا نکلیں گے اب
تیرے دلکش لفظوں کے پیرائے
تیری نظروں کی تپش
تیرے لہجے کی کھنک

اس محبت کو
جو کبھی تمہارے لیے میرے دل میں تھی
کیونکہ وہ گزشتہ ملاقات پر
تیرا سرور دیا

میری رگ دپے میں
منجد ہو کر رہ گیا ہے

خمیرا نوشین..... منڈی بہاؤ الدین

غزل

چاند بتاروں سے بات کرنی ہے
غمگساروں سے بات کرنی ہے
ہم نے صحرا میں گھر بنانا ہے
ریگزاروں سے بات کرنی ہے
درد مندوں کے حال سننے ہیں
بے سہاروں سے بات کرنی ہے
اب دسمبر کے سرد موسم میں
کھساروں سے بات کرنی ہے
اس کو راشد پسند کرتا ہوں
اپنے یاروں سے بات کرنی ہے
راشد ترین..... مظفر گڑھ

نظم

طویل شب کے اداس لہجے
خٹک ہوا کہ سبک رو جھونکے
یاسیت زدہ غم فضا میں
بار بار یہی پیام دیتی ہیں
دسمبر لوٹ آیا ہے.....

برف کی آغوش میں دہکی
بوڑھے برگ کی نجیف ٹہنیاں
دھند کی نرم شال اوڑھے
دلکش حسین وادیاں
یہی ہر بات کہتی ہیں
دسمبر لوٹ آیا ہے.....
تو ایسے میں اے جان جان
میری دلہیز تنکائی
دیران راہیں.....
میری تشنگاں ہیں
دل مضطرب کی آہیں
تجھے آواز دیتی ہیں
تجھے ہر پل یہ کہتی ہیں
کہ تم بھی لوٹ آؤ ناں
میری آنکھوں میں روشن
تیری دید کا خطر
آخری دپے.....
بجھنے سے نکل
لوٹ آؤ ناں
چلو اب لوٹ آؤ ناں
دسمبر لوٹ آیا ہے
گھٹ اسم چوہدری..... سوناویلی آزاد کشمیر

میری نظم

آج لفظ ٹوٹتے ہیں
کہ دل اب
وحشت ناک سکوں سے شام ہے
بے ربط خیال
بے ثبات حروف
بے خودی بھی منجد
چشم دل عکس یار کے بنا
اندھاسا لگتا ہے
دسمبر کی یہ بے رحم خنکی

آنجل جنوری ۲۰۱۵ء 200

آنجل جنوری ۲۰۱۵ء 228

برستے ابرید لے منظر
ہمیں کچھ محسوس نہیں ہوتا
کہ دل کی سل پر رکھا
وہ بھاری پتھر سے کا سا ہے
کہ جذبوں کے لکھنے ان سرد موسموں میں بھی
پھر سلگ رہے ہیں پھل رہے ہیں
حیراں ہیں کہ اب تو
راکھ دل خاک بن کر بھی نہیں اڑتی
کیا اب خیال یا نہیں
بلکہ نفس حیرانی میں مقید ہیں
کیا کہیں کآج
لفظ ساتھ نہیں دیتے
کہ اب قلم اس اجنبی نام کو لکھنے کو چلتا ہے
جسے جاننا ہم نے ضروری نہیں سمجھا تھا
کآج حوصلے ٹوٹتے ہیں
سارے لفظ یہ لکھتے ہوئے پشیمان ہیں
ہمیں تم سے محبت نہیں
ہمیں تم سے عشق ہے

عروشہ بشر چیمہ..... گوجرانوالہ

غزل

کس کے سینے میں وہ دل ہے کہ جو تاراج نہیں
کون وہ شخص ہے جو واقف غم آج نہیں
باتیں آنکھوں سے بھی کہہ دیتی ہیں راز اکثر
دوستی گرمی گفتار کی محتاج نہیں
رنگ لے آئے گی اک روز یہ کاوش اپنی
گو کہ دنیا میں اخوت کا چلن آج نہیں
یہ آس پاس ہیں جو لوگ ایک جیسے ہیں
ہیں مہرباں تو مگر کوئی ہم مزاج نہیں
کرے گا کون مگر دور وحشتیں دل کی
یہ کہہ رہے ہیں سبھی مرض لا علاج نہیں
ڈگریاں علم کی صدیوں سے ہیں محتاج مگر
علم دنیا میں کسی ڈگری کا محتاج نہیں

ہمیں بھی اپنے بزرگوں کی راہ پر چلنا ہے
ہمارے سر میں بھی سوائے تحت و تاج نہیں
میری پہچان ہے غیر مرا اسلوب سخن
میری شہرت مری تصویر کی محتاج نہیں
غیر رضوی..... لیاقت آباد کراچی
سردیاں لوٹ آئی ہیں

شاید تمہیں معلوم ہو کہ

سردیاں لوٹ آئی ہیں

ہماری محبت کی شاید

سردیاں لوٹ آئی ہیں

وہی محمد دھند

وہی چائے اور بارش

مگر جانے کیوں اب مجھے

تمہارے بن

کچھ بھی اچھا نہیں لگتا

سنوٹم لوٹ آؤنا

کہ تمہیں یہ بارش بلاتی ہے

تمہاری بانسری بھی مجھے

بہت یاد آتی ہے

سنو..... تم لوٹ آؤنا کہ

سردیاں لوٹ آئی ہیں

محمد بشری عابد..... سرگودھا

غزل

یاد آ رہی ہیں آج گزرے وقت کی مستیاں
پھر روٹھ گئیں ہم سے کچھ عزیز ہستیاں
جب سے پھڑپھڑے ہیں دل پر گویا محرم ساٹھہر گیا ہے
پے درپے چل رہی ہیں تیری یادوں کی برچھیاں
اب اک احسان کر ڈیہ اپنے ساتھ ہی لیتے جاؤ
سمیٹ کر کہاں رکھوں گی میں اس دل کی کرچیاں
تعلق تو اب بھی نہیں ٹوٹا تو نے لاکھ چاہا لیکن
کچھ اتانیں حال ہیں تیرے میرے درمیان
ہوئیں اڑا کے یادیں تیری تجھے بدنام نہ کر دیں کنول

او بند کردی ہیں ہم نے اپنے دل کی کھڑکیاں
مدیچہ کنول سرور..... چشتیاں

غزل

ہم محبت میں کیا نہیں کرتے
وہ تو پھر بھی وفا نہیں کرتے
اب تو رغبت ہوئی اندھیروں سے
دل میں روشن دیا نہیں کرتے
جس قدر بھی رکاوٹیں آئیں
اپنی رہ سے ہٹا نہیں کرتے
آس رکھتے ہیں کیوں بھلائی کی
جو کسی کا بھلا نہیں کرتے
ہم کہ بچوں کے بل کھڑے ہو کر
اپنے قد کو بڑا نہیں کرتے
باب الفت کا پڑھ لیا جب سے
ہم کسی کو خفا نہیں کرتے
صاف گوئی ہے جن کی فطرت میں
وہ کیسی سے دعا نہیں کرتے
یاد ان کو حقوق ہیں اپنے
جو فرائض ادا نہیں کرتے
جو تکبر سے بات کرتے ہوں
ان کے آگے جھکا نہیں کرتے
یہ لازم جواب دو اس کا
ظلم خود پر سہا نہیں کرتے
کیوں فرشتہ سمجھ لیا ان کو
کیا وہ انسان خطا نہیں کرتے
جس کو مانگا تھا ال گیا شاکر
اور کوئی دعا نہیں کرتے

شاکر نظامی..... سرگودھا

غزل

تیرے ہجر کا درد بڑھتا جا رہا ہے
امید وصال کا سورج ڈھلتا جا رہا ہے
یہ اپنا دل بھی عجیب ہے تیرے لیے

مانند طفل ضد پر اڑا روتا بلکتا جا رہا ہے
سڑی دھوپ میں جسے سائبان نہیں ملتا
اس کا یہاں آچل بھی سرکتا جا رہا ہے
تنہا ہم ہی تو نہیں جہاں میں گھائل
کیوں ہر شخص ہم پر ہنستا جا رہا ہے
نجانے کیوں زمانے میں جس ہے
آنکھوں سے تو مینہ برستا جا رہا ہے
کسی کو سمندر عنایت کیا بجھانے کو پیاس
اور کوئی بوند بوند کو ترستا جا رہا ہے

ریمل آرزو..... اوکاڑہ

دسمبر

سنو دسمبر.....!

مجھ سے آنکھیں

تو ملاؤ

تم وہی ہونا؟

جس نے مجھے

اداس کر دیا

عائشہ نور عا شا..... شادیوال گجرات

غزل

اقرار نہیں تو عہد وفا کے کہوں
تجھے نہیں تو مخلص آشنا کے کہوں
شب و روز اٹھائے ہاتھ تیرا ملنا میرے ساتھ
سو صبر و انتظار کے دعا کے کہوں
ور بند میں دریچہ سے شب کو جھانکا جب تو
سامنے مہتاب کھڑا تو تارا کے کہوں
رابط الفت میں میرا دل تیرے دل سے ملا
دلبر تو نہیں تو ولدارا کے کہوں
جس رنگ کا تو پھول ہے منظور نظر قبول ہے
کیا اور خوشی اصول تحفہ کے کہوں
حساس درد نہیں تو پھر تو ہی بتا مہتاب
درد وفا کردار ادا کے کہوں

عبدالوحید مہتاب..... میانوالی

آؤ دعا کریں

مٹے دور کا آغاز کریں ہم
لفظوں سے نہ بات کریں ہم
بس اکھیوں کی بولی بولیں
لب نہ کھولیں لفظ نہ بولیں
عشق کی ساری روایتوں کو
محبت کی ساری حکایتوں کو
پلٹ کر رکھ دیں مثاب کے رکھ دیں
عجب ہے کیا جو ہم اور تم
خدا کی مرضی بدل کے رکھ دیں
کسی نے کیا یہ سنا نہیں
دعا سے تقدیر تسخیر ہوئی ہے

سورافنگ..... کراچی

خاموشی بات کرتی ہے

میں اپنے گھر کے آگن میں

یوں اپنی دنیا بساتی ہوں

ہواؤں کو فضاؤں کو

یہاں محسوس کرتی ہوں

میں تنہا ہوں تو غم کیسا

بہت سے ہیں یہاں تنہا

لگن پر چاند تنہا ہے

اسے بس دیکھ لیتی ہوں

بڑی خاموشی نظروں سے

بنا ہونٹوں کو کھولے ہی

اسے آواز دیتی ہوں

صدا وہ میری سنتا ہے

میں بیٹے دن کی گھل روداد اس کو سناتی ہوں

مجھے لفظوں کو چننا بھی نہیں پڑتا

نہ جملوں کو کوئی ترتیب دیتی ہوں

میری خاموشی ہر روز اس سے بات کرتی ہے

گھڑی بھر کو گردن میں

کہیں میں بیٹھ جاتی ہوں

پرندوں کی گھسی اور گنگناہٹ کو
میں آنکھیں بند کر کے محسوس کرتی ہوں
ہو انیس مجھ کو چھو چھو کر گزرتی ہیں
اور ایسے سرسراتی ہیں

کبھی جیسے تیری آواز کانوں میں ساتی تھی

مجھے خوابوں سے اکثر جگاتی تھی

ہو انیس چاند خوشبو اور بادل

یہ سب کے سب ہی تنہا ہیں

اگر چہ ان کی تنہائی دکھائی تو نہیں دیتی

مگر محسوس ہوتی ہے تو اسے میرے محبوب

میری تنہائی کو تم بھی کبھی نہ دیکھ پاؤ گے

کہا ہے شاعر نے کیا خوب

تم میرے پاس ہوتے ہو گو یا جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

تو پھر میں کیسے تنہا ہوں؟ تم افسردہ نہ ہونا

ہو انیس چاند سورج اور ستارے

یہ سب ہی دوست ہیں میرے

یہ سب ہی ساتھ ہیں میرے

یہ مجھ سے باتیں کرتے ہیں میں ان سے باتیں کرتی ہوں

ازل سے ہی یہ تنہا ہیں

مگر یہ پھر بھی زندہ ہیں

ان ہی میں مجھ کو ڈھونڈ تم

جو نبی محسوس کر لو گے تو بس مجھ کو پالو گے

میری سیٹ اس زندہ ہے

کبھی تو لوٹ آؤ گے

کبھی وہ صبح بھی ہوگی کبھی وہ شام بھی ہوگی

کہ جب تم لوٹ آؤ گے کبھی تو لوٹ آؤ گے

وصل کے ایسے لمحے بھی

کبھی تو لوٹ آئیں گے

کہ جب آنکھیں ہی سنیں گی

اور آنکھیں ہی زباں ہوں گی

عبداللطیف..... کراچی

دوست گلیں کے آگے

بہا احمد

آؤ..... فرحانناز

میں اکثر رات کو فارغ ہو کر دن بھر آنے والے بیچ چپک کرتی
ہوں لیکن اس رات میں نے محترم طاہر صاحب کے بیچ کو کوئی
تین بار پڑھا نہیں یہ بھلا کیسے ہوسکتا ہے کچھ دیر تو میں شاگردی
پیشی رہی۔ میں فرحانہ کو ذہنی طور پر نہیں جانتی کچھ عرصہ ہوا جب
میں نے اس کی تحریروں کو پڑھنا شروع کیا۔ اس نے کب لکھنا
شروع مجھے علم نہیں لیکن جب میں نے اس کی ایک تحریر پڑھی تو
مجھے لگا یہ لڑکی بہت آگے جائے گی اس کی تحریر میں روانی تھی اور
پختگی بھی۔ مجھے اس کی عمر کا علم نہیں تھا لیکن میرا وجدان کہتا تھا وہ
بہت نوجوان ہوگی یہ عمر بھی بھلا جانے کی ہوتی ہے۔

یار موسم گل کی آمد تھی

یار ابھی تو پھول کھلے تھے شاخوں پر

میں نے کرن میں چھپنے والے اس کے ناول کی چند اقساط
پڑھی تھیں ناول کا آغاز اور انھماں بہت اچھی تھی میں نے سوچا تھا
کہ ایک روز کرن کی طرف خط لکھوں گی اور فرحانہ کو مبارک باد
دوں گی لیکن مجھے کیا علم تھا کہ وہ خط کبھی نہیں لکھ سکوں گی اور فرحانہ
کبھی نہ جان پائے گی کہ مجھے اس کی تحریر پسند آئی تھی۔ اسے تو
ابھی بہت کچھ لکھنا تھا بہت آگے جانا تھا لیکن..... موت..... یہ
لفظ کتنا ظالم ہے لمحوں میں گھروں کے چراغ بجھا دیتا ہے۔ اتنا
بڑا حادثہ سوچتی ہوں تو رو گئے کھڑے ہو جاتے ہیں کیسے اس
کے ابو نے اس کی بہن اور بھائی نے ایک ساتھ چاروں کو
رخصت کیا ہوگا۔ اس کے بچوں کا سوچتی ہوں تو آنکھیں نم
ہو جاتی ہیں کیسے برداشت کیا ہوگا انہوں نے یہ اتنا بڑا غم.....

ہو سکے تو پوچھنے کوئی روٹھ کے جانے والوں سے

روشنیوں کو میرے گھر کا راستہ کون دکھائے گا

اللہ تعالیٰ اس کے درجات بلند کرنے اور پسماندگی کو صبر جمیل

عطا فرمائے آمین

نگہت سیما.....

چھوٹے آفتاب لودھی کے نام بہت پیار کے ساتھ

سرد تنہا راتوں میں پہروں چاند کو لکھتی ہوں کیونکہ جو تنہا اور

اواس چاند میرے آگن میں چمکتا ہے وہ اس گلی کے آسمان پر بھی

چمکتا ہے جہاں تم ارسلان اور مہارہے ہیں وہ اس قبر پر بھی اپنی
روشنی بکھیرتا ہے جہاں ہم سب کا پیارا الہی نیند سو رہا ہے۔ چاند
دعا اور خوابوں کا یہ رابطہ میرے لیے تب ایک چھوٹی سی نسل بن
جاتا ہے جب تم سب کی یاد آتی ہی نہیں ہے جب آنسو رکتے ہی
نہیں ہیں اور جب دل تم لوگوں کو دیکھے بنا بھٹکا ہی نہیں
ہے۔ ایان شہزادے 5 دسمبر کو چھپاری سالگرہ تھی میری اور ہم سب
کی طرف سے بہت سارا پیار اور دعا میں۔ نور آباد میں گزری
تہہ باری ساری سالگرہاں ایک ایک کر کے آنکھوں کے سامنے
گزر رہی ہیں بابا کے بنوائے ہوئے A والے لیکوں کی مٹھاس
آج بھی میں محسوس کر سکتی ہوں۔ اپنا ماما کا اور بھائی کا خیال رکھنا
اور کبھی کبھی یاد کر لیا کرنا کہ بابا کے چلے جانے کے بعد اتنا سائق
تو ہے (ہنی پھو زندگی کے ہر لمحے میں تم لوگوں کو یاد کرتی ہے)۔

ایان پتا ہے لوگ کہتے ہیں خون کے رشتے کبھی نہیں ٹوٹتے

تجربے دور جانے سے کم نہیں ہوتی لیکن جانو کبھی کبھی انتظار اتنا

طویل ہو جاتا ہے کہ اس اور سانس کی ڈور ضرور ٹوٹ جاتی ہے۔

دو سال پہلے تک دسمبر استعارہ تھا چاہتوں کا مسکراہٹوں اور محبتوں

کا مگر اب دسمبر استعارہ ہے دور یوں کا مجبور یوں کا..... آخر میں

ان تمام لوگوں سے اتماس ہے جن سے میرا لفظوں کا چاہتوں

روٹی کا درد اور خوشی کا دل اور ہاتھوں کا دعا اور خیال کا خون اور

نسبت کا غصہ اور بے رخی کا رشتہ ہے وہ میرے مرحوم بھائی جان

آفتاب لودھی کے لیے مغفرت کی دعا کر دیں اور میرے شہزادوں

کے لیے زندگی صحت سلامتی نیکی اور کامیابی کی دعا کریں۔ اللہ

پاک آپ کو اجر دے گا اور میں نہایت مشکور رہوں گی اللہ حافظ۔

اسٹامہ..... جھنڈ سندھ

گزرے سال کے نام

اے گزرے سال! تیری آمد پر ہم نے تجھے کس خوش اور

دلوں سے تیرا استقبال کیا تھا تیری آمد کی خوشی میں ڈھیر ساری

فائرنگ پانے اور آتش بازی سے تجھے خوش آمدید کہا تھا۔ تیری

آمد پر ہم نے بہت سارے عہد و پیمان بھی کیے بہت سارے

منصوبے بنائے یہ کریں گے وہ کریں گے..... لیکن بحیثیت قوم

یہ ہمارا اللہ ہے کہ ہم سوچنے میں اتنی انرجی ضائع کر دیتے ہیں

کہ جب عمل کا وقت آتا ہے تو ہم تھک کر بیٹھ جاتے ہیں جب

ہم اپنی امیدوں کو پورا نہیں کر پاتے تو اگلے سال سے اپنی

امیدیں باندھ لیتے ہیں۔ اب بھی وقت نہیں گزرا اگر ہم سوچیں

25 فیصد اور عمل کریں 75 فیصد تو کوئی بڑی بات نہیں کہ ہم بھی

آسمان کی بلندیوں کو چھو سکتے ہیں، صحرا میں گلاب کھلا سکتے ہیں اور اگر ہم اس سال اپنی اس سوچ پر عمل کرنے پر کاربند ہو جائیں تو یقیناً مائے یہ سال بہت اچھا ہے۔

ارم کمال..... فیصل آباد

فرحانناز ملک کے نام

کچھ درد اتنے گہرے ہوتے ہیں کہ ان کے کٹانے الفاظ بے معنی لگتے ہیں ابھی تو شازیہ چوہدری کے جانے کا درد بھی نہیں بھول پاسے تھے کہ ایک اور درد اپنا وار کر گیا۔ یہ صبر خوشیاں میں بسنے والی ہستیاں مدفون نہیں ہیں ہمیشہ قارئین کے دلوں میں زندہ ہیں۔ دعا ہے اس پاک رب العزت سے کہ وہ انہیں اپنے پیارے بندوں میں شامل کرے اور کدوٹ کدوٹ جنت الفردوس میں جگہ دے۔ اتنا جانتی ہوں کہ جب ان کا نام (مرحومہ کی لسٹ میں دیکھا) تو ایک گہرا صدمہ دل و دماغ کو جامد کر گیا۔ کیا زندگی اتنی ہی بے مایاں ہے یا شاید موت اتنی ارزا ہے۔ جانے کیا بات ہے مگر اب میرے الفاظ میرا ساتھ چھوڑ رہے ہیں اللہ ان کے درجات بلند کرے اور انہیں آسانیاں عطا فرمائے آمین۔ لاسٹ میں ڈیڑھ سیرا بھجوا آپ کی سالگرہ 26 دسمبر کو ہوتی ہے مینی مینی پٹی برتھ ڈے ٹو یو جو ہزاروں سال اور 14 دسمبر کو میری خود کی سالگرہ ہے مگر میں خود کو شکر نہیں کروں گی یہ صرف اپنی دوستوں کو یاد دلانے کے لیے۔

مونا شاہ قریشی..... کبیر والا

پہ خلوص سسٹر کے نام

سسٹر چونکنے کی ضرورت نہیں یہ میں ہی ہوں آپ کی چھوٹی..... پیاری سسٹر 25 دسمبر کو آپ کی سالگرہ ہے اور میری طرف سے سالگرہ مبارک ہو اور اللہ سے دعا ہے کہ اللہ آپ کو زندگی میں خوشیاں نصیب فرمائے آمین میری پیاری اور کیوٹ سی ایک دوست بھی ہے اس کی بھی 25 دسمبر کو برتھ ڈے ہے تو اسے بھی ڈھیر ساری مبارک باد۔ مانو میں تمہارا ذکر کر رہی ہوں میری دوست اللہ تمہیں بھی خوشیاں نصیب کرے اور سسٹر حلیمہ آپ کو بھی دوبارہ مبارک باد تمام آپ چل پریوں کے لیے میری طرف سے ڈھیر سارا پیارا شاہ گروپ کی تھلیاں پھولوں پر سے کیوں غائب ہیں بانی نازیبا پی نمبرہ آپ کی اور سیرا آپ کی کو میری طرف سے ڈھیر سارا پیارا مجھے دعاؤں میں یاد رکھنا اللہ حافظ۔

ثناء عرب سنی..... صوابی

آچل فرینڈ اور انا صاحب کے نام

السلام علیکم! اتنا عرصہ غیر حاضر رہی کسی نے بھی یاد نہ کیا کہ دعا ہاشمی کہاں غائب ہو؟ خیر..... مئی 2013ء میں مماتی طبیعت اچانک ہی زیادہ خراب رہنے لگی تھی بیمار تو وہ پہلے بھی تھیں۔ وہ تھانڈا اینڈ کی مریضہ تھیں اور معدہ ٹھیک نہیں تھا پھر نومبر 2013ء کو میری چھوٹی خالہ کا انتقال ہو گیا اور 17 فروری 2014ء کو میرے نانا ابو کی ڈ۔ تھ ہو گئی 28 فروری 2014ء کو پتا چلا کہ ماما کے پیٹ میں تین رسولیاں ہیں جواب کینسر بن چکی ہیں اور 3 مارچ 2014ء کو ہم اسپتال تھے سو میں نے جاب چھوڑ دی پچھپھڑ سے بالکل ناکارہ ہو چکے تھے۔ کوئی اس وقت دعا ہاشمی کو اسپتال کے ٹھنڈے کارڈر میں اللہ کے سامنے گڑ گڑاتے اور احاطے میں تنگی پنج بریٹھ کر قسمت کی ستم ظریفی پر حیران ہوتے دیکھتا اور پھر 28 جولائی 2014ء رمضان المبارک کے پہلے میں ہمیں چھوڑ گئیں۔ ارسل اسود کی معصوم آنکھوں کی حیرانی ان کی شرازت چھن گئی رجا لکھی کی مسکراہٹ معدوم ہو گئی۔ اسامہ ایک روپوش مشین کی مانند اکیڈمی اور جاب تک محدود ہو کر رہ گیا۔ دعا ہاشمی کو زندگی جینے کی امنگ ختم ہو گئی مجھے ماما کے بغیر ایک قدم چلنا بھی نہیں آتا۔ آپ سب سے ایک گزارش ہے کہ لول، آخرو درد پاک تمہیں سورۃ اخلاق پڑھ کر ماما جی نانا ابوالورصا رحمہ اللہ خالہ کی مغفرت کی دعا کریں اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے۔ انا صاحب یاد رکھنا غائب ہو؟ آچل میں انٹری دے دو اور مطرب کیسی ہے اپنے میاؤں جی (شاہ زار لالہ) کو بھی سلام کہہ دی دو اور ہاں دیور کی شادی کی بہت بہت مبارک باد۔ فیصل آباد کب چکر لگا رہی ہو میں تمہیں بہت یاد کرتی ہوں۔ مطرب کو آنو (میری) کی طرف سے دزد دزد سے ڈھیر ساری پاریاں کرو۔ دعا کے لیے دعا کیجیے گا سکون کی نصرت کی دعا کو دعاؤں کی اشد ضرورت ہے اللہ حافظ۔

دعا ہاشمی..... فیصل آباد

آچل فرینڈ زقارمین اور نایاب امیر کے نام آداب عرض کافی دنوں سے سوچ رہی تھی کہ اپنی آچل فرینڈ سے بات کروں لیکن میری بیماری آڈے آتی رہی۔ میری جانب سے ان دوستوں کو سالگرہ مبارک جن کی سالگرہ دسمبر میں ہوتی ہے کہو کیسی ہوا امیر گڑیا ارے ہو گئیں نا حیران! جی ہاں یہ میں ہی ہوں تمہاری مماتی تمہیں پیغام بھیجنے والی ارے ارے بس اتنی خوشی کافی ہے۔ میں نے سوچا تمہاری سالگرہ ہے 27 دسمبر کو تمہیں بذریعہ آچل دلش کر کے سر پر اندر دیتی ہوں بولو کیسا لگا؟

تمہارے ماموں امین ماموں یوسف کزنز شہلا کنول حسن حسین (جڑواں) بھی مبارک باد دے رہے ہیں۔ ارے یاد آیا حامد یارا تم بھی دسمبر میں ہی پیدا ہوئے تھے تمہیں بھی سالگرہ مبارک ہو شکریہ مجھے یاد آ گیا درنہ تم امیر آپ سے لڑتے اچھے بچے دل لگا کر پڑھا کرو۔ کچھ جتن کی بجائے رہی ہے ادے کا سنات دیا اور سیر نے منہ سورت ہوئے ہیں۔ یار ناراض کیوں ہوتے ہو تمہیں بھی کسی موقع پر بذریعہ آچل دلش کریں گے۔ میری دعا ہے اللہ تمہیں ڈھیر دل خوشیاں دے اور کامیابیاں تمہارا مقدر بنیں۔ امیر گڑیا میری طرف سے ای ابو کو ڈھیر دل سلام کہنا۔ زویا خان آج کل آچل میں نظر نہیں آ رہی ہو ٹھیک تو ہو؟ اللہ ہمیشہ ٹھیک ہی رکھے آمین۔ پروین افضل آپ بہت شکفتہ ہو میری دعا ہے اللہ آپ کو نیک صالح اولاد سے نوازے میں آپ کے لیے بہت دعا کرتی ہوں۔ رخسانہ اقبال جو ہر آباد کہاں ہو؟ آچل فیملی میں شامل ہو کر بھول گئی ہو پلیز رابطہ کرو بہت یاد آتی ہو آخر میں آچل اشفاق آچل فیملی اور تمام قارئین کے لیے دعا میں۔

شبان امین راجپوت..... کوٹ رادھا کشن

بہت پیاری رمشہ کے نام سویت ہارٹ کیسی ہو؟ 7 دسمبر کو تمہاری برتھ ڈے تھی سوچا تمہیں اپنے اور تمہارے آچل کے ذریعے دعا میں دے دوں اللہ تعالیٰ تمہیں بہت سی خوشیاں اور کامیابیاں عطا کرے آمین اور تم ہمیشہ ایسے ہی ہستی مسکرائی رہو۔ میرا اللہ تمہاری رلو حیات میں ہر طرف پھول ہی پھول بچھا دے زندگی کی مالا میں صرف سالوں کے موتی نہ ہوں اس مالا میں خوشی عزت بخشی اور چاہتوں کے موتیوں میں بھی ہر سال اضافہ ہو آمین تم آمین۔ سب گھر والوں کو سلام کہنا اللہ حافظ۔

شکفتہ خان..... بھلول

پیاری سی چھوٹی بہن کے نام

ارے شمرن! کیا تم بھول گئیں کہ تمہاری برتھ ڈے ہے۔ ارے یاد آج 18 دسمبر ہے لو میں نے تم کو یاد کر دیا نا اب جلدی سے اٹھو اور کیک لاؤ اور گفت لو۔ سدا خوش رہو تمہارے چہرے پر ہمیشہ مسکراہٹ سی رہے کوئی دکھ بھول کر بھی تمہارے پاس نہ آئے۔ میری پیاری اور سوٹ۔ بہن ہمیشہ مسکرائی رہے اور اللہ تمہارے دل کی آج ہر خواہش پوری کرے۔ اللہ تم کو لمبی زندگی دے تم کو قدم قدم پر خوشیوں سے ممنون فرمائے پٹی برتھ ڈے ٹو یوڈ نیر شمرن!

شبنم کنول..... حافظ آباد

ہستی چھو بہن اور خیر درد بہن والوں کے نام السلام علیکم! گورنمنٹ گڑ بانی اسکول ہستی چھو بہن کی میری تمام کو لیکز میم نرسن انٹر صبا محمود کوڑ سلطانہ نرسن سردار نسیم اختر ساجدہ برین کلثوم اور شازیہ عبدالخالق طاہرہ پروین کلثوم فاطمہ اور مسرت بیگم میری دعا ہے کہ آپ سب ہمیشہ ہستے مسکراتے اپنی زندگی کے شب دروز گزاریں جس دن سے آپ سب سے دور ٹرانسفر کر دیا ہے اداسیوں نے میرے اندر کہیں ڈیرے جمالیے ہیں۔ میری بہت پیاری پیاری تھلیاں پریاں میری تمام طالبات آپ سب کی زندگی سے بھرپور خوشیاں اور شراکتیں بہت یاد آتی ہیں ان گاؤں کی ماں باپ بہن بھائی نے غرض کہ ہر رشتے نے مجھ سے جو محبت کی جو احترام کیا وہ میں شاید کبھی نہ بھلا سکوں۔ ریشہ منظور خاں آپ اور آپ کی فیملی کی محبت اور چاہت مجھے ہر ہر قدم پر یاد آئے گی۔ ڈاکٹر ظہور احمد کی فیملی قرۃ العین الماس اسلم شمیم در محمد خیرد بہن کی حسینہ کریم سکینہ کریم اور کلناز چک کٹورہ کی انسا آپ سب کی محبت میرا عقیم سرمایہ ہے۔

شازیہ کنول..... حاصل پور

پیارے بہن بھائیوں کے نام انشاء ضیاء 4 دسمبر کو تمہاری برتھ ڈے ہے تمہیں میری طرف سے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے سالگرہ مبارک ہو۔ سدا پھولوں کی طرح مسکرائی رہو ہم سب خصوصاً حسینین اور فاطمہ کی طرف سے تمہیں پی پی برتھ ڈے ٹو یو۔ میرے پھولوں جیسے بھائی شہزادے 7 دسمبر کو تمہاری سالگرہ ہے حظلہ میری طرف سے تمہیں یہ سالگرہ مبارک ہو مومن تم مجھے بہت یاد آتے ہو۔ تمہاری مزے کی اور پیاری پیاری باتیں خصوصاً (آپی کو آلو بنایا بلا بجا آ یا کہ بہت یاد آتی ہے۔ مون پلیز دسمبر کی چھٹیوں میں حذیفہ حمزہ شیر اور ماما کو ساتھ لے کر آ جاؤ نا۔ حمزہ شیر تم حذیفہ اور حظلہ کا نام دیکھ کر جلیس کیوں ہو گئے تھے؟ تم کہتے تھے نا کہ آپی فاطمہ نے کیوں نہیں لکھا دیکھو اب میں نے لکھا ہے نا تمہارا نام اور اب اپنا نام دیکھ کر آ جاؤ نا ہم سب آپ سب کو بہت یاد کرتے ہیں۔ حذیفہ میرے پیارے شہزادے بھائی تم کیوں مجھ سے ناراض ہو گئے لو اب تو میں نے تمہارا اتنا پیارا نام لکھا ہے پلیز اب تو مجھ سے ناراض نہیں ہونا۔ پھو پور رضیہ سلطانہ آپ حذیفہ حمزہ اور ماموں کے ساتھ آئیں نا میں آپ کو خصوصاً حمزہ شیر کو بہت یاد کرتی ہوں۔ شفق مطیع الرحمن 14 دسمبر کو تمہاری برتھ ڈے ہے

آچل جنوری 2015ء 295

آچل جنوری 2015ء 294

تمہیں ہم سب خصوصاً فاطمہ اور حسنین کی طرف سے دل کی گہرائیوں سے سالگرہ مبارک ہو۔ تم ہمیں بہت یاد آتی ہو تمہارا وہ چھوٹا سا گھر جان دار قہقہہ بہت یاد آتا ہے۔ تم کھلکھلاتی ہوئی بہت پیاری لگتی ہو میری دعا ہے کہ سدا پھولوں کی طرح ہنسی مسکرائی رہو شوق سولی ہوئی بھی بڑی پیاری لگتی ہے میں نے بڑے پیار سے بچے دیکھے ہیں مگر شوق کی تو کیا ہی بات ہے اور صفوان بھی بہت یاد آتا ہے مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔ اترام روٹی 29 دسمبر کو تمہاری سالگرہ ہے میری طرف سے پکی برتھ ڈے ٹو یو اللہ تمہارے دل کی نیک خواہش کو پورا کرے آمین سدا مسکرائی رہو۔

فاطمہ گل خضیا۔۔۔۔۔ قلعہ دیدار سنگھ میوند اور آجمل فریڈز کے نام

اسلام علیکم! کیسی ہیں آپ سب؟ مونا کیا حال ہے؟ جاب کیسی جا رہی ہے؟ اب کسی بھی کیا ناراضگی نہ لیں ایم ایس نہ کال کدھر ہو جناب؟ میری طرف سے بہت بہت پیار و خسانہ، سعید، کلثوم فیصل آباد کیا حال ہے؟ گھر والوں کا کیا حال ہے؟ آمنہ اداؤنوزیہ سلطانہ کہاں گم ہو یا مجھے ڈریم گرل کا خطاب دیا اور خود ڈریم ہوئی ہو۔ ویری ٹی جلدی انگری مارو اوکے شیخ مسکان شاہ زندگی سیدہ، انصی جیا عباس عاتشہ مدیحہ نورین مہر گل دعا گل صائمہ سکندر سمیرہ مدیحہ کنول فریدہ فری سب کیسی ہو؟ اللہ آپ سب کو خوش رکھے آمنہ غلام نبی آپ کی دوستی قبول ہے جی ڈیر اترامز سب اس گل، میرا شریف طور راحت وفاق تمام ام مریم کیا حال ہیں جی! نازیہ جی آپ سے تو پکی ناراضگی ہے آپ کی بات کا جواب نہیں دیتیں میں نے تو آپ کو فیس بک پر بھی ریکونسٹ بھیجی لیکن آگے سے خاموشی..... جواب ضرور دیجیے گا اللہ تعالیٰ آجمل کو ہنستا مسکراتا رکھے تمام بہنوں سے انتہاء ہے کہ جب بھی دعا کے لیے ہاتھ بلند کرنا تو اپنے ملک کو ضرور یاد رکھنا ملک ہے تو ہم ہیں حیات باقی ملاقات بالی اجازت دیجیے آپ کی اپنی۔

آنسہ شبیر..... ڈوگہ گجرات

خاص لوگوں کے نام ڈیر فریڈز اسلام علیکم! امید ہے سب خیریت سے ہوں گی شاہ زندگی آپ کا بہت شکریہ کیا آپ نے مجھے یاد رکھا اس کے علاوہ طیبہ نذیر کیا حال ہے؟ کدھر گم ہو انٹری مارو یا راہائے گل معان اور حمیرا تم دونوں کو بہت یاد کرتی ہوں جاناں اور پارس شاہ

کیسی ہو تم دونوں؟ اپنے ہی علاقے کی ہو ساتھ آپ کو بچل سے وابستہ دیکھ کر خوشی ہوئی، حمیرا پلیز بے وجہ ہنستا چھوڑ دو تمہاری بہت یاد آتی ہے۔ عتیقہ احمد (خونخوار جنگلی ملی) کیسی ہو بھئی (ہلہلہ)۔ مدیحہ گل میں آپ کی دوست بننا چاہتی ہوں اس کے علاوہ عاتشہ نور محمد روٹی علی اترام روٹی مدیحہ نورین مہک کنول رباب شیخ مسکان (گڑیا) ماریہ چوہدری ماریہ کنول مانی عربیہ پرویز مسرت شاہین نورین مسکان فاطمہ ماریہ خضیا عباس عمارہ شاہ سہاس گل آنسہ شبیر عربیہ علی سید جیا عباس اور جن کے نام رہ گئے ہیں ان کو بھی بہت بہت سلام اور پلیز اپنی فریڈز میں مجھے بھی شامل کر لیں۔ حارث بلال بھائی آپ کو بھی آجمل سے وابستہ دیکھ کر خوشی ہوئی (اندھون) میں کانارا جاجا) لکھتے رہیے گا (ہلہلہ)۔ فائقہ سکندر مجھے تمہاری دوستی قبول ہے اگلے ماہ ملاقات ہوگی ان شاء اللہ سب فریڈز کو سلام ایڈ اللہ حافظ۔

شیریں گل..... من

پیاری دوستوں کے نام اسلام علیکم! امید کرتی ہوں سب بہت خوش و خرم زندگی بسر کر رہی ہوں گی۔ امیر گل عاتشہ خان (شڈو محمد خان) شاہ زندگی حافظہ سمیرا شیخ مسکان آپ سب میری فریڈز میں جا بیجے اس کے علاوہ جو کوئی مجھ سے دوستی کرنا چاہے میں ان سب کی فریڈز ہوں گی دعاؤں میں یاد رکھیے گا اللہ حافظ۔

تحریم اکرم..... ملکان

سوٹ دل ناے گرہپ کے نام اسلام علیکم! اللہ جانے کتنے مہینوں بعد پھر سے قلم اٹھایا ہے تھینکس ٹو ڈیر زندگی! تم نے ہمیں بلایا تو ایک مرتبہ پھر دل میں بالکل سی جی کالی عرصہ بعد آجمل ہاتھ میں لیا پھر سے اس کے سائے تلے آنے پر مجبور ہوئیں۔ کلینڈر کے سیاہ اور سفید خانوں میں وقت چاہے سال بہ سال آگے بڑھ رہا ہو مگر ہمیں لگتا ہے وقت ٹھہر سا گیا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے کل کی بات ہو کہ ہمارے عزیز از جان سے پیارے بھائی 8 دسمبر کی صبح ہمیں ہمیشہ کے لیے رونا چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے منوں مٹی تلے جا سوئے۔ یقین کرنے کو دل نہیں مانتا کہ ہمارا یوں شہزادوں کی طرح آن بان رکھنے والا بھائی ہمیشہ کے لیے اکیلا کر کے ہمیں چھوڑ یوں چلا جائے گا اب تو یہ عالم ہے کہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھتے ہیں تو لگتا ہے جیسے الفاظ کہیں کھو گئے ہیں۔ بھائی جان کے چلے جانے کا دکھ اللہ تعالیٰ کی رضا سمجھ کر دل کو چھوڑ دہست سکون آنے لگا تو ماں کی یوں

شدید بیماری نے دل کو ہلا کر رکھ دیا۔ شکر اللہ تعالیٰ کا کہ اس نے اپنا خاص کرم کر کے ہماری ماں کو پھر سے زندگی کی دولت سے نوازا دیا۔ آخر میں قارئین سے دلی درخواست ہے کہ ہمارے پیارے بھائی جان کے لیے اور ہمارے ماموں جان کے لیے بھی جو کہ 3 جنوری کی وفات پانچ گھنٹے مغفرت کے لیے خصوصی دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین ثم آمین۔ اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے گا اللہ حافظ۔

قرۃ العین صائمہ عمر..... دار بن کلان

7 اشار گرہپ فریڈز کے نام

اسلام علیکم! میری 7 اشار گرہپ فریڈز کلفتہ (شکی) (صوا) ثناء افضل (کالیہ) طیبہ رباب ارم اور ثناء نواز آپ سب کیسی ہیں؟ یقیناً سب فٹ فٹ ہوں گے اور طیبہ ڈیر تھینکس مجھے آجمل میں مخاطب کرنے کا اب جبکہ تم نے قسمت آزمائی لی ہے تو ہر ماہ انٹری دیتی ہی رہنا ہاں لیکن مجھے مت بھولنا۔ ثناء نواز تم کیسی ہو ڈیر اور سوری کان پکڑ کر نومبر میں تمہارا برتھ ڈے تھا اور میں دس نہ کر سکی لیکن اب دس کر رہی ہوں (بہت بہت سالگرہ مبارک) میری دعا ہے کہ تمہیں ہر وہ خوشی ملے جس کی تم تمنا کرو اور میری دعا ہے اور ایسے ہزاروں دن تمہاری زندگی میں بار بار آئیں آمین۔ ثناء افضل اور رباب تم دونوں کو بہت بہت مبارک ہو فرسٹ ایئر میں شاندار مارکس لینے پر اللہ تم لوگوں کو دینا اور آخرت کے ہر امتحان میں کامیابیاں عطا فرمائے آمین۔ شکی مائی میسٹ فریڈ تم سناؤ آئی مس یو ڈیر اور تم مجھ سے ذرا کم ناراض ہوا کر ڈس تم ہر وقت ہنسی مسکرائی اچھی لگتی ہو خوش رہو ہمیشہ صرف میرے ساتھ۔ نازش جی تم کیسی ہو؟ تمہاری شادی ہوگئی ہے سو شادی کی بہت بہت مبارک ہو۔ اللہ تمہیں بہت ساری خوشیاں عطا فرمائے آمین اور آخر میں تمام فریڈز زاد آجمل ریڈرز کو میری طرف سے ڈیر سا سلام اللہ حافظ۔

حافظہ راشدہ دہاڑی..... ماچھیوال

خوب صورت حساس دوستوں کے نام اسلام علیکم! انصی چزیل پی برتھ ڈے 9 نومبر کو تمہاری سالگرہ تھی میری دلی دعا ہے تمہارے لیے کہ تم شوق و چغل بن جاؤ اگر تم ایسی ہی بورت کی دکان بنی رہی تو پھر میرا بھی اللہ حافظ ہے۔ سمیرا آئی 26 دسمبر کو آپ کی سالگرہ ہے سو مٹی مٹی پی پی ریٹن آف واٹس اللہ آپ کو بہت سی خوشیاں دکھائے۔ نازی آئی آپ کو بھی لیٹ سالگرہ مبارک اللہ آپ کو دنیا اور آخرت

دونوں میں کامیاب کرے آمین۔ 25 دسمبر شہناز اقبال سالگرہ مبارک! کرن شاہ ساریہ چوہدری مسکان (قصور) سدرہ شاہین ملائکہ چوہدری ام کلثوم آپ سب کی کمی محسوس ہو رہی ہے۔ امیر گل آپ تو ہر شمارے میں نظر آتی ہو گریٹ اچھا لگتا ہے۔ انم خان الحمد للہ میں فٹ ہوں آپ اپنی سناؤ کراچی سے پنڈی تک کا سفر اگر موقع ملا تو ضرور سناؤں گی بہت لمبی کہانی ہے جی خوشی ہوتی ہے جب آجمل میں موجود ہوتی ہو شاہد امین آپ کیسی ہو؟ کیا کرتی ہو؟ ساریہ چوہدری مشعال اسلام ہے (جھٹک) کیا آپ مجھ ناچیز سے دوستی کریں گی۔ طیبہ نذیر خضیا عبد الملائک آپ بھی؟ شاہ زندگی کیسی ہو؟ عاتشہ پرویز میری بہن کا کہنا ہے کہ آپ میری طرح معصوم اور بہت سوٹ ہو۔ نہ بہت نسیم عباسی عفت مس یو ڈیر اتنی بدگمانی اچھی نہیں کبھی تو یاد کیا کرو آمنہ غلام نبی (ہری پور) سوٹ ویکلم مریم بٹ تھمیلہ بٹ ہم آپ کے بہت بہت بننا چاہیں گے باقی سب آجمل فریڈز کو سلام خوش رہیں۔

زویا خان بگلش..... پنڈی

ام مریم کے نام اسلام علیکم! آپ کیسی ہیں؟ بہر حال مجھے آپ کا ناول مجھے ہے حکم اڈاں بہت پسند ہے اور آپ کا نام بھی مجھے بہت پسند ہے کیا آپ مجھ سے دوستی کرنا چاہیں گی۔ میں جب بھی آپ کا نام پڑھتی ہوں دل بے اختیار آپ کی طرف کھینچتا ہے پلیز مجھ سے دوستی کر لیں ہمیشہ آپ کی وفادار رہوں گی کیوں کہ جس طرح ہم محبت میں توحید کے قائل ہیں اسی طرح ہم دوستی میں بھی توحید کے قائل ہیں۔ اچھا اب اجازت دیں اور اپنا بہت سا خیال رکھنا اور مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا اللہ حافظ۔

سحر بٹ..... میر پور خاص سندھ

ربیعہ شعیب آزاد کشمیر ٹوبہ نذیر گجرات کے نام ٹوبہ نذیر کہاں عاتشہ ہو؟ تمہاری اور میری فریڈز شپ آجمل کے ذریعے ہوئی تھی اور اب میں اسی میں سب کر رہی ہوں تمہارا انون نمبر بند ہوتا ہے پلیز مجھ سے رابطہ کرو۔ ربیعہ شعیب تم بھی پلیز مجھ سے رابطہ کرو زلمیہ رشید علوی فوزیہ سحر کائنات سولی اور میری تمام آجمل فریڈز پلیز مجھ سے رابطہ کیجیے گا اور کسی بھی فریڈ کو کوئی شپ چاہیے ہو تو بھی مجھ سے لے سکتی ہیں۔ میرا پار ہے اور بہت سے آڑمودہ نے میرے پاس ہیں اجازت دیجیے

آجمل جنوری ۲۰۱۵ء 297

آجمل جنوری ۲۰۱۵ء 296

راجہ عمران چوہدری..... رحیم یار خان
اپنے پیارے گھر والوں کے نام
استقام علیکم! کیا حال ہے آپ سب کا؟ یقیناً ٹھیک ٹھاک
ہوں گے اور مزے میں ہوں گے سب سے پہلے پیاری اسی جان
سے کہنا چاہوں گی کہ آج میں بھی ایک بیٹی کی ماں ہوں اور مجھے
بھی احساس ہے کہ بیٹیاں کتنی پیاری ہوتی ہیں ماں باپ کا کام
ہوتا ہے بچوں کی غلطیوں کو معاف کر کے درگزر سے کام لیں
کیونکہ ماں باپ کا دل بہت بڑا اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے مجھے پتا
ہے کہ میں نے کوئی ایسی غلطی نہیں کی کہ جس سے آپ ناراض
ہوں لیکن بس کچھ غلط فہمیاں شاید ہمارے رشتوں کے درمیان
محبت کو ایک ناسور کی طرح نکل رہی ہیں پلیز اسی جان ہم کتنے
ہی بڑے ہو جائیں آپ کے لیے ہم بچے ہی رہیں گے پلیز
آپ ہمیں ڈانٹیں ماریں لیکن ناراض مت ہوں۔ وہ بھی ایسی
باتوں پر جو بے بنیاد ہیں امید ہے آپ میری باتوں کا کوئی نہ کوئی
حل ضرور نکالیں گی اور جاننے کی کوشش ضرور کریں گی کہ غلطی
کس کی ہے آخر میں اپنی پیاری ننھی پری اپنے گھر کی چاندنی
میری زندگی کا مقصد میری آنکھوں کی تارا اپنی بیٹی کو سالگرہ کی
مبارک بادوں کی جس کی 16 نومبر کو سالگرہ تھی پکی برتھ ڈے ٹو
یو اینڈ مینی ریشن آف دا ڈے ہزاروں سال جیو۔

حفصہ عمران..... جھنگ صدر
آنچل کی مہکتی کلیوں کے نام
استقام علیکم! کا جل شاہ آپ آنچل میں شرکت کرتی رہا
کریں۔ جاناں! یہ شاہ اور شاہ زندگی کہاں کم ہیں بھی آپ
لوگ؟ جلدی سے انٹری دیں میں آپ کو بہت یاد کر رہی ہوں۔
نورین شاہد ہمیشہ مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔ شمع مسکان
سونیا زگر اٹھنی زگر اور سنی شاہ کیا آپ بھی مجھ سے دوستی کریں
گی؟ باقی تمام آنچل فرینڈز کو سلام اللہ حافظ۔

بلد شاہ..... چکوال
میری پیاری سنہری ڈیلیوچی کے نام
سلام پیارا! پھولوں کا تاروں کا سب کا کہنا ہے کہ ایک
ہزاروں میں میری دوست ڈیلیوچی ہے اب میرا پیغام دیکھ کر مت
اترانا میں جانتی ہوں کہ تمہارا دل چڑیا جتنا ہے (ہاہاہا)۔ خیر مالی
سوئٹ فرینڈ ڈیلیوچی تمہیں بہت بہت زیادہ شادی مبارک بینڈ
برتھ ڈے بھی دعا ہے کہ سدا ہستی مسکرائی رہو دسمبر کو تمہارا برتھ
ڈے تھا سو میری طرف سے مٹی مٹی پٹی برتھ ڈے۔ بہت یاد

آتے ہیں اسکول و کالج کے وہ لمحات جو ہم نے ساتھ ساتھ
گزرائے خیر تم نہ بھی یاد کرنا کہیں تجھ سے نہ یہ غلطی ہو جائے
(ہاہاہا) اور 14 دسمبر کو میری سوئٹ سی کیوٹ سی بھانجی (حسن)
کی پہلی سالگرہ ہے سو میری طرف سے مملو پاپا آل تھیر پھوپھو پاپو
ماموں (اویس) کی طرف سے بہت بہت سالگرہ مبارک ہو۔
سدا خوش رہو جگ جگ جو تمام آنچل فرینڈز اینڈ پرنڈس نے دلوں کو
سلام اللہ حافظ۔

حافظ فارید سرور..... ماچھی وال دہاڑی
MBBS کے نام
MBBS امید ہے کہ تم دونوں چڑیلوں نے پہچان لیا ہوگا
اپنے ناموں کے ساتھ MBBS لکھا کرتے تھے کیونکہ یہ
ہمارے ناموں کے پہلے حروف تھے ہر زیوار ہر جگہ پر یہ نام لکھا
تھا۔ آج تم دونوں مجھ سے دور ہو مگر دل سے قریب تر ہو یا نہ بھی تو
فون کر لیا کرو اسکول کے دن بڑے یاد آتے ہیں۔ شرمین تم تو
پیادیں جانے والی ہو مبارک ہو تم کو بخیر اور یار بہن کی شادی
کب کر رہی ہو تمہاری اہلی کی چٹنی یاد آتی ہے اللہ تعالیٰ میری
اکھوں دوستوں کو بہت سی خوشیاں دے آمین۔ میری پوری کلاس
جن میں اقراء سدرہ قریشی اصفہ قریشی رومیہ عائشہ مہوش آئیہ
جویریہ فرحت نادیرہ فردا زلیخا اور مجھے بھی یعنی فرسٹ آنے والی کو
مبارک باد۔ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو زندگی کے ہر امتحان میں
کامیابی دے آمین۔ نورین شاہد شکریہ دوستی کرنے کا۔ سنیاں
زرگر صبا زگر سے دوستی کرنا چاہتی ہوں کیا دوستی کرو گی۔ فرح
طاہر قریشی آپ سے دوستی کرنا چاہتی ہوں آپ بہت اچھی ہیں
اور اپنی میجر سعدیہ کو مبارک باد جن کی وجہ سے ہم کامیاب ہوئے
والسلام۔

حبا قریشی..... عبدالحکیم
تمام دنیا کے انسانوں کے نام
آداب عرض! تمام دوستوں کو میرا سلام
تمام شمنوں کو ہڈی کا پیغام
تمام ظالموں کو اسن کا کلام
میں سب سے دوستی بھائی ہوں کہ جانتی ہوں نفس سے بڑا
دشمن کوئی نہیں۔ پاکستان زندہ باد۔

کوثر خالد..... جزالوالہ
😊

یادگار

جویریہ سالک

شان خاتون جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ

✽ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سر سے پاؤں تک
ہم شکل مصطفیٰ ﷺ تھیں۔

✽ آپ کی چال ڈھال ہر ضلع وضع حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کے مشابہ تھی۔

✽ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب خاتون جنت فاطمہ
الزہراء کو آتا دیکھتے تو خوشی سے کھڑے ہو جاتے اور اپنی
جگہ بٹھا لیتے۔

✽ تاجدار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی
شہزادی کو جنتی لوگوں کی بیویوں یا مومنوں کی بیویوں کی
سردار ہونے کے بشارت دی۔

✽ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ام السادات، دختر
مصطفیٰ ﷺ، بانوئے مرتضیٰ سردار خواتین اور ام الحنین
ہونے کا شرف حاصل ہے۔

انعم چوہدری..... جنوئی

نیاسال

گزر تے ہوئے لمحات کو بھول کر

نیک تمناؤں کے ساتھ

انہن کی مثال قائم کریں

آؤں جل کر

ایک اچھے سال کا آغاز کریں

ناہید شبیر رانا..... رحمان گڑھ

دسمبر کی اداسیاں

ترجستہ لبوں کی خوشیاں

منجھد سانسوں کی بے ربط تلخیاں

ایک میں تنہا

اور دسمبر کی اداسیاں

سامعہ ملک پرویز..... بھیرہ خانپور

محبت
سنائے آج اس کی آنکھوں
میں آنسو آگئے
وہ بچوں کو سیکھا رہی تھی کہ
”محبت“ ایسے لکھتے ہیں

نورین لطیف..... ٹوبہ ٹیک سنگھ
نیاسال

خدا کرے نیاسال تیرے
دامن میں

وہ سارے بھول کھلا دے
کہ جن کی خوشبو نے

تیرے خیال میں شمعیں
جلا رکھی تھیں

بخا اور نقیسی..... شیخوپورہ

رحمت خداوندی

ایک مسجد کی دیوار پر لکھا خوبصورت جملہ ”اگر تم گناہ
سے تھک گئے ہو تو اندر آ جاؤ خدا کی رحمت تمہارے انتظار
میں ابھی تک نہیں تھکی۔“

آنسہ شبیر..... ڈوگر گجرات

ذرا سوچئے

ہم طوطے کا بچہ پالتے ہیں بکری کا بچہ پالتے ہیں
مرغی کے بچے پالتے ہیں۔ بلیاں پالتے ہیں۔ یہ سب
بری بات نہیں مگر افسوس تو اس بات کا ہے پرندوں اور
جانوروں کے بچے ہم خوشی اور شوق سے پالتے ہیں لیکن
ایک انسان کا یتیم بچہ ہم نہیں پال سکتے۔

حمیرا نوٹسین..... منڈی بہاؤ الدین

اچھی باتیں

✽ اگر ہزار برس بھی روزی کے پیچھے مارے مارے
پھرو گے تو پھر بھی وہ ہرگز زیادہ نہیں ہوگی پس لوگوں کو
چاہیے کہ وہ ہر حال میں صادق اکتین رہیں۔

✽ دنیا میں سب سے زیادہ غنی وہ ہے جو قانع ہے۔

✽ دنیا میں سب سے زیادہ غریب وہ ہے جو

آنچل ✽ جنوری ✽ ۲۰۱۵ء 299

آنچل ✽ جنوری ✽ ۲۰۱۵ء 298

قناعت کو چھوڑ دیتا ہے۔ (حضرت بابا فرید الدین شکر گنج رحمۃ اللہ)

رابعہ عمران چوہدری..... رحیم یار خان
لفظ زندگی

لفظ زندگی کے حروف پر نظر ڈالی تو 'ز' نے بڑے کرب ناک انداز میں نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ زینت دنیا میں گم نہ ہو، یہ تو خالی ہے ابدی زندگی کے لیے زاوراہ تیار کر۔

'ن' نے بڑی رنجیدگی سے بتایا کہ "نادان گیسر کی دنیا میں لگن ہونے کی بجائے زندگی کے اصل سے روشناس ہو کر اپنے شخص مسلمان کو برقرار رکھنے کی کوشش کر۔"

'ذ' نے انسانیت کی تار تار ہوتی حالت پر زار و قطار روتے ہوئے کہا کہ "دامنی زندگی تو بعد از موت ہے غافل انسان غفلت کے تاریک کنویں سے نکل کر اعمال حسنت اور رضائے الہی سے اپنے سیاہ وجود کو دھو لیں۔"

'گ' نے مسلمانیت کی نازک حالت کو دیکھتے ہوئے تنبیہ کی کہ "گناہوں بھری زندگی سے توبہ کر کے صراط مستقیم پآ جا۔"

'ی' نے بڑی آس اور پر امید لہجے میں انسانیت کو خوش امیدی کا درس دیتے ہوئے مسکرا کر کہا کہ "یاوری قسمت کو اچھا بنانے کے لیے خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہو اور اتباع سنت صلی اللہ علیہ وسلم کر۔"

ابھی تو میں حروف کی گفتگو سن ہی رہی تھی کہ اچانک حروف غائب ہو گئے اور میں ان کو تلاش کرنے لگی مگر یہ کیا کہ وہ حروف سمٹ کر لفظ زندگی بن کر بڑے خوبصورت اور دلکش انداز میں گویا ہوئے۔

نہ سمیٹ زندگی کی رعنائیاں دلکشاں شاؤ
یہ تو فانی ہے یہ تو فانی ہے
شاز یہ ہاشم کھڈیاں..... خاص فصولی
اور سنو

دلہا! آج سے تم میری زینت ہو تمہارا ہونا زرد ہو۔

لہن شرما کر آج سے آپ بھی میرے خالد ہو، طارق ہو، عثمان ہو، عمران ہو۔

ثناء خان..... ہری پوری

سطر سطر خوشبو
☆ دلچسپی کو طلب مت بننے دو کیونکہ طلب بڑھ کر ضرورت اور ضرورت بڑھ کر کمزوری بن جاتی ہے۔
☆ اعتماد پتھر ہے پر بت کا جب ایک بار اکھڑ جائے تو نیچے ہی آتا ہے۔

☆ خواہشوں اور شیشوں میں ایک خوبی سماجھی ہے یہ اکثر بے یقینی کے باعث اندر ہی اندر اپنے ہی دباؤ، اپنے ہی بوجھ بجھاؤ اور اپنی ہی گرمی سردی سے ٹوٹ جاتے ہیں۔

☆ اینٹ کا اینٹ سے ربط ختم ہو جائے تو تعمیر تکمیل مکمل ختم ہو جاتی ہے۔

عاصمہ عنبرین عنبر..... ڈھرنال تلہ گنگ
دانائی کی باتیں

کسی سیانے کا کہنا ہے کہ تین چیزوں میں غور و فکر نہیں کرنا چاہیے۔

غربت، تنگ دستی۔ اس میں غور و فکر کرنے سے غم، تشویش، حرص و پریشانی میں اضافہ ہوتا ہے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

دوسروں کی زیادتی اگر کوئی تجھ پر زیادتی کرے تو اس کی جانب مطلق دھیان نہ دو ورنہ تمہارا دل سخت اور کینہ پرور ہو جائے گا اور تو ہمیشہ غصہ میں رہے گا اور اس سے بالکل فائدہ نہ ہوگا۔

طویل عمری، دنیا میں زیادہ دن رہنے کی خواہش ہرگز نہ کرو، ورنہ مال جمع کرنے کی آرزو پیدا ہوگی عمر برباد ہوگی اور عمل خیر میں ٹال مٹول کرنے لگے گا۔

کرن شہزادی..... بھیر کڈا منہرہ لوگ

○ کچھ لوگ سمندر کی طرح ہوتے ہیں جو اپنی پر سکون سطح کے ساتھ اپنے سینے میں لاکھوں طوفان چھپائے

آنجل جنوری ۲۰۱۵ء 300

ہوتے ہیں۔

○ کچھ لوگ درختوں کی مانند ہوتے ہیں جن کا وجود بلا امتیاز ہر ذی انفس کو سایہ دیتا ہے۔

○ کچھ لوگ چاند کی مانند ہوتے ہیں جن کی چاندنی ایک نئی اور روشن زندگی سے بھرپور صبح کی امید دلاتی ہے۔

○ کچھ لوگ کانٹوں کی مانند ہوتے ہیں جو اپنی فطرت کے ہاتھوں مجبور و دست اور دشمن کی پروا کیے بغیر ہاتھ زخمی کر دیتے ہیں۔

عابد محمود..... ملکہ ہانس
مطلبی

اسٹوڈنٹ! مس آئی لوپو کا مطلب کیا ہے؟
لیچر! میں تم سے پیار کرتی ہوں۔

اسٹوڈنٹ! مس میں نے تو صرف مطلب پوچھا تھا اور آپ تو فری ہو گئیں۔

زردیا خان بگلش..... چنڈی
یقین، بھروسہ اور امید

ایک دفعہ گاؤں کے لوگوں نے اکٹھے ہو کر بارش کے لیے دعا کرنے کا فیصلہ کیا دعا کے دن سب لوگ اکٹھے ہوئے اور صرف ایک بچہ چھتری لے کر آیا۔

"یہ ہے یقین"
جب آپ کسی بچے کو اٹھا کر ہوا میں اچھالتے ہو وہ ہنستا ہے روتا نہیں کیونکہ وہ جانتا ہے آپ اسے پکڑ لیں گے گرنے نہیں دیں گے۔
"یہ ہے بھروسہ"

ہر رات جب ہم سونے کے لیے بستر پر جاتے ہیں ہم نہیں جانتے کہ ہم اگلی صبح تک زندہ بھی ہوں گے یا نہیں مگر پھر بھی الارم لگاتے ہیں اگلی صبح کا۔
"یہ ہے امید"

فریحہ شبیر..... شاہ کلڈر

پیغام
کانٹوں کے ساتھ رہتے ہوئے بھی ہوا کے گلیے سے جھونکے کو محسوس کر کے پھول کی طرح جھومنا اور مسکرایا

کرو۔
○ شک وشبہ کو اپنی زندگی میں اپنے "دل و دماغ" میں کسی صورت جگہ نہ دو، زندگی عارضی ہے ہر لمحہ ہر پہل محبت ہے اس لیے دلی خوشی کو دائمی مسرت جانا کرو۔
○ سب سے پیار کیا کرو سب کو اچھا سمجھو اور کسی سے یہ توقع مت رکھو کہ وہ تمہیں پیار کرے گا یا اچھا سمجھے گا۔

حافظہ راشدہ..... دہاڑی ماچھیوال
ندامت

ہو کر شرمندہ گناہوں سے کبھی سر جھکا تو سہی وہ کرے گا معاف تجھے دوا شک بہا تو سہی رہے گی چاندنی قبر میں بھی ساتھ تیرے تو اس کی یاد کو دل سے ذرا لگا تو سہی نہ رہے گا تو محتاج تو کبھی کسی کا کیا ہے جو عہد خدا سے نبھا تو سہی وہ ہے غفور رحیم

سنتا ہے دعا سب کی (بے شک)
اے نادان اپنے ہاتھ اٹھا کر دامن پھیلا تو سہی

طیبہ سعدیہ عطاریہ..... کھٹیا لہ سیالکوٹ
تین چیزیں

علم حاصل کرنے کے لیے تین چیزوں کا ہونا ضروری ہے طلب، تڑپ، ادب اگر یہ تین چیزیں آپ میں ہیں تو آپ کو کامیاب ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا۔

شیریں گل..... ٹمن

راز
مشہور فلسفی ابن طفیل نے خوش ہو کر لوگوں کو بتایا اے لوگوں میں نے وہ راز پالیا ہے جس سے انسانی معاشرہ خوش و خرم رہ سکتا ہے۔ ایک دوست نے دریافت کیا "وہ کس طرح" ابن طفیل نے جواب دیا کہ کائنات کی ہر چیز دوسروں کے لیے ہے درخت اپنا پھل خود نہیں کھاتا، دریا اپنا پانی خود نہیں پیتا یہ بہاریں یہ برساتیں یہ نغمے سب

آنجل جنوری ۲۰۱۵ء 301

کے سب دوسروں کے لیے ہیں وہی زندگی اچھی ہے جو دوسروں کے لیے ہے اور اسی زندگی کی بدولت معاشرہ خوش و خرم رہ سکتا ہے۔

حتا عروج..... لائڈھی کراچی
غیبت

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اے لوگو جو صرف زبانی ایمان لائے ہو اور ایمان ان کے دلوں میں راسخ نہیں ہوا مسلمانوں کی غیبت نہ کیا کرو اور ان کے عیب کے پیچھے نہ پڑا کرو کیونکہ جو شخص مسلمانوں کے عیب کے پیچھے پڑتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عیب کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ (ابو داؤد)

حسینہ مغل..... ایبٹ آباد

کرن کرن روشنی
نفرت کو محبت سے ختم کرنے کی کوشش کرو
نا کام بھی ہو گئے تب بھی سرخرو ہو گئے۔
ہمیشہ دوسروں کی خوشی میں خوش رہو خدا تم سے خوش ہوگا۔

اگر سچی محبت کرنی ہے تو خدا سے کرو۔
اگر ہارنا چاہتے ہو تو اس کے آگے ہار دو جو تمہاری خطاؤں کی میل کو اپنی محبت و رحمت سے دھو دیتا ہے۔

ام حمی..... کوٹ مومن

ع سے عورت
ماں کے روپ میں باعث جنت، بیٹی کے روپ میں باعث رحمت، بہن کے روپ میں باعث عزت اور بیوی کے روپ میں باعث سکون ہے۔ ایک سمندر ہے جس کی گہرائی نا پنا مشکل ہے ایک ایسی کتاب ہے جس کا ہر صفحہ نئے رنگ کا ہوتا ہے چار دیواری کی زینت ہے نہ کہ بازار کی۔ جس سے پیار کرنی ہے اس پر جان بھی دار دیتی ہے۔ عورت کے دل کا فیصلہ ایک ایسی چٹان ہے جسے سمندر کی موجیں بھی نہیں توڑ سکتیں۔ عورت کی ہمت اور

حوصلہ کا کوئی جواب نہیں وہ ہر حالات میں خود کو محفوظ رکھتی ہے کوئی بھی پریشانی ہو کیسے بھی حالات ہوں مگر وہ ان کا بہت حوصلہ سے مقابلہ کرتی ہے۔ عورت کی ذرا سی مسکراہٹ بہت سے دکھ کو مٹا دیتی ہے۔
عورت کی عظمت کو سلام۔

نصرت عارف..... دار برٹن
قیمتی موتی

اس قرآن کا مقصد لوگوں کو سمجھانا ہے لیکن ہدایت و نصیحت تو اس سے وہی لوگ پکڑتے ہیں جن کے دل میں خوف خدا ہو، (احکام خداوندی)

مومن کی زبان دل سے پیچھے رہتی ہے یعنی جب بولنا چاہتا ہے تو دل میں سوچ لیتا ہے۔ (ارشاد نبوی)

بادل کی طرح رہو جو پھولوں کے ساتھ کانٹوں پر بھی برستا ہے۔ (خلیفہ مامون رشید)

خالی پیٹ شیطان کا قید خانہ اور بھرا پیٹ اس کا اکھاڑہ ہے (خواجہ حسن بھری)

جھاکشی کے سمندر کی تہہ کامیابی کے موتیوں سے بھری پڑی ہے (اہل دانش)

اپنے آپ کو سب سے عقل مند اور لائق آدمی تصور کرنا خطرناک غلطی ہے (اہل فکر)

جاز بہ ضیافت عباسی..... (دیول) مری
انمول موتی

اولاد کے اعتبار سے انسانوں کی چار قسمیں ہیں اللہ تعالیٰ کا راج ہے آسمانوں میں اور زمین پر پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے بخشا ہے جس کو چاہے بیٹیاں اور بخشا ہے جس کو چاہے بیٹے یا ان کو دیتا ہے جوڑے بیٹے اور بیٹیاں اور کر دیتا ہے جس کو چاہے باجھدہ سب کچھ جانتا اور کر سکتا ہے لوگوں کے درمیان یہ فرق و تفاوت اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے اس تفاوت الہی کو دنیا کی کوئی طاقت بدلنے پر قادر نہیں یہ تقسیم اولاد کے اعتبار سے ہے اور اس طرح والدین کے اعتبار سے انسانوں کی چار قسمیں ہیں۔

☆ حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا گیا ان کا باپ ہے نہ ماں۔

☆ حضرت حوا علیہ السلام کو صرف مرد سے پیدا کیا ان کی ماں نہیں ہے۔

☆ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صرف عورت سے پیدا کیا ان کا باپ نہیں ہے۔

☆ اور باقی تمام انسانوں کو مرد اور عورت دونوں سے پیدا کیا گیا ان کے باپ بھی ہیں اور ماں بھی۔

مدیحہ شبیر..... شاہ کلڈر
اچھی بات

جب کوئی شخص آپ کی تعریف کرے تو اس وقت اللہ سبحان و تعالیٰ سے یہ دعا کرنی چاہیے۔

”اے اللہ پاک یہ شخص نہیں جانتا کہ مجھ میں کیا عیب ہیں لیکن تو بخوبی جانتا ہے یہ شخص میری تعریف میں جو کچھ کہہ رہا ہے اس کو سچ کر دکھا اور مجھ میں جو عیوب اور غلطیاں ہیں انہیں دور فرما تا کہ میری ذات کا بھرم اس شخص کے آگے قائم رہے مجھے ندامت سے بچا کیونکہ تو ہی بہتر جانتا ہے کہ کون کس قابل ہے۔“

شبینہ مغل..... حیدر آباد (سندھ)
بچھو لو

نہ اتنا بیٹھا بنوں کہ لوگ تمہیں نگل لیں، نہ اتنا کڑوا بنوں کہ لوگ تمہیں تھوک دیں۔

اللہ تعالیٰ کی اتنی عبادت کرو جتنا تم اس کے محتاج ہو۔

آخرت کی اتنی ہی تیاری کرنا جتنا تم نے دہاں جا کر رہنا ہے۔

گناہوں پر اتنی جرات کرنا جتنا جہنم کی آگ میں جلنے کا حوصلہ ہو۔

جب کوئی گناہ کرنے کا ارادہ کرو تو پھر ایسی جگہ تلاش کرنا جہاں پر اللہ تعالیٰ نہ دیکھ سکے۔

رافیہ کنول..... دائرہ دین پناہ
رائیگاں

شوہر اور بیوی کے درمیان شدید جھگڑے کے بعد شوہر نے خودکشی کی ٹھان لی چنانچہ وہ بازار گیا اور زہر خرید لایا پھر بیوی کو دکھاتے ہوئے پھاٹک لیا کافی دیر بعد بھی وہ مرا نہیں بس طبیعت ذراست ہو گئی۔

بیوی نے سر پیٹ کر کہا ”سو بار کہا ہے کہ چیزیں دیکھ بھال کر خریدا کرو اتنے پیسے بھی بیکار ہوئے اور جس کام کے لیے لائے وہ کام بھی نہیں ہوا۔“

عائشہ سلیم..... کراچی

گھر والا

راستے میں ایک صاحب کو اپنے دوست مل گئے ان کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے منہ سے خون بہہ رہا تھا بال بکھرے ہوئے تھے صاحب پریشان ہو کر دوست سے کہنے لگے۔

”اوہو یہ کیا حالت ہو رہی ہے تمہاری آؤ میں تمہیں گھر چھوڑ آؤں۔“

”رہنے دو میں ابھی گھر سے ہی آ رہا ہوں۔“ دوست نے کراہتے ہوئے جواب دیا۔

جو یہ یہ ضیاء..... بلیر کراچی
آنجل

آ..... آ جاؤ جلدی جلدی لینے در نہ دکان بند ہو جائے گی۔

نہیں تو ختم ہو جائیں گے۔

چ..... چل کر آؤ یا پھر سواری پر مرضی تمہاری۔

ل..... لو ختم ہو گئے چلو اگلی باری تمہاری۔

نادیہ گل نادی..... مخدوم پور



yaadgar@aanchal.com.pk

الحکمہ شہزادہ عامر

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! ابتدا ہے پروردگار کے پاک نام سے جو خالق ارض و سماں ہے۔ نئے سال کا پہلا شمارہ ہماری کوششوں اور کاوشوں سے آراستہ پیش خدمت ہے امید ہے آپ کے ذوق کے عین مطابق ہوگا۔ آئیے اب چلتے ہیں آپ بہنوں کے دلچسپ تبصروں کی جانب جو بزم آئینہ میں جھلک رہے ہیں۔

عائشہ پروین..... کراچی۔ السلام علیکم! آپ سب پڑھنے والوں کو اور آپ چل اسٹاف کو میری طرف سے نئے سال کی بہت مبارک ہو! نیا سال خوشیوں بھرا ثابت ہو آمین۔ پچھلے ماہ تو آپ نے مجھے پوچھا ہی نہیں مگر اب کی بار غضب ہوا آپ چل ملا ہی 25 کو۔ اب آتے ہیں تبصرے کی طرف 2014ء کا آخری شمارہ نظر گواڑ ہوا قیصر آنی یقین کریں سرگوشیاں سننے کے بعد ایسا لگتا ہے جیسے دل و دماغ روشن ہو گئے ہو پھر بھائی اپنے فیورٹ ناول کی طرف ”مجھے ہے حکم اذن“ ام مریم بہت زبردست آپ بہت اچھا لکھ رہی ہیں۔ اللہ آپ کے قلم میں اور طاقت دے بس سکندر کو لاریب کے ساتھ نرم کر دیں ہا ہا ہا ہا۔ سیرا آبی آپ تو پوچھیں ہی مت ”تو ہوا تارا“ کافی دلچسپ ہے انا ولید یا شہوار مصطفیٰ میں سے کسی ایک کی لائف سیٹ کر دیں۔ ہائے مر جاواں ”موم کی محبت“ راحت وفا جی تو چھانگیں آپ کی جتنی تعریف کروں کم ہے۔ زیبا اب سچ کر رہی ہے صفر کے ساتھ۔ مکمل ناول ”کروں سجدہ اک خدا کو“ پسند آیا امید ہے آگے بھی پسند آئے گا۔ افسانے سب ہی کے اچھے لگے۔ نیرنگ خیال میں رابعہ اکرام نمبر لے لیں۔ یادگار لکھے ایک سے بڑھ کر ایک لگے۔ دوست کا پیغام آئے میں سب کے پیغام تھے مگر ہمارے نام نہیں آیا کوئی پیغام خیر جی کوئی تو اللہ کی بندی ہوگی جو ہم سے دوستی کرے گی۔ دُش مقابلہ میں سب دُشیں مرنے کی تھیں لیکن انڈے کی بریانی ضرور ڈرائی کروں گی۔ بیاض دل لا جواب لگا ہم سے پوچھیے میں تمام بہنوں کے سوال اور آپ کے جواب مزہ دے جاتے ہیں۔ تعارف سب ہی کے اچھے تھے سب اپنی جگہ پر فیکٹ ہیں۔ اللہ حافظ۔

جانان..... چکوال۔ السلام علیکم! آپ چل ہمیشہ کی طرح تمام ڈائجسٹ میں ٹاپ آف دی لسٹ جا رہا ہے دعا ہے کہ یہ ہمیشہ دن و رات چوٹی ترقی کی منازل طے کرتا رہے آمین۔ آپ چل نے ہمیشہ اپنے پرانے لکھنے والوں کے ساتھ ساتھ نئے رائٹرز کی بھی دل سے پذیرائی کی ہے آپ چل ہمارا رہنما ہے اسی طرح ہر اسٹوری میں کسی نہ کسی کردار کی صورت میں ہمیں ارد گرد کا ماحول معاشرے کے بارے میں پتا چلتا ہے۔ تمام رائٹرز بہت اچھا لکھ رہی ہیں نازیہ کنول نازی سیرا شریف طور رحمت وفا ام مریم نگہت عبداللہ سیرا غزل صدیقی ہوں یا کوئی بھی نئی رائٹرز آپ چل نے ہمیشہ سب کی دل سے پذیرائی کی ہے۔ ام مریم جی کا ناولٹ ”مجھے ہے حکم اذن“ بہت اچھا جا رہا ہے۔ فاطمہ کو کیا کر دیا کس کی نظر لگ گئی اور یہ سکندر صاحب کب سیدھے ہوں گے خیر یہ سب تو اختتام میں پتا چلے گا۔ ایک دفعہ پڑھنا شروع کر دیں اسٹوری تو جی کرتا ہے ایک نشست میں ہی پڑھنے کو مل جائے مگر اسٹ میں (جاری ہے) پڑھ کر منہ لنگ جاتا ہے ہا ہا ہا جی۔ راحت وفا ”موم کی محبت“ بہت اچھا اور دھی انداز ہے شرمین کی زندگی مشکلوں سے دوچار ہے ہر طرف سے دھوکہ اللہ کرے عارض کے ساتھ اس کی لائف اچھی گزرے۔ سیرا جی چھانگے ہوئی شہوار اور مصطفیٰ کو دھوکوں سے بچا کر پچی زندگی دے دیں۔ انا کو کا شیف میڈم سے دودھ نہیں یہ دونوں سسز زینتشن دیتی ہیں ہر کسی کو تمام تعارف بیسٹ خصوصاً محمد بی بی عائشہ نور کے تعارف بہت اچھے لگے۔ بیاض دل میں زاہدہ زمان رومی علی نادہ عباس آمنہ عدنان شہزاد ان کے اشعار بہت پسند آئے کہ فوراً ڈائری کی زینت بنا ڈالا۔ دُش مقابلہ کی تمام ڈشز بہت مزے کی ہیں جی ضرور بناؤں گی۔ بیوی گائیڈ میں روبین احمد نے بہت اچھا گائیڈ کیا۔ سیدہ رباب نے چہرے ہاتھ پاؤں کی حفاظت کے بہت آسان طریقے بتائے ضرور عمل کروں گی اور نیرنگ خیال میں ام شامہ جاز بہ ضیافت عباسی

صائمہ قریشی بلال ایان آنسہ شبیر عمیس احمد کی غزلیات نظمیں بہت اچھی لگیں۔ دوست کا پیغام آئے میں سب پیغامات پسند آئے یہ بہت زبردست سلسلہ ہے اپنوں کے ساتھ وابستہ رہنے کا۔ زاہدہ یعنی لاڈ و ملک طیبہ افضل رشک حنا بشری باجوہ (مان جائیں پلیز) ملالہ اسلم شمع مسکان باقی سب کے پیغامات بھی اچھے تھے۔ رشک حنا سے پوچھنا تھا کہ ویسے آپ کا نام کیا تھا یا دگر لکھے میں بہت کچھ سیکھنے کو سمجھنے کو ملتا ہے آئینہ میں سب کے تبصرے اچھے تھے۔ 17 قریشی لاڈ و ملک ملالہ اسلم آنسہ شبیر سب نے آپ چل پر بھرپور انداز میں تبصرہ کیا۔ شامہ کا شیف جی سوالات کے اتنے مزیدار جواب کہاں سے ڈھونڈ لانی ہوں ضرور بتائیں اللہ حافظ۔

☆ ذییر جاناں! آپ کا تفصیلی تبصرہ بہت پسند آیا۔

حافظہ سمیرا..... 157 این بی۔ السلام علیکم! شہلا آبی اینڈ آپ چل فیملی! اس دفعہ آپ چل پہلے کی نسبت جلد مل گیا تو اسی لیے آئینہ میں اپنے آپ کو پیش کرنے کا موقع ملا سب سے پہلے حمد و نعت سے مستفید ہوتے ہوئے کچھ دانش بھری باتیں اپنے دل و دماغ میں بٹھائیں۔ نواب شاہ کی (نوابین) عشاق نور سے مل کر اچھا لگا پھر بلا تاخیر چھلانگ لگائی ”تو ہوا تارا“ کی طرف سمیرا آبی پلیز شہوار کو اب مزید دکھ میں مبتلا مت کیجیے گا اور مصطفیٰ کا دل بھی شہوار کے لیے نرم کر دیں راحت آبی زیبا کو اس کی غلطی کی اتنی بڑی سزا تو نہ دیں۔ صفر کی ہٹ دھرمی کچھ تو کم کریں۔ ”کروں سجدہ ایک خدا کو“ سیدہ غزل نے شروع میں ہی دل کو اپنے ساتھ باندھ لیا بلاشبہ یہ ان کا ایک شاہکار ناول ہوگا۔ نزہت جہیں نے بھی زبردست لکھا، نظیر فاطمہ اور فائزہ کنول نے بہت اچھا آغاز سفر کیا ان شاء اللہ جلد ہی منزل تک بھی پہنچ جائیں گی۔ بیاض دل میں تقریباً سارے اشعار اچھے تھے لیکن فائزہ بھٹی اقراء لیاقت سمیرا تعبیر آپ کی تو ہر چیز اچھی لگتی ہے۔ شہزاد بلوچ اور مصطفیٰ کے اشعار دل میں اتر گئے یادگار لکھے میں امشاج جنت ہمارے کچھ لکھے یادگار بنا گئی (ویسے آپ کے نام کا مطلب کیا ہے) سمیرا تعبیر اچھی اور سنیاں زرگر کے سوالات و جوابات پڑھ کر اچھا لگا۔ سمیرا تعبیر آپ سرگودھا کے کون سے ایریا میں رہتی ہیں (عنقریب ہم بھی وہیں آنے والے ہیں) ارم کمال کا تبصرہ پڑھ کر لطف آ گیا غرض آپ چل بہترین تھا اس دعا کے ساتھ اجازت دیں کہ آنے والے نئے سال میں اللہ ہم سب کو اچھے کام کرنے اور ڈھیر ساری نیکیاں اکٹھی کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

ملالہ اسلم..... خانیوال۔ السلام علیکم! کیوٹی شہلا آبی اینڈ آپ چل اسٹاف آپ چل 26 کو ہی مل گیا تھا ناٹل پسند نہیں آیا۔ سرگوشیاں پڑھیں اللہ ہم سب پر اپنا کرم کرے۔ دانش کدہ سے مستفید ہوئے نانی جان سے ملاقات اچھی لگی۔ ”موم کی محبت“ کچھ خاص متاثر نہیں کر سکی۔ سیرا آبی پلیز کا شیف کے دماغ سے نیا فتور تار دیں مجھے بالکل اچھی نہیں لگتی اور شہوار کے ساتھ بھی کچھ اچھا کریں آپ جانتی ہیں ملالہ اسے پچی پچی دیکھنا چاہتی ہے۔ ”مجھے ہے حکم اذن“ ہمیشہ کی طرح بیسٹ تھا پلیز سکندر کا دماغ ٹھکانے لگاؤ درنہ..... (ہا ہا ہا)۔ مکمل ناول میں سیدہ غزل نے ”غیرہ کا رول“ اچھا لکھا ایسی تحریریں ایمان کو مضبوط کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ ”دل بڑی مشکل سے ہارا“ دلچسپ تحریر بھی رابعہ حریم کے نام اچھے لگے۔ مجھے کہانی میں نام بہت اٹریکٹ کرتے ہیں بشرطیکہ بہت پیارے ہوں ناولٹ میں نبیلہ نازش ٹاپ پر رہیں۔ ”شاہراہ دل“ سلٹی فہم نے بھی اچھا لکھا افسانے سب کے اچھے تھے۔ بیاض دل میں فائزہ بھٹی فرحت اشرف عائشہ پرویز دلکش فصیحہ فریدہ انصاری زرگر کے اشعار پسند آئے۔ دُش مقابلہ میں دعا خان اور سیدہ نسبت کی ریسی پسند آئی دراصل مجھے سب سے زیادہ سبکی ایزی لگی نا (ہا ہا ہا)۔ بیوی گائیڈ گزر کے لیے اچھا سلسلہ ہے۔ نیرنگ خیال ام شامہ فریدہ فری سامعہ ملک آنسہ ساریہ قدیر رانا نے اچھا لکھا۔ دوست کا پیغام آئے میرا پیغام بھی تھا شکریہ آبی۔ یادگار لکھے میں سب کے تبصرے اچھے تھے مجھ سمیت (ہا ہا ہا)۔ آئینہ میں حرا قریشی سدرہ رحمن کے تبصرے اچھے تھے یارار یہ دلکش پارس آئینہ میں انٹری دیا کرو پلیز۔ شہلا آبی کے جواب بڑے مزے کے اور کرارے ہوتے ہیں۔ آخر میں اتنا کہوں گی سالوں تمام قارئین اینڈ تمام مسلمانوں کے لیے مبارک ثابت ہو آمین اپنا خیال رکھیے اللہ حافظ۔

☆ ڈیر ملالہ! بدگمانی بری بات ہے یہ آپ کا اپنا پرچہ ہے۔

موننا شاہ قریشی..... کبیر والہ۔ السلام علیکم سوہنی بچو! آج کل اس بار 25 تاریخ کو ہی موصول ہو گیا، ٹائٹل قدرے بہتر تھا۔ حمد ولعت اور دانش کردہ کے بعد ڈائریکٹ ناؤس پر چھلانگ لگائی اور ایک ہی جست میں بڑھ ڈالے۔ ام ایمان کی تحریر ”ظرف اپنا اپنا“ اچھی لگی۔ نزہت جبین کی تحریر ”دل بڑی مشکل سے ہارا“ کافی اچھی تھی مگر رابعیہ کا یوں سر جھکا کے ہر بات کو سننا اور کڑھنا پسند نہیں آیا۔ اسی بات نے ذہاد کو اتنی شدہ دی کہ وہ بے دردی سے دل کو روندنا ہی گیا۔ سکتی فہیم کے ناولٹ ”شہا ہر دل“ نے بھی اچھا تاثر قائم کیا مگر پھر وہی مرد تو یہ ہے ذلیل کرنے میں ان کا کوئی ٹالی نہیں۔ سیلف رسپیٹ تک نہیں پاس رہنے دیتے بندے کے اور سیرا آئی پیلینز شہوار کے منہ میں زبان دے دیں اس کا یہ چپ انداز بہت گراں گزرتا ہے۔ ”شام دلسوز کبر اور دسمبر“ ایک اصلاحی تحریر بھی باقی آج کل ابھی زیر مطالعہ ہے۔ ہاں نیرنگ خیال میں عائشہ کی غزل اور یادگار لکھے میں شبانہ امین کا انتخاب دل کو بھایا اجازت دیں اللہ حافظ۔

جواز بہ ضیافت عباسی..... دیول مری۔ سلطنت عینہ کی ملکہ شہلا جی کو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے سلام۔ آئینہ کے دیس کی ہم چٹکی تمام پریوں کو ہماری طرف سے ڈھیروں پیار اور نئے سال کی بھگی بہت بہت مبارک باد۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس نئے سال میں اپنی رحمت کی چادر میں چھپائے رکھے آمین۔ ہم آئینہ کے ذریعے آج کل کے تمام ناول نگار افسانہ نگار اور (اپنے جیسے) شعراء (ہا ہا ہا) کو اور آج کل کی پوری ٹیم کو سو میس سے سو بھر دیتے ہیں کہ سب نے 2014ء کے آج کل کو اپنی پڑاؤ اور رنگا رنگ تحریروں سے ہر ماہ الگ انداز میں سجا یا۔ نازیہ کنول نازی سیرا شریف طور رحمت ونا اور ام مریم جیسی رائٹرز کے لیے تعریف کے الفاظ میں کہاں سے لاؤں سمجھ میں نہیں آتا جبکہ تمام نئی لکھاری دوستوں نے بھی بہت خوب لکھا۔ ذات باری تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس نئے سال کو وطن عزیز پاکستان اور اس کے تمام بانیوں کے لیے باعث رحمت بنادے اور میرا یہ سال میری زندگی کی اداسیوں اور تلخیوں کو کم کر کے مجھے ہلکی سی مسکان دے جائے جس کو شاید میرے لب ترس گئے آئین ٹم آمین۔ ارے ارے ہماری تو آنکھیں بھرا آئیں اور دروڑ سے اماں جان بھی آئی دکھائی دے رہی ہیں اس لیے اللہ خیر کرے اور اپنا خیال رکھیے گا اللہ حافظ۔

☆ ڈیر جواز بہ! کلفتہ انداز میں لکھا آپ کا تبصرہ اچھا لگا۔

شمع مسکان..... جام پور۔ ہیلو..... ہیلو مائی سویٹ شہلا! السلام علیکم! ادھر بھی اپنا رخ روشن کیجیے ہم بھی کھڑے ہیں راہوں میں، بھگی پچھلے مہینے ملاقات نہیں کی اور آپ بھول گئی کہیں یہ امید نہیں تھی آپ سے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ڈھیروں خوشیوں سے نوازے اور آپ کو ہر مقصد میں کامیابی و کامرانی عطا فرمائے۔ اس ماہ آج کل 29 تاریخ کو ملا بہت لیٹ اور طویل جان لیوا انتظار کے بعد قیط وار ناؤز دونوں ہی بیسٹ انداز میں اپنی منزل کی سمت گامزن ہیں۔ ام مریم بھی اسٹوری کو اعتدال میں خوب صورتی سے اختتام تک پہنچا رہی ہیں۔ سیدہ غزل زیدی کا مکمل ناول ”کروں سجدہ ایک خدا کو“ بہت پیارا ہے ذہن کی گرہ کھولتا ہے تبصرہ مکمل ہونے پر کروں گی۔ نزہت جبین کی تحریر تو اس ماہ آج کل کی بیسٹ تحریر تھی، تمہکا ذہن فریٹش ہو گیا۔ دوست کا پیغام آئے میں میری دوستوں نے انٹی سمع کو یاد رکھا، شکریہ۔ اچھا اب اجازت دیں اگر سانسوں نے وفا کی تو اگلے ماہ اس محفل میں پھر حاضر ہوں گی رت رکھا۔

سحرش خان بھٹو..... کراچی۔ دسمبر کا آج کل ملا بہت دنوں کے بعد آج کل کو چھوٹا دل باغ باغ ہو گیا، جی پہلے تو میں ذکر کروں گی آپ سیدہ غزل زیدہ کے ناول ”کروں سجدہ ایک خدا کو“ بہت بہترین ڈیر جی کیپ اٹ اپ۔ بے حد عمدہ موضوع پر قلم اٹھایا اللہ آپ کو کامیابی عطا کرے آمین۔ اف آئی ام مریم کیا ہوا جی آپ ناول کا اینڈ کر ڈاب زیادہ دکھندیں لاریب کو اور بس خوشی خوشی اینڈنگ کر دیں اد کے جی۔ اب چلتے ہیں سیرا آئی کی تحریر کی جانب جنہوں نے در شہوار کو بہت دکھ دیئے ہیں آخر جو ڈر تھا شہوار کو وہی ہوانہ تابندہ بی کے جانے کے بعد سب اس پر ہی انگلیاں اٹھانے لگے، سیرا آئی کہانی کو بڑی خوبی کے ساتھ نبھا رہی ہیں اللہ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے آمین۔

☆ ڈیر سحرش! آپ کی تجویز پر ضرور عمل کریں گے۔

صا شہزادی..... فنکافہ صاحب۔ السلام علیکم! میں پہلی دفعہ آج کل میں شرکت کر رہی ہوں اس دفعہ ماڈل کو دیکھ کر کوئی خاص تاثر قائم نہیں ہو سکا۔ ”دل بڑی مشکل سے ہارا“ واہ کیا کہانی لکھی سارے کردار ہی بڑے اچھے تھے مگر رابعیہ اور ذہاد کے کردار نے تو کہانی کو چار چاند لگا دیئے۔ ”موم کی محبت“ یہ کہانی بھی بیسٹ جارہی ہے خاص طور پر شرمین کے کردار نے تو کہانی میں انٹرسٹ پیدا کر دیا ہے۔ راحت دفا آپ نے تو یہ کہانی لکھ کر کمال کر دیا ہے پلیز آپ صندور کو زیبا کے ساتھ اچھا کر دیں۔ ”ٹوٹا ہوا تارا“ تبھی کیا بات ہے سیرا جی آپ کی۔ مجھے تو شہوار بے چاری پر ترس آنے لگا ہے سیرا جی آپ سکندر کو لاریب کے ساتھ ٹھیک کر دیں۔ بانی سارے افسانے بھی اچھے تھے یادگار لکھے اور بقیہ تمام سلسلے بھی لا جواب اور بے مثال ہیں اللہ حافظ۔

فاطمہ خالق فاتی..... چٹ نمبر 209۔ السلام علیکم! امید ہے آج کل کی پوری ٹیم بخیر وعافیت ہوگی، ہم تو بس موسم سرما کی لپیٹ میں آئے ہوئے ہیں۔ ہر ماہ حسرت ہی رہ جاتی ہے آئینہ دیکھنے کی مگر شاید آئینہ کو ہمارے الفاظ ہی پسند نہیں یا پھر ڈاک والا ہماری ڈاک آپ تک پہنچانے کی زحمت ہی نہیں کرتا۔ بات ہو جائے ام مریم کے ناول ”مجھے ہے حکم اذان“ کی میرا ذاتی خیال ہے کہ فاطمہ پر حملہ اریشہ کے گھر والوں نے ہی کروایا ہوگا دیسے مجھے لگا تھا اس ماہ آخری قسط ہوگی لیکن آپ نے تو کہانی کا رخ پھر موڑ دیا۔ تمہت عبداللہ جی کا افسانہ ”ٹاں ہوندی میں“ سب پر بازی لے گیا زبردست ترین..... ”ٹوٹا ہوا تارا“ دکھ ہی دکھ سیرا آئی جی بس کریں اب ہم سے شہوار کے دکھ نہیں دیکھے جاتے۔ پڑھتے پڑھتے آنکھیں بھیگ جاتی ہیں ویسے میرا ذاتی خیال ہے روتی ہی شہوار کی بہن ہوگی۔ نظیر فاطمہ کا افسانہ بھی اچھا لگا فائزہ کنول آپ نے تو محفل ہی لوٹ لی چلیں جی اب ہم چلتے ہیں اللہ پاک آج کل ٹیم اور تمام قارئین کو صحت و تندرستی عطا فرمائے آمین۔

☆ ڈیر فاطمہ! خوش آمدید اور دعا کے لیے بہت جزاک اللہ۔

سنیلہ ساغر، رومانہ قریشی..... مانسہرہ۔ ہماری طرف سے آج کل اور آج کل کے تمام قارئین کو پیار بھر اسلام۔ ہم آج کل کی گزشتہ تین سالوں سے خاموش قارئین ہیں جب ہمارے ہاتھوں میں آج کل آتا ہے تو ہم ہر کام بھول کر آج کل میں کھو جاتے ہیں۔ آج کل کے تمام سلسلے خاص طور پر ”ٹوٹا ہوا تارا“ ہم بہت شوق سے پڑھتے ہیں ہماری طرف سے ہماری دوستوں منیبہ غزل سندس پری اینڈ شہرہ غزل کو سلام اور نیا سال مبارک ہو۔

انعم زربین، سارہ زرین..... چکوال۔ السلام علیکم! تمام آج کل اسٹاف اور قارئین کو سال نو مبارک اور دعا ہے کہ یہ سال ہمارے لیے خوشیاں لائے پاکستان کو اللہ اپنے حفظ و احسان میں رکھے۔ آج کل کا ٹائٹل پسند آیا سب سے پہلے دوڑ لگائی آئینہ کی طرف۔ اپنا خط دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی۔ بیوی گائیڈ پڑھ کر دلی مسرت ہوئی کہ میری فرمائش پوری کی گئی اور سردیوں کے حوالے سے آپ نے مفید مشورے دیئے۔ مالک یوم الدین پڑھ کر اچھا لگا، شہلا آئی مجھے آج کل سے بے حد اپنائیت محسوس ہوتی ہے۔ ہر کہانی کے شروع اشعار کا موجود ہونا بس آج کل کا اپنا ہی انداز ہے۔ ”موم کی محبت“ بڑھ کر زیبا تبھی معصوم لگتی ہے اور بھی دھوکہ باز راحت آئی آپ پلیز زیبا کے بارے میں جلدی جلدی بتائیے بہت سٹپنس ہے سنو ٹوٹا ہوا تارا، سیرا پسندیدہ ناول ہے۔ شہوار نے اب اور کون سے دکھ دیکھنے ہیں اور مصطفیٰ کا ایسا رویہ؟ یہ کیا بات ہوئی تبھی ایک ناراض ہوتا ہے تو دوسرا مانتا ہے محبت میں اتنا تو نہیں ہوتی۔ ”مجھے ہے حکم اذان“ کی یہ قسط بہت اچھی تھی۔ نبیلہ نازش کا ناولٹ ایک منفرد موضوع کا چناؤ تھا۔ ”کروں سجدہ ایک خدا کو“ کا موضوع اگرچہ پرانا ہے لیکن کہانی پر مصنفہ کی گرفت سے اندازہ ہو رہا ہے کہ یہ زبردست ناول ہوگا۔ ”دل بڑی مشکل سے ہارا“ کچھ خاص پسند نہیں آیا بس نارٹل بسا موضوع تھا بانی افسانے بھی ٹھیک ہی تھے اپنا خیال رکھیے گا اگلے ماہ تک اللہ حافظ۔

☆ ڈیر سحرش! آپ کی تجویز پر ضرور عمل کریں گے۔

کائنات عابد..... فیصل آباد۔ السلام علیکم! شہلا آئی آنچل کو ہمیشہ کی طرح بیٹ ہے ”مجھے ہے حکم اذان“ بہت اچھا ہے مریم آپ لیکن بے چاری فاطمہ کے ساتھ اتنا کچھ ہو رہا ہے مگر اب کم از کم عباس کی بے رحمی ختم ہو جانی چاہیے۔ بانی سکندر کا یہ انداز تو بہت بڑا لگ رہا ہے وہ اپنے پرانے والے انداز میں ہی اچھا تھا۔ یہ بے رحمی ذالہ انداز اس پر بہت مصنوعی سا لگتا ہے۔ ”ٹوٹا ہوا تارا“ آخر وہی ہوا جس کو لے کر شہوار پریشان تھی۔ ناولٹ میں ”رفاقوں کے خواب“ بہت اچھا لگا افسانوں میں ”ظرف اپنا اپنا“ مجھے بہت پسند آیا۔ زمینی آبی کی محرومیاں ہی تھیں جنہوں نے ان کو ایسا حاسد بنادیا، عبدالقادر جیسے منہ بولے بیٹے اتنا خیال رکھتے ہیں اور اپنے سگے بیٹوں کو ماں کا خیال ہی نہیں۔ ”موم کی محبت“ تو آدھورا رہ گیا بانی کے صفحات ہی نہیں تھے۔ نگہت عبداللہ اور سلیمی مہم کل کو پڑھنے سے محروم رہ گئی ارے وہی صفحات کی غیر موجودگی.....! دسمبر بھی چلا گیا، نیا سال مبارک ہو دعاؤں میں یاد رکھیے گا! آپ! اللہ حافظ۔

نورین شاہد..... رحیم یار خان۔ السلام علیکم! اچھا آئی آنچل جس ایکساٹمنٹ سے کھولا تھا فرحانہ ناز ملک کے بارے میں پڑھ کر دل غم سے بھر گیا۔ نئے سال کے حوالے سے دعا میں ہم نے بھی آمین کہا، سیدہ غزل کا ناول شروع کیا مگر جاری ہے دیکھ کر اپنا سامنہ لے کر رہ گئے۔ خیر اچھی چیز کے لیے انتظار تو کرنا پڑتا ہے نہ بہت جہیں ضیاء نے بھی خوب لکھا بہت اچھا لگا۔ ام مریم ہماری ساری ہمدردیاں لاریب کو منتقل ہو گئی ہیں لاریب تو بے وقوف تھی مگر سکندر تو عقل مند ہے۔ ناولٹ دونوں اچھے تھے کون سا زیادہ اچھا لگا اس کا فیصلہ کرنا مشکل ہے۔ افسانہ ایک سے بڑھ کر ایک ”گوای دل کی معتبر ٹھہری“ نظیر فاطمہ نے خوب لکھا مگر فتنہ کی سوچ اتنی درست نہیں تھی اسے رضوان کو پرکھ لینا چاہیے تھا فائزہ کنول کا افسانہ مشکل مگر لا جواب تھا۔ واقعی پچھڑے ہوئے لوگ کسی نہ کسی حوالے سے یاد آ جاتے ہیں۔ ”ناں ہوندی میں“ نگہت عبداللہ نے لا جواب لکھا، صالحہ نے جس کام کو پہلے خوشی سے شروع کیا اسے ڈیوٹی سمجھنا شروع کر دیا۔ ”ظرف اپنا اپنا“ بہت زبردست تھا حاسدوں سے اللہ بچائے۔ سلسلہ دار ناول سپر ہٹ جارہے ہیں بونی سکندر اور انا کے وماغ کا علاج ضروری ہے۔ ہمارا آئی آنچل میں بہنوں سے ملاقات اچھی لگی دوست کا نام پیغام آئے پڑھ کر اچھا لگا۔ یادگار لمحے سب یادگار تھے بیاض دل بھی لا جواب ہر انتخاب پسند آیا۔ ہم سے پوچھئے کا تو پوچھئے ہی مت اب اجازت اللہ حافظ۔

طیبہ شیریں..... کوری خدا بخش۔ السلام علیکم! میری طرف سے آنچل اسٹاف، ممبران قارئین، نگہاری سب کو نیا سال بہت مبارک ہو۔ دسمبر کا آئی آنچل 27 نومبر کو مل گیا آنچل کا ناولٹ اچھا تھا۔ حمد و نعت کے بعد سب سے پہلے ام مریم کے ناولٹ ”مجھے ہے حکم اذان“ پڑھا، واہ سو بیٹ مریم! بہن کیا ناولٹ ہے، تعریف کے لیے الفاظ نہیں ہیں۔ سب لوگ واپس اپنی اپنی جگہ پر خوشی خوشی آرہے ہیں مگر عباس کے ساتھ بہت ظلم کیا، عریشہ کی حقیقت جب اس پر کھلے گی تو بہت شرمندہ ہوگا۔ لاریب اور سکندر پر اب تو یہ ظلم و زیادتی بند کر دیں۔ ”موم کی محبت“ میں صفدر پر غصہ بھی آتا ہے اور ترس بھی۔ پتا نہیں کب اس کا دل صاف ہوگا، شرمین کی والدہ کو ابھی تو نہ مارتے جب تک عارض واپس نہ آتا شرمین اکیلی ہو گئی۔ نظیر فاطمہ بہت اچھا ناولٹ لکھا تھا سب پولیس والے ایک جیسے نہیں ہوتے دنیا میں اچھے بڑے لوگ ہوتے ہیں۔ دعا ہے اللہ بڑے لوگوں کو ہدایت دے آمین۔ نگہت عبداللہ ”ناں ہوندی میں“ بہت ناس ناپک اور بچ لکھا آپ نے آج کل یہی سب چل رہا ہے اور آخر تک یہی ہوتا ہے جب انسان کو سب کچھ مل جاتا ہے تو گزری زندگی کو بھول جاتا ہے اور ایسے ہی کرتا ہے جیسے یہاں پر آپ نے دکھایا، والسلام۔

دلکش مریم، معظم شاہ..... جینیوٹ۔ السلام علیکم! آئی آنچل اسٹاف اور تمام لکھنے پڑھنے والوں کو نیا سال مبارک ہو! اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کی تمام پریشانیاں دور کرے اور ہمیں اپنی حفظ و امان میں رکھے آمین۔ ماہ دسمبر کا ناولٹ بس ٹھیک تھا۔ سرگوشیاں حمد و نعت کے بعد دھواں کدہ سے معلومات میں اضافہ کیا، بہنوں کی عدالت میں نازی کے اخلاق سے ہم بھی متاثر ہوئے۔ خوب صورت ناول ”ٹوٹا ہوا تارا“ بہت خوب صورت موڑ پر ہے مصطفیٰ کی

بارانگی طویل نہیں ہونی چاہیے۔ انا اور ولید کی اب شادی ہو جانی چاہیے، شہوار کو مزید احساس کمتری کا شکار مت کریں۔ ”موم کی محبت“ بھی اچھا ناول ہے۔ زیبا رافسوس ہوتا ہے ایسا لگتا ہے زیبا کا عارض سے تعلق رہا ہے شرمین تو جھوٹی سچی محبتوں میں الجھی پڑی ہے۔ ”مجھے ہے حکم اذان“ اختتامی مراحل میں ہے، عباس کو اب شاید فاطمہ کا احساس ہو جائے۔ سکندر کا رویہ اچھا نہیں لگتا، سکندر کی نیچر کے لحاظ سے اس کو ایسا رویہ سوٹ نہیں کر رہا اس لیے سکندر کا رویہ بدلیں مریم! ناولٹ دونوں پسند آئے ”کمل ناول“ ”کروں سجدہ ایک خدا کو“ لگتا تو اچھا رہا ہے امید ہے آگے بھی اچھا ہوگا افسانے سبھی خوب تھے اللہ حافظ۔

نادیہ بنت یحییٰ..... ساہیوال۔ السلام علیکم! آئی آنچل اس دفعہ 27 کو ملا آئی کریم پارلر میں آئی کریم کھاتے ہوئے میں سوچ رہی تھی کہ کب کب چہنچہوں کی اور کب پڑھوں گی۔ چلتے ہیں تبصرہ کی جانب، سلسلے وار ناولز تینوں اچھے جارہے ہیں۔ ام مریم ویل ڈن! اب عباس کو فاطمہ کی اہمیت کا اندازہ ہوگا اور اس کی قدر کرے گا اور یہ سکندر کو کیا ہو گیا اب بس کریں۔ محبت کرنے والوں کے یہ انداز کب ہوتے ہیں وہ بھی کچھ۔ سمیرا شریف طور آئی ناول اچھا جارہا ہے، بس اب سسٹنس بھی ختم کرویں اور پلیز انا اور ولید کی دوری ہم برداشت نہیں کریں گے یاد رکھیے گا۔ راحت وفا جی اچھا لکھ رہی ہیں مجھے بھی زیبا کی پہلی محبت عارض لگتا ہے اگر وہ ہی ہے تو اس جیسے انسان کو اب کیا کہوں بس یہ کہ شرمین پھر اسے نہیں ملنی چاہیے اس سے بہتر پھر تو بولی ہے۔ ”کروں سجدہ ایک خدا کو“ پر تبصرہ محفوظ نہ بہت جہیں ضیاء کہانی کے شروع میں ہی اندازہ ہو گیا تھا پھر بھی اچھا لگا۔ سمیرا غزل کے ناول سے ملتا جلتا افسانے پہلے ایک پڑھ چکے ہیں۔ نبیلہ نازش راؤ کی تحریر کے لیے کہوں گی، بہترین۔ نظیر فاطمہ نے اچھا لکھا، ہمارے نبی ﷺ کا بھی یہی حکم ہے کہ ہر ایک کے بارے میں نیک گمان کر دھنہ نے غلطی کی خیر پھر اصلاح بھی کر لی۔ رضوان کا کردار اچھا لگا، فائزہ کنول ناس، مگرین اداس کر دیا۔ نگہت عبداللہ کا افسانہ اور سلیمی مہم کل کے ناول دونوں ہی اچھے تھے۔ چاروں بہنوں کا تعارف اچھا لگا۔ یادگار لمحے میں سب اچھا لگا اور عائشہ پرور لگتا ہے آپ ان کھٹے میٹھے ٹوکوں پر ضرور عمل کر لی ہوں گی طیبہ نذیر، ام کمال آپ کو میرے سوالات اچھے لگے دیری کیس۔ بانی تمام آنچل بھی ہمیشہ کی طرح لا جواب پھر ملیں گے زندگی رہی تو دعاؤں کی طالب۔

دیا آفریں..... شاہدرہ۔ ہم پھر حاضر ہیں ”ٹوٹا ہوا تارا“ سمیرا شریف طور کی کیا تعریف کی جائے۔ سمیرا نے ہر لحاظ سے اس تحریر کے ساتھ انصاف کیا ہے اس کے بعد بات کروں ام مریم کے ناولٹ ”مجھے ہے حکم اذان“ اکتوبر تک تو بہترین گیا ہے کیا سمیٹا ہے کہانی کو مگر سکندر کو کیا کر دیا اتنا کیسے بدل سکتا ہے مجھے بالکل اچھا نہیں لگا تھا۔ آپ بھی کیا کہیں گی جب بھی آتی ہے شکایتوں کا پلندہ ساتھ لیے آتی ہے مگر کیا کیا جائے۔ سب سے پہلے تو آپ کی شخصیت والا سلسلہ دوبارہ بحال کیا جائے یا اسی نوعیت کا کوئی اور سلسلہ شروع کریں اب تو آئی آنچل بھی ماشاء اللہ کیلو کیلو سنا ہو گیا ہے تھوڑی جگہ بنا میں نا۔ ناول ہو یا ناولٹ یا پھر افسانہ ہی نیچے ہر تحریر ہمارے معاشرے کی عکاس ہوتی ہے۔ راسخ زائمی سماجی واقعات و موضوعات پر کہانی لکھتے ہیں اس طرح سے کہ پڑھنے والا لطف بھی لیتا ہے اور حقیقت سے آگاہ بھی ہوتا ہے مگر معذرت کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ اگست 2014ء میں شروع ہونے والا نیا سلسلہ وار ناول حقیقت سے بہت دور ہے۔ ”موم کی محبت“ صرف ایک خوب صورت لڑکی کی محبت ہے جس کے پیچھے ہر کوئی پاگل ہے۔ یہاں تو محبت کا مفہوم ہی دھندلا دکھائی دیتا ہے آنچل نے اتنے زبردست ناول دیئے ہیں کہ یہ کچھ بھضم نہیں ہو رہا ہے اب اجازت چاہوں گی اللہ حافظ۔

دعا ہاشمی..... فیصل آباد۔ دسمبر کا آئی آنچل ملا تو ناولٹ کچھ خاص متاثر نہ کر سکا، در جواب آپ کی راہداری سے گزرے مشتاق انکل کی محفل میں حاضری لگوائی۔ ذہن ددل کو منور کیا اب آگے ”ہمارا آئی آنچل“ میں عشنا نور، عمرانہ شاہین، لکٹی سید سے مل کر اچھا لگا۔ محمدی بی بی سے ملاقات بھی دلچسپ رہی مگر آئی آپ نے اپنی نواہی سے ہمارا تعارف نہیں کروایا جن کی خواہش پر آپ نے انٹرویو بھیجا۔ سیدہ غزل زیدی کا ناول ”کروں سجدہ ایک خدا کو“ بہت

اچھا لگا بہت حساس موضوع چنا ہے آپ نے مگر کاشان آفریدی اور طوٹی کے بارے میں زیادہ نہیں بتایا خیر بیسٹ آف لک۔ راحت و فاقہ "موم کی محبت" زینا کا ماضی یقیناً عارض ہوگا لیکن ناول کچھ خاص متاثر نہیں کر پارہا۔ ام ایمان قاضی کے افسانہ میں انہوں نے حور کو فراموش کر دیا وہ سدھری یا نہیں اور سدھری تو کیسے؟ خیر موضوع بہت اچھا تھا۔ یہ پیری فقیری نری ڈرامہ بازی ہوتی ہے پیسے بنانے کے طریقے۔ "ٹوٹا ہوا تارا" میں مصطفیٰ کا رویہ پسند نہیں آیا اب جبکہ شہوار سدھری بھی تو اسے شہوار کو بھجنا چاہیے تھا اور تابندہ کا ماضی شاید ولید ضیاء لوگوں سے جڑا ہے۔ سیر اغزل صدیقی ویل ڈن بہت اچھا لکھا۔ "مجھے ہے حکم اذان" فاطمہ کا عباس سے سرد رویہ دیکھ کر دل خوش ہو گیا۔ فابزہ کنول بہت اچھا زبردست..... الفاظ کا چناؤ بہت اعلیٰ تھا۔ کیپ اٹ اپ۔ 20 نومبر کو انا احب کی زندگی میں ایک سخی پری کی آمد نے خوشیاں بکھیر دی ہیں اور دعا آ لو کی فیری (مطرب) کو ایک گڑیا مل گئی۔ ہم نے اس کا نام انا تیار رکھا ہے۔ یادگار لمحے کی محفل رونی علی اور عائشہ زانا کے نام رہی۔ آپ سب کو نیا سال بہت بہت مبارک ہو اللہ کرے یہ نئے سال کا سورج اپنے ساتھ ڈھیروں خوشیاں لے کر طلوع ہو اس سال 20 جولائی کو میں نے اپنی ماما کو ہمیشہ کے لیے کھودیا۔ آج ہے کہ کسی ایک انسان کے چلے جانے سے زندگی نہیں رکتی مگر..... تمام دنیا مل کر بھی اس ایک انسان کی کمی پوری نہیں کر سکتی سو میری ذات کا خلا ہوز ہے۔ دعاؤں میں یاد رکھنا اللہ حافظ۔

موسم زمناں..... مسند ڈی بھاٹو الدین۔ السلام علیکم ڈیر شہلا آ پی اور تمام نچل اسٹاف کیسے ہیں آپ سب لوگ یقیناً خیریت سے ہوں گے۔ اب بات ہو جائے آچل کی تو جناب میں پچھلے چھ سال سے آچل کی خاموش قاری ہوں۔ "برف کے آنسو" ویل ڈن نازیہ جی آپ کو بہت بہت مبارک ہوتا اچھا ناول لکھنے پر آپ نے ہمیشہ کی طرح بہت اعلیٰ اور خوب صورت لکھا باقی سب ناول جیسے کہ "ٹوٹا ہوا تارا" موم کی محبت" سب اچھے جارہے ہیں۔ ام مریم جی آپ کا ناول "مجھے ہے حکم اذان" سپر ہٹ جارہا ہے افسانے بھی اچھے اور سبق آموز ہوتے ہیں۔ ان سے ہمیں کچھ سیکھنے کو ملتا ہے۔

☆ ڈیر مریم! خوش آمدید! آئینہ میں صرف تبصرہ شائع ہوتا ہے آپ الگ سے تعارف از سال کریں۔

عائشہ نور عاشا..... شادی وال گجرات۔ السلام علیکم کیا حال چال ہیں سب کے؟ میں بہت دیر بعد حاضر محفل ہوں۔ تبصرہ کرنے کو بہت دل چاہتا ہے مگر آچل ہم تک لیٹ پہنچتا ہے جس کی وجہ سے نہیں لکھ پائی ہاں ایک بات یاد آتی ہے جب بھی طیبہ نذیری کی شاعری شائع ہوتی ہے مجھے آچل سچا سچا سا لگتا ہے شاید اس لیے کہ طیبہ نذیری میرے ہی قصبے سے تعلق رکھتی ہیں اجازت چاہوں گی اللہ آچل کو ہمیشہ قائم رکھے آمین۔

موسم مغل..... حیدر آباد سندھ۔ السلام علیکم آچل ڈائجسٹ بہت پسند ہے آچل پڑھنا میں نے 8th کلاس سے شروع کیا اس وقت میں باجی سے ڈائجسٹ چھپ چھپ کر پڑھا کرتی تھی لیکن اب تعلیم مکمل کرنے کے بعد میں ہر ماہ باقاعدگی سے ڈائجسٹ پڑھتی ہوں آچل میں لکھنے کی خواہش کافی عرصے سے دل کے کسی گوشے میں محفوظ تھی لیکن آج قلم اٹھا کر اپنی اس خواہش کو پایہ تکمیل تک پہنچا ہی دیا۔ آچل ڈائجسٹ پڑھنے کی خاص وجہ یہ بھی کہ اس میں تمام اسٹوریز اصلاحی موضوع پر ہوتی ہیں جنہیں پڑھ کر ہم میں بہت مثبت تبدیلیاں آتی ہیں آپ سے گزارش کرتی ہوں کہ قسط وار کہانیاں تھوڑی زیادہ ہوں اب اجازت چاہوں گی اگلی بار ان شاء اللہ مکمل اور تفصیلی تبصرے کے ساتھ حاضر ہوں گی۔

☆ ڈیر مریم! خوش آمدید۔

صائمہ سکندر سومرو..... حیدر آباد سندھ۔ السلام علیکم پیاری شہلا آ پی! اس ماہ کا آچل 21 کو ملا میرا آ پی بہت اچھے سے ناول آگے بڑھ رہا ہے تابندہ کا ماضی کھول دیں اب ہم سے شہوار کی تکلیف برداشت نہیں ہوتی اور انا کو تھوڑی سی عقل بھی دیں۔ عفت سحر سعدیہ ایل واپس آ جائیں سلسلے دار ناول کے ساتھ باقی سارا آچل بیسٹ ہے۔ ناویہ فاطمہ سب اس گل سیدہ گل بانو عائشہ خان آپ لوگ بھی سلسلے دار ناول لکھیں ناں۔ آچل

تمہارا شکریہ کہ تم نے مجھے اتنی پیاری دوستوں سے نوازا لاڈ و ملکہ پری چوہدری مہک ملک اریبہ شاہ آ پی مس یوسوچ۔ اللہ پاک پیارے ارض وطن کو بد نظریوں سے بچائے اور پاکستان کا پرچم ہمیشہ بلند رکھے آمین۔

عائشہ رانا..... فیصل آباد۔ السلام علیکم! پیاری آ پی جی پہلی بار بزم آئینہ میں حاضر خدمت ہیں آپ سب کے لیے یہ سال امن و سلامتی کا پیا بھر ٹھہرے آمین۔ یہ سال بھی غروب آفتاب کی طرح غروب ہونے کو ہے اس سال بہت کچھ پایا اور بہت کچھ کھویا جیسا کہ ہم نے بہت ہی اچھی رائٹر فرحانہ ناز ملک کو کھو چکی ہیں۔ یہ ایک کڑوی حقیقت ہے جسے ہر حال میں برداشت کرنا پڑتا ہے لیکن مجھے یقین نہیں آ رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے آمین۔ اب آتے ہیں تبصرے کی طرف ماڈل کچھ خاص متاثر نہیں کر سکی۔ شرمین کی اماں کے انتقال کا سن کے بہت دکھ ہوا عباس کا فاطمہ کے ساتھ رویہ دل خوش کر گیا لیکن بے چاری یہ کویلوں کی بوچھاڑ عرشہ کے رشتے داروں میں سے ہی کسی نے کی ہوگی۔ مریم آ پی آپ جڑا نوالہ سے تعلق رکھتی ہیں سچ جاننے بہت خوشی ہوئی۔ ارم کمال کے تبصرے میں اور یادگار لمحے میں اپنا نام دیکھ کر ڈھیروں خون بڑھا چلتی سانسوں نے بے وفائی نہ کی اور زندگی نے ساتھ دیا تو پھر بھی ملاقات ہوگی فی امان اللہ۔

☆ ڈیر عائشہ! خوش آمدید۔

حلیمہ چوہدری..... بھیانہ۔ السلام علیکم شہلا آ پی! امید کرتی ہوں کہ بالکل فٹ فٹ ہوں گی "موم کی محبت" بہت اچھا جارہا ہے۔ "مجھے ہے حکم اذان" لاریب کے ساتھ سکندر بھائی کو ایسے ہی کرنا چاہیے عباس حیدر کو بھی اب فاطمہ کی اہمیت کا پتا چل رہا ہے ویری گڈ۔ "ٹوٹا ہوا تارا" آ پی انا بے چاری پر مجھے بہت ترس آتا ہے پلیز ولید کو انا سے دور مت کرنا اور مصطفیٰ نے بہت اچھا کیا شہوار کے ساتھ ناراض ہو کر۔ ایسے ہی شہوار کو قتل آئے گی مانی تمام ناولز بھی بہت اچھے تھے۔ یادگار لمحے میں سب نے بہت اچھا لکھا۔ "کام کی باتیں" ہالہ سلیم نے بہت اچھا لکھا اللہ کرے نیا سال تمام امت مسلمہ کے لیے ڈھیروں خوشیاں لائے آمین۔

☆ ڈیر حلیمہ! ہماری جانب سے پیشگی سالگرہ کی ڈھیروں مبارک باد قبول کیجیے۔

مبین اعظم..... مظفر گڑھ۔ ڈیر شہلا آ پی! السلام علیکم! آ پی سب سے پہلے ہماری عزیز ترین رائٹر فرحانہ ناز ملک کے لیے میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں جگہ عطا کرے آمین۔ فرحانہ جی ادب کی دنیا کا ایک روشن ستارہ تھیں جو ٹوٹ گیا اور ہم سب ان کے گھر والوں کے دکھ میں برابر کے شریک ہیں اب آ پی ہوں آچل کی طرف ہمارا آچل دن بہ دن خوب تر تر کر رہا ہے آ پی غزل زیدی کی تحریر "کروں سجدہ ایک خدا کو" اتنی زبردست تحریر ہے کہ میں جتنی تعریف کروں کم ہے اور واقعی ہم سب کو اس وقت اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے کی ضرورت ہے اور راحت جی کی "موم کی محبت" لگتا ہے جسے عارض ہی زینا کا مجرم ہے۔ "شاہراہ دل" بھی اچھی تحریر تھی اور میری نموسٹ فیورٹ تحریر "مجھے ہے حکم اذان" اس تحریر کی تعریف کے لیے میرے پاس الفاظ کم ہیں اور "ٹوٹا ہوا تارا" پلیز سمیز جی اب شہوار کے ساتھ کچھ برانہ ہونز بہت جی کی تحریر بھی اچھی تھی۔ اجازت چاہوں گی اللہ حافظ۔

سامعہ ملکہ پرویز..... خان پور۔ مانی ڈیر سٹ اینڈ کیوٹ آ پی دل کی اتھاہ گہرائیوں سے سال نو کی مبارک باد اور سلام لیے آپ کی بزم میں حاضر ہوں بھیگا و ممبر اپنی سب سے بھون اور ٹھٹھرنی شاموں کے سنگ ہمیں الوداع کہنے کے ساتھ جنوری کی برفانی صبحوں کا حسین آچل ہمارے ہاتھوں میں تھمائے چلا جا رہا ہے۔ ایک سال زندگی سے اور کم ہو گیا مگر یہی نظام قدرت ہے اور یہی نظام زندگی۔ دسمبر کا آچل اپنی خوب صورتیوں اور رعنائیوں کے ساتھ میرے سامنے حاضر و موجود ہے مگر آف یہ ماؤل اتنے خوب صورت و ممبر میں ایسا اوٹ پٹانگ ناٹل بالکل بھی سوٹ نہیں کیا۔ حمد و نعت سے فیض یاب ہونے کے بعد دانش کدہ میں حاضری دی اور یوم آخرت کے خوب صورت حوالے اور متن سے مستفید ہوئی پھر باری آ کی سلسلے وار ناولز کی تو ام مریم کا ناولٹ آف دالست رہا۔ میرا آ پی پلیز جلدی جلدی ختم کریں ناراضگیاں۔ اتنے دلنشین موسم میں دلبر کی ناراضگیاں زیادہ تنگ مت کریں نا۔ گلے شکوے

ختم کر دیں۔ پلیز۔ راحت و فکا کا ناول بھی اچھا جا رہا ہے عارض کی چاہتیں اور شدت محبت کو کہیں زمانے کی نظر نہ لگ جائے مجھے تو یہی لگتا ہے خیر دیکھا جائے گا بانی تابڑ میں ”کردوں سجدہ ایک خدا کو“ ایمان میں نئی روح پھونکنے اور معلومات میں اضافہ کرنے والی تحریر نے اپنے طلسم میں جکڑ رکھا ہے۔ محبت عبداللہ سلمیٰ فہیم گل ام ایمان سمیرا غزل نبیلہ نازش نظیر فاطمہ اور فائزہ کنول نے بہت زبردست جادوئی الفاظ آنچل کی زینت بنائے۔ فائزہ کنول پہلی بار جلوہ گر ہوئیں ویلکم جی اینڈ گڈ لک فور یور فیوچر..... بیاض دل میں گھنا زمان پر دین افضل ملائکہ مہر گل اور فائزہ بھٹی کے اشعار زبردست رہے۔ شاعری میں سب کے الفاظ بھلے محسوس ہوئے شگفتہ خان بھلوال کے الفاظ اور دعا پڑھ کے یکدم لبوں سے آمین نکلا۔ اللہ ہم سب کو اپنا پاک گھر دیکھنے کی سعادت نصیب فرمائے آمین۔ باقی سب سلسلے زبردست رہے اب اجازت چاہوں گی اس دعا کے ساتھ کہ رب العزت ہم سب کو کامیابیوں اور کامرائیوں سے نوازے اور آنے والے سال میں ہمارے ملک بلکہ پورے عالم اسلام کو اتحاد و یکجہتی کی دولت سے مالا مال فرمائے آمین اللہ حافظ۔

حافظہ خنساء آفرین..... راجہ پور۔ السلام علیکم! آنچل میں پہلی بار شرکت کر رہی ہوں۔ دیے تو آنچل میں پچھلے دو سالوں سے پڑھ رہی ہوں لیکن لکھنے کی ہمت آج ہوئی ہے آنچل میں موجودہ سیدہ غزل زیدی کا مکمل ناول کا ”کردوں سجدہ ایک خدا کو“ مجھے بہت اچھا لگا اس میں دانیال کا کردار پہلے پڑھ کر بہت اسوس ہوا لیکن پھر خوشی ہوئی کہ وہ واپس لوٹ آیا ایک حافظ قرآن ہو کر ایسی حرکت بس اللہ تعالیٰ ایسا گناہ کرنے سے سب کو محفوظ رکھے کیوں کہ میں خود ایک حافظ قرآن ہوں اور دوسرا کردار مجیر عباد بہت اچھا لگا۔ وہ اسلام کو بہت اچھا بیان کر رہی ہے اس کے بعد ”ٹوٹا ہوا تارا“ مجھے بہت اچھا لگتا ہے پلیز اب سہوار کو کچھ مت کیجیے گا اور تائب بندہ بنی ہے ماضی کو کھول دیں ”موم کی محبت“ بھی بہت اچھا جا رہا ہے باقی سب کچھ بہت اچھا تھا سب لکھاری بہت اچھا لکھتی ہیں آنچل کو اللہ پاک بہت ترقی دے آمین۔

☆ میر خنساء! خوش آمدید۔

شازیہ اختر..... نور پور۔ پیاری آنچل شہلا قارئین اینڈ رائٹر السلام علیکم! آنچل اس دفعہ 25 کویل گیا سرورق اچھا تھا ہمیشہ کی طرح سرگوشیاں سننے کے بعد سلسلہ دار ناول کی طرف دوڑ لگائی سب سے پہلے ”ٹوٹا ہوا تارا“ پر پہنچے۔ میرا خیال ہے کہ اب عباس بھائی عادلہ کو چھوڑ کر رابعہ سے شادی کر لیں میرا دل چاہتا ہے کہ اس کا صفہ کو گولی مار دوں یہ دلہند اور اتنا کہ بیچ کہاب میں ہڈی بن رہی ہے۔ ”مظنی“ میرے خیال میں سہوار کے ساتھ بالکل ٹھیک کر رہا ہے اب ایسا بھی انسان کو بے مروت نہیں ہونا چاہیے اور ”موم کی محبت“ میں میرا خیال ہے کہ زیبا کی عزت سے کھیلنے والا عارض ہی ہے اب صفدر کو چاہیے کہ وہ زیبا کو معاف کر دے شرمین کی تو مجھے سمجھ ہی نہیں آ رہی کیا اس بے چاری کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ ”مجھے ہے حکم اذال“ سکندر کو اب پلیز مت ستاؤ ورنہ میں غصے میں آ کر تمہیں پھپر لگا دوں گی بے چاری کو اب بخش دو۔ غلطی انسان سے ہی ہوتی ہے۔ باقی رسالہ ابھی زیر مطالعہ ہے پھر حاضر ہوگی اللہ حافظ۔

☆ اب اس دعا کے ساتھ اجازت چاہوں گی کہ سال نو کا سورج بہت سی برکتیں رحمتیں اور نعمتیں لیے ہمارے ارض وطن پر طلوع ہو رب تعالیٰ ہم سب کو نیک ہدایت و نیک عمل کرنے تو فیق عطا کرے اور ہم سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے آمین۔



aayna@aanchal.com.pk

نعم سے پہچانے

شمائلہ کاشف

انم چوہدری..... جتوئی

س: آپ لی لگتا ہے آپ پروین افضل شاہین کے سوالات کے جوابات دینے کے لیے کافی تیاری کر سکتی ہیں۔

ج: آپ کی قسم بالکل ٹھیک نہیں۔

س: شمشو جی چائنا کی چیزوں کے بارے میں میری رائے

ہے کہ چلے تو چاند تک نہ چلے تو شام تک اس بارے میں آپ

کیا کہتی ہیں؟

ج: چلیں تو ریل گاڑی نہ چلیں تو تیل گاڑی۔

نورین لطیف..... ٹوبہ ٹیک سنگھ

س: آپ لی جی اتنی دیر بھاتی ہوں آپ کی محفل میں مس کیا؟

ج: نہجی البتہ آپ کی مس نے آپ کو بہت مس کیا ہے میں۔

س: آپ لی میری پیاری سسٹر کی سالگرہ ہے اسے ش کریں

میری طرف سے پلیز۔

ج: سالگرہ بہت بہت مبارک ہو، خوش رہو وہ بھی آپ

خرچہ پر۔

س: آپ لی جی ہمدرد انسان کیسے ہوتے ہیں؟

ج: ہماری اور تمہاری طرح ہوتے ہیں ان کے سر پر سینگ

تھوڑی ہوتے ہیں۔

س: آپ لی پاگل اور بے وقوف میں کیا فرق ہے؟

ج: کوئی فرق نہیں ہے تم دونوں خوبیوں سے آراستہ ہو۔

س: اچھی سی دعا دیں لیکن یہ بات یاد رہے کہ میں مشکل

ہوں ابھی۔

ج: دعا ہے کہ جلد از جلد ڈبل ٹرپل ہو جاؤ۔

کویل زینب..... 18 ہزاری، جھنگ

س: شائلہ آپ لی ہم پہلی بار آپ کی محفل میں شرکت کر رہے

ہیں کیسا لگ رہا ہے؟

ج: اظہار بھی مشکل ہے کچھ کہہ بھی نہیں.....

س: آپ لی سردیاں مبارک ہوں۔

ج: کون سی سردیاں جو گزر گئی پچھلے سال؟

س: شعر کا جواب شعر میں دیں،

جتو میں تھا تیری تو مجھے احساس نہ تھا

رود کے پکاریں گے ذرا مروت جانے دو
ج: ایسے شعر کا جواب کسی بھی کس کے پیچھے کچھ لو۔

سمیرا تبسیر..... سرگودھا

س: پیاری شائلہ آپ لی آپ کیا لگا رہی ہیں چہرے پر بڑا

چمک رہی ہیں۔

ج: مس کوئل آپ کو سب بتا دوں۔

س: آپ لی ہمیں محبت میں ہمیشہ دھوکہ ہی کیوں ملتا ہے؟

ج: اچھا ہے ناں کہ ہر چیز جو کر ملے تو اچھا ہی رہتا ہے۔

س: آپ لی ان کی برتھ ڈے آرہی ہے بھلا انوکھا سا کیا

گفت کریں انہیں؟

ج: اپنی سہیلیوں کے ساتھ کھانے کی سٹ تھا دوں۔

پروین افضل شاہین..... بھاؤنگر

س: میرے میاں جانی پرنس افضل شاہین نے مجھ سے

پوچھا ہے کہ اگر پرستان کی پریاں تمہارے پرنس کو پرستان لے

جائیں تو تم بتاؤ کہ میں واپس آؤں گا یا نہیں، میں کیا جواب دوں؟

ج: ایسوں کو پریاں نہیں جن بھوت لے جاتے ہیں۔

س: اکثر میرے میاں جانی کے چودہ طبق کیوں روشن

ہو جاتے ہیں؟

ج: ہاتھ ہلکا رکھا کرو، بے چارے ایک ہی ہیں اور اس پر

بھی اتنا ظلم۔

س: میں اس نئے سال سے محبت، وفا اور خلوص کی سیل لگا

رہی ہوں آپ کیا منگوائیں گی؟

ج: سب کچھ تو مجھ سے لے کر جا رہی ہو، اسے کہتے ہیں

ہماری بلی ہمیں ہی میاؤں۔

کران فاروقی..... بھیر کنڈ، مانسہرہ

س: ارے ارے بیٹھ جائیں ہمیں دیکھ کر آنکھیں آپ کی

چند ہیا جائیں گی۔

ج: ہمارے ساتھ کتنوں کی آنکھیں چند ہیا نہیں پھٹ

گئیں تم نے میک اپ ہی اتنا فضول جو کیا ہے۔

س: شائلہ جی میں نے رات خواب میں آپ کو دیکھا ناں

پر عینک ہاتھ میں لٹکی اور.....

ج: لٹکی جو کمر پر زور سے کھائی وہ بھول گئی کیا پھر سے لٹاؤں۔

حرا قریشی..... بلال کالونی، ملتان

س: آپ لی آپ کے نزدیک ایک معیاری تحریر کی کیا خوبی ہے؟

ج: وہ روئی کی ٹوکر میں جانے سے بچ جائے۔

س: آپ نے حاضر جوابی کیسی یاد؟

ج: حاضر جوابی، بڑھتی ہی ہوتی ہے تو ہمارے اوصاف ہیں۔
س: آپ اپنی آپ واقعی اچھی ہیں یا ہمیں اچھی لگتی ہیں؟
ج: اچھی لگتی ہوں جب ہی تو تمہارے ساتھ ساتھ سب کو بھی اچھی لگتی ہوں۔ بس کبھی غور نہیں کیا۔

عائشہ پروین: کراچی

س: سنا ہے کراچی میں دبیر، دبیر نہیں لگتا؟

ج: ہاں دبیر نہیں بلکہ دبیر لگتا ہے۔
س: آپ جی سردی اتنے مختصر دور لیے کیوں ہوتی ہیں؟
ج: اس بے چاری کو بھی سردی لگتی ہے اس لیے کم آتی ہے۔
س: کچھ لوگوں کی دبیر کے ساتھ یوں واسطہ ہوتی ہیں کیوں؟
ج: انہی لوگوں سے پوچھو۔

س: سردی ریلی راتیں، نرم گرم بستر، ایک اسٹرونگ ٹی لگ اور اس کے ساتھ؟

ج: اب یہ بھی ہم بتائیں شرم کرو۔

س: آپ جانی مجھے تو آنسکریم کھانے کا لطف سردیوں میں آتا ہے اور آپ کو؟

ج: کوئی موسم ہو دل میں ہے آنسکریم کا موسم بس اب کھلا بھی دوں۔

س: اچھا آپ اجازت چاہتی ہوں ایک کیرے دعاؤں کے ساتھ؟

ج: جی بالکل اجازت ہے سدا مسکراؤ۔

سعد بیٹا: لاہور

س: آپ لوگ کہتے ہیں دال میں کچھ کالا ہے، سبزی میں کچھ کالا کیوں نہیں کہتے؟

ج: آپ سبزی میں کالا کہہ لیں، دنیا میں حق کم تو نہیں۔

س: آپ یہ کس کا شہر ہے، ک۔ ر۔ ج۔

ج: روڈینوں کا شہر تھا لیکن واہڈا کی عنایت کی بدولت تاریکیوں میں ڈوبا گیا اب۔

س: آپ میں نے سوال ہاتھوں سے لکھے ہیں یا دل سے؟

ج: بلوچین سے وہ بھی اوصاف مانگ کر۔

س: بکرے کی ماں کب تک خیر منائیں گی بکری کی ماں کیوں نہیں؟

ج: بکری ہی تو بکرے کی ماں جی ہیں۔

س: اپنی تو جیسے تیسے کٹ جائے گی آپ کا کیا ہوگا؟

ج: ماشاء اللہ سے بہت اچھا ہوگا اور وہی رہا ہے بس تم

اپنی خیر مناؤں۔

س: اگر سفر کرتے ہوئے راستے میں جوتا ٹوٹ جائے تو سفر مکمل ہوگا یا نہیں؟

ج: اگر تمہارے ٹوٹے ہوئے جوتے کو اٹھا۔

آمنہ غلام نبی: کے ٹی ایس، سہری پور

س: پیاری ایسا جانی جلدی سے خوش آمدید کہیں پہلی مرتبہ

شرکت کر رہی ہوں؟

ج: یہ بتاؤ اتنی دیر کہاں تھیں چلو مرغی بن جاؤ جلدی سے۔

س: اپنا سب چھوٹے بڑے آپ کو اپنی کہتے ہیں بھلا کیوں؟

ج: آپس کی بات ہے، میں خود نہیں جانتی۔

س: اچھی ہی دعا کے ساتھ رخصت کریں؟

ج: سدا خوش رہو۔

نوشین مشتاق جوینیہ: لاہور

س: ہم آپ کو کس حد تک عقل مند کہیں؟

ج: جس حد تک آپ بے وقوف ہیں۔

س: ہم تمہارے ہیں تمہارے منہ، بھلا کس طرح سے؟

ج: آپ جمل کے رشتے سے۔

س: جمعرات بھری مراد نہ ہو کوئی آپ کی محفل سے مراد؟

ج: صدقاً تو بہت اچھی لگانی ہو لیکن یہ بتاؤ کس چوک پر؟

س: آپ کو کہیں دیکھا ہے سات کائنات کا عیندہ کھانا تو یاد آیا؟

ج: ہرگز نہیں بالکل بھی نہیں۔

س: مصرعہ مکمل کریں تم آئے تو آیا مجھے یاد کہ۔۔۔۔۔

ج: تم نے اودھار لیا تھا، بتاؤ کب واپس کرو گی؟

کوثر خالد: جزائروالہ

س: شاملہ، اگر کچھ پوچھنے کی ضرورت نہ ہو تو بندہ کیا پوچھے، بتاؤ نا؟

ج: کچھ مت پوچھو منہ پر گوند لگاؤ۔

امبرین کوثر: ملتان

س: آپ کو چاہنا اچھا لگتا ہے یا چاہے جانا؟

ج: دونوں ہی اچھا لگتا ہے، کیونکہ میں خیر خواہ ہوتی۔

س: پہلی ملاقات میں کسی میں کیا بدھمتی ہیں؟

ج: اسے سر سے پاؤں تک دیکھتی ہوں کہ ملاقات کے قابل بھی ہے یا نہیں۔

نادیہ کامران: دادو لپنڈی

س: اتنے عرصے بعد ہماری آمد کو کیسا محسوس کیا؟

ج: ہوا کے تازہ جھونکے کی طرح۔

س: آپ کی نظر میں زندگی کا سب سے خوبصورت رشتہ؟

ج: والدین کا۔

س: ماں کے لیے اپنے جذبات کا اظہار شعر میں کریں؟

ج: محبت کے لفظ کم لگتے ہیں

ماں ایسی ہی ایک ہستی ہے

س: میری کبھی غلی عائشہ بخاری کے لیے کوئی خوب صورت

کی دعا؟

ج: ننھی کلی پھول بن کر آپ کی زندگی کو مہکا دے۔

ماریہ کنول ماہی: چک دورکاں

س: جس دن شامل نہ ہوں ان کی محفل میں

ہزاروں چراغ جلنے پر بھی تاریکی غالب رہتی ہے

شعر سے جواب دیں۔

ج: مس روشنی دوران لوڈ شیڈنگ ہمارے ہاں بھی آجایا

کر، روشنی کرنے۔

س: آپ کی مجھ سے دشمنی ہے جو میرے سوال شامل نہیں کرتی؟

ج: ہمیں تو نہیں البتہ ڈاکے کو ہو سکتی ہے دشمنی جو تمہاری

ڈاک مہنگائی کے باعث کہا جاتا ہے۔

س: اگر ہماری انٹری اتنی بری ہے تو نہیں آئیں گے لوٹ

کر (سوچ لیں)

ج: سوچ لیا، بوجھ تو کیا؟

س: اچھی ہی دعائیں کیونکہ یاد پانچ دبیر کبیری سالگرہ جو ہے

ج: سالگرہ مبارک ہو سدا خوش رہو۔ کیک کھلاؤ دینا۔

شبم کنول: حافظ آباد

س: ہائے کیا حال ہے آپ کا آئی جی؟

ج: ہائے۔۔۔۔۔ آئی کہہ کر اپنی عمر چھپا لیں منی۔

س: کیسی لگی میری فٹ انٹری اچھی ہوں اچھی لگی نا؟

ج: خوش فہمی تو دیکھو۔

س: آخر وہ مجھ سے کیوں لڑتی ہے پتہ ہے کون میری بہن؟

ج: وہ بھی تمہاری طرح لڑا کا جو ہے۔

س: مجھے سمجھ نہیں آتی آپ کی؟

ج: نا سمجھ ہمیں سمجھنا مشکل ہے جانی۔

س: تم سے ملنا باتیں کرنا بڑا اچھا لگتا ہے۔

ج: اچھا مگر ہمیں تو تم سے مل کر ایسا کچھ نہیں لگتا۔

س: کوئی محبت بھری دعا کے ساتھ اجازت، ارے آپ

جاؤں گی تو دوبارہ آؤں گی اجازت دے بھی دیں، خدا حافظ۔

ج: جتنی دور سے آئی ہو جلدی سے اتنی دور خیر و عافیت سے پہنچ جاؤ۔

حافظ راشدہ وہاڑی: ماچھیوال

س: میرا دوبارہ دھرنے میں شامل ہونا کیسا لگا آپ کو؟

ج: انتہائی فضول۔

س: وہ میری صبح میں، شام میں اور رات میں ہے بھلا کون؟

ج: انتظار، لاسٹ آنے کا۔

س: آپ اپنی اگر محبت روٹھ جائے اور آس بھی ٹوٹ جائے تو

پھر کیا کہا جائے؟

ج: دونوں کو چھوڑ کر گھر کے کام کرنے چاہیے۔

س: جسم پر لگے زخموں کا علاج تو ہو سکتا ہے لیکن دل کے

زخموں کا علاج کیسے کیا جائے؟

ج: دوبارہ دل لگا کر۔

س: ڈاکو کا پی گھر میں مت، آپ ٹھہریں میں چلتی ہوں۔

ج: شکر ہے، ورنہ مجھے ہی جانا پڑتا۔

شبانہ امین راجپوت: کوٹ دادھاشن

س: شامل آپ کی محفل میں پہلی بار شرکت کر رہی

ہوں، تھوڑی سی جگہ دیں گی؟

ج: بہت دیر کی مہربان آتے آتے، دروازے پر ہی کھڑی

رہو، کان پکڑ کر۔

س: آپ مجھے کوئی اچھا سا پیغام دیں؟

ج: اپنے رب کی رحمت سے کبھی مایوس و ناامید نہ ہونا۔

س: آپ کی آخر ہمارے ملک کا اندھا قانون کب بدلے گا؟

ج: کیوں آپ نے آنکھوں والا بلکہ نظروں والا قانون

دیکھا ہے۔

بیرائے: فیصل آباد

س: مزاج بخیر ہوں چہرہ کیسے لال ٹٹا رہا ہے؟

ج: تمہارا ناں، بتاؤ کہ ہمیں کس نے مارا؟

س: سب مینوں پارہ نہ ملے میں مر جاؤں۔

ج: جب بھی گاؤں کی بے سرائی گاؤں کی، باتھ روم میں گاؤں لپٹا

شوق پورا کرو۔

س: اس سے پہلے کہ آپ کا جوتا اٹھے مجھے فرار ہو جانا

چاہیے، بچاؤ۔

ج: رگڑ جاتی کہاں ہو، اپنا جوتا تو لیتی جاؤ۔

انڈیا تبسم..... خانیوال
س: پہلی بار شریک تحفل ہوں، آپ خوش آمدید کے علاوہ کیا کہیں گی آپ؟
ج: ہر دفعہ آئیں مگر سوچ سمجھ کر۔
س: آپ اپنی ہر پر خلوص رشتے میں بھی لوگ عیب کیوں تلاش کرتے ہیں؟
ج: جن میں خود عیب ہوتا ہے وہ عیب اور جن میں اچھائی وہ اچھائی تلاش کرتے ہیں۔
س: آپ جب میرے ہاتھ میں آچل ہوتا ہے تو ہر کسی کے چہرے پر بارہ کیوں نک جاتے ہیں؟
ج: جیسے ہوتے ہیں ناں اس لیے۔
عزیزہ یونس..... حافظ آباد
س: بہاروں کی ملکہ کیا آپ ہم ناچنے سے گھٹکو کرنا پسند کریں گی؟
ج: گھٹکو زرا معقول کرنا۔
س: بہاروں کی ملکہ آپ سے محبت ہوگئی ہے اور سمجھ نہیں آتی اظہار کیسے کروں آپ ہی بتائیں؟
ج: اظہار کے لیے کوئی جہنگ سا تحفہ بھیج دوں۔
س: بہاروں کی ملکہ آج کل وہ ہمارے خوابوں میں بہت آتے ہیں جو تو سمیت بولے کون؟
ج: محبت ہم سے اور خواب کسی اور کے، جوتے ہی پڑنے چاہیے تم کو تو بہت سارے۔
ارم کمال..... فیصل آباد
س: اس دفعہ کا دبیر کہاں رہ گیا ہے؟
ج: جون کے مہینے میں سب شد سے یاد کر رہے تھے نا تو وہیں رہ گیا۔
س: دل کی حالت الٹ پلٹ کب ہوتی ہے؟
ج: جب میاں جی کا پارہ پانی ہوتا ہے۔
س: دبیر بھگیا بھگیا سا کیوں ہوتا ہے؟
ج: تم بھیلی آنکھوں سے دیکھتی ہوں گی نا۔
س: وہ اس دفعہ تو دھڑائی دے کر بیٹھ گئے ہیں کہ.....؟
ج: تم آئندہ دیکھ سکتے جانا۔
س: ضرورت ایجاد کی ماں ہے تو باپ کون ہے؟
ج: ضرورت باپ، ایجاد ماں اور سائنس ان کا بچہ..... بس یا اور کچھ۔

س: وہ مجھے چار آنکھوں سے کیوں دیکھتے ہیں؟
ج: تم دوا آنکھوں سے نظر جو نہیں آتیں آنکھیں چار کرنے کے لیے۔
س: دل کے سمندر میں کب سیلاب آتا ہے؟
ج: کیوں تم نے کسی کو ڈرنا ہے؟
لیلی شاہ..... چک سادہ گجرات
س: پیاری آنی کیا میں نے سچ سنا میری جدائی میں آپ نے.....؟
ج: ہاں، دوسروں کو جگہ سے دی۔
س: آنی جو سیدی طرح خفیدی بندوں سے کیسے لیتی چاہیے؟
ج: تو تم ابھی تک عیدی پر ہی انگلی ہوئی ہو، یہاں نیا سال شروع ہو گیا..... جاگو جاگو.....
س: آنی میں آپ سے عیدی نہیں مانگوں گی بس ایک پیارا شعر جو میرے نام؟
ج: شیر حکومت بچاؤ میں مصروف ہے تم گیند سے کام چلاؤ۔
حلیسمہ چوہدری..... پجیانہ
س: آپ اپنی پہلی بار انٹری مارز کی ہوں کیسا لگا؟
ج: بہت زور سے ماری ہے، اف اللہ.....
س: ٹھانڈا لی جاگتی آنکھیں خواب کیوں دیکھتی ہیں؟
ج: خواب نہیں مراد دیکھتی ہیں۔
جاوید ضیافت عباسی..... مری
س: ارے باہر اتنی ٹھنڈ ہے ہیٹر تو لگا لیتا تھا ناں میری آمد سے پہلے؟
ج: یہ سردی کا نہیں آپ کی مصنوعی بٹنی کا کمال ہے جو آپ کے دانت نکال رہے ہیں۔
س: ہم اکثر سوچتے ہیں بھلا ہر سال دبیر میں اتنی سردی ہی کیوں ہوتی ہے گرمی کیوں نہیں ہوتی۔
ج: یہ جان کر خوشی ہوئی کہ تم سوچتی بھی ہو کچھ اچھا ہی سوچ لیتی۔
س: سچ بتائیے جناب سردیوں کی شاپنگ کے لیے آپ کون سے دالے لنڈے بازار کا رخ کرتی ہیں؟
ج: ہمارے ہاں سردیاں ریخ ہی نہیں کرتی البتہ تم ذرا سچ جتاؤ لنڈے بازار میں کیا کر رہی تھی۔



ہوسوڈاکٹر شام مرزا

آرزو نو ریں میاں چنوں سے لکھتی ہیں کہ میرے بال بہت گرتے ہیں سفید بھی ہو رہے ہیں روٹاٹے بھی ہیں اور ان کے سرے ایسے ہیں جیسے آگ لگ گئی ہو لہجے بھی نہیں ہوتے پلیز اس کا کوئی حل بتائیں۔ میرا دوسرا مسئلہ ماہانہ نظام کا ہے ریگولر ہیں مگر اس کی مدت کم ہوتی ہے پلیز اس کا کوئی حل بتادیں۔

محترمہ آپ PULSATILLA-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں اور 600 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام بتے پر ارسال فرمائیں۔ HAIR GROWER آپ کے گھر پہنچ جائے گا اس کے استعمال سے آپ کے بالوں کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔

مسز امتیاز آزاد کشمیر سے لکھتی ہیں کہ میری بیٹی جس کی عمر تیرہ سال ہے وہ جو بھی سبق یاد کرتی ہے بھول جاتی ہے۔ رنگت بھی سانسوئی ہے برائے مہربانی اس کا کوئی علاج بتادیں۔

محترمہ آپ بیٹی کو KALI PHOS-6X کی چار گولیاں تین وقت روزانہ کھلائیں اور JODUM-1000 am کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر ہر پندرہ دن میں ایک بار پلا دیا کریں چھ ماہ کا کورس مکمل کر لیں ان شاء اللہ آپ کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔

صوفیہ گلشن سرگودھا سے لکھتی ہیں کہ میری ٹھوڑی پر موٹے موٹے بال ہیں کیا میں ایفروڈائٹ استعمال کر سکتی ہوں اگر ہاں تو اس کا مسئلہ آنے کا طریقہ بتادیں میرا دوسرا مسئلہ ماہانہ نظام کا ہے کبھی دو ماہ کبھی چار ماہ کبھی سال پلیز اس کا کوئی علاج بتادیں۔

محترمہ آپ SENEIO-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں 900 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے

نام بتے پر ارسال کر دیں APHRODITE آپ کے گھر پہنچ جائے گا۔ اس پر لکھی ہوئی ترکیب استعمال کے مطابق استعمال کریں ٹھوڑی کے بال مستقل طور پر ختم ہو جائیں گے۔

ن ج سائیکس سے لکھتی ہیں کہ سر کے بال بہت خشک ہیں سفید بھی ہیں پلیز اس کا کوئی علاج بتادیں۔

محترمہ آپ مبلغ 600 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام بتے پر ارسال کر دیں میسر گروڈر آپ کے گھر پہنچ جائے گا۔

محمد علی لکھتے ہیں کہ میری عمر بیس سال ہے میرے سر کے بال بہت تیزی سے گر رہے ہیں برائے مہربانی اس کا کوئی علاج بتادیں۔

محترمہ آپ میرے کلینک سے میسر گروڈر منگوالیں اس کے استعمال سے آپ کا مسئلہ حل ہو جائے گا، ان شاء اللہ۔

مسز خالدہ امین ساہیوال سے لکھتی ہیں کہ میری چھوٹی بہن جس کی عمر بیس سال ہے اس کے بال چھوٹے اور کمزور ہیں اس کا علاج بتادیں اور میرا مسئلہ چہرے کے بالوں کا ہے کوئی ایسی کریم بتادیں جس سے میرا چہرہ صاف ستھرا ہو جائے۔

محترمہ آپ مبلغ 1500 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام بتے پر ارسال کر دیں ایفروڈائٹ اور میسر گروڈر آپ کے گھر پہنچ جائیں گے آپ دونوں کا مسئلہ ان شاء اللہ جلد حل ہو جائے گا۔

ثانیہ چوہدری احسان پور سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتادیں۔

محترمہ آپ NUX VOM-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں اور بہن کو MERC SOL-6 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ دیا کریں۔

عاصم خان کوہاٹ اور محمد نواز شاہ ڈیرہ غازی خان سے آچل کے پتے پر منی آرڈر کیا ہے اور اپنا پتہ مکمل نہیں لکھا صبح دس سے ایک بجے فون نمبر 021-36997059 پر رابطہ فرمائیں آپ حضرات سے گزارش ہے کہ اپنا پتہ صاف ستھرا اور مکمل لکھا کریں صبح فون نمبر، اور منی آرڈر ہمیشہ کلینک کے نام بتے پر کیا کریں آپ کو دربار وقت پہنچ

جائے گی۔

عاصمہ کھاریاں سے لکھتی ہیں کہ مجھے لقوہ ہے جو کہ دس سال پہلے بھی ہوا تھا حکیموں سے علاج کرایا تھا مگر مکمل آرام نہیں آیا اب پھر دوبارہ ہو گیا ہے اور میرا دوسرا مسئلہ انگلیوں پر الرجی ہے جو ٹھیک نہیں ہوتی برائے مہربانی اس کا علاج بتاویں میں بڑی امید سے آپ کو خط لکھ رہی ہوں۔

محترمہ آپ RANUNCULLUS-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں اور CAUSTIUM-CM کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر ہر آٹھ گھنٹوں دن پیا کریں۔

افشائے بھٹی پورے والا سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتائیں۔

محترمہ آپ SEPIA-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

انزواء امتیاز گوجرانوالہ سے لکھتی ہیں کہ میرے سر کے بال بہت تیزی سے گر رہے ہیں مجھے ٹائیفائیڈ ہوا تھا اسی وجہ سے مجھے کچھ بھی ہو گیا ہے میں نے آپ کے OIL ہیئر گرور کے بارے میں پڑھا تھا آپ میری رہنمائی کرویں میں کب تک اور کتنا ہیئر گرور استعمال کروں اور دوسرا مسئلہ میری بہن کا ہے اس کو بہت ریشہ ہے کیرا خوراک کی نالی میں پھنس جاتا ہے جس کی وجہ سے ابکائیاں بھی آتی ہیں برائے مہربانی اس کا کوئی علاج بتاویں۔

محترمہ آپ ہیئر گرور کا استعمال جاری رکھیں ان شاء اللہ آپ کے سر پر لمبے، گھنے اور مضبوط بال پیدا ہوں گے اور بہن کو NATRUM CARB-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پلائیے۔

مس نسیم احمد کوہاٹ سے لکھتی ہیں کہ مجھے ماہانہ نظام کی بے قاعدگی ہے پہلے جیسے نہیں ہوتے اس کے لیے میں بہت پریشان ہوں برائے مہربانی اس کا کوئی مناسب علاج بتا دیں۔

محترمہ آپ PULSATILLA-200 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر ہر آٹھ گھنٹوں دن ایک بار پیا کریں۔

عرفان عارف والا سے لکھتے ہیں کہ میری بیٹی کی عمر

سولہ سال ہے اس کا قد نہیں بڑھتا اس کا علاج بتا دیں۔

محترمہ آپ بیٹی کو CALCIUM PHOS-6X کی چار گولیاں تین وقت روزانہ کھلائیں اور BHARIUM-CARB-200 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر ہر آٹھ گھنٹوں دن ایک بار پلائیے تین ماہ کا کورس مکمل کر لیں اس کے بعد عمر کے ساتھ قد بڑھتا رہے گا۔

عثمان ظفر چغتائی ڈیرہ غازی خان سے لکھتے ہیں کہ میرے سر کے بال بہت تیزی سے گر رہے ہیں اور سفید بھی ہو گئے ہیں نہانے کے بعد سوکھے اور بے رونق ہو جاتے ہیں اور تنگھا کرنے سے میرے سر میں سے خون نکلنا شروع ہو جاتا ہے جیسے ہی تنگھا کرتا ہوں بال کنگھے میں بھر آتے ہیں اس کا کوئی علاج بتا دیں اور دوسرا مسئلہ میری اسکن کا ہے۔ اسکن بہت آٹلی ہے باریک باریک دانے نکلتے ہیں اور بلیک ہیڈز بھی ہیں اس کا علاج بتاویں آپ کی مہربانی ہوگی۔

محترمہ آپ SULPHUR-200 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر ہر آٹھ گھنٹوں دن صبح نہار منہ پی لیا کریں اور ہیئر گرور میرے کلیٹک سے منگوائیں اس کا استعمال جاری رکھیں۔

نمل وفا گوجرانوالہ سے لکھتی ہیں کہ ہیئر گرور منگوانے کا طریقہ کیا ہے اور اس کی قیمت کیا ہے بتاویں۔

محترمہ آپ 600 روپے کا منی آرڈر میرے کلیٹک کے نام پتے پر ارسال کرویں ہیئر گرور ایک ہفتے میں آپ کے گھر پہنچ جائے گا۔

سدرہ ملتان سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ سر کے بال ہیں جو کہ بہت چھوٹے اور کمزور ہیں اب بہت گرنے لگے ہیں۔ پلیز کوئی علاج بتاویں اور میرے چہرے پر بھی باریک باریک بال ہیں کیا میں ایفروڈائٹ استعمال کر سکتی ہوں کوئی نقصان تو نہیں ہوگا پلیز مجھے کوئی سفید مشورہ دیں۔

محترمہ آپ 1500 روپے کا منی آرڈر میرے کلیٹک کے نام پتے پر کرویں آپ کو ایفروڈائٹ اور ہیئر گرور گھر پہنچ جائے گا طریقہ استعمال لیبل پر لکھا ہوگا لکھی گئی ترکیب کے مطابق آپ آکل استعمال کریں ان شاء

اللہ فائدہ ہوگا۔

افشائے مغل سیالکوٹ سے لکھتی ہیں کہ میری اسکن بہت آٹلی ہے اور چہرے پر موٹے والے دانے نکلتے ہیں۔ چہرے پر بال بھی ہیں جبکہ سر کے بال بہت تیزی سے گر رہے ہیں مجھے کوئی ایسا دوا تجویز کریں جس سے میرے سارے مسئلے حل ہو جائیں بڑی مہربانی ہوگی۔

محترمہ آپ GRAPHITES-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔ ایفروڈائٹ اور ہیئر گرور کے لیے مبلغ 1500 روپے کا منی آرڈر میرے کلیٹک کے نام پتے پر ارسال کرویں دوا میں آپ کے گھر پہنچ جائے گی۔

ماروی سرگودھا سے لکھتی ہیں کہ میری دور کی نظر بہت کمزور ہے اور میرا دوسرا مسئلہ دانوں کا ہے میرے منہ پر باریک باریک دانے ہوتے ہیں اگر انہیں دباؤ تو بڑے ہو جاتے ہیں اور سرخ بھی ہوتے ہیں اور میرا تیسرا مسئلہ میرے سر کے بال بہت تیزی سے گر رہے ہیں اور چہرے پر بھی فالٹو بال ہیں برائے مہربانی مجھے ان سب مسئلوں کا حل بتاویں آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔

محترمہ آپ CENERARIA EYE DROPS روزانہ رات سوتے وقت آنکھوں میں ڈالا کریں اور دانوں کے لیے GRAPHITES-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ استعمال کریں اور ہیئر گرور ایفروڈائٹ منگوانے کے لیے مبلغ 1500 روپے کا منی آرڈر کرویں۔

کشف نور گجرات سے لکھتی ہیں کہ بڑی آس اور امید ہے آپ کو خط لکھ رہی ہوں میری عمر اٹھائیس سال ہے مجھے چھ ماہ سے خشک کھانسی ہے یہ بہت شدت اختیار کر جاتی ہے سانس لینا بھی مشکل ہو جاتا ہے کوئی اچھی دوا بتاویں دوسرا مسئلہ میرے والد صاحب کا ہے ان کی عمر باسٹ سال ہے ان کی نزدیک کی نظر بہت کمزور ہے ان کے لیے بھی کوئی دوا تجویز کرویں آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔

محترمہ آپ ARSENIC-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں والد صاحب کو CENERARIA EYE DROPS روزانہ رات سوتے وقت

آنکھوں میں ڈالا کریں۔

فاطمہ بتول ساہیوال سے لکھتی ہیں کہ اپنا اور بھائی کا مسئلہ لکھ رہی ہوں کوئی مناسب علاج بتائیں آپ کی مہربانی ہوگی۔

محترمہ آپ SABALSERRULETA(Q) کے دس قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔ بھائی کو ACID PHOS-3X کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔ مبلغ 550 کا منی آرڈر میرے کلیٹک کے نام پتے پر ارسال کرویں بریٹ بیوٹی آپ کو گھر پہنچ جائے گا ان شاء اللہ آپ کے مسئلے حل ہو جائیں گے۔

حافظ مقبول حسین گوجرانوالہ سے لکھتے ہیں کہ میرے دونوں بچوں کا الرجی کا مسئلہ ہے زکام بہت رہتا ہے ہر موسم میں زبان سفید رہتی ہے ہاضمہ خراب رہتا ہے اور میرا مسئلہ معدے کا ہے مجھے اسرکی شکایت ہے اور سر کے بال بہت گرتے ہیں اس کا علاج بتاویں۔

محترمہ آپ ANTUM CRUD-30 کے پانچ قطرے صبح شام دیں اور TEUCRIUM-3X کے پانچ قطرے دوپہر اور رات سوتے وقت دیں ان کی والدہ کو URINUMNIT-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ دیں اور بالوں کے لیے میرے کلیٹک سے ہیئر گرور منگوائیں ان شاء اللہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔

صفیہ عباس لیہ سے لکھتی ہیں کہ میرے بالوں کا مسئلہ ہے بال سفید ہو رہے ہیں ہیئر گرور استعمال کر رہی ہوں۔ آپ نے کسی کو بال سفید ہونے سے روکنے کے لیے JABOQRANDIO استعمال کرنے کا مشورہ دیا تھا کیا میں بھی یہ استعمال کر سکتی ہوں اس کے علاوہ میرے چہرے پر چھائیاں ہیں اور نبض کی شکایت رہتی ہے اور ناخن لمبائی کے رخ ٹوٹا ہوا ہے۔

محترمہ آپ JABORANDI-Q کے دس قطرے تین وقت روزانہ پیا کریں اور چھائیوں کے لیے BERBARIS کے دس قطرے آدھا کپ پانی میں

ذال کرتین وقت روزانہ پیا کریں تاخن کو سرجی کے ذریعہ ننگوادیں ناناخن کھج آجائے گا۔
فکیل خان بھکر سے لکھتے ہیں کہ میرا وزن بہت بڑھا ہوا ہے 130 کے جی ہے میں بہت پریشان ہوں کالی علاج کرایا مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا مہربانی فرما کر کوئی مفید مشورہ دیں۔

محترم آپ PHYTOLACCA BARY اور (Q) اور FUCUS VES (Q) کے دس دس قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں اور زیادہ سے زیادہ پیدل چلنے کی کوشش کریں مرغن غذاؤں سے پرہیز کریں کھانے کے بعد پانی نہ پیئیں ایک گھنٹے بعد پیئیں۔

لبنی کراچی سے لکھتی ہیں کہ ان لار جنٹ آف یورس کی شکایت ہے بہت زیادہ پریشانی ہے کئی جگہ علاج کرائے مگر فائدہ نہیں ہوا۔

محترم آپ SEPIA-200 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر ہر آٹھویں دن ایک بار پیا کریں۔ کنول ٹنڈ الہیار سے لکھتی ہیں کہ میرے پیٹ میں کیڑے ہیں اس کی اچھی سی دوا بتا دیں۔

محترم آپ NATRUM PHOS 6X کی چار چار گولیاں تین وقت روزانہ کھایا کریں۔

غزل حیدر آباد سے لکھتی ہیں کہ میری ایک دوست کے ساتھ دو سال پہلے زیادتی ہوئی جو کسی کو نہیں معلوم اب اس کی شادی کر رہی ہے وہ بہت پریشان ہے کوئی علاج بتائیں۔

محترم آپ صبح دس تا ایک بجے شام چھ تا نو بجے فون نمبر 021-36997059 پر رابطہ فرمائیں۔

بشیر احمد کراچی سے لکھتے ہیں مجھے شدید کھانسی رہتی ہے رات کو زیادہ ہوتی ہے لیٹنے سے بڑھ جاتی ہے۔ اٹھ کر بیٹھنا پڑتا ہے تو کم ہو جاتی ہے۔

محترم آپ ARSENIC-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں کھٹی اور ٹھنڈی چیزوں سے پرہیز کریں۔

سکندر بیگ سکھر سے لکھتے ہیں کہ مجھے عرق النساء کی شدید شکایت ہے بہت علاج کیے تکلیف کم نہیں ہوتی چلنے

پھر سے معذور ہو گیا ہوں آپ سے رہنمائی چاہتا ہوں کوئی مثالی علاج بتائیں۔

محترم آپ COLOCYNTH-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

ارشاد پور سے دالا سے لکھتے ہیں کہ مجھے بچپن سے بیماریاں لگی ہوئی ہیں غلط کاریوں کی وجہ سے، میری شادی ہونے والی ہے مگر میں خوش ہونے کے بجائے پریشان ہوں بڑی امید سے آپ کو خط لکھ رہا ہوں میری پریشانی کا بھی حل بتائیں آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔

محترم آپ STAPHISAGRIA-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

سدرہ جمال ملتان سے لکھتی ہیں کہ میں بری عادت میں مبتلا ہوں اس کے نقصانات ظاہر ہونے لگے ہیں یہ عادت چھوڑنا چاہتی ہوں مجھے بھی کوئی علاج بتائیں۔

محترم آپ ORIGARIUM-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

کلثوم فاطمہ لاہور سے لکھتی ہیں کہ میری تین بیٹیاں ہیں بیٹے کی خواہش مند ہوں کیا ہو میوہ پیتھی مین میرے لیے بھی کوئی دوا ہے پلیز مجھے ضرور بتائیں۔

محترم آپ CALCIUM PHOS (CM) کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر صبح کے پہلے ماہ رات سوتے وقت لیں اور دوسری خوراک دوسرے دن صبح نہار منہ ان شاء اللہ امید برائے گی۔

ملاقات اور منی آرڈر کرنے کا پتا۔

صبح دس تا ایک بجے شام چھ تا نو بجے فون نمبر 021-36997059 ہو میوہ ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا ٹیکنک دکان نمبر C-5 کے ڈی اے فلیٹس فیز 4 شادمان ٹاؤن نمبر 2،

نارتھ کراچی 75850

خط لکھنے کا پتا آپ کی صحت ماہنامہ آنجل پوسٹ بکس 75 کراچی۔



نگلی باتیں

حنّا احمد

موسم سرما اور احتیاطی تدابیر
موسم سرما کا آغاز نومبر میں ہوتا ہے اور فردی تک چلتا ہے ان مہینوں میں عموماً شدت کی سردی پڑتی ہے اگر سردی سے بچاؤ کا اہتمام نہ کیا جائے تو سردی مضر ثابت ہو سکتی ہے۔ بیمار حضرات کو اس موسم میں علاج کرانا چاہیے کیونکہ اس موسم میں جلد صحت یابی کی توقع ہوتی ہے۔

غسل

موسم گرما میں دن میں کئی بار نہایا جاتا ہے لیکن سردی کے باعث لوگ غسل کے سلسلے میں ذرا محتاط رہتے ہیں۔ وہ لوگ جن کی صحت موسمی سختیاں برداشت نہیں کر سکتی وہ ہفتوں بلکہ مہینوں نہیں نہاتے۔ سردی کی شدت اور نمونیا ہونے کا ڈر بجا مگر زیادہ دن تک نہ نہانا بھی مضر صحت ہے۔ مناسب طریقہ تو یہ ہے کہ دن میں ایک غسل آفتابی کریں اگر وقت نہ ہو یا کوئی امر مانع ہو تو پھر دن میں ایک بار نیم گرم پانی سے غسل کر لیا جائے۔ غسل ایسی جگہ کریں جہاں ٹھنڈی ہوا کے جھونکے نہ آتے ہوں اگر جسمانی کمزوری ہو یا پھر عمر کے سبب جسم میں طاقت نہ ہو تو ہفتے میں کم از کم ایک بار ضرور نہایا جائے۔ غسل سے دوران خون تیز ہو جاتا ہے اور جسم میں فرحت اور جستی پیدا ہو کر صلاحیت کار بڑھ جاتی ہے اگر غسل نہ کیا جائے تو جسم کے اندر گرم غذاؤں کی تاثیر اور مسامات کے بند رہنے سے نہ صرف جلدی عوارض سر اٹھائیں گے بلکہ جسم کی طبعی نشوونما بھی متاثر ہوگی۔

لباس

موسم سرما کے آغاز کے ساتھ ہی بتدریج گرم کپڑوں کا استعمال شروع کر دیں۔ چھوٹے اور شیر خوار بچے چونکہ جسمانی اور طبی طور پر سبک اور نازک ہوتے ہیں اس لیے

سرد ہوا کا ایک جھونکا بھی انہیں شدید عارضے میں مبتلا کر سکتا ہے۔ اس موسم میں ہوا سرد اور تیز ہوتی ہے اس لیے ہر شخص اپنی صحت و حالات کے مطابق گرم کپڑوں کا استعمال کرے۔ گردن سینے اور پاؤں کو سردی سے بچانے کے لیے خصوصی اہتمام کریں۔ علی الصباح بے دار ہو کر نماز فجر کے بعد ڈھیلے ڈھالے کپڑوں میں ہلکی پھلکی ورزش کو معمول بنائیں۔

غذا

گرمیوں میں بھوک کم لگتی ہے اس لیے جسم سے فضلات بذریعہ پسینہ آسانی سے خارج ہوتے ہیں اور اس طرح جسمانی حرارت معتدل اور توانائی برقرار رہتی ہے مگر موسم سرما کے سرد اور تر ہو جانے سے جسم کے مسامات بند ہو جاتے ہیں جس سے پسینہ نہیں آتا۔ اس طرح حرارت و توانائی کا نظام ٹھیک نہیں رہتا۔ یہی وجہ ہے کہ جسم کی حرارت کو برقرار رکھنے کے لیے زیادہ مقوی غذا کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے کھانے پینے کے شوقین حضرات وابل ذوق کو مرغن گرم اشیاء اعتدال کے ساتھ استعمال کرنی چاہئیں۔ خشک میوے بادام چلغوزہ مونگ پھلی کشمش وغیرہ کا استعمال جسم کو حرارت مہیا کرتا ہے چونکہ اس موسم میں اشتہا بڑھ جاتی ہے اس لیے کھل اشیاء بھی جلد ہضم ہو جاتی ہیں۔ یہ موسم خوش خوراک و خوش لباسی کے لحاظ سے بہت مناسب ہوتا ہے اس لیے جہاں تک ممکن ہو بہتر سے بہتر اور ہر قسم کی غذا استعمال کر سکتے ہیں تاکہ نشوونما کا یہ موسم امراض کا ذریعہ نہ بن جائے۔ ناشتے میں حسب استطاعت دودھ انڈا ڈلیہ ڈیل روٹی مفید و مناسب ہیں۔ دوپہر شام کھانے میں گوشت مچھلی سبزیاں پھل وغیرہ استعمال کریں۔ گرم سالے بھی اعتدال کے ساتھ استعمال کر سکتے ہیں اگر ممکن اور مناسب ہو تو دوپہر کو پھل زیادہ اور کھانا کم کھائیں جب کہ رات کو بھوک کے مطابق کھائیں۔ گاجر جسے اطباء نے ستا سب قرار دیا ہے اس موسم کی اچھی غذا ہے۔ گاجر کے درجہ حرارت کو قائم رکھنے کے لیے مقوی

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ ٹھکانہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو ایبل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✧ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریٹ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ پیری کوالٹی، ہارل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریٹ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شریک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

✧ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

✧ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں www.paksociety.com

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

نزله، زکام سے بچاؤ
سوجی ہوئی آنکھیں، لال ناک، سوسوں کی آوازیں
اور ہاتھ میں رومال، زکام کے شکار فرد کی پہچان کوئی مشکل
نہیں۔ جدید تحقیق کے مطابق نزله زکام کے تقریباً ۲۰۰
سے زائد وائرس موجود ہیں جن کا نشانہ ہم اکثر و بیشتر بننے
رہتے ہیں جبکہ بچوں میں زکام کا شکار بننے کا خطرہ زیادہ
ہوتا ہے وہ سال میں چھ سے دس مرتبہ زکام کا نشانہ بننے
ہیں۔

اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ جب آپ نزلے کے
وائرس کا شکار ہو جائیں تو ڈاکٹر کے بجائے گھریلو نسخوں
اور ٹونکوں پر عمل کریں۔
دنیا بھر کے لوگ نزله اور زکام کا علاج اپنے اپنے
طریقے سے کرتے ہیں اور اس بارے میں لوگوں کی
مختلف رائے ہے اس حوالے سے مختلف طریقہ علاج
راج ہے جن میں سے کچھ ذیل میں درج کیے جا رہے
ہیں۔

عام گھریلو ٹونک
دودھ میں ہلدی، ٹھوڑا سا ذرک کارس اور چٹکی بھر پیس
کالی مرچ ملا کر پی لیں، سینے پر بام لگا کر سو جائیں۔
ایک کپ گرم پانی میں دو سے تین کھانے کے چمچے
سیب کا سرکہ اور حسب ضرورت شہد ملا کر پی لیں۔
جدید سائنس مرغی کے شوربے کی افادیت کو تسلیم کرتی
ہے جبکہ دیگر نسخوں کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ
صرف نفسیاتی طور پر بہتری کا احساس پیدا کرتے ہیں۔

عنبر فاطمہ..... کراچی



غذاؤں کا استعمال ضروری ہے بشرطیکہ مناسب ورزش کا
سلسلہ بھی جاری رہے تاکہ عضلات، بنیں اور جربانی نہ
بڑھے۔

احتیاطی تدابیر
صبح اور شام سردی میں بلا ضرورت باہر نہ نکلیں، رات
چونکہ بہت سرد اور طویل ہوتی ہے اس لیے کھلے میں یا
بالکل بند کمرے میں نہ سوئیں بلکہ کھڑکی اور روشن دان
ہمیشہ کھلا ہونا چاہیے اپنے پیروں کو ہمیشہ گرم رکھیں کیونکہ
پاؤں کی طبعی حالت جسم انسانی پر بہت اثر انداز ہوتی ہے
اگر آپ جسمانی طور پر کمزور ہیں اور موٹی شدت کا مقابلہ
نہیں کر سکتے تو دھوپ میں بیٹھ کر ٹکوں کے تیل کی مالش
کریں۔ اگر صحت مند ہیں تو نماز فجر کے بعد ضروریات
سے فارغ ہو کر سیر ضرور کریں اگر یہ نہیں کر سکتے تو صحت
کے مطابق کھلی جگہ میں ہلکی ورزش کریں تاکہ جسم میں
حرارت پیدا ہو۔ موسم سرما میں چہرے کی جلد زیادہ متاثر
ہوتی ہے خصوصاً جن دنوں برفانی سردی پڑتی ہے دیگر
اعضاء تو کپڑوں، جوتوں اور جرابوں میں لپیٹے ہوتے ہیں
لیکن چہرہ کھلا ہوتا ہے۔ اس طرح چہرے کی جلد خشک
ہو کر پھٹ جاتی ہے اس کے لیے چہرے پر گلیسرین اور
لیموں کا رس مفید ہے اگر اس سے چہرے پر داغ
پڑ جائیں تو چہرہ نیم گرم پانی سے صابن کے ساتھ دھوئیں
بعض لوگوں کی جلد پر خارش ہوتی ہے ایسی صورت میں
گلیسرین اور عرق گلاب ملا کر استعمال کرنا مفید ہوتا ہے۔

نزله، زکام اور کھانسی
نزله، زکام اور کھانسی موسم سرما کے خاص امراض
ہیں ان کے لیے ذیل کا نسخہ مفید ہے۔
گل بنفشہ پانچ گرام، گل گاؤ زبان پانچ گرام، ختم طحی
پانچ گرام، عناب پانچ دانے، سپستانا نو دانے، اصل السوس
نیم کوفتہ پانچ گرام تمام چیزیں پانی میں جوش دے کر
چھان کر ضرورت کے مطابق چینی ملا کر صبح و شام پی لیں۔
موسم سرما احتیاط کا تقاضا کرتا ہے احتیاط کے ساتھ
جاڑہ گزارئے اور صحت بہتر بنائیے۔

آنجل ✧ جنوری ✧ ۲۰۱۵ء - 322

